فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات و تخریجات فرائض و مسائل غیر مہمہ

جلد ۵

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ——— احسن الفتاوی

جلد ——— پنجم

زیر اہتمام ——— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ——— ۵۶۸ صفحات

کتابت ——— سید زاہد حسین کاظمی

تعداد ——— ایک ہزار

پریس ——— ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ——— سنہ ۱۴۰۰ھ

طبع یازدہم ——— ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد پنجم (۵)

کتاب النکاح

نکاح بالعوض کی تحقیق:

سوال: الف اور ب نے عوض میں شادی کی ہے، الف نے اپنی لڑکی ب کے لڑکے کو دی ہے، اور ب نے اپنی لڑکی الف کے لڑکے کو دی ہے، نتیجہ اس منزل پر پہنچا ہے کہ ب کی لڑکی الف کے لڑکے کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتی، جس کی وجہ سے الف کا لڑکا ب کی لڑکی سے بالکل بیزار ہے، مگر ب کی طرف کے لوگ بہت شریر ہیں، اس لئے ب کے طرفداروں کا یہ ارادہ ہے کہ الف کے طرفدار تکلیف اٹھاتے رہیں مگر کچھ فیصلہ نہ ہو، ب کے طرفدار کئی دفعہ الف کے طرفداروں سے مصالحت کرکے پھر فساد کرتے رہے ہیں، اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ الف کا لڑکا ب کی لڑکی کو طلاق دینا چاہتا ہے، مگر ب کا لڑکا الف کی لڑکی کو طلاق دینا نہیں چاہتا حالانکہ شرع سے یہ رشتے عوض کی رسم موجب ہوئے ہیں، اس حالت میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ کیونکہ اس وقت طرفین میں اتفاق کی کوئی امید نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شریعت مطہرہ میں عوض کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اگر ایک جانب بدمعاملگی کی وجہ سے طلاق دینا چاہتی ہے تو دوسری جانب کو طلاق وغیرہ پر مجبور کرنا سخت گناہ اور ظلم عظیم ہے، کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ اتفاق اور محبت سے زندگی بسر کرنے والے زوجین میں تفریق کرے، بلکہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر عوض کی رسم ہی ناجائز ہے:۔

① عوض کی رسم کے مطابق معاملہ کرنے والوں کے معاملات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے بیع سمجھتے ہیں اور بیع حُر حرام ہے، ان کے معاملات کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) اگر کسی کو اپنی لڑکی کے عوض میں لڑکی کی ضرورت نہ ہو یا حسب منشأ عوض نہ مل رہا ہو تو یہ شخص اپنی لڑکی کے عوض میں بصورت نقد رقم تیز وصول کرتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوا کہ

عوض کی رسم بیع ہے

(۲) عوض کا لفظ بھی دال علی البیع ہے لان البیع مبادلۃ المال بالمال، چنانچہ عوض کو لفظ بدلہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) اگر کسی کی لڑکی بالفرض زیادہ حسین ہے اور دوسری جانب کی لڑکی نا بالغ ہے یا حسن میں کم ہے تو یہ شخص اپنی ایک لڑکی کے عوض میں دوسری جانب سے دو لڑکیوں کا مطالبہ کرتا ہے، یا ایک لڑکی کے ساتھ کچھ نقد رقم بھی لیتا ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص بلا عوض کسی کو اپنی لڑکی دے دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے خدا کے واسطے فی سبیل اللہ اپنی لڑکی دی ہے، یہ صریح دلیل ہے کہ لڑکی کو مال مملوک سمجھا جاتا ہے کہ بطور صدقہ مال فی سبیل اللہ دے کر تا دم زیست اپنا احسان جتاتا رہتا ہے۔

(۵) زوجین کی عدم موافقت کی صورت میں جانبین مل کر اقالہ کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ عوض کی مروجہ رسم بیع الحر ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اگرچہ اس صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

(۲) صوبۂ سندھ کی دینی و دنیوی اور معاشرتی تباہی اور سیاست البلدان، تدبیر المنزل، تہذیب الاخلاق، زراعت اور تناسل کی بربادی کا سہرا صرف عوض کی منحوس رسم کے سر پر ہے، مختصراً اس کے قبائح تحریر کئے جاتے ہیں:۔

① رسم عوض میں ایک جانب میں نا اتفاقی کی وجہ سے دونوں جانب میں مخالفت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری جانب اتفاق و محبت سے بسنے والے زوجین بھی ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے مایوس ہو کر دین و دنیا برباد کر بیٹھتے ہیں، زنا، انقطاع نسل اور منع عقد و شادی سے حرمان اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

② عوض کے لالچ میں ہر شخص اپنا مقصد حاصل ہوتا ہوا دیکھ کر اپنی لڑکی کا کوئی خیال نہیں کرتا کوئی کیسا ہی نالائق ہو، بے دین، بدکردار، جوا باز، شرابی، چور، ڈاکو، بدمعاش، دیوث اور بے غیرت، نامرد، بوڑھا، بچہ، مفلس و نادار کچھ بھی ہو مگر لڑکی دینے والے کو اس کی منشا کے مطابق اپنی لڑکی کے عوض میں رشتہ مل رہا ہو تو اسے اپنی لڑکی کی کوئی پرواہ نہیں، زوجین کی عمر کا عدم تناسب، چوری وغیرہ جرائم کی وجہ سے جیل کی سزا، نامردی، زوجین میں عدم موافقت کی وجہ سے مفارقت، دائمی یا دائمی وغیرہ عوارض، انقطاع نسل اور زنا وغیرہ دین و دنیا کی بربادی کے

اسباب ہیں اور گھر میں روز کے جھگڑے اور فسادات عدم ملاءمت کی وجہ سے بنے رہتے ہیں، شریعت نے زوجین کی عمروں میں تناسب کا بہت اہتمام سے لحاظ رکھا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی درخواست کے باوجود ان سے نہ کیا اس لئے کہ عمروں میں کوئی تناسب نہ تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تناسب عمر کی وجہ سے رشتہ کیا، حالانکہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما زیادہ افضل اور زیادہ مقرب تھے، مگر سندھ میں اپنا مقصد پورا ہوتا دیکھ کر تناسب عمر سے آنکھیں بند کرکے اپنی لڑکی کو زندہ درگور کردیتے ہیں، ایسے ہی اسباب ہیں کہ سندھ میں توالد و تناسل کی قلت کے باعث اہل سندھ اپنے صوبہ کو بھی آباد نہ کرسکے، بلوچ اور پنجابی وغیرہ دیگر اقوام نے آکر سندھ کو آباد کیا، سندھی افراد غیر اقوام میں آٹے میں نمک کی نسبت رکھتے ہیں، غیر ممالک نے افزائش نسل میں اس قدر ترقی کی ہے کہ انھیں اپنے ممالک میں جگہ نہیں ملتی، اس لئے ضبط تولید کے منصوبے سوچ رہے ہیں، مگر سندھ میں اس قدر قحط الرجال ہے کہ اپنے معمولی اور چھوٹے سے صوبہ کو بھی آباد نہیں کرسکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ شوال سنہ ۸۱ھ

وکیل بنکاح اپنے نفس سے نکاح نہیں کرسکتا:

سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح کے لئے کسی کو وکیل بنایا، وکیل نے اس لڑکی کا نکاح اپنے نفس کے ساتھ کرلیا اب لڑکی کا باپ اس میں رضامند نہیں، کیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا کیونکہ وکیل بالنکاح اپنے نفس اور اپنے اصول و فروع کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا، قال فی العلائیة کما الوکیل الذی وکلته ان یزوجها من نفسه فان له ذلک فیکون اصیلا من جانب وکیلا من آخر بخلاف ما لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لانها نصبته مزوجا لا متزوجا، وفی الشامیة (قوله فزوجها من نفسه) وکذا لو زوجها من ابیه او ابنه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی کما قدمناه عن البحر لان الوکیل لا یعقد مع من لا تقبل شهادته له للتهمة (رد المحتار ص ۳۰۶ ج ۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ذیقعدہ سنہ ۸۱ھ

مسلمان کی بیوی پر کافر نے قبضہ کر لیا اس سے چھڑا کر دوسرے مسلمان نے نکاح کر لیا:

سوال: ایک شخص اپنی عورت کو ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان چلا آیا، عورت ہندو کے قبضہ میں آگئی اور ایک دوسرا مسلمان ہندو کو کچھ نقد دے کر چھڑا لیتا ہے اور اس عورت سے نکاح کر لیتا ہے، اور اس سے دو بچے پیدا ہو جاتے ہیں، عرصہ چار سال کے بعد یہ عورت اور مرد پاکستان آتے ہیں، اور اس عورت کا پہلا خاوند پاکستان میں اپنی عورت کو پہچان لیتا ہے اب اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس عورت کا نکاح پہلے شوہر کے ساتھ قائم ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ دوسرے خاوند سے علیحدہ کر کے پہلے کے قبضہ میں دلوائی جائے، اگر دوسرے شوہر کو اس کے پہلے نکاح کا علم تھا تو دوسرے شوہر سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ بھی بحکم شریعت پہلے ہی کے کہلائیں گے، لان الولد للفراش وللعاهر الحجر فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذوالقعدہ سنہ ھ

لڑکی فلاں کو دیدی کہنے سے انعقاد نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دیدی، اس نے قبول کیا، تو نکاح ہو گیا یا نہیں؟ ہمارے اطراف میں عموماً پہلے اس قسم کے الفاظ بلا ذکر مہر وغیرہ کے کہے جاتے ہیں، اور بعد میں مستقلاً نکاح رسوم مروجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے، سو نکاح پہلے الفاظ سے منعقد ہو گیا یا دوسرے عقد سے؟ اگر پہلے سے نکاح نہیں ہوتا تو اس عورت کا نکاح کہیں دوسری جگہ کر دینا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

سوال میں مذکورہ الفاظ ہبہ کے ہیں، اور ہبہ سے نکاح تب منعقد ہوتا ہے کہ متکلم نکاح کی نیت کا اقرار کرے یا نسبت نکاح کا قرینہ موجود ہو، مثلاً ذکر مہر ووجود شہود وتقدم خطبہ وغیرہ، بدون قرینہ کے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، قال فی شرح التنویر وانما یصح بلفظ تزویج ونکاح لانهما صریح وما عداهما كناية وكل لفظ وضع لتمليك عين كاملة (الی قوله) كهبة وتمليك وصدقة (الی قوله) وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية او قرينة وفهم الشهود المقصود، وفی الشامية (قوله كهبة) ای اذا

كان على وجه النكاح (الى قوله) فان قامت القرينة على عدمه لا ينعقد فلو طلب من امرأة الزنا فقالت وهبت نفسي منك فقال الرجل قبلت لا يكون نكاحا كقول ابي البنت وهبتها لك لتخدمك فقال قبلت الا اذا اراد به النكاح كذا في الجوهرة (المختار ص ۲۶۹ ج ۲)

(قوله بشرط نية او قرينة الخ) هذا ما حققه في الفتح ردا على ما يفهم من الزيلعي (الى قوله) هذا ما في الفتح وملخصه انه لا بد في كنايات الطلاق من النية او قرينة او تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد واعلامهم به (رد المحتار ص ۲۶۲ ج ۲)

اگر لفظ نکاح بھی ایسے طریق پر کہا کہ محض وعدہ کا محتمل بھی ہو اور محض وعدہ پر قرینہ بھی موجود ہوں تو بھی نکاح منعقد نہ ہوگا، کما فی شرح التنویر (الثانی) المضارع المبدوء بهمزة او نون او تاء کتزوجینی نفسک اذا لم ینو الاستقبال وکذا انا متزوجک او جئتک خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح او هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اھ (الی قوله) به علم ان المبدوء بالهمزة ای الذی یصح فیه الاستعمال لا یصح فیه الوعد بالتزوج فی المستقبل عند قیام القرینة علی قصد التحقیق والرضا کما قلناه آنفا فافهم (رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳)

بیان مذکور سے ثابت ہوا کہ صورت سوال میں قرائن نکاح (ذکر مہر وغیرہ) نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہ ہوگا صرف وعدۂ نکاح ہے، اور بلاوجہ وعدہ خلافی کرنا علامت نفاق ہے، خصوصاً اگر شروع ہی سے وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو بہت سخت گناہ اور حرام ہے، حدیث میں ہے آیة المنافق ثلاث اذا وعد اخلف الخ (مشکوٰۃ) وقیل الخلف فی الوعد بغیر مانع حرام وهو المراد هنا ولکن الوفاء بالوعد مامور به فی الشرائع السابقة ایضا (اشعة اللمعات باب الوعد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الاولی سنہ ۸۳ھ

غیر برادری میں نکاح نہ کرنے کی پابندی:

سوال: ہماری برادری میں یہ قاعدہ ہے کہ شادی بیاہ اپنی ہی برادری میں کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری برادری علماء دیوبند کے عقائد رکھتی ہے اور تمام رسوم مروجہ در شادی وغمی و بدعات سے مجتنب ہیں، شرعی صورت ولباس کو پسند کرتے ہیں، دوسری جگہ شادی بیاہ کرنے میں خلط ملط ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، پھر شادی کرنے کے بعد رسوم کی

پابند ہیں گھر کے قواعد غیر ہونے میں اس لئے بڑی دشواری ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً ناجائز تو
نہیں ہے؟ پھر اگر کوئی دوسری برادری میں شادی کر لیتا ہے تو اس کو ہم دوسری برادری ہی شمار
کرتے ہیں، اپنی برادری سے خارج کر دیتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو جو چیز ہم قائم رکھنا چاہتے
ہیں وہ باقی نہیں رہتی، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر دوسری برادری میں شادی نہ کرنے کی وجوہ وہی ہوں جو سوال میں مذکور ہیں تو
ان کی بنا پر غیر برادری میں شادی نہ کرنے کی پابندی جائز بلکہ ضروری ہے، کیونکہ بدعات اور
ناجائز رسوم کا پابند فاسق ہے، اور فاسق شخص نیک آدمی کا کفو نہیں، اور شریعت نے نکاح
و شادی میں کفو کی پابندی کو مستحسن قرار دیا ہے، بدعات اور رسوم قبیحہ سے اجتناب فرض ہے
اور مبتدعین و فساق سے تعلقات قائم کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر یہ گمان ہو کہ قومیت کے اختلاف
کی وجہ سے امور خانہ داری کا اختلاف زوجین کی نااتفاقی اور آپس میں تنازع کا باعث ہوگا تو بھی
قومیت کی پابندی جائز ہے، البتہ اگر غیر قوم میں شادی نہ کرنے کا باعث صرف فخر اور تکبر ہو
تو یہ پابندی جائز نہ ہوگی، پس اس کا معیار یہ ہوگا کہ غیر قوم کا اگر کوئی مرد شریعت کا پورا پابند
اور بدعات سے مجتنب ہو اور اس کے گھر کے قواعد وغیرہ بھی آپ کی قوم سے زیادہ مختلف نہ ہوں
تو ان حالات میں ایسے شخص سے آپ رشتہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسے شخص سے بھی رشتہ کرنے
کے لئے تیار نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد تدین نہیں بلکہ تکبر و نخوت اس کا باعث ہے، غرضیکہ
ہر معاملہ میں شرعی حیثیت کو مد نظر رکھنا لازم ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱؍ ذیقعدہ سنہ ۸۲ھ

معتدۃ غیر سے نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دوسرے کی معتدہ عورت سے دیدہ و دانستہ باوجود علم کے نکاح
کر لیا، تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، دوسرے خاوند نے اگر جماع کیا ہے تو اس پر مہر مثل اور مہر مقرر میں
سے اقل واجب ہے، اور عورت پر متارکت کے بعد دوسرے خاوند کی عدت بھی ہوگی،
مگر دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا، عدت اول گزرنے کے بعد اگر عورت اسی خاوند سے نکاح

کیا جائے جس سے نکاح فاسد ہوا ہے تو عدت تاریخ تفریق سے پہلے بھی ہو سکتی ہے، البتہ اگر کسی
دوسرے مرد سے نکاح کرے گی تو دونوں عدتوں کا گذرنا لازم ہے، قال فی التنویر ویجب مھر
المثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لا بغیرہ ولم یزد علی المسمی، وفی الشرح ولو کان
دون المسمی لزم مھر المثل (الی قولہ) وتجب العدۃ بعد الوطء لا الخلوۃ، وفی الشامیۃ
ومثلہ تزوج الاختین ونکاح الاخت ونکاح المعتدۃ (الی ان قال) ومقتضاہ الفرق بین
الفاسد والباطل فی النکاح (الی ان قال) اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول
فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر (الی ان قال) والحاصل انہ لا فرق بینھما
فی غیر العدۃ اما فیھا فالفرق ثابت وعلی ھذا فیقید قول البحر ھنا ونکاح المعتدۃ
بما اذا لم یعلم بانھا معتدۃ الخ (رد المحتار ص ۳۴۴ ج ۲) وفیھا ایضا اما نکاح منکوحۃ
الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ (الی ان قال) وتقدم فی باب المھر
ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ وثبوت النسب ومثل لہ فی البحر
ھناک بالتزوج بلا شھود وتزوج الاختین معا والاخت فی عدۃ الاخت ونکاح
المعتدۃ (رد المحتار ص ۸۳۵ ج ۲)

قلت لما اختلفت آراؤھم فی وجوب العدۃ وعدمہ فالاحتیاط فی قول
الوجوب وان اشار فی الشامیۃ الی ترجیح عدم الوجوب بقولہ وعلی ھذا فیقید
قول البحر الخ، وفی الشامیۃ تحت قولہ وکمن المطلق، وفی الدر وان المرأۃ
اذا وجب علیھا عدتان فاما ان یکون من رجلین او من واحد ففی الثانی لا شک
ان العدتین تداخلتا وفی الاول ان کانتا من جنسین کالمتوفی عنھا زوجھا اذا
وطئت بشبھۃ او من جنس واحد کالمطلقۃ اذا تزوجت فی عدتھا فوطئھا الثانی
وفرق بینھما تداخلتا عندنا (رد المحتار ص ۸۳۸ ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم

۶ رمضان المبارک سنہ ۷۴ھ

تصادق زوجین سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کے پاس یہ فیصلہ ہوا کہ ایک عورت کو ایک شخص نے
طلاق دی، عدت گزرنے پر اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا، اب پہلا شوہر
طلاق کا انکار کرتا ہے، مولوی صاحب نے طلاق پر شہادت لے کر طلاق ثابت کر دی، پھر

دوسرے شوہر سے نکاح کے گواہ طلب کئے، اس نے کہا مجھے مہلت دیجئے کہ اپنے نکاح کے گواہ اپنی بستی سے لے آؤں، مگر مولوی صاحب نے اسے مہلت نہ دی، اور اسی مجلس میں گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح غیر ثابت قرار دیدیا، حالانکہ عورت خود کہہ رہی ہے کہ میرا نکاح دوسرے شوہر سے ہوا ہے، مولوی صاحب کے فیصلہ کے بعد عورت چیخنے چلانے لگی کہ مجھے شوہر سے جدا کر کے ظلم کیوں کرتے ہو، مولوی صاحب کا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

مولوی صاحب کا یہ فیصلہ درست نہیں، اس لئے کہ تصادق زوجین سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے، لہٰذا اس پر شاہد طلب کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں، قال فی الشامیة (قوله ولا بالاقرار) لا ینافیه ما صرحوا به من ان النکاح یثبت بالتصادق لان المراد هنا ان الاقرار لا یکون من صیغ العقد والمراد من قولهم انه یثبت بالتصادق ان القاضی یثبته به ای بالتصادق ویحکم به (رد المحتار ص ۲۶۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذیقعدہ سنہ ۷۲ھ

جو عورت طلاق اور عدت گذرنے کا اقرار کرے اس سے نکاح جائز ہے:

سوال: منکوحہ عورت کسی شخص کے پاس اقرار کرتی ہے کہ اس کے زوج نے اسے طلاق دیدی ہے، اور عدت بھی گذر گئی ہے، طلاق پر گواہ کوئی نہیں، تو یہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اس عورت کے صدق پر قلب مطمئن ہو تو اس سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ زوج اول کوئی اعتراض یعنی طلاق سے انکار نہ کرے، قال فی الشامیة تحت (قوله ان غلب علی ظنه صدقها) وکذا لو قالت منکوحة رجل لآخر طلقنی زوجی وانقضت عدتی جاز تصدیقها اذا وقع فی قلبه عدلة کانت ام لا الخ (رد المحتار باب الرجعة ج ۲) وکذا فی باب العدة مطلب فی النعی الیها زوجها، وفی الحظر والاباحة ایضاً، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ذیقعدہ سنہ ۷۲ھ

جو عورت وفات زوج اور عدت گذرنے کا اقرار کرے اس سے نکاح جائز ہے:

سوال: ایک عورت کہتی ہے کہ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے، اور عدت بھی گذر گئی ہے،

تو کیا اس کے قول پر اعتبار کرکے اس سے نکاح کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اس کے صدق پر قلب مطمئن ہو تو اس پر اعتماد کرکے نکاح کرلینا جائز ہے، قال فی شرح التنویر اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه کتاب علی ید ثقة بالطلاق ان اکبر رأیها انه حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج وکذا لو قالت امرأة لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا بأس ان ینکحها، وفی الشامیة (قوله لا بأس ان ینکحها) فی الخانیة قالت ارتد بعد النکاح معه ان یعتمد خبرها ویتزوجها ولو ادعت بالحرمة بامر عارض بعد النکاح من رضاع طار ونحو ذلک فان کانت ثقة او لم تکن ووقع فی قلبه صدقها فلا بأس بان یتزوجها الا لو قالت کان نکاحی فاسدا او کان زوجی علی غیر الاسلام لانها اخبرت بامر مستنکر اھ ای لان الاصل صحة النکاح ما تقدم (رد المحتار باب العدة مطلب فی المنعی الیها زوجها) وایضا فیها فی باب الرجعة (قوله لان بعض قبلها) لانه اما من المعاملات لکون البضع متقوما عند الدخول او الدیانات لتعلق الحل به (قوله اولا) مقبول فیهما (رد المحتار ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ

نکاح فاسد میں متارکت کی تفصیل:

سوال: نکاح بالمحارم یا نکاح فاسد میں متارکت فعلیہ کافی ہے یا متارکت قولیہ ضروری ہے؟ نیز متارکت زوجہ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے یا کہ زوج کی طرف سے لازمی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

بعد الدخول بالاتفاق متارکت قولیہ ضروری ہے، اور قبل الدخول میں اختلاف ہے، بعض نے متارکت فعلیہ مع عزم عدم العود کو کافی کہا ہے، عزم عدم العود کے سوا متارکت فعلیہ کا کوئی اعتبار نہیں، اور بعض نے بہر صورت متارکت قولیہ کو لازم کہا ہے، عبارات فقہ سے قول اول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر احتیاط قول ثانی میں ہے، زوجہ کی طرف سے فسخ نکاح فاسد تو بالاتفاق صحیح ہے، البتہ متارکت میں اختلاف ہے، شامیہ نے اسے ترجیح دی ہے کہ متارکت اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، دونوں زوجہ کی طرف سے صحیح ہیں، ھذا تلخیص ما ھو منشرح

فی شرح التنویر وحاشیته لابن عابدین رحمه الله تعالیٰ فی المحرمات ص ۴۸۴ وبحوالنکاح الفاسد ص ۳۸۳ و ۳۸۲ والعدة ص ۸۴۱ و ۸۴۲ جلد ۲ جزو میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ اگر حرمت اصلیہ ہے یعنی قبل العقد حرمت موجود ہے تو متارکت من جانب الزوجہ بھی صحیح ہے، اور اگر حرمت طاریہ بعد العقد ہے مثلاً ماں سے زنا کیا تو متارکت من الزوجہ صحیح نہیں، مگر شامیہ کی عبارات اس تطبیق سے اباء کرتی ہیں فلیتأمل۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ

شیعہ ہوجانے سے نکاح ٹوٹ گیا:

(من مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم)

سوال: ماقولکم یا علماء شریعۃ خیر الوریٰ فی خان بی بی بنت رضا محمد المقیمۃ بمدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فانہا اخبرت بان زوجہا علی بخش ابن پیر بخش الحنفی الموطن بخیر پور قد تشیع بعد ماکان من اہل السنۃ فما حقیقۃ ھذا الخبر اصادق ام کاذب؟ وان کان صادقا فہل یجوز لخان بی بی ان تنکح بزوج غیرہ ام لا؟ بینوا بیانا شافیا تؤجروا اجرا وافیا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اخبرنی من اثق بہ واعتمد علیہ بعد التحقیق ان الرجل المسئول عنہ المسمیٰ بعلی بخش بن پیر بخش الحنفی اذ قد اختار مذہب الروافض فالاٰن نوقف جواب المسألۃ علی تنقیح الامرین:

الامر الاول ان تشیع احد من اہل السنۃ فہل یحکم علیہ بالارتداد ام لا؟ فاقول ان روافض بلادنا خارجون عن دائرۃ الاسلام قطعا لانہم یعتقدون تحریف القرآن سرا ولا یبرزونہ تقیۃ لما ثبت فی مذہبہم "لا دین لمن لا تقیۃ لہ" کذا فی الکافی لیعقوب الکلینی، تحریف القرآن عندہم ثابت بالتواتر ومروی باکثر من الفی روایۃ صرحت بہ کتبہم المعتبرۃ کما لا یخفی علی من طالعہا، وایضا ہم یتفوہون علنا بالافک علی ام المؤمنین وانکار صحبۃ ابیہا الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم وکفی بہما تکفیرا، قال فی الشامیۃ لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ او انکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما او یعتقد الالوہیۃ

ن على ان جبريل عليه السلام غلط في الوحي او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف
للقرآن (رد المحتار ص ۳۰۰ ج ۳) فلذا نحكم بالردة لو نطقا على من بدل دينه
باختيار الرفض وان فرضنا انهم لا يعتقدون تحريف القرآن،

الامر الثاني: ان اخبرت امرأة بارتداد زوجها او وصلها الكتاب بذلك
فهل يجوز لها ان تعتمد على خبر الواحد او الكتاب فتنكح زوجا غيره بعد انقضاء
العدة، فاقول ان غلب على ظنها صدق المخبر وما في الكتاب فلها ان تعمل به و
تنكح بعد مضي العدة لما في شرح التنوير اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او
طلقها ثلاثا او اتاها منه كتاب على يد ثقة بالطلاق ان كان اكبر رأيها انه حق فلا
بأس ان تعتد وتتزوج وكذا لو قالت امرأة لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي
لا بأس ان ينكحها، وفي الشامية (قوله لا بأس ان ينكحها) في الخانية قالت
ارتد زوجي بعد النكاح وسعه ان يعتمد على خبرها ويتزوجها وان اخبرت بالحرمة
بامر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ ونحو ذلك فان كانت ثقة او لم تكن ووقع في
قلبه صدقها فلا بأس بان يتزوجها الخ (رد المحتار ج ۲ باب العدة مطلب في
المنعي اليها زوجها) وايضا فيها في باب الرجعة (قوله له ان يصدقها) لانه اما من
المعاملات لكون البضع متقوما عند الدخول او الديانات لتعلق الحل به وقول
الواحد مقبول فيهما (رد المحتار ج ۲)

قلت فان اعتبرنا كونه من المعاملات فيجوز العمل بالكتاب بدون معرفة
الخط لانه لا يشترط فيها شيء من اسلام المخبر وعدالته كما في الفصل الثاني من
ادب الكراهية من الهندية يقبل قول الواحد في المعاملات عدلا كان او فاسقا
حرا كان او عبدا ذكرا كان او انثى مسلما كان او كافرا دفعا للحرج والضرورة ومن
المعاملات الوكالات والمضاربات والرسالات في الهدايا والاذن في التجارات
كذا في الكافي واذا صح قول الواحد في اخبار المعاملات عدلا كان او غير عدل
فلا بد في ذلك من تغليب رأيه فيه ان خبره صادق فان كان غلب على رأيه ذلك
عمل عليه والا فلا كذا في السراج الوهاج (عالمگيرية ص ۳۴۳ ج ۵)

وان اعتبرناه من الديانات فجواز العمل يكون مشروطا باحد الامرين،

معرفة الخط مع عدالة الکاتب او حصول الظن الغالب وان لم یعرف الخط،

اما الاول فلما فی الشامیة معزیا الی العیون والفتوی علی قولهما اذا تیقن انه خطہ سواء کان فی القضاء او الروایة او الشهادة علی الصك فی ید الشاهد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیه وقلما یشتبه الخط من کل وجه فاذا تیقن جاز الاعتماد علیه توسعة علی الناس (رد المحتار ج ۴ ص ۳۹۰) وتفصیل حکم کتاب القاضی الی القاضی بساله وعلیه مصرح فی العلائیة مع الشامیة ص ۳۸۶ ج ۴،

واما الثانی فلان الکتاب فی کونه دالا بدلالة وضعیة غیر لفظیة یشبه الطبل والمدفع والقندیل ویجوز الاعتماد فی الدیانات علی ضرب الطبل ومایشبهه اذا کان موجب غلبة الظن بالقرائن لما فی الشامیة بتحر بقول عدل وکذا بضرب الطبول (وبعد اسطر) وقد یقال ان المدفع فی زماننا یفید غلبة الظن وان کان ضاربه فاسقا لان العادة ان الموقت یذهب الی دار الحکم آخر النهار فیعین له وقت ضربه ویعینه ایضا للوزیر وغیره واذا ضربه یکون ذلك بمراقبة الوزیر واعوانه للوقت المعین فیغلب علی الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الافساد (رد المحتار ج ۲ مطلب فی جواز الافطار بالتحری) وایضا فیها فی بیان رؤیة الهلال قلت والظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا به الخ، قلت وکفی حجة لکون الکتاب موجب العمل عند حصول الظن الغالب بالقرائن ما تواتر من عمل النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه رضوان الله تعالی علیهم اجمعین،

(نکاح مرتد کے مسائل کی تفصیل جلد ۶ باب المرتد میں ہے) فقط واللہ تعالی اعلم

۲، ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

زوجۂ صغیر حرام ہوگئی تو متارکت کرکے دوسرا نکاح کر سکتی ہے:

سوال: نابالغ کی منکوحہ سے نابالغ کے باپ کا زنا شہادت سے ثابت ہو گیا تو منکوحہ کی تفریق نابالغ سے جائز ہے یا کہ بلوغ کا انتظار کرنا پڑے گا؟ بینوا بالدلیل اجرکم الجلیل،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں زوجۂ متارکت کرکے دوسرا نکاح کر سکتی ہے، بہتر یہ ہے زوجہ فسخ نکاح

کا زبان سے اقرار کرے، اس لئے زمتارکت فعلیہ اور زوجہ کی طرف سے متارکت قولیہ کی صحت میں اختلاف ہے، اور فسخ نکاح من جانب زوجہ بالاتفاق صحیح ہے، انتظار بلوغ زوج کی ضرورت نہیں، چنانچہ زوجہ کبیرہ کے مطالبہ سے قاضی فی الحال تفریق کر سکتا ہے (کذا فی رد المحتار کتاب الطلاق ص ۵۶۸ ج ۲) وفی محرمات شرح التنویر تقع مخلطۃ فیما لو طلق امرأتہ تطلیقتین ولہا منہ لبن فاعتدت فنکحت صغیرا فارضعتہ فحرمت علیہ فنکحت آخر فدخل بہا فابانہا انہا تعود للاول بواحدۃ ام بثلاث، الجواب لا تعود الیہ ابدا لصیرورتہا حلیلۃ ابنہ رضاعا (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۲) اس میں خط کشیدہ عبارت کا مقتضی ہے کہ صورت مسئولہ میں بلوغ زوج کا انتظار ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب سنہ ۸۵ھ

صالحہ بنتِ صالح کفو فاسق نہیں:

سوال: فاسق شخص متدین عورت کا کفو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فاسق شخص ایسی عورت کا کفو نہیں جو خود بھی نیک ہو اور اس کا والد بھی نیک ہو، قال فی الہندیۃ فلا یکون الفاسق کفوا للصالحۃ سواء کان معلن الفسق او لم یکن (عالمگیریۃ ص ۳۱۲ ج ۱) وفی شرح التنویر وتعتبر الکفاءۃ دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاہر، وفی الشامیۃ قلت وحاصلہ ان المفہوم من کلامہم اعتبار صلاح الکل وان من اقتصر علی صلاحہا او صلاح آبائہا نظر الی الغالب من ان صلاح الولد والوالد متلازمان فعلی ہذا فالفاسق لا یکون کفوا للصالحۃ بنت صالح بل یکون کفوا للفاسقۃ بنت فاسق وکذا لفاسقۃ بنت صالح کما نقلہ فی الیعقوبیۃ فلیس لابیہا حق الاعتراض لان ما یلحقہ من العار ببنتہ اکثر من العار بصہرہ ولما اذا کانت صالحۃ بنت فاسق فزوجت نفسہا من فاسق فلیس لابیہا حق الاعتراض لانہ مثلہ وہی قد رضیت بہ الخ (رد المحتار ص ۴۳۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ شوال سنہ ۸۴ھ

نومسلمہ کے نکاح کا حکم:

سوال: ایک منکوحہ عورت عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئی ہے، مسلمان مرد کے

عنده خلافا لهما كما سيأتي (ابن الهمام) ومن ابنه وجزم الطحاوي بوجوبها قال في البحر وينبغي حمله على اختيار قولهما (قوله ومن هاجرت الينا الخ) المهاجرة التاركة دار الحرب الى دار الاسلام على عزم عدم العود وذلك بان تخرج مسلمة او ذمية او صارت كذلك بعد وصولها المسألة واختلف فيما قبلها لكن ما مر يفيد انه لو خرج احدهما مهاجرا وقعت الفرقة بينهما والمقصود من هذا انه اذا كانت المهاجرة المرأة ووقعت الفرقة فلا عدة عليها عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى سواء كانت حاملا او حائلا فتتزوج للحال الا الحامل فتتربص لا على وجه العدة بل ليرتفع المانع بالوضع وعندهما عليها العدة فتح وبه يظهر ان تقييد المصنف بالحائل اي غير الحبلى لا وجه له بخلاف قول الكنز وتنكح المهاجرة الحائل بلا عدة فانها للاحتراز عن الحامل كما علمت لكنه يوهم ان الحامل لها عدة كما توهمه ابن ملك وغيره وليس كذلك (رد المحتار ص ۴۲۵ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب [illegible]

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شادی شدہ کافرہ عورت نے اسلام قبول کیا، شریعت کے مطابق اس کا نکاح کرانے میں پہلی دقت تو یہ ہے کہ حکومت سے کوئی توقع نہیں کہ اس عورت کے شوہر کو بلا کر اس پر عرض اسلام کرے اور شوہر کے قبول اسلام سے انکار کی صورت میں نکاح فسخ کرے، تاہم اگر کوئی حاکم یا مجلس علماء شوہر پر عرض اسلام کرے تو شدید خطرہ یہ ہے کہ اس وقت وہ بیوی حاصل کرنے کی غرض سے اسلام قبول کرلے مگر بعد میں پھر مرتد ہو جائے اور عورت کو زہر وغیرہ دے کر قتل کردے یا چند روز ستا کر بیچ دے، چونکہ پاکستان میں ارتداد کی سزا نافذ نہیں ہوتی اس لئے یہ خطرہ قوی ہے اور ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں کہ شوہر اظہار اسلام کے ذریعہ بیوی حاصل کرکے پھر مرتد ہو گیا اور بیوی کو زہر کا انجکشن لگوا کر ہلاک کر دیا۔ ان حالات میں بیوی کی خلاصی کی شرعاً کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی مجبوری کی حالت میں مذہب شافعی پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، ان کے یہاں

عورت کے قبول اسلام کے بعد اسلام زوج سے قبل ختم عدت سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے اور اس کے بعد فوراً دوسرا نکاح ہوسکتا ہے، اسلام زوج کے بعد دوسری عدت کی حاجت نہیں۔ قال فی الام ولم اعلم مخالفا فی ان المتخلف عن الاسلام منہما اذا انقضت عدۃ المرأۃ قبل ان یسلم انقطعت العصمۃ بینہما (الی قولہ) لا تمنع الدار فی التحریم والتحلیل شیئا انما یصنعہ اختلاف الدینین (وبعد اسطر) وان لم یسلم حتی تنقضی العدۃ فالعصمۃ منقطعۃ بینہما وانقطاعہا فسخ بلا طلاق وتنکح المرأۃ من ساعتہا من شاءت الخ (الام ص ۴۵ ج ۵)

مذہب حنفی کے مطابق یہ صورت ہوسکتی ہے کہ حکومت کی طرف سے عرض اسلام نہ ہونے کی وجہ سے مجلس علماء عرض اسلام کرے، مگر اس میں شوہر کو قبول اسلام کی صورت میں زوجہ کی امید نہ دلائی جائے بلکہ اس کو ظاہراً مایوس کردیا جائے اور باطناً بطور مصالحت معلق رکھا جائے اس صورت میں اگر شوہر کو اظہار اسلام میں رغبت ہی نہ ہوگی، اور اگر اظہار اسلام محض زوجہ کے حصول کے لئے کیا تو بھی اس کی حقیقت منکشف ہوجائے گی۔

اگر حالات کے پیش نظر یہ صورت مناسب نظر آئے تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ بوجہ ضرورت شدیدہ مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مہر یا ہدیہ ہونے میں زوجین کا اختلاف:

سوال: شوہر بیوی کو مختلف اوقات میں مختلف چیزیں دیتا رہا، بعد میں کہتا ہے کہ یہ مہر کے عوض میں تھیں، عورت ہدیہ یا نفقہ واجبہ کا دعویٰ کرے تو کس کا قول معتبر ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) اشیاء خوردنی اور جن اشیاء کا زوجہ کو ہدیۃً دینا متعارف ہو اُن میں قول زوجہ معتبر ہوگا۔

(۲) جو اشیاء مہر میں دینے کا عرف نہ ہو اور بذمہ شوہر شرعاً واجب ہوں، ان میں ہدیہ کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا، البتہ اگر زوجہ نفقہ واجبہ کا دعویٰ کرے اور زوج مہر کا، اور یہ اختلاف ان اشیاء کی ہلاکت کے بعد ہو تو قول زوجہ معتبر ہوگا، اور حالت بقاء میں دو قول ہیں، فقیہ ابو اللیث کا مختار یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قول زوجہ ہی معتبر ہے، یہی راجح ہے، ویؤیدہ ما سیأتی عن التنویر المختار من وجوب النظر فی تصدیق الزوجۃ:

۳ جو اشیاء شرعاً شوہر پر واجب نہیں اور ان کو مہر میں محسوب کرنے کا عرف بھی ہو ان میں قولِ زوج معتبر ہے، مگر عورت کو اختیار ہے کہ یہ اشیاء واپس کر دے مہر میں قبول نہ کرے، قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قول الشارح کثیاب وخف آجیۃ الخ) نقل ابو الحسن السندی فی حاشیۃ الفتح عن ابی العز قال اذا کان المہر دراہم او دنانیر وارسل الیہا حنطۃ او شعیرا او ما جرت عادۃ الناس الیوم بارسالہ من ماء الورد وثوب الحریر والسکر ونحو ذلک فان فی تصدیقہ فی قولہ بانہ من المہر نظرا لوجہین احدہما ان الظاہر یکذبہ والثانی ان الصداق دراہم مثلا والمرسل من خلاف جنسہا والمعاوضۃ محتاج الی التراضی من الجانبین ولم یوجد فقولہ انہ من صداقہا غیر صحیح فلا یصدق فی دعواہ انہا غیر ما ارسلہ الیہا ولا ینفع التعلیل بان الظاہر انہ یسعی فی اسقاط الواجب فی حقہ فان الواجب فی حقہ غیر ما ارسلہ الیہا ولا یسقط ما فی الذمۃ بغیرہ الا بطریق المعاوضۃ وہی محتاجۃ الی التراضی من الجانبین ولم یوجد انتہی ابو سندی، وقد یدفع ہذا بان ما ذکرہ مبنی علی عادتہم انہم یسمون نقودا فی المہر ثم یدفع الزوج غیرہا ویحسبہ عن المہر وتکون حینئذ المرأۃ راضیۃ بہذہ المعاوضۃ وہذا العرف جار فی کثیر من قری مصر

(التحریر المختار ص ۲۰۳ ج ۱)

تنبیہ:

۱ جہاں بھی زوج یا زوجہ کا قول معتبر قرار دیا گیا ہے اس میں جانبِ آخر سے فقدانِ بینہ اور حلف شرط ہے،

۲ آجکل کے عرف میں دولہ ہدیہ شمار ہوتی ہے،

۳ برقع نفقہ واجبہ میں داخل نہیں، کیونکہ زوج پر اذنِ خروج واجب نہیں بلکہ منع عن الخروج واجب ہے اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس میں قولِ زوج قبول کیا جائے، مگر آجکل برقع بدرجۂ دنیا حاجت ہے اس لئے اس میں قولِ زوجہ معتبر ہوگا،

۴ ادوات البیت نفقہ واجبہ میں داخل ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶؍ ذیقعدہ سنہ ۸۲ھ

جنیہ سے نکاح جائز نہیں:

سوال: جنیہ کا نکاح انسان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ محرم سنہ ۸۶ھ

مہر میں معجل یا مؤجل کی تصریح نہ ہو تو عرف پر مدار ہوگا:

سوال: ہندہ کا نکاح بعوض ایک ہزار روپیہ کیا گیا، مگر اس وقت مؤجل و معجل کا ذکر نہ کیا، اب ہندہ اپنا مہر طلب کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ ہو تو عرف کے موافق حکم ہوگا، قال فی التنویر ولہا منعہ من الوطء والسفر بہا ولو بعد وطء وخلوۃ رضیتہما لاخذ ما بین تعجیلہ او قدر ما یعجل لمثلہا عرفا ان لم یؤجل، وفی الشرح بہ یفتی لان المعروف کالمشروط۔ (رد المحتار ص۳۴۷ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ذی الحجہ سنہ [illegible]

نکاح میں ایک ہی شخص دونوں طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے:

سوال: صغیرہ کے ولی زید نے عقد نکاح کا ایجاب ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ میں نے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح فلاں کے ساتھ کیا، لڑکے کا ولی (چچا) اس مجلس میں تھا، مگر نکاح خواں نے اس سے قبول کے الفاظ نہیں کہلائے، مجلس نکاح سے قبل لڑکے کے چچا نے لڑکی کے والد سے کہا تھا کہ تو اپنی لڑکی میرے بھتیجے کے نکاح میں دیدے، لڑکی کا والد تیار ہو گیا اور اسی بنا پر مجلس نکاح منعقد ہوئی، اب سوال یہ ہے کہ لڑکے کے چچا کے قبول کے بغیر نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ چچا نے صغیر کی طرف سے قبول نکاح نہیں کیا اور نہ ہی لڑکی کے والد کو اپنی طرف سے وکیل بنایا تھا اس لئے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، اگر چچا کی جانب سے توکیل ہوتی تو سوال میں مذکور الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا، چچا کا یہ کہنا کہ تو اپنی لڑکی میرے بھتیجے کے نکاح میں دیدے عرفاً توکیل نہیں ہے بلکہ خطبہ ہے، قال فی شرح التنویر ویتولی طرفی النکاح واحد بایجاب یقوم مقام القبول۔ (رد المحتار ص۴۲۳ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الآخر سنہ [illegible]

مہر فاطمی کی تحقیق:

سوال: پاکستانی سکہ کے حساب سے مہر فاطمی کی کیا مقدار ہے؟ اور دوسری صاحبزادیوں وازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا مہر کتنا تھا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زوجها النبي صلى الله عليه وسلم على اربع مائة وثمانين درهما (تاريخ الخميس ص ۳۶۱ ج ۱) ثم ان الله تعالى امرني ان ازوج فاطمة من علي وقد زوجته على اربع مائة مثقال فضة (تاريخ الخميس ص ۳۶۲) قال صلى الله عليه وسلم اوعندك شيء تستحلها به؟ فقلت فرسي وبدني (يعني الدرع والبدن الى ان قال) قال اما فرسك فلا بد لك منها واما بدنك فبعها فبعتها باربع مائة وثمانين فجئته بها فوضعتها في حجره (المواهب اللدنية مع شرح الزرقاني ص ۳ ج ۲) قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا انكح شيئا من بناته على اكثر من ثنتي عشرة اوقية، هذا حديث حسن صحيح (ترمذي ص ۱۶۹) عن ابي سلمة بن عبد الرحمن انه قال سألت عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت كان صداقه لازواجه ثنتي عشرة اوقية ونشا قالت اتدري ما النش قال قلت لا قالت نصف اوقية فتلك خمس مائة درهم فهذا صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم لازواجه (مسلم ص ۴۵۸ ج ۱) ان روایات سے امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک ۴۸۰ درہم = ۱٫۴۶۹۳۲۹۹ کلو چاندی، دوسری روایت ۴۰۰ مثقال = ۱٫۷۴۹ کلو چاندی، مقدار اول مجموعہ روایات حدیث وسیرت سے ثابت ہے، اور دوسری روایت صرف سیرت خمیس کی ہے، لہذا مقدار اول راجح ہے۔

(۲) دوسری بنات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کا مہر بھی ۴۸۰ درہم = ۱٫۴۶۹۳۲۱۶ کلو چاندی سے زائد نہ تھا، اگرچہ روایت میں زائد کی نفی ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مہر اسی قدر تھا۔

(۳) امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں ۴۸۰ درہم

۱ء۴۶۹۶ کلو چاندی سے زیادتی کی نفی ہے اور دوسری میں ۵۰۰ درہم = ۱ء۵۳۰۹ کلو چاندی کا اثبات ہے، دونوں روایتوں میں صورت تطبیق یہ ہے کہ در اصل ساڑھے بارہ اوقیہ ہی ہے، اسی کو پہلی روایت میں نصف اوقیہ کی کسر حذف کرکے بارہ اوقیہ کہہ گیا ہے، بصورت ترجیح بھی بوجوہ ذیل ساڑھے بارہ اوقیہ = ۵۰۰ درہم کی روایت راجح ہے:

① عموماً نفی پر اثبات کو ترجیح ہے۔

② نفی عدم علم پر مبنی ہے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ما علمت اس پر دلیل ہے۔

③ روایت اثبات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جو اعلم باحوال الازواج ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہ و دیگر بنات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا مہر ۴۸۰ درہم = ۱ء۴۶۹۶ کلو گرام چاندی اور امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا ۵۰۰ درہم = ۱ء۵۳۰۹ کلو گرام چاندی تھا، درہم و مثقال کے وزن کی تحقیق میرے رسالہ "بسط الباع لتحقیق الصاع" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد ۴ میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ شوال ۹۶ھ

مہر کی کم از کم مقدار:

سوال: مہر کم سے کم کتنا ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دس درہم چاندی کی قیمت سے کم کرنا جائز نہیں، ایک درہم = ۳ء۰۶۱۸ گرام، ۱۰ درہم = ۳۰ء۶۱۸ گرام چاندی یا اس کی قیمت، درہم کے وزن کی تفصیل میرے رسالہ "بسط الباع لتحقیق الصاع" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد ۴ میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ربیع الاول ۹۸ھ

بلا اذن زوج والدین سے ملاقات:

سوال: بیوی کو اپنے والدین سے ملنے کا اختیار کتنے دن کے بعد ہے؟ اور ملنے جائے تو کتنے دن وہاں ٹھہر سکتی ہے؟ کیا دور اور نزدیک میں کچھ فرق ہے؟ دور اور نزدیک کی تشریح بھی تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی کو والدین سے ہفتہ میں ایک بار اور دوسرے محرم رشتہ داروں سے سال میں ایک بار ملاقات کا حق ہے، دور و نزدیک میں کوئی فرق نہیں، البتہ ملاقات کے لئے آمد و رفت کے

مصارف شوہر کے ذمہ واجب نہیں، نیز بیوی کو صرف ملاقات کا حق ہے، والدین کے ہاں رہنا بدون شوہر کی رضا کے جائز نہیں۔

اگر والدین خود ملاقات کرنے پر قادر ہوں تو بیوی کے جواز خروج میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ رشوال سنہ ۹۱ھ

موت قبل الدخول میں کامل مہر واجب ہے:

سوال: ایک عورت کے شوہر کا انتقال رخصتی سے قبل ہی ہو گیا تو اس عورت کو مہر کتنا ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رخصتی سے قبل میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو پورا مہر واجب ہوگا۔

قال فی العلائیۃ ویتأکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدہما (رد المحتار ص ۳۵۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

گونگے کے نکاح کا طریقہ:

سوال: نکاح منعقد ہونے کے لئے ایجاب وقبول شرط ہے اور گونگا آدمی اس پر قادر نہیں تو اس کا نکاح کیسے ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گونگے کا نکاح ایسے اشارہ سے صحیح ہو جائے گا جس سے ایجاب یا قبول مفہوم ہو اور سننے والوں کو اس کی مراد معلوم ہو جائے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ وشرط سماع کل) وفی الفتح ینعقد النکاح من الاخرس اذا کانت لہ اشارۃ معلومۃ (رد المحتار ص ۲۹۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ھ

مہر غیر مؤجل میں حق مطالبہ کی تفصیل:

سوال: زید نے مثلاً زینب سے ایک سو اشرفی طلاء کے عوض عقد نکاح کیا، ان میں سے چالیس اشرفی معجلاً ادا کر دیں، بقیہ ساٹھ اشرفی کے بارے میں صرف یہ کہا کہ ان کی

سے تیس کی نقد، اور تیس اشرفی طلائی دوں گا، اور ادائیگی کا کوئی وقت خاص نہیں بتایا، صرف یہ کہا کہ آئندہ ادا کروں گا، اتفاقاً چند ماہ کے بعد زوجین میں ناچاقی پیدا ہوگئی، زوجہ اپنے میکہ چلی گئی، خاوند نے جب واپس بلایا تو وہ کہنے لگی کہ بقیہ مہر تیس اشرفی ابھی ادا کردو گے تو ساتھ آؤں گی، ورنہ نہیں، تو کیا شرعاً زینب کو بقیہ مہر طلب کرنے کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امداد الفتاویٰ میں دو مقامات پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کا قول فرمایا ہے، جبکہ فتاویٰ ہندیہ اور بدائع میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر بقیہ مہر کے لئے وقت خاص بر سے ادائیگی مقرر نہیں کیا، تو موت یا طلاق کی صورت میں مطالبہ کرسکتی ہے اس سے قبل نہیں، چونکہ وقت متعین نہ کرنے کی صورت میں باب النکاح کے اندر وقت خود بخود ہی معلوم ہے، اور وہ تفریق الزوجین بصورت طلاق یا موت ہے، اسی قول کو صاحب محیط نے اختیار فرما کر وھو الصحیح فرمایا ہے، جواب سے تشفی فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بدائع و ہندیہ میں اختلاف لکھا ہے اور علائیہ و شامیہ میں صرف حق مطالبہ تحریر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی راجح ہے، اس لئے امداد الفتاویٰ میں اس پر فتویٰ دیا گیا، صرف تاجیل الی الموت او الطلاق کا جواب بھی امداد الفتاویٰ میں موجود ہے کہ یہ عرف حالات مرافعات میں ہے، حالت مخالفت میں موت و طلاق سے قبل ہی مطالبہ کا عرف ہے، قال فی شرح التنویر ولها منعه من الوطء (الی قوله) الا اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية، وفی الشامیة قال فی البحر فان كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح كما فی الظهيرية بخلاف البيع فانه لا يجوز بهذه الشروط وان كانت متفاحشة كالى الميسرة او الى هبوب الريح او الى ان تمطر السماء فالاجل لا يثبت ويجب المهر حالا كذا فی غاية البيان اھ (رد المحتار ص ۳۸۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ربیع صفر سنہ ۱۴ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک عورت کا مہر نصف معجل اور نصف مؤجل مقرر ہوا، مؤجل کی کوئی

مدت معین نہیں کی گئی، نصف معجل بر وقت ادا کر دیا گیا، بیوی شوہر کے گھر آباد ہو گئی، کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے نصف مؤجل کا مطالبہ کیا، شوہر کے ادا نہ کرنے پر میکہ چلی گئی، کیا عورت کو اس کا اختیار ہے؟ اور اس صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں تاجیل مجہول سے تاجیل بالطلاق او الموت کا عرف ہو وہاں زوجہ کو منع نفس کا اختیار نہیں، اور جہاں یہ عرف نہ ہو وہاں تاجیل مجہول بحکم تعجیل ہے، لہٰذا زوجہ کو حق منع ہے، تاجیل بالطلاق او الموت معروف ہونے کی صورت میں بھی غیر مؤجل میں مشاجرہ کے واقع میں مطالبۂ مہر معروف ہے، لہٰذا حالت مشاجرہ میں عورت کو حق منع حاصل ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۲ھ

نامرد سے خلوت صحیحہ کے بعد مہر کامل واجب ہے:

یہ مسئلہ باب العدۃ میں آرہا ہے۔

دس درہم سے کم مہر کا حکم:

سوال: اگر مہر دس درہم سے کم رکھا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دس درہم ۲.۶۲۴ گرام چاندی کی قیمت واجب ہوگی، قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ وتجب العشرۃ ان سماھا او دونھا (رد المحتار ص ۲۵۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۲ھ

خطبۂ نکاح سننا واجب ہے:

سوال: کوئی خطیب صاحب نکاح کا خطبہ پڑھ رہے ہوں، یا منبر پر تقریر کرنے کے لئے خطبۂ مسنونہ پڑھ رہے ہوں اس وقت حاضرین کا آپس میں بات چیت کرنا یا کوئی دنیوی کام کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، قال فی العلائیۃ وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عید وختم علی المعتمد، وفی الشامیۃ (قولہ وختم) ای ختم القرآن

کقولہم الحمد للہ رب العالمین حسن الصبر (رد المحتار ص۴۹ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب سنہ ۱۴۰۲ھ

باکرہ کا ایک لمحہ سکوت بھی اذن ہے:

سوال: ولی نے لڑکی سے استیذان نکاح کیا، لڑکی نے فوراً انکار کرنے کی بجائے پانچ منٹ بعد انکار کر دیا تو کیا یہ انکار صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر استیذان کے بعد فوراً انکار نہیں کیا بلا عذر ایک لمحہ بھی خاموش رہی تو لڑکی کی طرف سے ولی کی توکیل ثابت ہو گئی، اس کے بعد عقد نکاح سے قبل لڑکی کو فسخ توکیل کا اختیار ہے مگر وکیل کو فسخ کا علم ہونا ضروری ہے، اگر لڑکی نے عقد سے پہلے توکیل فسخ کر دی مگر وکیل کو اس کا علم نہ ہوا، اس لئے اس نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا، اسی طرح نکاح بلا استیذان کے بعد باکرہ کو نکاح کی خبر ملی تو صحت رد کے لئے فوراً بلا تاخیر انکار کرنا شرط ہے، اگر فوراً انکار نہیں کیا اور ذرا سی دیر بھی بلا عذر خاموش رہی تو نکاح ہو گیا۔

قال فی شرح التنویر فان استأذنها هو ای الولی وهو السنة او وکیله او رسوله او زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسکتت عن رده مختارة او ضحکت غیر مستهزئة او تبسمت او بکت بلا صوت (الی قوله) فهو اذن ای توکیل فی الاول ان اتحد الولی فلو تعدد للزوج لم یکن سکوتها اذنا واجازة فی الثانی ان بقی النکاح لا لو بطل بموته،

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی (قوله عن رده) قید به اذ لیس المراد مطلق السکوت لانها لو بلغها الخبر فتکلمت باجنبی فهو سکوت هنا فیکون اجازة فلو قالت الحمد لله اخترت نفسی او قالت هو دباغ لا ارید فهذا کلام واحد فهو رد بحر (قوله مختارة) اما لو اخذها عطاس او سعال حین اخبرت فلما ذهب قالت لا ارضی او اخذ فمها ثم ترک فقالت ذلک صح ردها لان سکوتها عن اضطرار بحر (رد المحتار ص۲۹۳ ج۲) فقط والله تعالی اعلم

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۳ھ

نکاح میں قبول کی بجائے الحمد للہ کہنا:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ ایک جانب سے ایجاب کرنے کے بعد دوسری جانب سے بجائے قبول کے الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟ ہمارے علاقہ کے بعض علماء

کہتے ہیں کہ لفظ الحمد للہ تملیک عین پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے اس سے نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے علاقہ کے عرف میں لفظ الحمد للہ کو لفظ قبول سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس سے نکاح صحیح ہو جانا چاہئے، اب آنجناب مسئلہ مذکورہ میں شریعت مطہرہ کے مطابق حکم صادر فرمائیں، عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا۔

اس سوال کے جواب میں بنوری ٹاؤن اور خیر المدارس کے متضاد فتاویٰ ارسال خدمت ہیں، ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں کہ کونسا جواب صحیح ہے؟ اپنی تحقیق عمیق تحریر فرما کر تشفی فرمائیں، والاجر عند اللہ الکریم۔

جواب بنوری ٹاؤن کراچی:

نکاح میں ایجاب و قبول کے لئے الفاظ قبلت و تزوجت و نکحت کے علاوہ ایسے الفاظ ضروری ہیں جو ملک مؤبدہ پر دلالت کرتے ہوں، چنانچہ رد المحتار میں ہے وھو کل لفظ وضع لتملیک عین خرج ما لا یفید التملیک اصلاً کالرھن والودیعۃ وما یفید تملیک المنفعۃ کالاجارۃ والاعارۃ (ج ۲ ص ۲۹۶ طبع جدید) اور لفظ الحمد للہ کسی صورت میں بھی ملک پر دلالت نہیں کرتا، نیز اس صورت میں عرف کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ شامی اپنے رسالہ "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" میں فرماتے ہیں: ولا اعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یکون علی الباطل بخلاف النص کما قالہ ابن الہمام (ص ۱۱۶ ج ۲) دوسری جگہ پر فرماتے ہیں فان العرف الخاص لا یترک بہ القیاس فی الصحیح (ص ۱۱۸ ج ۲) فقہاء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ لفظ الحمد للہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، امداد الفتاویٰ ص ۲۳۱ ج ۲ اس سلسلہ میں قابل ملاحظہ ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ غور و فکر کی دعوت دی ہے، فقط واللہ اعلم۔

جواب خیر المدارس ملتان:

صورت مسئولہ میں ایجاب کے بعد قبلت کے بجائے الحمد للہ کہنے سے نکاح کا انعقاد ہو جائے گا جبکہ نکاح کرنے کا ارادہ ہو، خواہ علاقہ والوں کا عرف ہو یا نہ ہو، وفی الخلاصۃ امرأۃ قالت لرجل زوجت نفسی منک فقال الرجل بخدا ونگاری بپذیرم لم یصح النکاح ولو لم یقل الرجل ذلک ولکنہ قال شاباش ان نوی بطریق الطنز یصح

المشاع کذا قال القاضی الامام (خلاصۃ الفتاوی ص ۲ ج ۲) وکذا فی الہندیۃ، ایجاب و قبول دونوں کا تحلیک میں کے لئے موضوع ہونا ضروری نہیں، بلکہ صرف ایجاب کا ایسا ہونا کافی ہے، ورنہ قبلت کہنے سے بھی قبول معتبر نہ ہونا چاہئے، ولم یقل بہ احد، ہاں آئندہ کے لئے احتیاط لازم ہے کہ قبول کے لئے صریح لفظ استعمال کیا جائے کیونکہ معاملہ نکاح کا ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب باسم ملہم الصواب

خیر المدارس کا جواب صحیح ہے، صرف کلمۂ ایجاب کا تحلیک عین کے لئے موضوع ہونا کافی ہے کلمۂ قبول میں یہ شرط نہیں، بلکہ قبول میں تو سرے سے کلام ہونا ہی ضروری نہیں، قبول بالفعل بھی متحقق ہو سکتا ہے، مزید بریں خلاصۃ الفتاوی و عالمگیریہ میں ایسی صورت میں انعقاد نکاح کا حکم صراحۃً موجود ہے،

امداد الفتاوی میں عدم انعقاد پر جس صورت سے استدلال کیا گیا ہے اس میں کلمۂ ایجاب "اشتری" ہے جس کا تحلیک عین کے لئے موضوع نہ ہونا واضح ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ر شعبان سنہ ۱۴۰۲ھ

منکوحہ کی تعیین جس طرح بھی ہو جائے کافی ہے:

سوال: کیا نکاح پڑھاتے وقت مجلس میں لڑکی اور اس کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟ اگر صرف لڑکی کا نام بتا دیا جائے یا صرف اس کے والد کا نام لے دیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا کہ "زید کی صاحبزادی" تو نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

منکوحہ کی اس طرح تعیین ضروری ہے کہ شوہر اور گواہ بخوبی پہچان جائیں، کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے، اگر لڑکی یا والد کے نام لئے بغیر ہی ایسی تعیین ہو گئی تو نکاح صحیح ہو گیا، مثلاً:

① لڑکی مجلس میں موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے، کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔

② لڑکی مجلس میں نہیں مگر اس کے نام سے سب اسے پہچانتے ہیں، اس نام کی کوئی دوسری لڑکی غیر شادی شدہ وہاں نہیں تو اس صورت میں صرف لڑکی کا نام لینا کافی ہے،

والد کا نام لینا ضروری نہیں۔

(۳) کسی کی صرف ایک ہی لڑکی ہو یا زیادہ لڑکیاں ہوں مگر ایک کے سوا باقی سب شادی شدہ ہوں تو لڑکی کا نام لینا ضروری نہیں صرف والد کا نام لینا کافی ہے، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولا المنکوحۃ مجھولۃ) فلو زوج بنتہ منہ ولہ بنتان لایصح الا اذا کانت احداھما متزوجۃ فینصرف الی الفارغۃ کما فی البزازیۃ نہر وفی معناہ ما اذا کانت احداھما معروفۃ علیہ فلیراجع رحمتی، واطلاق قولہ لایصح دال علی عدم الصحۃ ولو جرت مقدمات الخطبۃ علی واحدۃ منھما بعینھا لتتمیز المنکوحۃ عند الشھود فانہ لابد منہ رملی، قلت وظاھرہ انھا لو جرت المقدمات علی معینۃ وتمیزت عند الشھود ایضا یصح العقد وھی واقعۃ الفتویٰ لان المقصود نفی الجھالۃ وذلک حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا کما اذا کانت احداھما متزوجۃ ویؤیدہ ما سیأتی من انھا لو کانت غائبۃ وزوجھا وکیلھا فان عرفھا الشھود وعلموا انہ ارادھا کفی ذکر اسمھا والا لابد من ذکر الاب والجد ایضا، ولایخفی ان قولہ زوجت بنتی ولہ بنتان اقل ابھاما من قول الوکیل زوجت فاطمۃ ویأتی تمام ذلک عند قولہ وحضور شاھدین وعند قولہ غلط وکیلھا (رد المحتار ص۲۶۸ ج۲)

وقال تحت (قولہ وشرط حضور شاھدین) والظاھر ان المراد بالمعرفۃ ان یعرفا ان المعقود علیھا ھی فلانۃ بنت فلان الفلانی لامعرفۃ شخصھا وان ذکر الاسم غیر شرط بل المراد الاسم او ما یعینھا مما یقوم مقامہ لما فی البحر لو زوجہ بنتہ ولم یسمھا ولہ بنتان لم یصح للجھالۃ بخلاف ما اذا کانت لہ بنت واحدۃ الا اذا سماھا بغیر اسمھا ولم یشر الیھا فانہ لایصح کما فی التجنیس اھ وفیہ عن الذخیرۃ اذا کان للزوج ابنۃ واحدۃ وللقابل ابن واحد فقال زوجت ابنتی من ابنک یجوز النکاح، وان کان للقابل ابنان فلو سمی احدھما باسمہ صح الخ وفیہ عن الخلاصۃ اراد ان یزوجہا اختہ فقال زوجت اختی ولم یسمھا جاز ان کانت لہ اخت واحدۃ وانظر ما قدمناہ عند قولہ ولا المنکوحۃ مجھولۃ (رد المحتار ص۲۹۶ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

ایجاب و قبول میں ایسے الفاظ ہونا شرط ہے جن سے انعقادِ نکاح کا علم ہو:

سوال: زید نے چند لوگوں کے سامنے ایک عورت سے کہا کہ میں تجھے ایسا وظیفہ بتاتا ہوں جس سے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں، چنانچہ اسے یہ الفاظ بتلائے، زوجت نفسی منک، پھر اس سے کہا کہ مجھے سناؤ، اس نے یہی الفاظ سنا دئیے، تو زید نے کہا قبلت اب زید کہتا ہے کہ اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہو گیا ہے، حالانکہ نہ تو اس عورت کو ان الفاظ کا مفہوم معلوم ہوا اور نہ ہی حاضرین کو، اس بارے میں تحریر فرمائیں کہ حکم شرع کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) یہ الفاظ کہنے سے عورت کا مقصد انشاء نکاح نہیں، بلکہ اس نے حکایۃً یہ الفاظ کہے ہیں۔

(۲) انعقادِ نکاح کے لئے ایجاب و قبول میں ایسے الفاظ ہونا شرط ہے کہ ان سے متعاقدین اور گواہ انعقادِ نکاح کا علم رکھتے ہوں، قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ وشرط حضور شاہدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولہما معا علی الاصح فاہمین انہ نکاح علی المذہب بحر، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ فاہمین الخ) قال فی البحر جزم فی التبیین بانہ لو عقد ابحضرۃ ہندیین لم یفہما کلامہما لم یجز وصححہ فی الجوہرۃ، وقال فی الظہیریۃ والظاہر انہ یشترط فہم انہ نکاح واختارہ فی الخانیۃ فکان ہو المذہب، لکن فی الخلاصۃ لو یحسنان العربیۃ فعقد ابہا والشہود لا یعرفونہا اختلف المشایخ فیہ والاصح انہ ینعقد اھ فقد اختلف التصحیح فی اشتراط الفہم وصل فی الرحمانی الخلاصۃ علی القول باشتراط الحضور بلا سماع ولا فہم ای وہو خلاف الاصح کما مر ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فہم انہ عقد نکاح والقول بعدمہ علی عدم اشتراط فہم معانی الالفاظ بعد فہم ان المراد عقد النکاح (رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ محرم سنہ ۱۳۷۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ

حفظ الحیاء

بتحریم

متعۃ النساء

شیعہ قوم دجل وفریب اور مکاری وعیاری میں بس اپنی مثال آپ ہی ہے، انھوں نے بہت چابک دستی سے اپنے کئی عقائد واعمال مسلمانوں میں ٹھونس دیئے ہیں،

انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ متعہ بھی ہے، شیعہ قوم مسلمانوں کے بڑے بڑے محققین کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئی ہے کہ ابتداء اسلام میں متعہ حلال تھا،

اس رسالہ میں قرآن وحدیث کے صریح ارشادات اور عقل ودانش کے واضح فیصلوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں ایسی بے حیائی کی کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اجازت نہیں دی گئی،

تحقیقِ متعہ

سوال: متعہ کی حرمت پر کیا دلیل ہے، اور کس سنہ میں تحریم متعہ وقوع میں آئی؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اہل تشیع میں مروجہ متعہ کی اجازت اسلام میں ہرگز کسی وقت بھی نہیں دی گئی، اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں یہ بدکاری مروج تھی، اسلام میں اس کو ابتداء ہی سے حرام قرار دیا گیا، تحریم متعہ نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے:۔

① وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (سورۂ مؤمنون و معارج)۔ قرآن کریم نے حلت جماع کو دو چیزوں زوجیت و ملک یمین میں منحصر فرما دیا اور دو صورتوں میں کرر لا کر تاکید فرما دی، زن متعہ ان دو صورتوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، زوجہ اس لئے نہیں کہ لوازم زوجیت: میراث، طلاق، عدت، نفقہ، کسوت، ایلاء، ظہار، امکان لعان اور حصول احصان بالوطء وغیرہ یہاں متحقق نہیں، اور ظاہر ہے کہ مملوکہ بھی نہیں ورنہ اس کی بیع، ہبہ اور تصرف و اعتاق وغیرہ تصرفات جائز ہوتے، وانتفاء الملزوم لانتفاء اللازم۔ علماء شیعہ بھی خود معترف ہیں کہ زن متعہ زوجیت میں داخل نہیں، چنانچہ کتاب اعتقادات ابن بابویہ میں تصریح ہے: اسباب حل المرأة عندنا اربعة النكاح وملك اليمين والمتعة والتحليل الخ۔ وقد روى ابو بصير في الصحيح عن ابي عبد الله الصادق انه سئل عن المتعة اهي من الاربعة قال لا الخ

② فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۂ نساء) یعنی جب تعدد منکوحات سے کسی منکوحہ کی حق تلفی کا خوف ہو تو صرف ایک منکوحہ یا مملوکات پر اکتفاء کرو۔ آیت کریمہ میں ایسی صورتوں کا بیان کرنا مقصود ہے جن میں حق تلفی کا خوف نہ ہو اور یہ معنی متعہ و تحلیل میں بنسبت منکوحہ و مملوکہ کے زیادہ ہے، کیونکہ مملوکہ کے کچھ ایسے حقوق ہیں جن کو ادا نہ کرنا ظلم ہے، بخلاف زن متعہ کے کہ اس کا سوائے اجرت مقررہ کے اور کوئی حق ہی نہیں، اور تحلیل میں تو یہ بھی نہیں، مفت کا سودا ہے، پس اگر متعہ و تحلیل مباح ہوتے تو

اس موقع پر ان کا ذکر ضروری ہوتا، چونکہ ان میں حق تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں، لہٰذا معرضِ بیان میں سکوت سے حصر مستفاد ہے۔

(۳) وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (سورۂ مومنون) اگر متعہ و تحلیل کی اجازت ہوتی تو امر استعفاف کی کیا حاجت تھی؟

(۴) وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم (الیٰ قولہ) ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (سورۂ نساء) اگر متعہ و تحلیل جائز ہوتے تو خوفِ زنا اور حاجتِ صبر کیسے متحقق ہوتی؟ اور عدمِ استطاعتِ حرہ کی حالت میں نکاحِ مملوکہ کا حکم کیوں کر دیا گیا؟ حالانکہ متعہ بقول ان کے سہل، جلد میں لذیذ اور زیادہ بہتر تھا۔

(۵) قرآن کریم میں پہلے محرمات کا بیان ہے، بعد ازیں فرمایا: وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم یعنی حلتِ فرج کے لئے مہر، نفقہ وغیرہ مال خرچ کرنا ضروری ہے۔ اس میں تحلیلِ فرج اور ان کا عاریۃً دینا (جو کہ اہل تشیع کے نزدیک مباح ہے) باطل ہو گیا کیونکہ تحلیل منفعت کا سودا اور مالکِ فرج کا محض احسان ہے۔ اس کے بعد فرمایا: مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ یعنی اس شرط سے نکاح جائز ہوگا کہ عورت کو اپنے لئے خاص کرے اور دوسروں کے ساتھ ربط و تعلق پیدا کرنے سے اس کی حفاظت کرنا مقصود ہو، صرف قضاءِ شہوت اور ازالۂ منی کا خیال کرنا منظور نہ ہو۔ پس اس شرط سے بطلانِ متعہ مصرح ہے، کیونکہ زنِ متعہ تو ہر روز نئے یار کی طلبگار رہتی ہے۔ شرائطِ نکاح کے ذکر کے بعد حلِ نکاح پر تفریع فرماتے ہیں: فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ یعنی بعد نکاح کے اگر تم نے وطی سے استمتاع کیا ہے تو مہر کامل لازم ہو جائے گا ورنہ نصف مہر دینا پڑے گا۔

اہل تشیع آیۂ کریمہ "فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً" کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ متعہ کے بارہ میں ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے اور اس روایت کو عبد اللہ ابن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب کرنا محض افتراء ہے، اگرچہ یہ روایت اہل سنت کی بعض غیر معتبر تفاسیر میں بھی موجود ہے، اس کا باعث یہ ہے کہ شیعہ نے بعض بے اصل روایات کو ایسی شہرت دی کہ بعض اہل حق بھی غلطی کھا گئے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے غلطی سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف جواز متعہ کا قول منسوب کر دیا ہے، حالانکہ خود امام مالک نے

موطا میں تحریم متعہ کی روایات کی تخریج فرمائی ہے، کتب مالکیہ مدونہ وغیرہ میں بھی تحریم متعہ کی تصریح ہے
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت نظم قرآن کے خلاف ہے، اور
وہ تفسیر جو کہ نظم قرآن کے خلاف ہو قبول نہیں کی جا سکتی اگرچہ صحابہ سے نقل کی جاتی ہو، اس
آیت کو ما قبل سے منقطع کر کے ابتداء کلام پر محمول کرنا باطل ہے، حرف فاء اپنے مدخول کو ما قبل
کے ساتھ مربوط کر رہا ہے جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
جو منقول ہے کہ وہ "فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى" پڑھتے تھے اس کے جوابات یہ ہیں:

① اول تو اس روایت کی صحت کا یقین نہیں، کیونکہ کتب معتبرہ میں یہ روایت نہیں پائی جاتی
② اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو قراءت منسوخہ ہے اور قراءت منسوخہ حجت نہیں ہو سکتی
خصوصاً جب کہ صریح آیات اس شاذ و منسوخ قراءت کے مخالف ہیں،
③ اگر نسخ تسلیم نہ کیا جائے تو بھی اس میں متعہ پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ "الى اجل مسمى"
استمتاع کے ساتھ متعلق ہے، عقد کے ساتھ متعلق نہیں، بخلاف متعہ کے کہ اس میں تعیین وقت
کے لئے مدت متعین ہوتی ہے نہ کہ استمتاع کے لئے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم نے اپنی
منکوحہ کے ساتھ مدت معینہ تک استمتاع کیا ہے تو مہر واجب ہے، یعنی مہر مؤجل کا حکم بیان کیا
ہے، احکام القرآن میں ہے: ولان الاجل یجوز ان یکون داخلا علی المہر فیکون تقدیرہ فما
استمتعتم به منهن بمهر الى اجل مسمى فآتوهن مهورهن عند حلول الاجل،
استمتاع کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ عرف میں چونکہ مہر معجل ہونا نہیں دیا جاتا بلکہ وجوب مہر کو
تمام عمر نکاح کر رہنے سے متعلق سمجھا جاتا ہے اس وہم کو رفع کرنے کے لئے قید بڑھائی اور
اس امر کی وضاحت کر دی کہ تاجیل فی المہر عورت کی رضامندی اور اختیار سے ہو سکتی ہے،
ورنہ شرعاً ایسی صورت میں مہر واجب الاداء ہے۔ اگر "الى اجل مسمى" کو عقد کے ساتھ متعلق
کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ نزد شیعہ مدۃ العمر کے لئے متعہ درست نہ ہو حالانکہ یہ بالاجماع شیعہ
درست ہے، نیز اس آیت کا سیاق یعنی "ومن لم يستطع منكم طولا" بھی نکاح کے بارہ
میں ہے، پس درمیانی جملہ کو سیاق و سباق سے منقطع کر کے متعہ پر محمول کرنا صریح تحریف قرآن ہے۔
احادیث صریحہ صحیحہ سے بھی متعہ کی حرمت الی القیامۃ ثابت ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے تحریم متعہ کی روایت اس قدر شہرت و تواتر تک پہنچ چکی ہے کہ حضرت حسن و محمد بن
الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تمام اولاد نے اسے روایت کیا ہے، بخاری، مسلم، موطا و دیگر کتب

حدیث میں متعدد طرق سے یہ روایات ثابت ہیں بلکہ خود امامیہ شیعوں کی معتبر کتاب استبصار ج ۳ ص ۷۷ اور فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۲ اور تہذیب میں بھی حضرت علی سے حرمت متعہ کی روایت موجود ہے ۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی ؎ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

شیعہ کہتے ہیں کہ جنگ خیبر میں متعہ حرام ہوا تھا، مگر بعد میں جنگ اوطاس میں پھر حلال کردیا گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں حرام کردیا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح کردیا تھا، یہ محض غلط ہے، اگر متعہ حلال کردیا گیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے قول تجویز متعہ پر زجر شدید کرنا اور ان کو رجل تائہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں حرمت متعہ کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہار و اشاعت کی غرض سے متعہ پر تخویف و تہدید فرمائی، حتی کہ ہر خاص و عام کو حرمت کا علم ہوگیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول تجویز متعہ صرف مضطر کے بارہ میں تھا جیسا کہ مضطر کے لیے اکل المیتہ والخنزیر حلال ہے، پھر اس سے بھی رجوع فرمالیا، علاوہ ازیں نکاح بالشرط یا بہ نیت فرقت و نکاح موقت کو بھی متعہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ فتح کرمیں اجازت نکاح موقت کو اباحت متعہ سے تعبیر کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اباحت بالشرط اسی قسم کے نکاح سے متعلق تھی، خود ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے حیث قال کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ بہا معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر ما یری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شیئہ (ترمذی ص ۱۳۳ ج ۱) وروی اسد الحارثی من طریق الخطابی الی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس لقد سارت بفتیاک الرکبان وقالوا فیہا شعرا قال وما قالوا قلت قالوا ؎

قلت للشیخ لما طال مجلسہ ؎ یا شیخ ہل لک فی فتیا ابن عباس

فی بضۃ رخصۃ الاطراف آنسۃ ؎ تکون مثواک حتی مصدر الناس

فقال سبحان اللہ ما بہذا افتیت انما ہی کالمیتۃ والدم ولحم الخنزیر ہکذا ذکرہ الخطابی فی معالم السنن ص ۱۹۳ وایضا نقل الخطابی قبیل ہذا ان ابن عباس کان یتأول فی اباحتہ للمضطر الیہ لطول العزبۃ وقلۃ الیسار والجدۃ

فقط واللہ اعلم ــــــــــ

ثم توقف عنه وامسك عن الفتوى به، وروى الترمذى رحمه الله تعالى عنه قال انما كانت المتعة فى اول الاسلام حتى نزلت الآية اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ، قال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فكل فرج سواهما فهو حرام، اس سے یہ مراد نہیں کہ ابتداءً اسلام نے متعہ کی اجازت دی تھی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بوقت ابتداء اسلام جاہلیت کی یہ رسم تھی جس کو ابتداء ہی میں اسلام نے حرام کر دیا، آیت مذکورہ مکیہ ہے:

عقل و درایت کے لحاظ سے بھی بوجوہ ذیل متعہ قبیح و مذموم ہے:-

(۱) دو نطفوں کا ایک رحم میں جمع کرنا باتفاق جمیع مذاہب ناجائز ہے، انسان کے لئے حیوانات سے مابہ الامتیاز حفاظت نسب ہے، پانچ چیزوں کی حفاظت کا اہتمام ہر ملت و مذہب میں ضروری ہے،

اولہا[۱] حفظ النفس، ثم حفظ الدین[۲]، ثم حفظ العقل[۳]، ثم حفظ النسب[۴]، ثم حفظ المال[۵]، اسی لئے شریعت نے قصاص، جہاد، اقامت حدود اور تحریم مسکرات و زنا و متعہ و سرقہ و غصب کی بہت تاکید فرمائی ہے

(۲) متعہ میں بے حیائی و بے غیرتی ظاہر ہے، حیاء و غیرت باجماع عقلاء محمود اور ان کی اضداد مذموم ہیں،

(۳) متعہ میں تضییع اولاد اور اس کا معنوی ہلاک ہے، کیونکہ ولد الزنا کی طرح زن متعہ کی اولاد کی تربیت کا کوئی کفیل نہیں ہوتا،

(۴) اگر مونث اولاد پیدا ہوئی تو اس کا نکاح کفو میں کرنے پر متعہ کرنے والا قادر نہیں ہوتا، غیر کفو میں نکاح کرنے سے ذلت و رسوائی ظاہر ہے،

(۵) متعہ میں یہ یاد داشت ممکن نہیں کہ کس کس عورت سے متعہ کیا، اور اس کے متعہ سے کہاں اولاد پیدا ہوئی، خصوصاً سفر میں ناواقفیت کی حالت میں، پس ایسے حالات میں بہت دفعہ اپنے ہی نطفہ سے پیدا شدہ لڑکیوں سے نکاح یا متعہ واقع ہو سکتا ہے، علیٰ ہذا القیاس متعہ کے باعث بیٹیوں، پوتیوں، بہنوں، پھوپھیوں وغیرہ محرمات کے ساتھ وطی کا وقوع ہوتا رہتا ہے،

(۶) متعہ کی وجہ سے میراث کا حکم بالکل باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ جس شخص نے متعدد دفعہ متعہ کیا ہے اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والی اولاد کا کوئی علم نہیں ہو سکتا کہ کہاں کہاں اور کتنی ہیں، تو کیونکر ان پر ترکہ تقسیم کیا جائے، اسی طرح پیدا شدہ اولاد کا ترکہ تقسیم نہیں ہو سکتا، کیونکہ

حفظ المال ______ ۱

ان کے باپ اور بھائی بہنوں کا کوئی علم نہیں، اگر بعض وارثوں کا علم ہو بھی جائے تب بھی ان پر ترکہ تقسیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب تک جمیع ورثاء کی تعداد اور صفت مذکورۂ وارثیت کا علم نہ ہو اس وقت تک معلوم وارث کا حصہ بھی متعین نہ ہو سکے گا، غرضیکہ تحلیل متعہ کی وجہ سے احکام شریعت کا بطلان اور نوع انسانی میں فساد عظیم لازم آتا ہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں حل وطی کو صرف دو چیزوں (نکاح ظاہر اتابیدا اور ملک یمین) میں منحصر کر دیا ہے جن کی وجہ سے نوع انسانی مفاسد مذکورہ سے محفوظ رہ سکے۔

④ نکاح میں اگرچہ تملیک عین بعینہٖ نہیں بلکہ تملیک منافع بضع ہے، مگر اس کے باوجود نکاح کی مشابہت تملیک اعیان کے ساتھ ہے، اجارہ کے ساتھ نہیں، کیونکہ نکاح بالاتفاق بدون توقیت کے صحیح ہو اور اجارہ بدون توقیت یا تعیین عمل کے فاسد ہوتا ہے، پس جب نکاح کی مشابہت تملیکات اعیان کے ساتھ ہے تو جیسے بیع، ہبہ، صدقہ وغیرہ تملیکات اعیان توقیت کی وجہ سے باطل ہو جاتے ہیں، اسی طرح نکاح کے لئے بھی توقیت مبطل ہے، پس جب نکاح متعہ کا بطلان ثابت ہوا تو متعہ اس سے بھی اقبح ہے، اور دینی و دنیوی مفاسد بھی۔

تاریخ تحریم متعہ:

اس سے متعلق روایات میں بہت اختلاف ہے، مندرجہ ذیل مقامات پر تحریم متعہ روایات میں مذکور ہے:

① غزوۂ خیبر محرم ۷ھ، اخرج البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب النکاح عن الحسن بن محمد بن علی واخیہ عبد اللہ عن ابیہما ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعۃ وعن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن خیبر۔

② عمرۃ القضاء ذی الحجہ ۷ھ، کما فی روایۃ الحسن البصری اخرجہا عبد الرزاق من طریقہ وزاد ما کانت قبلہا ولا بعدہا وھذہ الزیادۃ منکرۃ من راویہا عمرو بن عبید وھو ساقط الحدیث وقد اخرجہ سعید بن منصور من طریق صحیحۃ عن الحسن بدون ھذہ الزیادۃ (فتح الباری)

③ غزوۃ الفتح رمضان ۸ھ، رواہ مسلم۔

④ غزوۂ حنین شوال ۸ھ، اخرجہ النسائی والدارقطنی الحدیث الاول الذی

فیه ذکر خیبر بروایة عبد الوهاب الثقفی عن یحیی بن سعید عن مالك وفیه تصحیف حنین مكان خیبر،

(۵) غزوة اوطاس شوال سنہ ۸ھ، اخرجها مسلم من حدیث سلمة بن الاكوع رضی الله تعالی عنه،

(۶) غزوة تبوك رجب سنہ ۹ھ، اخرجها اسحق بن راهویه وابن حبان من طریقه من حدیث أبی هریرة رضی الله تعالی عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم لما نزل بثنیة الوداع رأی مصابیح وسمع نساء یبکین فقال ما هذا فقالوا یا رسول الله نساء کانوا تمتعوا منهن فقال هدم المتعة النكاح والطلاق والمیراث، واخرجه الحازمی من حدیث جابر رضی الله تعالی عنه قال خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الی غزوة تبوك حتی اذا کنا عند العقبة مما یلی الشام جاءت نسوة فذکرنا تمتعنا وهن یطفن برحالنا فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرنا ذلك له قال فغضب وقام خطیبا فحمد الله واثنی علیه ونهی عن المتعة فتوادعنا یومئذ فسمیت ثنیة الوداع (فتح الباری)

(۷) حجة الوداع سنہ ۱۰ھ، اخرجها ابو داؤد من حدیث الربیع بن سبرة عن ابیه رضی الله تعالی عنه،

وجوہ التوفیق:

وجوہ توفیق معلوم کرنے کے لئے مواردِ نہی کی تنقیح ضروری کی جاتی ہے:

(۱) غزوۂ خیبر:

(۱) حکی البیهقی عن الحمیدی ان سفیان بن عیینة کان یقول قوله یوم خیبر یتعلق بالحمر الاهلیة لا بالمتعة، ابن عیینہ سے بطرق متعددہ ثابت ہے کہ یوم خیبر میں صرف تحریم حمر ہے نہی عن المتعہ نہیں،

(۲) یوم خیبر میں متعہ کا وقوع روایات سے ثابت نہیں، لہٰذا یوم خیبر میں متعہ سے نہی نہیں ہو سکتی،

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول جواز متعہ پر تردید میں فرماتے ہیں "انك رجل تائه" اور حرمت متعہ پر اسی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں، پس اگر یوم خیبر کو تحریم متعہ کا بھی ظرف قرار دیا جائے تو حضرت علی کا احتجاج

ابن عباس پر کیسے مخفی ہو سکتا ہے، جبکہ خیبر کے بعد فتح مکہ میں رخصتِ متعہ ثابت ہے۔

حرمتِ متعہ سے یوم خیبر کے عدم تعلق کی یہ تینوں وجوہ درست نہیں۔

پہلی اس لئے کہ بخاری کتاب المغازی و کتاب الذبائح و ترک الحیل میں اور مسلم کی بھی متعدد روایات میں یوم خیبر کا تعلق صراحۃً متعہ کے ساتھ ہے۔

دوسری اس لئے کہ خیبر میں وقوعِ متعہ کا ذکر اگرچہ روایات میں نہیں مگر بوجوہ ذیل یہ وجہ قابلِ قبول نہیں:

(۱) عدم علم یا عدم ذکر سے عدم وجود پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) نہی عن المتعہ کے لئے وقوعِ متعہ ضروری نہیں، مجاہدین کے سفر میں ہونے اور غربت کی وجہ سے وقوعِ متعہ کا احتمال تھا، اس لئے منع فرما دیا گیا۔

(۳) ابن مسعود و سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اجازتِ متعہ کی علت سفرِ جہاد میں مشقتِ غربت و حاجۃ النساء مع قلتہن تھی، لہٰذا فتح خیبر میں لونڈیوں کی کثرت کی وجہ سے نہی عن المتعۃ لارتفاع سبب الاباحۃ کا موقع تھا، اگرچہ خیبر میں متعہ واقع نہ ہوا ہو۔

(۴) متعہ کی اباحت اُن مغازی میں تھی جو بعید المسافت ہوں، خیبر میں یہ علت موجود نہ تھی، کیونکہ مدینہ سے قریب ہے، لہٰذا نہی عن المتعہ کی ضرورت پڑی۔

تیسری وجہ میں یہ احتمال ہے کہ شاید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح مکہ والی رخصت کا علم نہ ہوا ہو، کیونکہ متعہ قریب ہی نہی واقع ہو چکی تھی، نیز فتح مکہ میں رخصت بھی صرف تین دن کے لئے دی گئی تھی، قربِ نہی و قلتِ ایامِ رخصت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت کا علم نہ ہوا ہو، اس لئے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر خیبر والی روایت سے احتجاج فرمایا۔

غرضیکہ یوم خیبر میں نہی عن المتعہ ثابت ہے، اور غزوۂ فتح میں الیٰ یوم القیامۃ کا لفظ اس پر قرینہ ہے کہ اس سے پہلے خیبر میں تحریم ہو چکی ہے، مگر الیٰ یوم القیامۃ نہ تھی، نیز اگر یوم خیبر کا تعلق صرف لحوم حمر کے ساتھ ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ متعہ کا ذکر کیوں فرمایا؟ مگر اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ابن عباس چونکہ دونوں کی رخصت کے قائل تھے اس لئے حضرت علی نے دونوں کی تردید فرمائی۔

حفظ اخبار ـــــــــــ ۹

(۲) عمرۃ القضاء:

(۱) لا یصح فیہا الا شیٔ من مرسل الحسن ومراسیلہ ضعیفۃ لانہ کان یأخذ عن کل احد (فتح الباری)

(۲) علی تقدیر ثبوت ایام عمرۃ القضاء سے ایام خیبر مراد ہیں، لکونہما فی سنۃ واحدۃ۔

(۳) غزوۃ الفتح میں متعہ کی رخصت کے بعد ہی مؤبداً الی یوم القیامۃ حرمت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(۴) غزوۂ حنین:

(۱) اس روایت کے طرق قویہ میں فتح مکہ کا لفظ ہے، لہٰذا حنین کا لفظ راوی کی خطا ہے (فتح الباری)

(۲) اس روایت میں وقوع متعہ کا ذکر نہیں، حرمت ہی مذکور ہے، لہٰذا تکرار نہی صرف تاکید و مزید اشاعت کے لئے ہے۔

(۳) حنین و فتح مکہ ایک ہی سال میں ہیں، اس سے فتح مکہ پر ایام حنین کا اطلاق کردیا گیا۔

(۴) غزوۂ فتح والی رخصت ہی حنین میں بھی باقی تھی، اس سے نہی کی گئی کیونکہ حنین فتح مکہ کے بعد متصل واقع ہوا ہے، مگر یہ توجیہ صحیح نہیں، کیونکہ مسلم کی احادیث میں مصرح ہے کہ مکہ سے نکلنے سے پہلے ہی متعہ قیامت تک کے لئے حرام کردیا گیا۔

(۵) بعض نے کہا ہے کہ غزوۂ حنین اور غزوۂ اوطاس واحد ہے، لہٰذا جو توجیہ غزوۂ اوطاس سے متعلق کہی ہے وہی حنین میں کی جائے گی، مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں غزوے جدا جدا ہیں، فتح مکہ کے وقت کچھ قبائل مکہ سے بھاگ کر حنین میں جمع ہوگئے تھے، اس لئے حنین میں غزوہ واقع ہوا، پھر حنین سے کچھ قبیلے اوطاس کی طرف چلے گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قصد فرمایا۔

(۵) غزوۂ اوطاس:

(۱) اس میں فی غزوۃ اوطاس نہیں بلکہ عام اوطاس ہے اور اس سے غزوۃ الفتح مراد ہے۔

(۲) بعض نے یہاں بھی وہی توجیہ بیان کی ہے جو غزوۂ حنین کے بارہ میں ۵ کے تحت مذکور ہوئی، مگر اس کا صحیح نہ ہونا اوپر بیان ہوچکا ہے۔

⑥ غزوۂ تبوک:

(۱) غزوۂ تبوک میں وقوع متعہ کی تصریح نہیں، ممکن ہے کہ تحریم سے پہلے ان عورتوں سے متعہ کر چکے ہوں اور تحریم اب واقع ہوئی ہو اور یہ بھی مزید تاکید کے لئے فرمائی گئی ہو۔

(۲) نہی پہلے واقع ہو چکی تھی مگر بعض نے نہی نہ پہنچنے کی وجہ سے رخصت سمجھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غضبناک ہونا بھی اس پر دال ہے کہ نہی پہلے ہو چکی تھی، اور یہی صحیح ہے، کما سیجیئ۔

(۳) تبوک کے بارہ میں دو روایتیں ہیں، ایک ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، دوسری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں، کیونکہ پہلی روایت میں مؤمل ابن اسمٰعیل عن عکرمہ بن عمار کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں، اور دوسری روایت میں عباد بن کثیر ضعیف ہے (فتح الباری)

⑦ حجۃ الوداع:

(۱) اس میں ربیع بن سبرہ سے غلط وہم ہوا ہے، انہی ربیع بن سبرہ سے فتح مکہ کے بارہ میں روایت اصح و اشہر ہے، جب ایک ہی راوی سے ایک ہی قصہ میں متعارض الفاظ منقول ہوں تو ترجیح متعین ہے۔

(۲) حجۃ الوداع والی روایت میں صرف نہی مذکور ہے، وقوع متعہ کا ذکر نہیں، لہٰذا محض تاکید و مزید اشاعت پر محمول ہوگی۔

(۳) قال فی فیض الباری واما من ذکرھا فی حجۃ الوداع فقد تکلم بکلام یشبه الاغلوطات فان المراد منها متعة الحج رفض الحج الی العمرة دون متعة النساء (فیض الباری ج ۴)

مندرجہ بالا تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ تحریم متعہ کے مواضع میں سے صرف خیبر اور فتح مکہ صحیح طریقے سے ثابت ہیں، خیبر سے متعلق بھی کچھ کلام گزر چکا ہے، یعنی بعض محدثین کا خیال ہے کہ یوم خیبر صرف لحوم حمر کے ساتھ متعلق ہے، اور بعض روایات میں متعہ کے ساتھ متعلق معلوم ہوتا ہے ان میں راوی سے تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی ہے، مگر مشہور یہ ہے کہ نسخ متعہ دو مرتبہ ہوا ہے، پہلے خیبر میں دوبارہ فتح مکہ میں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یونہی منقول ہے، ماوردی نے حاوی میں اور نووی وغیرہما نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض نے یوں تطبیق دی ہے کہ مواضع مذکورہ میں فتح مکہ سے پہلے جتنے اذن ہیں سب میں سبب اباحت یعنی مشقت سفر بعید ہونے کی وجہ سے متعہ کی اجازت دے کر حاجت پوری ہوجانے کے بعد نہی فرماتے رہے، اور آخر میں فتح مکہ کے موقع پر تحریم موبد الی القیامۃ مقرر کر دی گئی اس لئے تبوک کے سفر کے شروع ہی میں نہی کی گئی، باوجودیکہ تبوک میں مسافت بعیدہ و مشقت شدیدہ تھی چونکہ نسخ کے بعد یہ پہلا سفر تھا اس لئے احتیاطاً ابتداء سفر ہی میں منع فرما دیا، حدیث تبوک نسخ متعہ فی السفر کے لئے صریح دلیل ہے، غزوہ حجۃ الوداع کے بارہ میں اگر ربیع بن سبرہ کی غلطی نہ بھی تسلیم کی جائے تو یہ نہی مزید تاکید پر محمول کی جائے گی۔

مذکورہ بالا سب توجیہات سے زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے اور یہی صحیح ہے کہ تحریم متعہ مکہ ہی میں نازل ہوچکی تھی چنانچہ نصوص محرمہ "اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" مکیہ ہیں، مگر اس کی اشاعت مکمل طور پر نہ ہوئی تھی، اس لئے بعد میں تاکید و مزید اشاعت کی غرض سے بار بار کئی مواضع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی، اور غزوہ فتح میں جو تین ایام تک اباحت کی روایت ہے اس میں متعہ کی اباحت نہیں بلکہ نکاح موقت کی اباحت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صورۃً نکاح سمجھ کر اجتہاداً اجازت دیدی، مگر آپ کو بذریعہ وحی متنبہ کر دیا گیا کہ یہ بھی معنی متعہ ہے تو آپ نے اس کو بھی حرام قرار دیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ محرم سنہ ۸۳ھ

سوال مثل بالا

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام میں کبھی بھی متعہ کی اجازت نہیں دی گئی، حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ متعہ کی اجازت تھی بعد میں نسخ واقع ہوا، پس ان مولوی صاحب کا خیال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

اباحت متعہ فی ابتداء الاسلام کا انکار حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے بھی فرمایا ہے، مگر اس پر زوردار رد حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہ نے دیا ہے، آپ کی تحقیق فیض الباری میں بایں الفاظ منقول ہے: قلت وما ظهر لي في هذا الباب وان لم يقل احد قبلي ان المتعة بالمعنى المعروف لم تكن في الاسلام قط ولكنها كانت نكاحا بمهر قليل لا بنية الاستدامة بل باضمار الفرقة في النفس بعد حين والظاهر ان تحديد لم[1]

بعشرة دراهم كان بعده وهذا النوع من النكاح يجوز اليوم ايضا الا انه يحظر عنه ديانة لاضمار نية الفرقة ويؤيده ما عند الترمذي ص ۱۳۳ ج ۱ عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما باسناد فيه كلام كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المرأة بقدر ما يرى انه يقيم فتحفظ له متاعه وتصلح له شيئه فهذا صريح في انه كان نكاحا مع اضمار الفرقة واما التخصيص بثلاثة ايام كما في بعض الروايات فليس كالقصر بل الوجه فيه ان المهاجرين لم يكونوا رخصوا في اقامتهم بمكة بعد الحج فوق ذلك فجعلوا اجازة المتعة لثلاثة ايام لهذا الا ان المتعة لعلة لثلاثة ليال فليس الفرق الا ان النكاح مع نية عدم الاستدامة كان مرخصا في اول الامر ثم عاد الامر الى اصله كما كان ولم يرخص فيه ايضا فهذا هو المتعة عندي واما ان المتعة بالمعنى الذي زعموه فيما لا اراه ان يكون ابيح في الاسلام قط وقال بعضهم في فسخ الحج الى العمرة ايضا نحوه فانكروه راسا كما انكرنا المتعة في الاسلام غير اني تفردت بانكار المتعة اما في فسخ الحج الى العمرة فقد سبق فيه ناس قبلي واختار الجمهور انه كان ثم نسخ (فيض الباري ص ۱۲۸ ج ۴)۔

اور حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ الآیۃ کا نزول دور مکہ ہی میں ہو چکا تھا جس سے تحریم متعہ ظاہر ہے، مگر اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اس تحریم کی اشاعت اور تاکید فرمائی، یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصوص قرآنیہ محرمہ متعہ کے بعد متعہ کی اجازت دی ہو، فتح مکہ کے موقع پر جو اجازت مروی ہے وہ نکاح موقت کی تھی نہ کہ متعہ کی، نکاح موقت صورۃً نکاح ہے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاداً اس کی اجازت دی تھی، مگر آپ کو وحی سے متنبہ کر دیا گیا کہ معنیً یہ بھی متعہ ہی ہے، تو آپ نے اس کی تحریم کا بھی اعلان فرمایا۔

حاصل یہ کہ متعہ جیسی بے حیائی کی اسلام میں کبھی بھی اجازت نہیں دی گئی، یہ جاہلیت میں مروج تھا، اسلام نے شروع ہی سے اس کو حرام قرار دیا، البتہ متعہ محرمہ میں نکاح باضمار نیت فرقت و نکاح موقت کا دخول منصوص نہ ہونے کی وجہ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی، لہذا بذریعہ وحی غیر متلو آیت محرمہ میں ان کا دخول بیان فرما کر ان کی حرمت بھی واضح کر دی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سلخ محرم سنہ ۸۳ھ

حفظ الحیاء ـــــــ ـــــــ ۱۳۔

سوال مثل بالا،

سوال: جب آیات تحریم متعہ مکہ میں نازل ہو چکی تھیں اور متعہ کی اجازت مدینہ میں دی گئی تو ان آیات متقدمۃ فی النزول سے تحریم متعہ پر استدلال کیسے صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ نے اس اشکال کے متعدد جواب تحریر فرمائے ہیں، ان میں سے بہترین جواب یہ ہے کہ تحریم متعہ وقت نزول نصوص ہی سے ہے، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اباحت متعہ کی کوئی روایت نہیں، مگر چونکہ تحریم کی اشاعت بعض وجوہ سے مکمل طور پر نہ ہوئی تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر نہی اور اس کی تاکید کی اہمیت کو محسوس فرمایا اور بار بار کئی مواقع پر بغرض اشاعت و تاکید حکم قرآن کی تبلیغ فرمائی، فتح مکہ میں جو تین روز تک اباحت کی روایت ہے اس میں اباحت نکاح موقت ہے، متعہ کی اباحت نہیں ہوئی۔

بندہ کے نزدیک متعہ سے متعلق یہ تحقیق سب تحقیقات سے بڑھ کر ہے، اس کے بعد کسی دوسرے جواب کی ضرورت نہیں، معہذا تکمیل فائدہ کی غرض سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے جمیع جوابات نقل کئے جاتے ہیں:۔

ونصہ: واما الاستدلال بآیۃ المؤمنین والمعارج علی حرمۃ المتعۃ فقد نقل بالطرق الصحاح عن اکابر الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وفقہاء التابعین رحمہم اللہ تعالیٰ منہم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما فی المشکوٰۃ ومنہم عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ عن ابن ابی ملیکۃ قال سألت عائشۃ عن متعۃ النساء فقالت بینی وبینکم کتاب اللہ وقرأت وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (الی قولہ) فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فمن ابتغی وراء ما زوجہ اللہ او ملکہ فقد عدی واخرج عبد الرزاق وابو داؤد فی ناسخہ عن القاسم بن محمد انہ سئل عن المتعۃ فقال انی لاری تحریمہا فی القرآن ثم تلا ہذہ الآیۃ وکذا اروی عن محمد بن کعب القرظی وعن قتادۃ وعن السدی وعن ابی عبد الرحمن السلمی وغیرہم من مشاہیر التابعین فلا شبہۃ ان ماتین السورتین مکیتان فی الاستدلال بہذہ الآیۃ الواقعۃ فیہما علی تحریم المتعۃ

نوع اشكال والجواب عنه من وجوه:

الاول: ان هذه الآية مدنية وان كانت السورتان مكيتين وقد ذكر في الاتقان انه ليس فيهما آية مدنية قلنا الصحابة ومشاهير التابعين اعرف بالناسخ والمنسوخ والمتقدم والمتأخر فاستدلالهم بهذه الآية على حرمة المتعة اول دليل على كون الآية مدنية لا يعارضه ما في الاتقان البتة ولا سيما المكي والمدني عندهم يطلقان باعتبار الغالب فلعل ما في الاتقان مبني على ما روي من الصحابة والتابعين من الحكم بكونهما مكيتين وهو لا ينافي كون بعض آياتهما مدنياً.

والثاني: هب ان الآية مكية لكن فهم تحريم المتعة منها متأخر عن الناسخ فهذه الآية بعد لحوق البيان وهذا المجموع لم يكن متحققاً قبل التحريم فلا جرم بقي حكم المتعة على الاباحة الاصلية وتحقيق المقام ان بعض الآيات يدل على بعض الاحكام بطريق الاشارة فاذا اراد الله تعالى وضوح الحكم المدلول عليه بتلك الطريق اوحى الى الرسول صلى الله عليه وآله وسلم ان يبين للناس تلك الطريقة فيصير الآية حينئذ دالة على ذلك الحكم دلالة الصريح ويفهم منه العوام والخواص ومتى اراد الله اخفاء ذلك الحكم لم يبين الرسول صلى الله عليه وسلم تلك الطريق وان يفهم الخواص والاذكياء ذلك الحكم فلا يكون التكليف به عاما مثاله قوله تعالى تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا فان توصيف الرزق بالحسن وترك هذا الوصف في السكر يدل اشارة على حرمة الخمر مع ان الآية مكية نزلت قبل تحريم الخمر بمدة مديدة وكذا قوله تعالى فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ يدل اشارة بل صريحا على حرمتها لان دفع الضرر لا سيما اذا كان اخرويا دائما مقدم على جلب النفع سيما اذا كان عاجلا دنيويا باجماع العقل والشرع ولهذا كان عمر رضي الله تعالى عنه بعد نزول هذا الباب يقول اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا دون ان يقول حرم علينا الخمر فيهم استدلالهم ان هذه الآية بعد بيان الرسول يدل قطعا على حرمة المتعة وكانت قبل البيان دليلا ظنيا اذ من المحتمل ان يكون المراد مما ملكت ايمانهم اعم من ملك الرقبة وملك المنافع فلا يفهم تحريم المتعة قطعاً.

بقي ههنا اشكال صعب اصولي وهو انه خلاف ما تقرر عندهم ان تأخير البيان

عن وقت الحاجة لا يجوز عندهم وفي هذه الآية يلزم ذلك،

قلنا المحذور من ذلك ما اذا لم يفهم المعنى المكلف به اصلاً كا قيموا الصلوٰة بلا بيان لصفة الصلوٰة اما اذا فهم اصل المعنى ولم يفهم بعض ما يدل عليه الكلام بطريق الاشارة فلا محذور في ذلك اصلا،

والثالث، سلمنا ان هذه الآية كانت دالة على حرمة المتعة بلا حاجة الى البيان لكن كان حكمها مؤخرا في التكليف به الى زمان فلما جاوز ذلك الزمان ثبت ذلك الحكم بتلك الآية وكانت الآية ناسخة قبل الهجرة ووقع النسخ بها في غزوة خيبر بسبب تأخير حكمها الى ذلك الزمان كما صح عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم في ان قوله تعالى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ناسخة للامر بالمعروف والنهي عن المنكر في آخر الزمان، والله اعلم فقط،

من فتح العزيز تحت قوله تعالى اَوْ نُنْسِهَا في سورة البقرة بعد ذكر قراءة الهمزة من الانساء وهو التأخير والتحقيق ان الانساء سواء كان بمعنى في الاصل محققا او ناقصا باقيا من النسيان بمعنى الاغفال والاذهال امر غير النسخ مقابل له مقابلة الصحيح والبيوع في الحركات ومقابلة السلم والبيع المؤجل في المعاملات وهو ان يقدم نزول الآية على حكمها ويتأخر حكمها عن تلاوتها الى مدة كما ان النسخ تقدم الحكم على بقاء التلاوة وتأخير التلاوة عن مدة بقاء الحكم وهو كثير الوقوع في الآيات، وبهذا القسم يرتفع الاشكال عما يروى من اكابر الصحابة رضي الله تعالى عنهم انهم تمسكوا في الاحكام المدنية بالآيات المكية كما روي ذلك بطريق الصحيح عن امير المؤمنين علي كرم الله وجهه في قوله تعالى قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى انه اشارة الى اداء صدقة الفطر وتكبيرات العيد وصلوٰة العيد وكما روي عن امير المؤمنين عمر رضي الله تعالى عنه انه تمسك في حرمة الطلاء بقوله تعالى في النحل تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا وكما روي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما انه تمسك في حرمة المتعة بقوله تعالى في المؤمنين والمعارج فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ بل هذا القسم في غير الاحكام ايضا كما في قصة سرة متذ رين مسرور الانصاري فانه نزلت الاشارة اليها بمكة في قوله والعٰدِيٰتِ ضَبْحًا

الی قوله ثم تعلق به جمعا وتحقیق هذا الانشاء ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم والمجتهدین من الصحابة ما کانوا یتفرغون لاستنباط احکام الوقائع المفروضة المقدرة بل یکتفون ببیان احکام الوقائع النازلة فمتی ما لم یتفق وقوع واقعة لم یتوجهوا الی مأخذها ولم یتصدوا لبابه فی استخراج حکمها فلا جرم بقی مأخذها علی ما کان علیه من الخمول والخفاء حتی اذا آن وقت بیان حکمها فی علم الله ووقعت واقعة تقتضی ذلک صرف الله اذهانهم الی ذلک المأخذ وتمسکوا به کما وقع ذلک فی قصة تطفیف اهل المدینة مکائیلهم وتمسک النبی صلی الله علیه وآله وسلم بصدر سورة التطفیف ومن امعن بهذا الاصل استراح من کثیر من التکلفات التی ارتکبها اهل التفسیر واهل الاصول کما لا یخفی علی المتتبع۔

ایضا من فتح العزیز تحت قوله تعالی فی المؤمنین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون، فان قالوا ای الشیعة قد صح عندکم ان المتعة کانت مباحة الی زمن خیبر بعد نزول هذه الآیة فکیف یصح التمسک بها فی تحریمها قلنا ان اردتم بالاباحة الاباحة الشرعیة التی تتوقف علی فعل الرسول او قوله او تقریره منعنا کونها مباحة بهذا المعنی بعد نزول هذه الآیة اذ لم ینقل لا عندنا ولا عندکم ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم اطلع علی متعة وقعت فقررها او اذن فیها او معاذ الله ان یفعل هو واصحابه من ذلک شیئا فای دلیل لکم علی اثبات هذه الاباحة وان اردتم بالاباحة الاباحة الاصلیة اعنی عدم ورود النهی عنها من بعد فنقول انما کان اعتمادنا علی هذه الآیات فانها مصرحة بتحریمها وکم من حکم صرح به فی القرآن ولم یتوجه النبی صلی الله علیه وآله وسلم الی تأکیده وشرحه وبسطه الا بعد سنوح الحاجة الی ذلک من وقوع الواقعة او سؤال السائل ولما لم یتفق فی باب المتعة شیء من هذه الامور الی زمن خیبر لم یتعرض النبی صلی الله علیه وآله وسلم لتبیین حرمتها کما لم یتعرض لابد احکام النکاح والتزوج الی ان هاجر الی المدینة ووقعت فی ذلک وقائع یقتضی شرحها وبسطها نعم قد رخص النبی صلی الله علیه وآله وسلم عام اوطاس لاجل الغزو فی النکاح الموقت لا فی المتعة کما صرحت بذلک روایة عمران بن حصین وابی موسی الاشعری وغیرهما رضی الله تعالی عنهم مما هو فی صحیح مسلم وغیره من الصحاح فقد رخص لنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام اوطاس ان تنکح المرأۃ بالثوب الی اجل
فظن ابن عباس ان المأذون فیہ کان نکاحا موقتا لا متعۃ وانما سماہ من سمی متعۃ
مجازا او تشبیہا وانما ظن فیہ باجتہادہ حیث علم انہ نکاح فیہ شرط التاجیل
وبسبب ذلک الشرط شابہ المتعۃ فلما ارتی الیہ انہ فی المعنی کالمتعۃ لایجاب
اختلال النسب وضیاع الاولاد وجہالۃ الارث والمورث بادر الی تحریمہ ایضا
بعد ما ثبت تحریمہا المؤبد انما المتعۃ لم تکن مباحۃ قط بعد نزول ہذہ الآیات
الا مجازا حیث لم یقع التصریح بتحریمہا من جہۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم فنہی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنہا یوم خیبر کنہی عمر رضی اللہ تعالی
عنہ فی خلافتہ فانہما نہیا تاکیدا لا نہیا تشریعا ہکذا ینبغی ان یفہم ہذا المقام
فانہ من مزال الاقدام فقط (فتاوی عزیزی ص ۲۰۲ ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم

۱۳ر جمادی الاولی ۹۵ھ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

القول الفاصل

بین

النکاح الفاسد والباطل

نکاح فاسد اور باطل کے درمیان کچھ فرق ہے؟

اگر ہے تو کیا؟

اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بہت اختلاف و اضطراب پایا جاتا ہے، اس رسالہ میں حضرت مؤلف علام دامت برکاتہم کی نظر عمیق نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ نکاح فاسد و باطل کی تعریف اور ان کے احکام میں کیا فرق ہے؟

نکاح فاسد و باطل میں فرق کی تحقیق

سوال: نکاح فاسد و باطل کے احکام میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور ان کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا عند الحساب۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر: وعدة المنکوحة نکاحا فاسدا فلا عدة فی باطل، وفی الشامیة (قوله نکاحا فاسدا) هی المنکوحة بغیر شهود ونکاح امرأة الغیر بلا علم بانها متزوجة ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح (قوله فلا عدة فی باطل) افاد انه لا فرق بین الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح ومنظومة العینیة لکن فی البحر عن المجتبی کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لکونه زنا کما فی القنیة وغیرها اه، قلت ویشکل علیه ان نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد کما علمت مع انه لم یقل احد من المسلمین بجوازه وتقدم فی باب المهر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب ومثل له فی البحر هناک بالتزوج بلا شهود وتزوج الاختین معا والاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة علی الحرة اه (رد المحتار ج ۲)

وفی باب المهر من شرح التنویر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود بالوطء فی القبل لا بغیره، وفی الشامیة عن المحیط تزوج ذمی مسلمة فرق بینهما لانه وقع فاسدا اه فظاهره انهما لا یحدان وان النسب یثبت فیه والعدة ان دخل بحر قلت لکن سیذکر الشارح فی آخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوی نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل اه، وهذا صریح فیقدم علی المفهوم فافهم ومقتضاه الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح لکن فی الفتح قبیل التکلم

فی نکاح المتعۃ انہ لافرق بینھما فی النکاح بخلاف البیع نعم فی البزازیۃ حکایۃ
قولین فی ان نکاح المحارم باطل او فاسد والظاہر ان المراد بالباطل ما وجودہ کعدمہ
ولذا لا یثبت النسب ولا العدۃ فی نکاح المحارم ایضا کما یعلم مما سیأتی فی الحدود
وفسر القھستانی ھنا الفاسد بالباطل ومثلہ بنکاح المحارم الخ وبعد اسطر ولعلہ سہا
انہ لافرق بینھما فی غیر العدۃ اما فیھا فالفرق ثابت وعلی ھذا ینبغی قول البحر
ھنا ونکاح المعتدۃ بما اذا لم یعلم بانھا معتدۃ لکن یرد علی ما فی المجتبی مثل نکاح
الاختین معا فان الظاہر انہ لم یقل احد بجوازہ ولکن لینظر وجہ التقیید بالمعیۃ
والظاہر ان المعیۃ فی العقد لا فی ملک المتعۃ اذ لو تاخر احدھما عن الآخر فالمتاخر
باطل قطعا (رد المحتار ص ۳۰۲ ج ۲)

تحقیق بالا سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے:۔

(۱) نکاح فاسد و باطل کے درمیان صرف وجوب عدت میں فرق ہے، باقی احکام وجوب مہر
وسقوط حد وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔

(۲) نکاح فاسد کی تعریف ”کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ“ اور نکاح باطل کی تعریف
”مالم یقل احد بجوازہ“

(۳) اس تعریف کا نکاح المحارم ومعتدۃ الغیر ونکاح الاختین معا سے منقوض ہونا۔

(۴) ہر سہ نقوض کا جواب۔

بندہ کے خیال میں نقض اول وثالث کے جواب میں اشکال ہے، نقض اول کے جواب کا
حاصل یہ ہے کہ نکاح محارم باطل ہے، موجب عدت نہیں، چنانچہ شامیہ کتاب الحدود میں ہے:
وحاصلہ ان عدم تحقق الحل من وجہ فی المحارم المذکورۃ زنا محضا یلزم منہ عدم
ثبوت النسب والعدۃ ولا یلزم منہ عدم الشبھۃ الدارئۃ للحد ولا یخفی ان فی ھذا
توجیھا لقول الامام (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۳) غرض یہ کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ
نکاح دارء حد ہونے میں نکاح فاسد کی طرح ہے کیونکہ سقوط حد میں نکاح فاسد و باطل برابر ہیں،
کوئی فرق نہیں، حقیقت میں یہ نکاح باطل ہے، اسی لئے موجب عدت نہیں۔

اس جواب پر شامیہ کے اس جزئیہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے: ثم التشابہ من الحرام
وجوھما: ... وفی النھر وروی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ انہ قال سقوط الحد عنہ لشبھۃ

حکمیۃ فیثبت النسب وھکذا ذکر فی المنیۃ وھذا صریح بان الشبھۃ فی المحل وفیھا یثبت النسب علی ما مر اھ، قلت وفی ھذا زیادۃ تحقیق لقول الامام لما فیہ من تحقیق الشبھۃ حتی ثبت النسب ویؤید ہ ما ذکرہ الخیر الرملی فی باب المھر عن العینی ومجمع الفتاوی انہ یثبت النسب عندہ خلافا لھما (رد المحتار ص ۲۷۴ ج ۳)

اور نقض ثالث کے جواب پر یہ اشکال ہے کہ نکاح الاختین متعاقبا میں بھی نکاح ثانی بعد الوطء موجب عدت ہے، کما فی الھندیۃ وان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد (الی قولہ) وان فارقھا بعد الدخول فلھا المھر ویجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل وعلیھا العدۃ ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختھا کذا فی محیط السرخسی (عالمگیریۃ ج ۲)

حاصل یہ کہ نکاح باطل و فاسد کی مذکور تعریف غیر سالم ہے، بندہ جہاں تک عبارات میں غور کرنے سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بلا لحاظ خصوصیت عاقد فی نفسہ محل عقد ہی موجود نہ ہو تو نکاح باطل ہے جیسے نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہا متزوجۃ، کیونکہ آن واحد میں اجتماع المالکین ناممکن ہے، اور اگر محل عقد تو موجود ہے مگر خصوصیت عاقد یا فقدان شرط کی وجہ سے ممنوع ہے تو نکاح فاسد ہوگا کنکاح المحارم، اس میں منع خصوصیت عاقد کی وجہ سے ہے، فی نفسہ محل عقد موجود ہے، یہ تعریف بیع باطل و فاسد سے قریب تر ہونے کے علاوہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی مؤید ہے، قال فی الشامیۃ فی باب العدۃ ویمکن الجواب عن المرتدی انہ حمل المنکوحۃ نکاحا فاسدا علی ما سقط منہ شرط الصحۃ بعد وجود المحلیۃ کالنکاح المؤقت او بغیر شھود اما منکوحۃ الغیر فہی غیر محل اذ لا یمکن اجتماع ملکین فی آن واحد علی شیء واحد (رد المحتار ج ۲ ص ۸۲۰) وایضا فی حد الزنا فی الشامیۃ مدار الخلاف علی ثبوت محلیۃ النکاح للمحارم وعدمہ فعندہ تکون ثابتۃ علی معنی انہا محل لنفس العقد لا بالنظر الی خصوص عاقد فقبولہا مقاصد من التوالد فاورث شبھۃ ونفیاہ علی معنی انہا لیست محلا لعقد ھذا العاقد فلم یورث شبھۃ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۷۲)

اس تعریف کی بنا پر نکاح المحارم ونکاح الاختین فاسد ہوگا، لہٰذا موجب عدت ہے، اور نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہا متزوجۃ باطل ہے، اس لئے موجب عدت نہیں، اور نکاح المعتدۃ مع العلم بانہا معتدۃ حقیقت میں تو باطل ہونا چاہئے مگر بعض وجوہ شبھہ کی وجہ سے فاسد کا حکم لگ جاتا ہے۔

جیسا کہ مرض الموت میں ورثہ کا حق ترکہ سے متعلق ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے معتدہ کے نکاح کو فاسد بھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ معتدہ عنقریب ہی محل عقد بننے والی ہے، اس لئے اس میں ایجاب عدت میں احتیاط ہے۔

نکاح المسلمۃ بالکافر تعریف مذکور کی بناء پر فاسد ہونا چاہئے، مگر اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

محیط میں اس کو فاسد قرار دیا گیا ہے، اس کے مطابق علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح مثبت نسب و موجب عدت ہے، کما نقل العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب التعزیر عن المحیط تزوج ذمی مسلمۃ فرق بینہما لانہ وقع فاسدا او فظاہرہ انہما لا یحدان وان النسب یثبت فیہ والعدۃ ان دخل بحر (رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۲)

اور مجمع الفتاوی میں اس نکاح کا بطلان تحریر ہے، قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی اٰخر فصل فی ثبوت النسب قلت وفی مجمع الفتاوی نکح کافر مسلمۃ فولدت لا یثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لانہ نکاح باطل، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لانہ نکاح باطل) ای فالوطء فیہ زنا لا یثبت بہ النسب بخلاف الفاسد فانہ وطء بشبہۃ فیثبت بہ النسب ولذا تکون بالفاسد فراشا لا بالباطل رحمتی واللہ سبحانہ اعلم (رد المحتار ج ۲)

وجوہ التوفیق:

① محیط میں فاسد سے باطل مراد ہے وھذا الاطلاق شائع فی البیوع۔

② محیط میں کافر ذمی کا ذکر ہے اور مجمع الفتاوی میں کافر سے غیر ذمی مراد ہے۔

③ مجمع الفتاوی کا جزئیہ قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

وجہ الترجیح:

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب التعزیر بعد نقل الفساد عن المحیط والبطلان عن مجمع الفتاوی وھذا اراہ ما فی المجمع من حکم البطلان یمیم تقدم علی الفہم فافہم (رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۲)

کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قول بطلان ہی راجح ہے، اس کے مطابق نکاح باطل کی تعریف مذکور پر وارد ہونے والے نقض کا جواب یوں ہو سکتا

ہے کہ مسلمہ بالنسبۃ الی جنس الکافر محل عقد نہیں جیسے کہ خمر و خنزیر کی بیع اس لئے باطل ہے کہ بالنسبۃ الی جنس المسلم مال نہ ہونے کی وجہ سے محل عقد نہیں۔

کافر کے لئے مسلمہ کے محل عقد نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں:

① یہ منصوص ہے، قال اللہ تعالیٰ: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔

② کافر محل الخبث ہے کما مر جوابہ فی مواضع کثیرۃ۔

ایک امر کی تحقیق ابھی باقی ہے وہ یہ کہ نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہا متزوجۃ مسقط حد ہے یا نہیں؟

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر عن المجتبیٰ عن القنیۃ وغیرہا سے نقل فرمایا ہے کہ اس صورت میں حد لگائی جائے گی وقدمنا نصہ فی اول البحث۔

مگر دوسری تصریحات کے پیش نظر سقوط حد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اوپر اس امر کی تصحیح گذر چکی ہے کہ نکاح باطل و فاسد میں صرف حق عدت میں فرق ہے، بقیہ احکام میں کوئی فرق نہیں، لہذا مسقط حد ہونے میں بھی فرق نہ ہوگا۔ چنانچہ شامیہ کتاب الحدود میں سقوط حد کی تصریح موجود ہے: او عقد علی منکوحۃ الغیر او معتدتہ او مطلقتہ الثلاث او امۃ علی حرۃ او تزوج مجوسیۃ او امۃ بلا اذن سیدھا او تزوج العبد بلا اذن سیدہ او تزوج خمسا فی عقدۃ فوطئهن او جمع بین الاختین فی عقدۃ فوطئهما او الاخیرۃ لو کان متعاقبا بعد التزوج فانہ لا یحد وھو بالاتفاق علی الاظہر وبعض مشائخنا انما یحد عندھما فی ذات المحارم لا فی غیرہا کالمجوسیۃ والخامسۃ والمعتدۃ وکذا عبارۃ الکافی للحاکم تفیدہ حیث قال تزوج امراۃ ممن لا یحل لہ نکاحها فدخل بها لا حد علیہ وان فعلہ علی علم لم یحد ایضا ویوجع عقوبۃ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا ان علم بذلک فعلیہ الحد فی ذوات المحارم اھ فقد سوی المراۃ مع قرینہ ثم خص علی قولہما بذوات المحارم (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ رمضان المبارک [illegible] یوم الجمعۃ

المهر الفاصل ـــــــــــ

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع فان
خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم

حکمۃ الازدواج
باربع ازواج

اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے

اس کی حکمت

عقل و نقل کی روشنی میں

حکمۃ تعدد الازدواج وحصرہ فی الاربع

اقتباس از ارشاد القاری الی صحیح البخاری مؤلفہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

عقلاً و نقلاً و تجربۃً وقیاساً ہر لحاظ سے یہ امر مسلّم ہے کہ مرد میں عورت کی نسبت شہوت کئی گنا زیادہ ہے۔

شرعاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کا اختیار دیا ہے، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو اس کا برعکس ہونا چاہئے تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے بہت سی وعیدیں بیان فرمائی ہیں جبکہ وہ مرد کے بلانے پر ہمبستری کے لئے راضی نہ ہوں، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو مردوں کے لئے ایسی وعیدیں آنی چاہئے تھیں۔

عقلاً اس لئے کہ مرد کا مزاج گرم ہے جو سبب شہوت ہے اور عورت کا مزاج سرد ہے۔

تجربۃً اس لئے کہ کوئی شخص اس کا قائل نہیں اور نہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا کہ عورت ہمبستری کی دعوت دے اور مرد انکار کرے، اس کے برعکس اس کی مثالیں روزمرہ پیش آتی رہتی ہیں کہ مرد بلاتا ہے عورت راضی نہیں ہوتی۔

قیاساً اس طریقے سے کہ دوسرے حیوانات میں یہ امر مشاہد ہے کہ ایک مذکر سینکڑوں مؤنث کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی یا برابر ہی ہوتی تو شہر کا ہر گلی کوچہ شب و روز زنا کاری کا بازار ہوتا، بازار میں ہر مرد کا عورتوں کی طرف جنسی میلان ہوتا ہے، الا المتقین، اگر عورت کی جانب سے بھی ایسا ہی میلان پایا جائے تو بدفعلی سے مانع کیا چیز ہوگی؟ خصوصاً جس حکومت میں بدفعلی جرم نہ ہو، اور لڑکیوں کے والدین اور قریبی اسے نفرت کی نگاہوں سے نہ دیکھتے ہوں۔

قرآن کریم میں اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ پر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زانیہ کی تقدیم اس کی دلیل ہے کہ اس میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔

مگر ان مفسرین کا یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ خیال عقل ونقل اور تجربہ وقیاس
سب کے خلاف ہے،

مزید برآں مردوں میں کثرت احتلام اور عورتوں میں اس کا وجود کالعدم ہونا بھی اس کی دلیل
ہے کہ عورت میں شہوت کالعدم ہے، ان امور سے ثابت ہوا کہ مرد میں شہوت زیادہ ہے،

بعض لوگوں کو ایک مسئلہ فقہیہ سے بھی مغالطہ ہوا ہے، وہ یہ کہ نظر الرجل الی المرأۃ کی
نسبت نظر المرأۃ الی الرجل اخف ہے، جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت میں شہوت زیادہ
ہے لہٰذا مرد کے دیکھنے سے اگر مرد میں بھی شہوت پیدا ہوگئی تو فتنہ زیادہ ہے، اس کے برعکس اگر عورت
نے دیکھا تو چونکہ مرد میں شہوت کم ہے لہٰذا فتنہ کا کوئی احتمال نہیں،

اس مسئلہ کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ مرد کے مفتون ہونے کی صورت میں
چونکہ اس کی کامیابی سہل ہے، اس لئے کہ مرد کے پاس تحصیل مقصد کے ذرائع موجود ہوتے ہیں، قلت
حیاء، کثرت شہوت، قوت قلب اور مال وزر، قوت جسم اور آزادی سے آمد و رفت یہ امور اس کے مقصد
کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں، اس کے برعکس عورت کی نظر مرد کی طرف اس قدر خطرناک نہیں، اس
لئے کہ اولاً تو ان میں قلت شہوت کی بنا پر فتنہ کا احتمال نہیں، اور ثانیاً شاذ ونادر یہ نظر موجب
شہوت ہو بھی جائے تو کثرت حیاء، قلب وجسم کا ضعف اور قلت مال، آمد و رفت کا تعذر ایسے
امور ہیں کہ ان کی بنا پر عورت اپنی بری خواہش کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی،

آیۂ کریمہ میں زانیہ کی تقدیم کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلت شہوت، کثرت حیاء، کثرت موانع
اور قلت ذرائع کے ہوتے ہوئے عورت کا زنا میں مبتلا ہونا نہایت ہی قبیح ہے، لہٰذا اس کی
تقبیح اور تشنیع شان کی غرض سے اُسے مقدم ذکر کیا،

پس ثابت ہوا کہ مرد کی کثرت خواہش کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے متعدد بیویاں ہوں،
نیز کثرت نساء و قلت رجال معقول ہونے کے ساتھ مشاہد بھی ہے، اولاً تو عورت کی پیدائش
زیادہ ہے اور مردوں کی کم، ثانیاً عالمگیر جنگوں میں مرد ہی تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں، پس اگر تعدد
ازدواج کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے تو عورتوں کی مکافات کے لئے اتنے مرد کہاں سے آئیں گے؟

اب رہا حصر فی الاربع کا مسئلہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے
کہ عورت چار مہینے تک نفسانی خواہش کو ضبط کر سکتی ہے، چنانچہ قرآن میں مسئلہ ایلاء اور
عدت متوفی عنہا زوجہا اس پر بیّن دلیل ہے، ایلاء میں چار ماہ سے زیادہ مدت تک رکنا

بیوی کے پاس نہ جانا جو کہ ظلم تھا، اس لئے شریعت نے چار ماہ کے بعد عورت کو خیار دے دیا،
اسی طرح جاہلیت میں عدتِ وفات ایک سال تھی، شریعت نے اسے ظلم قرار دیتے ہوئے
چار مہینے دس دن سے زائد مدت کو ساقط کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت کسی گلی میں سے گزر رہے تھے کہ ایک
عورت کی آواز پڑی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ لزحزح من ھذا السریر جوانبہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ ان کا شوہر مدتِ طویلہ سے
جہاد میں گیا ہوا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے
عورتوں کی شہوت کا اندازہ کر کے بتاؤ کہ عورت کتنی مدت تک ضبط کر سکتی ہے، چنانچہ متفقہ طور پر یہ طے
پایا کہ چار ماہ کی مدت تک عورت صبر کر سکتی ہے، بنا بریں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قانون
بنا دیا کہ اس مدت سے زیادہ کوئی شادی شدہ سپاہی جہاد میں نہ رہے۔

اسی کے پیشِ نظر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ چار مہینے میں ایک دفعہ
ہمبستری کرنا دیانۃً فرض ہے۔

اور مرد کے لئے مدتِ ضبط شرعاً منقول نہیں، مگر کئی ایک معاملات میں مدتِ شہر کو
کثیر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ بیع سلم اور عند البعض اختلافِ مطالع میں مدتِ شہر کا اعتبار
کیا جاتا ہے، نیز ایک ماہ میں قمر اپنا دورہ کامل کر لیتا ہے، جس کا انسانی خون پر اثر ہوتا ہے، اس
لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی قوتِ برداشت کی انتہاء ایک مہینہ ہے، اور عورت کی چار ماہ،
دونوں کے تناسب سے معلوم ہوا کہ ایک مرد کے لئے چار بیویاں کافی ہو سکتی ہیں۔

نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وطی سے مقصود توالد ہے اور موجبِ توالد وہ وطی ہوتی ہے
جو حیض کے بعد ہو، اور انقضاءِ حیض کے بعد مرد کے لئے شہوت صادق بھی ہوتی ہے، حیض
عام طور پر تندرست عورت کو مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہے، اس بنا پر مرد کو ہر مہینہ میں ایک
وطی کا تقاضا ہے، اور عورت چار مہینے میں، تو ثابت ہوا کہ ایک زوج کے لئے چار بیویوں کی
ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب المحرمات

عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو جمع کرنا جائز ہے:

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی، بعد میں یہ شخص فوت ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ متوفی کی پہلی بیوی کی مذکورہ لڑکی اور متوفی کی دوسری بیوی کی دونوں سے کوئی شخص شادی کرتا ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی العلائیۃ حرم الجمع وطأ بملک یمین بین امرأتین ایتہما فرضت ذکرا لم تحل للاخری ابدا (الی قولہ) فجاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجها او امرأۃ ابنها او امۃ ثم سیدتها لانہ لو فرضت المرأۃ او امرأۃ الابن او السیدۃ ذکرا لم یحرم بخلاف عکسہ وفی الشامیۃ (قولہ لم یحرم) ای التزوج فی الصور الثلاث لان المذکر المفروض فی الاولی یصیر متزوجا بنت المزوج وهی بنت رجل اجنبی الخ (رد المحتار ص ۳۰۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ شوال ۸۱ھ

عورت اور اس کے باپ کی بیوی کو جمع کرنا جائز ہے:

سوال: محمد رحیم نے دو عورتوں زینب اور زلیخا سے نکاح کیا، زلیخا سے ایک لڑکی رحیمہ پیدا ہوئی جس کا صدیق سے نکاح کر دیا، اس کے بعد محمد رحیم فوت ہوگیا، اب صدیق اپنے خسر محمد رحیم کی منکوحہ زینب سے بھی نکاح کرنا چاہتا ہے جو درحقیقت اس کی ساس نہیں بلکہ ساس کے مقابلہ میں ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

صدیق کا زینب سے نکاح درست ہے، قال فی الہندیۃ ویجوز بین امرأۃ وبنت زوجها (عالمگیریۃ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ محرم ۸۲ھ

عورت اور اس کی بھانجی کی لڑکی کو جمع کرنا حرام ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کی زندگی میں اپنی سالی کی نواسی سے نکاح کرلیا ہے، یہاں بعض علماء اس نکاح کو جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں، حضرت تحریر فرمائیں کہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو نکاح خواں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا،[عـــه] زوج پر لازم ہے کہ دوسری بیوی کو چھوڑ دے، اگر دوسری بیوی سے ہمبستری بھی ہوئی ہو تو اس پر عدت اور شوہر پر مہر مقرر و مہر مثل میں سے اقل لازم ہے، اس عدت میں شوہر پر نفقہ و سکنیٰ واجب نہیں، جب تک اس بیوی کی عدت نہ گزر جائے اس وقت تک پہلی بیوی سے ہمبستر ہونا جائز نہیں، نکاح خواں سے اگر یہ فعل لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر حرمت کا علم رکھتے ہوئے اس نے یہ فعل کیا ہے تو سخت گنہگار ہوا، اس پر توبہ فرض ہے، قال فی الهندیة فی القسم الرابع من المحرمات: والأصل ان کل امرأتین لو صورنا احداهما من ای جانب ذکرا لم یجز النکاح بینهما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینهما هکذا فی المحیط (وبعد اسطر) وان تزوجهما فی عقدین فنکاح الاخیرة فاسد، ویجب علیه ان یفارقها ولو علم القاضی بذلک یفرق بینهما فان فارقها قبل الدخول لا یثبت شیء من الاحکام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر ویجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل وعلیها العدة ویثبت النسب ویعتزل من امرأته حتی تنقضی عدة اختها کذا فی محیط السرخسی، وایضا فیها فی القسم الاول من المحرمات وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن (الی ان قال) وخالات آبائه وامهاته (عالمگیریة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول

دو عورتوں میں حرمت جمع کا ضابطہ:

سوال: بیوی کے وہ کونسے رشتے ہیں جہاں ایک شخص بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرسکتا، مثلاً بیوی کی بہن، اس سے مزید جو رشتے ہوں ان کی بھی وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

عـــه اس کی تفصیل کتاب النکاح میں عنوان "نکاح فاسد میں شرکت کی تفصیل" کے تحت ملاحظہ ہو۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسی دو عورتیں کہ ان میں سے جس کو بھی مذکر فرض کیا جائے تو اس پر دوسری ہمیشہ کے لئے حرام ہو، ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، جیسے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی وغیرہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۲ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

بیوی خسر سے زنا کا اقرار کرتی ہے مگر شوہر تصدیق نہیں کرتا:

سوال: بہو کہتی ہے کہ مجھے خسر زنا پر مجبور کرتا رہا ہے، شوہر نابالغ ہے، اس لئے اب تک صحبت نہیں کی، خسر بات کو خلوت میں زبردستی بوس و کنار کرتا ہے، اور بازو سے پکڑ کر اندر لے جانے کے لئے زور سے کھینچتا ہے، مگر میں باہر نکل آتی ہوں، اس حالت میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ خسر کے اس فعل پر کوئی گواہ نہیں، خسر کہتا ہے کہ لڑکا نابالغ ہے، مگر مجھے اپنا گھر آباد کرنا ہے، لیکن لڑکی نوجوان ہے، اور خسر کے گھر ہرگز جانے کو تیار نہیں، علی الاعلان کہتی ہے، ہاں یہ کہتی ہے کہ علیحدہ مکان میں شوہر کے پاس رہنا قبول ہے، خسر کے ساتھ نہ رہوں گی۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

صرف عورت کے کہنے سے عورت شوہر[عه] پر حرام نہ ہوگی، بلکہ اگر خسر بھی اقرار کرے تو بھی حرام نہ ہوگی، البتہ اگر شوہر بعد البلوغ تصدیق کرے تو حرمت ثابت ہو جائے گی، نابالغ کی تصدیق معتبر نہیں، بعد البلوغ تصدیق کرنے سے خود بخود نکاح نہ ٹوٹے گا، بلکہ[عه] ضروری ہو کہ شوہر زبان سے طلاق یا چھوڑنے کے الفاظ کہے، عورت کی طرف سے جدا مکان کا مطالبہ صحیح ہے، اگر خرابی کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو بھی عورت کو جدا رہنے کا مطالبہ کرنے کا حق ہے، اب جبکہ خرابی کا گمان ہے تو ضروری ہے کہ اس عورت کو خسر سے جدا رکھا جائے، ساتھ رہنے پر مجبور کرنا گناہ ہے۔

قال في الهندية عن المحيط رجل قبل امرأة ابيه بشهوة او قبل الاب امرأة ابنه بشهوة وهي مكرهة وانكر الزوج ان يكون بشهوة فالقول قول الزوج وان صدقه الزوج وقعت الفرقة (عالمگیریة ج ۱)

عه عورت کے لئے حکم حرمت و نکاح ثانی کی تفصیل تتمہ میں ہے ۱۲

عه اس کی تفصیل کتاب النکاح میں عنوان "نکاح توسط میں حرکت کی تفصیل" کے تحت ملاحظہ ہو ۱۲

وفی الشامیۃ وعلی ھذا ینبغی ان یقال فی مسہ ایاھا لاتحرم علی ابیہ وابنہ الا ان یصدقاہ او یغلب علی ظنہما صدقہ ثم رأیت عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ما یفید ذلک اھ (رد المحتار ج ۲)

وما فی کتاب الاقرار من العلاثیۃ اقر حر مکلف یقظان طائعا او عبد او صبی او معتوہ ماذون لہم ان اقروا بتجارۃ (الی قولہ) صح، وفی الشامیۃ تحت (قولہ ان اقروا بتجارۃ) بدون مالیس منہا کالمھر والجنایۃ والکفالۃ اھ (رد المحتار ج ۴)

وفی التنویر وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لایحل لہا التزوج الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ، وفی الشامیۃ والمتارکۃ لاتتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بہا (رد المحتار ج ۲)

وفی التنویر وکذا تجب لہا السکنی فی بیت خال عن اھلہ واھلہا بقدر حالہما (رد المحتار ج ۲)

وفی الشامیۃ (قولہ والصہرۃ الشابۃ) قال فی القنیۃ ماتت عن زوج وام فلہما ان یسکنا فی دار واحدۃ اذا لم یخافا الفتنۃ وان کانت الصہرۃ شابۃ فللجیران ان یمنعوھا منہ اذا خافوا علیہما الفتنۃ (رد المحتار ج ۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ

چچی حلال ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ حمل میں طلاق دی، اب زوج اول کا بھتیجا اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وضع حمل کے بعد نکاح کرسکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ بعد ذکر تفصیل المحرمات واحل لکم ما وراء ذلکم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ

ممانی حلال ہے:

سوال: ماموں کی وفات کے بعد ماموں کے بھانجے ماموں کی بیوی کے محرم رہتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ماموں کی حیات میں بھی محرم نہیں، ممانی پر پردہ فرض ہے اور ماموں کی وفات کے بعد اس سے نکاح جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰/ شوال

باپ کی چچازاد حلال ہے:

سوال: باپ کی چچازاد سے شرعاً نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال اللہ تعالیٰ بعد ذکر المحرمات وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ

وفی شرح التنویر واما عمة عمة امه وخالة خالة ابیه حلال کبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالیٰ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ، قلت لما حلت بنت العم فبنت عم الاب بالاولیٰ، ونظیره ما استدل به ابن عابدین رحمه اللہ تعالیٰ حیث قال تحت قوله واما عمة عمة امه الخ: واخت زوج الام تحرم فاخت زوج الجدة بالاولیٰ (رد المحتار ج ۲) وقال فی الفتح وفروع اجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والاخوال (فتح ج ۳) قلت حاصله ان حرمة فروع الاجداد والجدات مقصورة علی البطن الاول لا تتجاوز الی البطن الثانی فلا تحرم بنت عم الاب لکونها من البطن الثانی لان البطن الاول من فروع اب الجد هو عم الاب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۸/ ذی القعده

بیٹے کی منکوحہ حرام ہے:

سوال: منکوحۂ ابن جس سے ابن نے وطی اور خلوت صحیحہ نہیں کی اسے اگر ابن طلاق دے تو اس سے اس کا باپ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ عورت شوہر کے باپ کے لئے حلال نہیں، اگرچہ شوہر نے وطی یا خلوت صحیحہ نہ کی ہو، قال فی العلائیة وزوجة اصله وفرعه مطلقا ولو بعیدا دخل بها اولا، وفی الشامیة وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها او لم یدخل (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲/ ربیع الاول

دادا کی بیوی کی لڑکی حلال ہے :

سوال : زید نے شادی کی، اس سے ایک لڑکا عمر پیدا ہوا، پھر زید نے پہلی بیوی کے فوت ہونے پر دوسری عورت سے شادی کی، اور اس کے بعد زید فوت ہوگیا اور اس کی دوسری بیوی نے دوسرا عقد کرلیا بکر سے، اس بکر سے اس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تو زید کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ لڑکے (عمر) کا لڑکا زید کی دوسری بیوی کی اس لڑکی سے جو بکر سے پیدا ہوئی نکاح کرسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عمر کے لڑکے کا نکاح اس کے دادا (زید) کی دوسری بیوی کی لڑکی (جو بکر سے پیدا ہوئی ہے) سے جائز ہے، قال فی العلائیۃ وزوجۃ اصلہ و فرعہ مطلقا ولو بعیدا دخل بھا اولا واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال (رد المحتار ج ۲) قلت لما حلت بنت زوجۃ الاب فبنت زوجۃ الجد بالاولیٰ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الاول سنہ ۶۲ھ

ماں کے شوہر کی پوتی حلال ہے :

سوال : سوال بالا میں جو صورت مذکور ہے اس میں زید کی دوسری بیوی کا لڑکا جو بکر سے پیدا ہوا عمر کی لڑکی سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بکر کے لڑکے کے لئے اس کی والدہ کے شوہر اول (زید) کی پوتی (عمر کی لڑکی) حلال ہے، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال) وکذا بنت ابنہا بحر وقال الخیر الرملی ولا تحرم بنت زوج الام ابنہ (رد المحتار ج ۲) قلت لما حلت بنت زوج الام فبنت ابنہ بالاولیٰ کما نقل عن البحر بعد حلۃ بنت زوجۃ الاب حلۃ بنت ابنہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الاول سنہ ۶۲ھ

زانی و مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنے بھائی کی بیوی سے زنا کیا، اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی اولاد کا نکاح آپس میں ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ جو کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے قال فی الشامیۃ ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجب سنہ ۷۲ھ

رضاعی بھائی بہن کی اولاد کا نکاح آپس میں جائز ہے:

سوال: ایک شخص نے بچپن میں ایک عورت کی والدہ کا دودھ پیا، اب ان رضیعین کی اولاد کا نکاح آپس میں ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جب نسبی بھائی بہن کی اولاد ایک دوسرے کے لئے حلال ہے تو رضاعی کی حلت میں کیا شبہ ہے، فانه یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، وقال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رجب سنہ ۷۲ھ

بھائی کی رضاعی بہن حلال ہے:

سوال: زید نے ہندہ کی والدہ کا دودھ پیا، تو زید کے بھائی کا نکاح ہندہ سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی العلائیۃ وتحل اخت اخیه رضاعا یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی له اخت رضاعیة الخ (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ رجب سنہ ۷۲ھ

حرمت مصاہرت کے لئے شہوت کی حد:

سوال: ایک شخص رات کو بیوی کی چارپائی پر گیا، اور اسے بیدار کرنے کے لئے بوسہ دیا، اس وقت کے شہوت بالکل نہ تھی بوسہ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ بیوی کی چارپائی پر اس کی جوان لڑکی ہے، تو اس حالت میں اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جانبین میں سے کسی ایک میں بوقت مس شہوت پیدا ہو جائے تو حرمت ثابت ہو جاتی

ہے۔ مس کے بعد شہوت کا کوئی اعتبار نہیں، شہوت کی حد ایسے مرد میں جس کی صحت ایسی ہو کہ عموماً بوقتِ شہوت اسے انتشار ہوتا ہو یہ ہے کہ بوقتِ مس انتشار ہو جائے، اور پہلے سے انتشار ہو تو اس میں زیادتی ہو جائے، ایسے مرد میں جسے خرابی صحت کے باعث بوقتِ شہوت عموماً انتشار نہ ہوتا ہو اور اسی طرح عورت میں حدِ شہوت یہ ہے کہ قلب میں حرکتِ مشوشہ پیدا ہو جائے، اگر پہلے سے حرکت ہو تو زیادہ ہو جائے، پس اگر مسئلہ میں شہوت کی حدِ مذکور نہیں پائی گئی اور قرائن سے یہ بھی ظنِ غالب ہو کہ لڑکی میں بھی اس وقت شہوت پیدا نہیں ہوئی تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اور نہ ہی لڑکی سے تحقیق کی ضرورت ہے، البتہ اگر لڑکی میں شہوت پیدا ہو جانے کا گمان ہو تو اس سے تحقیق کی جائے، اگر وہ اقرارِ شہوت کرے اور باپ کو اس کے صدق کا ظنِ غالب ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

قال فی شرح التنویر والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما وحدها فیهما تحرک آلته او زیادته به یفتی وفی امرأة ونحو شیخ کبیر تحرک قلبه او زیادته۔ وفی الشامیة قال فی الفتح ثم هذا الحد فی حق الشاب اما الشیخ والعنین فحدهما تحرک قلبه او زیادته ان کان متحرکا لا مجرد میلان النفس فانه یوجد فیمن لا شهوة له اصلا کالشیخ الفانی ثم قال ولم یحدوا الحد المحرم منها ای من المرأة واقله تحرک القلب علی وجه یشوش الخاطر اھ رأیتها فیها تحت قوله واصل ماسته، وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان یصدقها ویقع فی اکبر رأیه صدقها وعلی هذا ینبغی ان یقال فی مسه ایاها لا تحرم علی ابیه وابنه الا ان یصدقاه او یغلب علی ظنهما صدقه ثم رأیت عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ ما یفید ذلک۔
(رد المحتار ص [illegible] ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم　　　　۳ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ

مس بالشہوۃ میں وجودِ حائل یاد نہیں تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی:

سوال: ایک شخص نے اپنی ساس کا ارادۃً بلا ادر شہوت سے بازو پکڑا، اس سے زیادہ بوس و کنار وغیرہ کچھ نہیں ہوا، اب یہ یاد نہیں کہ مس کے وقت بازو پر کپڑا تھا یا نہیں تو اس صورت میں اس شخص کا نکاح مذکورہ عورت کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں اگرچہ مس بلا حائل کا یقین نہیں تاہم وجوہِ ذیل سے حرمت ثابت ہوگی:

① جہاتِ احتمالات تین ہیں :

(۱) مس بلا حائل (۲) مس بحائل لایمنع الحرارۃ (۳) مس بحائل مانع ۔

اوّل الذکر دو احتمال موجب حرمت ہیں، اور آخری ایک احتمال غیر موجب ہے، لہٰذا ترجیح حرمت کو ہوگی، لتعدد موجبہا نظیرہ ما فی باب الصرف من بیوع الهدایة حیث قال وجهة الصحة من وجه وجهة الفساد من وجهین فترجحت (ہدایہ ص ۸۳ ج ۳)

② عموماً ہاتھ کلائی میں ڈالا جاتا ہے جس پر کپڑا ہونا بعید اور خلافِ ظاہر ہے ۔

③ قولِ حیلولہ میں متقی کا فائدہ ہے، لہٰذا اس میں نفس و شیطان کے فریب کا گمان ہے ۔

④ اگر محرم و مبیح دونوں احتمال مساوی ہوتے تو بھی اصولاً ترجیح محرم کو ہوتی، معہذا اگر حائل مانعِ حرارت کا ظن غالب ہو تو نکاح کی گنجائش ہے، مگر شبہات سے احتراز بہرحال اَولیٰ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ۹ ذی الحجہ سنہ ۸۲ھ

زنا سے متولدہ لڑکی زانی کے بھائی کے لئے حلال ہے :

سوال : صبیہ متولدہ من الزنا زانی کے بھائی پر حلال ہے یا حرام ؟ فتح، بحر اور شرح التنویر کے باب محرمات میں اس کی حرمت مذکور ہے، لیکن خود کتب مذکورہ کی کتاب الرضاع میں حلال لکھا ہے، جس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ بنت زانی کا جزء ہے، اس کے بھائی یا چچا کا جزء نہیں، اس پر یہ شبہ ہے کہ زانی کے بھائی کا اگرچہ حقیقی جزء نہیں تاہم شبہ الجزء تو ہے، چنانچہ ثابت النسب بنت بھی اسی وجہ سے اپنے عم پر حرام ہے، غرضیکہ ثابت النسب وغیر ثابت النسب میں وجہ فرق کیا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

فصل محرمات میں بھی دونوں قول مذکور ہیں، منحۃ الخالق میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے حلت کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، ونصہ والظاهر ان ما نقله المؤلف عن الفتح هنا مبنی علی ما قرره من حرمة البنت من الزنا بصریح النص فتدخل فی قوله تعالی وبنٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت فتحرم علی العم وعلی الخال بصریح النص وهو استنباط حسن ولکن ان کان منقولاً فهو مقبول والا فیتبع المنقول فی التجنیس واللہ تعالیٰ اعلم (البحر الرائق ص ۹۲ ج ۳)

وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنت ثابت النسب اب کا حقیقۃً جزء ہے، اور چچا کی

جزئیت کا شبہ ہے، اس سے حرام ہوئی، اور غیر ثابت النسب چونکہ مادہ محرم سے پیدا نہیں ہوئی اس لئے اس میں شریعت نے حقیقت جزء کا تو اعتبار کیا کہ زانی پر حرام ہے، مگر شبہ جزئیت کا اعتبار نہ کیا، لہٰذا اس کے بھائی کے لئے حلال ہے، نیز یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نطفۂ زنا کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا، اسی لئے یہ بنت ثابت النسب اور وارث نہیں، مگر چونکہ حقیقۃً زانی کا جزء ہے اگرچہ شرعاً غیر معتبر ہے، پس اس میں شبہ جزئیت پیدا ہو گیا جو حرمت کے لئے کافی ہے، لہٰذا زانی پر حرام ہوئی، اور زانی اور اس کے بھائی کے درمیان شبہ جزئیت ہے تو زانی کی بنت اور بھائی کے درمیان شبہ شبہ الجزئیت ہوا جو معتبر نہیں، لہٰذا بھائی کے لئے حلال ہے،

قول حرمت صرف اس صورت میں ہے کہ زنا سے ولادت تک زانی نے مزنیہ کو اپنے قبضہ میں رکھا ہو، ورنہ اس لڑکی کا اس زانی کے نطفہ سے تولد متیقن نہیں، لہٰذا یہ زانی کے بھائی کے لئے بالاتفاق حلال ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رجب سنہ ۸۲ھ

ربیبہ رضاعیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے عورت ذات لبن کو طلاق دی، اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا، پھر اس مرضعہ نے زوج ثانی سے نکاح کیا تو یہ رضیعہ زوج ثانی کے لئے حلال ہوگی؟ قیاس تو حرمت کو چاہتا ہے، کیونکہ لبن اگرچہ زوج ثانی سے نہیں مگر یہ رضیعہ زوج ثانی کے لئے ربیبہ کے حکم میں ہے، شامیہ ج ۲ ص ۴۲۲ پر در مختار کی یہ عبارت طلق ذات لبن فاعتدت وتزوجت باٰخر فحبلت وارضعت فحکمه من الاول لانه منه بالیقین فلا یزول بالشك ویکون ربیبا للثانی بھی اسی پر دال ہے، مگر شامیہ میں اسی موقع پر زقولہ فحکمہ) کے تحت صورت مسئولہ میں حلت تحریر فرمائی ہے ونصها وان ما فی الخلاصة من انها لو ارضعت لابلبن الزنی تحرم علی الزانی مردود لان المسطور فی الکتب المشهورة ان الرضیعة بلبن غیر الزوج لاتحرم علی الزوج کما تقدم فی قوله طلق ذات لبن الخ وکلام الخلاصة یقتضی تحریمها بالاولی الخ، نیز شامی نے طلق ذات لبن الخ سے حلت ثابت کی ہے، حالانکہ اسی عبارت سے حرمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس عبارت میں زوج ثانی کے لئے ربیب ہونے کی تصریح ہے، بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا کافیا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ لڑکی زوج ثانی کی ربیبہ ہے، اس لئے بیوی سے وطء کے بعد اس پر حرام ہو جائے گی، قبل الدخول حرام نہیں، ان المسطور فی الکتب المشہورۃ الا یہ حرمت لبن فحل کی نفی مقصود ہے، ربیبہ ہونے کی وجہ سے بعد الدخول حرمت ثابت ہو جائے گی، قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ الا ام اختہ من الرضاع) لہ ابن من النسب لہ اخت من الرضاع بان ارتضع مع اجنبیۃ من لبن امرأۃ ابیہ حلت لابیہ لانہا لیست بنتہ من الرضاع ولا ربیبتہ (فتح القدیر ص ۴۴۲ ج ۳) وفی رضاع الشامیۃ تحت (قولہ ولبن بکر) والحرمۃ لا تتعدی الی زوجہا حتی لو طلقہا قبل الدخول لہ ان یتزوج برضیعتہا لان اللبن لیس منہ فیستثنی ھذا اما لو طلقہا بعد الدخول فلیس لہ التزوج بالرضیعۃ لانہا صارت من الربائب التی دخل بامہاھ (من الہندیۃ رد المحتار ص ۴۲۴ ج ۲) وفی محرمات العلائیۃ وحرم بالمصاہرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ (الی قولہ) وحرم الکل مما مر تحریمہ نسباً ومصاہرۃ رضاعاً وفی الشامیۃ یعنی یحرم من الرضاع (الی قولہ) وفروع زوجتہ (رد المحتار ص ۴۰۳ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

رضیعۂ مزنیہ زانی پر حرام ہے:

سوال: مزنیہ کی رضیعہ زانی کے لئے حلال ہے یا حرام؟ شامیہ میں محرمات کے بیان میں حرام لکھا ہے، اور کتاب الرضاع میں حلت کو ترجیح دی ہے، صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شامیہ کتاب الرضاع میں فتح القدیر سے ترجیح حلت کی جو تقریر منقول ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لبن زانی موجب حرمت نہیں، یعنی رضیعۂ لبن الزانی اس کی بنت رضاعیہ نہیں، مگر اس میں لبن فحل والی حرمت نہیں، اس سے مطلق حرمت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہاں حرمت کا دوسرا سبب موجود ہے، وہ یہ کہ مزنیہ کی بنت رضاعیہ زانی کے حق میں بمنزلہ اس ربیبہ کے ہے جس کی ماں مدخول بہا ہے، اس لئے زانی پر حرام ہے، احسن الفتاویٰ قدیم میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب خیر المدارس ملتان کا حلت کا فتویٰ اور اس پر بندہ

کی تائید درج ہے، اس کے بعد میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اس لئے بغرض توضیح علامہ
شامی کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے: قال فی شرح التنویر طلق ذات لبن فاعتدت
وتزوجت بآخر فحبلت وارضعت فحکمه من الاول لانه منه بیقین فلا یزول
بالشک ویکون ربیبا للثانی حتی تلد فیکون اللبن من الثانی والوطء بشبهة کالحلال
قیل وکذا الزنا والاوجه لا نعم، وفی الشامیة (قوله نعم) وذلک حیث قال ولبن
الزنا کالحلال فاذا ارضعت به بنتا حرمت علی الزانی وآبائه وابنائه وان سفلوا
وفی التجنیس عن الجرجانی ولعم الزانی التزوج بها کالمولودة من الزانی لانه
لم یثبت نسبها من الزانی والتحریم علی آباء الزانی واولاده للجزئیة ولا جزئیة
بینها وبین العم واذا ثبت هذا فی المتولدة من الزنا فکذا فی المرضعة بلبن الزنا
قال فی الخلاصة وکذا لو لم تحبل من الزنا وارضعت لا بلبن الزنا تحرم علی الزانی
کما تحرم بنتها علیه وذکر النووی ان الحرمة تثبت من جهة الام خاصة ما لم
یثبت النسب فحینئذ تثبت من الاب وکذا ذکر الاسبیجابی وصاحب الینابیع
وهو اوجه لان الحرمة من الزنا للبعضیة وذلک فی المولود نفسه لانه مخلوق
من مائه دون اللبن اذ لیس اللبن کائنا من منیه لانه فرع التغذی وهو
لا یقع الا بما یدخل من اعلی المعدة لا من اسفل البدن کالحقنة فلا اثبات
فلا حرمة بخلاف ثابت النسب لان النص اثبت الحرمة منه واذا ترجح
عدم حرمة الرضیعة بلبن الزانی علی الزانی فعدم حرمة من لیس اللبن منه
اولی خلافا لما فی الخلاصة ولانه یخالف المسطور فی الکتب المشهورة ان لا تحرم
تحریم بنت المرضعة بلبن غیر الزوج علی الزوج بطریق اولی اهـ کلام الفتح ملخصا
وحاصله ان فی حرمة الرضیعة بلبن الزنا علی الزانی وکذا علی اصوله وفروعه
روایتین کما صرح به القهستانی ایضا وان الاوجه روایة عدم الحرمة وان
ما فی الخلاصة من انها لو ارضعت لا بلبن الزانی تحرم علی الزانی مردود لان المسطور
فی الکتب المشهورة ان الرضیعة بلبن غیر الزوج لا تحرم علی الزوج کما تقدم فی
قوله طلق ذات لبن الخ وکلام الخلاصة یقتضی تحریمها بالاولی وما فی الفتاوی
اذا خالف ما فی المشاهیر من الشروح لا یقبل هذا تقریر کلام الفتح وقد وقع

في فهمه خبط كثير منه ما وقع في البحر من أن محل الخلاف أصول الزاني وفروعه وأما لا تحل للزاني اتفاقا اھ والحاصل كما قال في البحر أن المعتمد في المذهب أن لبن الزاني لا يتعلق به التحريم وظاهر الخراج والخانية أن المعتمد ثبوته اھ قلت وذكر في شرح المنية انه لا يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية وقد علمت أن الوجه مع رواية عدم التحريم (رد المحتار ص ۴۰۲ و ۴۳۳ ج ۲) اس تعبیر میں ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مطلق حلت کو اوجہ قرار دے رہے ہیں، ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ظاہر اسلوب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اور انہوں نے منحۃ الخالق میں صراحۃً اسی کو اختیار فرمایا ہے، مگر ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے محررہ دلائل سے صرف عدم حرمت لبن الزانی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، مطلق حلت ثابت نہیں ہوتی، تقریر مذکور میں تین دلائل ہیں:

① وذكر الوبري أن الحرمة تثبت من جهة الأم خاصة ما لم يثبت النسب فحينئذ تثبت من الأب وكذا ذكر الإسبيجابي وصاحب الينابيع،

اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ رضیعہ مزنیہ زانی کی بیٹی نہیں، مزنیہ کی بیٹی ہے، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مزنیہ کی نسبی بیٹی کی طرح یہ بھی زانی پر حرام ہے۔

② وهو أوجه لأن الحرمة من الزنا للبعضية وذلك في الولد نفسه لأنه مخلوق من مائه دون اللبن إذ ليس اللبن كائنا منه اھ

یہ وجہ بھی صرف حرمت لبن زانی کی نفی کر رہی ہے، بحیثیت ربیبہ ہونے کی وجہ سے حرمت کی نفی اس سے نہیں ہوتی، بلکہ یہ وجہ اس حرمت کی مثبت ہے، بایں طور کہ مزنیہ میں زانی کی جزئیت ہے، اور رضیعہ میں مزنیہ کی جزئیت۔

③ ولأنه يخالف المسطور في الكتب المشهورة إذ يقتضي تحريم بنت المرضعة بلبن غير الزوج على الزوج بطريق أولى،

اس سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ کتب مشہورہ میں حلت علی الاطلاق مسطور نہیں، بلکہ اس میں عدم دخول بالام کی قید ہے، جیسا کہ علائیہ کی عبارت مذکورہ میں ویکون ربیبا للثانی اور شرح التحریر جیم کی عبارت ارتضع مع اجنبیۃ من لم تکن امرأۃ ابیہ حلت لابیہ لانها لیست بنته من الرضاع ولا ربیبته سے مفہوم ہے، اور خانیہ میں مصرح ہے جیسا کہ خود شامیہ میں منقول ہے (ونصها تحت قوله ولبن بكر) والحرمة

لا تحرم علی زوجها حتی لو طلقها قبل الدخول له التزوج بمرضعتها لان اللبن لیس
منه قهستانی اما لو طلقها بعد الدخول فلیس له التزوج بالرضیعة لانها صارت
من الربائب التی دخل بامها بحر عن الخانیة (رد المحتار ص ۴۳۴ ج ۲)

علاوہ ازیں فصل محرمات میں بشمول ابن ہمام وابن عابدین جمیع فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے رضیعہ زوجہ پر اس کی بنت نسبیہ کا حکم لگا کر حرام قرار دیا ہے، اور اس کو حدیث یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب میں داخل قرار دیا ہے، کتاب الرضاع میں ابن ہمام نے اس کے دخول فی الحدیث پر اشکال کیا ہے، مگر اولاً تو یہ اشکال صرف بحث ہے، ثانیاً اگر اس کو حکم فرض کر لیا جائے تو صرف ان کی اپنی رائے ہے، جو ان کے تفردات میں سے ہے، اس کو مسطور فی الکتب المشہورۃ قرار دے کر اس سے استدلال صحیح نہیں، ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کو صرف لبن زانی کی عدم حرمت پر محمول فرمایا ہے، مگر تقریر مذکور میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد رضیعہ زانیہ کی علی الاطلاق حلت ثابت کرنا ہے، کما قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحۃ الخالق، مگر ان کا یہ دعویٰ ان کے بیان فرمودہ دلائل سے ثابت نہیں ہوتا، کما قررنا،

حاصل یہ کہ رضیعہ زانیہ میں حلت وحرمت دونوں روایتیں ہیں، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلت کو وجیہ قرار دیا ہے، اور ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کتاب الرضاع میں اسی کو اختیار فرمایا ہے، مگر بندہ کے خیال میں وجہ مذکور سے صرف لبن زانی کے عدم حرمت کا اوجہ ہونا ثابت ہوتا ہے، حلت رضیعہ کی ارجحیت ثابت نہیں ہوتی، پس بصورت تعارض حرمت کو ترجیح ہے، علامہ حصکفی وشامی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے فصل محرمات میں اسی کو اختیار فرمایا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

بیوی کے رضاعی اصول وفروع حرام ہیں:

سوال: رد المحتار باب المحرمات میں ہے کہ منکوحہ مزنیہ کے اصول وفروع رضاعیہ حرام ہیں، اور کتاب الرضاع میں ان کی حلت تحریر ہے، وجہ توفیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

منکوحہ کے اصول وفروع رضاعیہ کی حرمت میں اختلاف نہیں، البتہ حرمت رضیعہ کے لئے رضاع بلبن تزوج یا دخول بالام کی قید ہے، مزنیہ کے رضاعی اصول وفروع میں اختلاف ہے،

اور قول حرمت راجح ہے، تفصیل مسئلہ سابقہ میں تحریر کی جاچکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی حرام ہے:

سوال: سننے میں آیا ہے کہ آپ نے ابن واب رضاعی کی بیوی کی حلت کا فتویٰ دیا ہے، حالانکہ شامیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں اس کی حرمت کی تصریح ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خیر المدارس ملتان سے ایسی تحریر موصول ہوئی تھی اس میں فتح القدیر کتاب الرضاع کی بحث منقول تھی، اس وقت اصل کتاب میرے پاس نہیں تھی اس لئے تحریر مذکور دیکھ کر میں نے حلت کا فتویٰ دیدیا، بعد میں ایک عزیز کے متوجہ کرنے پر اصل کتاب میں مقام مذکور و دیگر متعلقہ مقامات کے ملاحظہ سے ثابت ہوا کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حرمت ہی کے قائل ہیں اور انھوں نے کتاب الرضاع میں حرمت پر اشکال محض بحثاً ذکر فرمایا ہے، نقل مذہب نہیں، فصل محرمات میں بیان مذہب پر ان کی صریح عبارت ہے، ونصہ وکما تحرم حلیلۃ الابن من النسب تحرم حلیلۃ الابن من الرضاع وذکر الاصلاب فی الآیۃ لاسقاط حلیلۃ المتبنّٰی وذکر بعضھم فیہ خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ والمنقول منھم ان ذکر الاصلاب لاحلال حلیلۃ المتبنّٰی لا لاحلال حلیلۃ الابن من الرضاع یعنی عنا دلالاحلال (فتح القدیر ص ۲۱۰ ج ۳) اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب کے تحت فرماتے ہیں فتضمن زوجۃ الابن والاب من الرضاع لانہا حرام بسبب النسب فکذا بسبب الرضاع وھو قول اکثر اھل العلم کذا فی المبسوط بحر وقد استشکل فی الفتح الاستدلال علی تحریمھا بالحدیث الخ (رد المحتار ص ۴۲۹ ج ۲) حرمت کا فتویٰ تحریر کرنے کے بعد ابن ہمام کا صرف اشکال ذکر کیا ہے لیکن شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ نہیں سمجھتے صرف اشکال سمجھتے ہیں، اس اشکال کے جواب میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقد سھا فیہ الشیخ ومنشؤہ انھم ذکروا الصورۃ المذکورۃ فی باب المصاھرۃ فظن ان الحرمۃ فیھا من قبل الصھر فقط مع ان النسب ایضا دخیل فیھا کما تدل علیہ اضافۃ المرأۃ الی الابن فحرمۃ زوجۃ الابن علی الاب من جھتین لاجل الصھر

ولکونها زوجة ابنه ایضا ذکرنا حرمة زوجة الاب علی الابن لکونها امرأة لابیه ایضا فلی اضافة المرأة الی الابن والاب اشعار بان النسب ایضا مراعی فی هاتین الحرمتین فاندفع الاشکال بلا تکلف وقال رفیق البازی ص ۲۸۵ ج ۲) ذالبا اسی بنا پر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ الصہر کو بھی نسب میں داخل قرار دے رہے ہیں، ونصه ای حرم بسبب الرضاع ما حرم بسبب النسب قرابة وصهریة (البحر الرائق ص ۲۲۲ ج ۳)

• حاصل یہ کہ ب دابن رضاعی کی بیوی بالاتفاق حرام ہے، بلکہ تفسیر قرطبی ص ۱۱۲ ج ۵ اور تفسیر مظہری ص ۶۲ ج ۲ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے، وقال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ هو قول الجمهور ومن الناس من یحکیه اجماعا (تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

بیوی پر شہوت کی حالت میں بیٹی کو ہاتھ لگ گیا:

سوال: زید کی لڑکی عمر تقریباً ۱۰ سال اپنی والدہ کے ساتھ سوتی تھی، زید نے اپنی زوجہ سے صحبت کا ارادہ کیا تو حالت شہوت میں جھپٹتے ہوئے ہاتھ لڑکی کو لگ گیا، اس صورت میں زید پر اس کی بیوی حرام ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی حرام نہیں ہوئی، اس لئے کہ حرمت مصاہرت کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کو ہاتھ لگا شہوت بھی اسی پر ہو، قال فی الشامیة تنبیه ویشترط وقوع الشهوة علیها لاعلی غیرها لما فی الفیض لو نظر الی فرج بنته بلا شهوة فتمنی جاریة مثلها فوقعت له الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمناها فلا (رد المحتار ص ۳۰۴ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رمضان ۱۳۸۴ھ

بیٹی کو بیوی سمجھ کر شہوت سے چوما تو بیوی حرام ہوگئی:

سوال: زید کی بیوی کے ساتھ اس کی جوان بیٹی سوئی ہوئی تھی، زید نے اندھیرے میں بیٹی کو بیوی سمجھ کر شہوت سے اس کا بوسہ لے لیا تو زید پر بیوی حرام ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہوگئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۶ رمضان ۱۳۸۴ھ

باپ کی سالی حلال ہے:

سوال: زید کی زوجہ ہندہ کا انتقال ہو گیا، زید نے کسی عورت سے نکاح کیا، اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اب اس لڑکے کا نکاح زید کی زوجہ اولیٰ متوفیہ کی ہمشیرہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہو سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹؍ذیقعدہ [illegible]ھ

سوتیلی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے:

سوال: جن دو لڑکیوں کا باپ ایک ہو اور ماں دو ہوں تو ایسی دونوں لڑکیاں ایک مرد سے نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵؍ذیقعدہ [illegible]ھ

عورت اور اس کے باپ کی ربیبہ کو جمع کرنا جائز ہے:

سوال: زید کے نکاح میں بکر کی دختر ہے، اب بکر کی زوجہ فوت ہو گئی، بکر نے دوسرا نکاح کیا، اس عورت کے ساتھ ایک لڑکی آئی تو کیا اس لڑکی سے زید کا نکاح درست ہے؟ یعنی دوسرا نکاح، ایک زوجہ موجود ہے یعنی بکر کی دختر، دوسرا نکاح اس عورت سے کرنے میں کوئی حرمت تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حلال ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹؍ذی الحجہ [illegible]ھ

سوتیلی ماں کو شہوت سے ہاتھ لگایا تو وہ باپ پر حرام ہو گئی:

سوال: ایک لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا لڑکے کے باپ پر وہ عورت حرام ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برہنہ جسم پر ہاتھ لگایا یا اتنے باریک کپڑے کے اوپر سے لگایا جو جسم کی حرارت محسوس ہونے سے مانع نہ ہو تو یہ عورت لڑکے کے والد پر حرام ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳؍محرم [illegible]ھ

بیوی کی لڑکی کو شہوت سے ہاتھ لگایا تو بیوی حرام ہوگئی:

سوال: زید نے سوتیلی لڑکی کو بلا حائل شہوت سے چھو لیا یا زنا کر لیا تو اس کی بیوی یعنی اس لڑکی کی والدہ زید پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ اگر حرام ہوگئی تو حلال ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ر صفر سنہ ۹۰ھ

رضاعی بھانجی حرام ہے:

سوال: عائشہ نے لڑکی علیمہ کو دودھ پلایا، اب اس کا اپنے بھائی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عائشہ کا بھائی علیمہ کا رضاعی ماموں ہے اس لئے علیمہ اس پر حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۲ھ

رضاع سے علّاتی بہن حرام ہے:

سوال: زید کی دو بیویوں سے دو لڑکے ہیں: اسلم اور اکرم، اسلم کی خالہ کی لڑکی نے اسلم کی ماں کا دودھ پیا ہے، اس لڑکی سے اکرم کا نکاح جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید اس لڑکی کا رضاعی باپ ہے، اس لئے یہ لڑکی اکرم کی علّاتی یعنی باپ شریک بہن ہونے کی وجہ سے اس پر حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۳ ربیع الاول سنہ ۹۲ھ

رضاعی بھتیجی حرام ہے:

سوال: حلیمہ اور صبیحہ دو عورتیں ہیں، مقدمۃ الذکر کے چار لڑکے ہیں اور مؤخرۃ الذکر کے تین، حلیمہ کے بڑے لڑکے نے صبیحہ کا دودھ پیا ہے، صبیحہ کے بڑے لڑکے نے حلیمہ کا دودھ پیا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ صبیحہ کے بڑے لڑکے کی لڑکی کا حلیمہ کے چھوٹے لڑکے سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح درست نہیں، کیونکہ حلیمہ کا چھوٹا لڑکا اور صبیحہ کا بڑا لڑکا آپس میں رضاعی بھائی

ہیں اور رضاعی بھائی کی لڑکی حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ رمضان سنہ ۹۰ھ

رضاعی خالہ حرام ہے:

سوال: محمد رحیم کی دو بیٹیاں ہیں، ایک بیٹی کا لڑکا دوسری کی لڑکی ہے، یہ آپس میں رشتہ کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ لڑکی نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے، جبکہ اس کی عمر اس وقت صرف دو دن تھی، شرعاً یہ رشتہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے، اس لئے ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۹۵ھ

مرضعہ کی سب اولاد رضیع پر حرام ہے:

سوال: زید اور زینب دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، اور دودھ دونوں جانب سے یعنی زید کی ماں نے زینب کو اور زینب کی ماں نے زید کو دودھ پلایا، اب زید کے والد صاحب چاہتے ہیں کہ زینب کا نکاح زید کے بڑے بھائی عمر کے ساتھ کیا جائے، کیا یہ نکاح بروئے شرع جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دودھ پلانے والی کی سب اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہو جاتی ہے، البتہ دودھ پینے والے کے بھائی بہن دودھ پلانے والی کی اولاد پر حرام نہیں، صورت سوال میں چونکہ زینب نے بھی زید کی والدہ کا دودھ پیا ہے اس لئے زید اور اس کے دوسرے سب بھائی بھی زینب کے رضاعی بھائی ہو گئے لہٰذا زینب ان سب پر حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۹۵ھ

سوتیلی نانی کی رضیعہ خالہ زاد پر حرام ہے:

سوال: دو بہنیں ہیں، ایک بہن کی لڑکی نے اپنے نانا کی بیوی کا دودھ پیا، اب یہ مذکورہ لڑکی دوسری بہن کے لڑکے کے لئے حرام ہے یا حلال؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر نانا کی بیوی کا دودھ اسی نانا سے تھا تو یہ دودھ پینے والی لڑکی نانا کی رضاعی بیٹی ہوگئی اور نانا کے نواسے کی رضاعی خالہ ہے، اس لئے اس پر حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول سنہ ھ

خانیہ کے ایک جزئیہ کی توضیح:

سوال: فتاوی قاضی خان ص ۱۷۸ باب المحرمات میں مندرجہ ذیل عبارت باعث اشکال ہوئی ہے جواب باصواب سے نوازیں تاکہ اشکال ختم ہوجائے: والحر اذا تزوج عشر نسوة علی التعاقب جاز نکاح التاسعة والعاشرة لانه لما تزوج الخامسة کان ذلک دلیلا علی فساد نکاح الاربع قبلها فلما تزوج التاسعة دل علی فساد نکاح الاربعة قبلها فیجوز نکاح التاسعة والعاشرة. تعاقب کی صورت میں پہلی چار عورتوں کا نکاح درست ہونا چاہیے اور پانچویں کا باطل، جیسا کہ اسی باب میں مذکورہ بالا عبارت سے چند سطور قبل مذکور ہے، عام ضابطہ کے مطابق پانچویں کے نکاح کا فساد تو ظاہر ہے، یہ مفسد کیسے ہے؟
بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

عام ضابطہ یہی ہے کہ پانچویں کا نکاح فاسد ہوگا، قاضی خان کا جزئیہ مذکورہ اس پر محمول ہے کہ پہلی چار بیویاں اس کے پاس نہ ہوں، اور یہ قولاً یا عملاً ان کے نکاح کی صحت کا اعتراف نہ کرتا ہو، ایسی صورت میں فعل مسلم کو جائز قرار دینے کے لئے اس پر محمول کیا جائے گا کہ پہلی چار عورتوں کا نکاح فاسد تھا، یہ مقصد نہیں کہ خامسہ سے نکاح کرلینا مفسد ہے، یہ مراد ہوتی تو کان ذلک دلیلا الخ کی بجائے فسد نکاح الاربع کہنا چاہئے تھا۔
حاصل یہ ہے کہ اگر واقعۃً پہلی چار بیویوں کا نکاح فاسد نہیں تھا تو عند اللہ ان کا نکاح صحیح ہے اور پانچویں کا نکاح فاسد ہے، مگر قضاءً جب پہلی چار کے نکاح کی صحت کا اعتراف قولاً یا فعلاً موجود نہ ہو تو فعل مسلم کی تصحیح کے پیش نظر پانچویں کا نکاح صحیح قرار دیا جائیگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاول سنہ ھ

مطلقہ بیوی کی عدت تک اس کی بہن حرام ہے:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، مگر یہ عورت بہت عرصہ سے بیمار تھی،

زید نے بہت عرصہ سے صحبت اس کے ساتھ نہیں کی تھی مگر اس عورت کی عدت اب تک ختم نہیں ہوئی تھی کہ زید نے اس کی بہن سے نکاح کیا، یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح نہیں ہے تو اگر تجدید نکاح کریں تو اس عورت کے لئے عدت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیوی کی عدت ختم ہونے سے قبل اس کی بہن کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوا، لما فی محرمات التنویر: وحرم الجمع بینهما نکاحا وعدة ولو من طلاق بائن (رد المحتار ص ۳۰۰ ج ۲)

اس وقت دوسری بیوی سے فوراً الگ ہو جائے، اور پہلی بیوی کی عدت گزرنے کے بعد دوسری بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے، دوسری بیوی پر عدت نہیں، البتہ دوسری بیوی کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہے اور پہلے شوہر نے اس کے ساتھ صحبت بھی کی ہو تو اس پر عدت واجب ہے، اس سے پہلے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ شعبان سنہ ۹۱ھ

بارہ سال سے کم عمر لڑکے سے صحبت موجب حرمت مصاہرت نہیں:

سوال: ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً چھ یا سات سال یا کچھ زائد تھی اس کی سوتیلی ماں نے اس ناداں بچے کے ساتھ کئی مرتبہ مجامعت کی، اب وہ بچہ بالغ ہو چکا ہے، اور اس کا والد بھی زندہ ہے، اس واقعہ کا سوائے اس بچے کے کسی اور کو علم نہیں، تو کیا اس لڑکے کے والد پر یہ عورت حرام ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بارہ سال سے کم عمر لڑکے کے ساتھ مجامعت سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر: کما اشترط الشهوة فی الذکر فلو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم تحرم فتح، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی تحت القول المذکور: لابد فی کل منهما من المراهقة واقله للانثی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذلك اقل مدة یمکن فیها البلوغ کما صرحوا به فی باب بلوغ الغلام (رد المحتار ص ۲۸۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح:

سوال: کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں تو اس سے نکاح ہو جائے گا، مگر دوسرے خطرات کی بنا پر اس سے پرہیز واجب ہے، مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرہ سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ ملک کی سالمیت کے لئے بہت خطرناک ہیں، نیز کتابیہ سے نکاح کرنے والے کے قلب میں اس کی عظمت ہوتی ہے جو کفر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شیعہ عورت سے نکاح:

۱۹ر ذیقعدہ سنہ ۹۸ھ

سوال: اہل سنت میں سے کوئی شخص شیعہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ عورت مسلمان مرد کے لئے حلال نہیں، اس لئے کہ شیعہ کافر ہیں، دلائل کی تفصیل رسالہ "حقیقت شیعہ" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں ہے، بعض کے خیال میں شیعہ اہل کتاب ہیں، سو بوجوہ ذیل شیعہ عورت سے نکاح جائز نہیں:

① اکثر علماء شیعہ کو اہل کتاب شمار نہیں کرتے، لہٰذا احتیاط واجب ہے۔

② ان کے نزدیک صرف وہ شیعہ اہل کتاب ہے جس کا باپ اور دادا بھی شیعہ ہو، اگر کوئی مسلمان شیعہ ہو گیا تو وہ اور اس کی صلبی اولاد کا حکم اہل کتاب نہیں، بلکہ مرتد کا ہے اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح حرام ہے، اگر شیعہ عورت سے نکاح کی اجازت ہو گئی تو بدوں اس تحقیق کے کہ یہ شیعہ عورت اہل کتاب ہے یا مرتدہ ہے نکاح ہونے لگیں گے، اس طرح حرامکاری کا دروازہ کھل جائے گا۔

③ عوام کی اکثریت پہلے ہی سے شیعہ کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھ رہی ہے، شیعہ عورت سے نکاح کی اجازت سے عوام کے اس غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں بعید نہیں کہ جاہل لوگ مسلمان عورت کا نکاح شیعہ مرد سے کر دیں جو قطعاً حرام ہے، شیعہ کو مسلمان سمجھنے کے اور بھی خطرناک مفاسد ہیں، ان کے ساتھ میل جول سے ایمان پر سخت خطرہ ہے، کئی مسلمان شیعہ مذہب میں پائی جانے والی عیش وعشرت کا سامان دیکھ کر شیعہ مذہب اختیار کر لیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں۔

④ شیعہ عورت کے ساتھ نکاح کے بعد اولاد تو درکنار خود شوہر کا دین خطرہ میں پڑ جاتا ہے، عموماً شوہر مرتد ہو جاتا ہے اور اولاد تو یقیناً مرتد ہو جاتی ہے ——— ان وجوہ کی بنا پر شیعہ عورت سے نکاح کا ہرگز کوئی جواز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ر شعبان سنہ ۱۴۰۲ھ

اقرار حرمت مصاہرت سے رجوع کی تحقیق :

سوال : ایک عورت نے اپنے خسر پر الزام لگایا کہ اس نے بری نیت سے اس کو پکڑ کر معانقہ کیا اور رخسار پر بوسہ دیا اور پستانوں سے پکڑا، اس عورت کے شوہر سے دریافت کیا گیا تو اس نے پہلے کہا کہ اس کی بیوی سچ کہتی ہے، مگر چند روز کے بعد کہتا ہے کہ میں نے اس معاملہ کی تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ بیوی کا الزام غلط ہے، اس صورت میں اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہوئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال في الهندية: وقال لامرأته كنت جامعت أمك قبل نكاحك يؤخذ به ويفرق بينهما ولكن لا يصدق في حق المهر حتى يجب المسمى دون العقر والاصرار على هذا الاقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك فقال كذبت فالقاضي لا يصدقه ولكن فيما بينه وبين الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لا تحرم عليه امرأته، وذكر محمد رحمه الله تعالى في كتاب النكاح إذا قال الرجل لامرأة هذه أمي من الرضاعة ثم أراد أن يتزوجها بعد ذلك فقال أخطأت في ذلك فله أن يتزوجها استحسانا ووجه الفرق بينهما أنه ههنا أخبر عن فعل نفسه والخطأ فيما هو فعله نادر فلا يصدق فيه أما في الرضاع فالخبر عن فعل غيره في زمان يتقدم وهو إنما سمع من غيره والخطأ فيه ليس بنادر كذا في التجنيس والمزيد۔ (عالمگیریہ ص ۲۷۵ ج ۱) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اقرار رضاع کی دوبارہ تصدیق سے قبل اس سے قولاً یا فعلاً رجوع صحیح ہے، اور حرمت مصاہرت کے اقرار سے رجوع صحیح نہیں مگر وجہ الفرق بیان کی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اقرار حرمت مصاہرت سے عدم صحت رجوع کا قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ اس سے صرف ایسی حرمت مصاہرت مراد ہے جو خود فعل مُقِر کی وجہ سے ہو، اور اگر حرمت فعل غیر سے متعلق ہو جیسا کہ صورت سوال میں ہے تو اس کا حکم اقرار رضاع کی طرح ہونا چاہئے، لاشتراك علة الخطاء، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

بھانجی کی لڑکی حرام ہے :

سوال : زید کی بھانجی کی لڑکی آیا زید کے لئے محرم ہے یا نا محرم ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

محرم ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۶ صفر سنہ ۱۴۰۲ھ

چھونے سے انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی:

سوال: ایک شخص کسی عورت کے ساتھ بوس وکنار میں مشغول تھا، اسی حالت میں اسے انزال ہو گیا، جماع نہیں کیا، اب یہ شخص اس عورت کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بوس وکنار سے حرمت مصاہرت کے لئے یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہو، بدون جماع انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، لہٰذا یہ لڑکی حلال ہے، قال فی العلائیۃ فلو انزل مع مس او نظر فلا حرمۃ وبہ یفتی (رد المحتار ص ۲۸۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذوالحجہ سنہ ۱۳ھ

نکاح فاسد موجب حرمت مصاہرت نہیں:

سوال: کسی نے اپنی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کر لیا اور رخصتی سے قبل ہی اسے طلاق دیدی، اب اگر یہ شخص اس مزنیہ سے نکاح کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مزنیہ کی لڑکی سے جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے، اور نکاح فاسد سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، اس لئے اس کی ماں حرام نہیں ہوئی، اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، البتہ اس لڑکی کو شہوت سے ہاتھ لگایا تو اس کی ماں حرام ہو جائے گی، قال فی العلائیۃ وحرم بالمصاہرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ وام زوجتہ وجداتہا مطلقا بمجرد العقد الصحیح وان لم توطأ الزوجۃ، وفی الشامیۃ (قولہ الصحیح) احترز عن النکاح الفاسد فانہ لا یوجب بمجردہ حرمۃ المصاہرۃ بل بالوطء او ما یقوم مقامہ من المس بشہوۃ والنظر بشہوۃ لان الاضافۃ لا تثبت الا بالعقد الصحیح بحر (رد المحتار ص ۲۸۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذوالحجہ سنہ ۱۳ھ

زوجۂ ربیب حلال ہے:

سوال: زید کے ربیب نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی یا وہ مر گیا تو اس کی بیوی سے زید نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ربیب کی بیوی حلال ہے، اس سے نکاح کر سکتا ہے، قال فی الشامیۃ معزیا الی الخیر الرملی تحت قولہ اما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال، ولا تحرم زوجۃ الربیب ولا زوجۃ الراب، (رد المحتار ص ۲۸۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذوالحجہ سنہ ۱۳ھ

باب ولایۃ النکاح والمال

عاقلہ بالغہ نکاح میں خود مختار ہے:

سوال: ایک عورت عاقلہ بالغہ ثیبہ کو اس کے اقرباء نے ایک جگہ پر مجبور کر کے نکاح کر دیا، اس کی والدہ کو مار کر اس سے نکاح قبول کروایا، خود اس عورت کو بہت زیادہ مارا پیٹا، مگر اس نے اپنی زبان سے نکاح قبول نہیں کیا، اور اب تک اس نکاح سے انکار کر رہی ہے، کیا یہ نکاح شرعاً درست ہو گیا یا نہیں؟ اور اگر یہ بدوں اذن اولیاء کسی دوسری جگہ نکاح کرے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

عاقلہ بالغہ عورت نکاح میں خود مختار ہے، اسے کوئی شخص بھی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے کسی شخص نے نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح درست نہیں، غرضیکہ عاقلہ بالغہ عورت جب تک خود قبول نہ کرے، یا کسی کو اپنا وکیل نہ بنائے اس وقت تک اس کا نکاح صحیح نہ ہوگا، اس کی رضا کے بغیر اس کی والدہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا یہ نکاح قطعاً صحیح نہیں، قال فی شرح التنویر ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ، والثانيه وولاية اجبار على الصغيرة ولو ثيبا ومعتوه ومرقوقة كما افاده بقوله وهواى الولى شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق لا مكلفة فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولى والاصل ان كل من تصرف فى ماله تصرف فى نفسه ومالا فلا، وفى الشامية تحت (قوله فنفذ الخ) وحديث لا نكاح الا بولى رواه ابوداؤد وغيره نعارض بقوله صلى الله عليه وسلم الايم احق بنفسها من وليها رواه مسلم وابوداؤد والترمذى والنسائى ومالك فى الموطا والايم من لا زوج لها بكرا او لا فانه ليس للولى الا مباشرة العقد اذا رضيت

ولی بجعلہ الحق منسبہ الا ان قولہ والاصل الخ وفی البحر والاصل ان کل من یجوز

تصرفہ فی مالہ بولایۃ نفسہ الخ وانہ یخرج الصبی المأذون فانہ وان جاز تصرفہ

فی مالہ لکن لا بولایۃ نفسہ الخ (رد المحتار باب الولی ص ۳۰۳ ج ۲) وفی شرح التنویر

وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر لیتحقق رضاہما وفی الشامیۃ قولہ

محترم للفروج ای لفظا موضوعا لحرمتہا فلا یصح العقد علیہا الا بلفظ

صریح او کنایۃ (قولہ سماع کل) ای ولو حکما کالکتاب الی غائبۃ لان قراءتہ

قائمۃ مقام الخطاب کما مر وفی الفتح ینعقد النکاح من الاخرس اذا کانت لہ

اشارۃ معلومۃ (قولہ لیتحقق رضاہما) ای لیصدر منہما ما من شأنہ ان

یدل علی الرضا اذ حقیقۃ الرضا غیر مشروطۃ فی النکاح لصحتہ مع

الاکراہ والہزل رحمتی (رد المحتار ص ۳۰۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ربیع الآخر ۸۳ھ

ولی نکاح و مال کی تفصیل:

سوال: صغیرہ و مجنونہ کے نکاح اور مال کا ولی کون ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ولی فی النکاح عصبات بنفسہا علی ترتیب الارث ہیں، ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ماں، پھر دادی، پھر نانی، پھر اسی ترتیب سے دادی و نانی کے اوپر تک اصول، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی اور نواسہ، پھر پڑپوتی یعنی مجنونہ کے فروع غیر عصبات اگر قرب و بُعد میں مختلف ہوں تو قریب کو ترجیح ہے اور برابر درجہ کے ہوں تو عصبہ کی بیٹی کو ترجیح ہے، فروع کے بعد جد فاسد، جد فاسد بلحاظ قرب و بُعد، پھر بہن عینی، پھر علاتی، پھر اخیافی بھائی اور بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر سلطان، وصی کو باپ نے صغیرہ کے نکاح کا اختیار دیا ہو تو بھی اس کو اختیار نہیں۔

ولی فی المال صرف باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، پھر قاضی ہے، قاضی نہ ہونے کی صورت میں شہر کے معتبر لوگ جسے متولی بنادیں وہی ولی کے قائم مقام ہوگا۔

قال فی العلائیۃ الولی فی النکاح لا المال العصبۃ بنفسہ (الی ان قال) وان

اوصی الیہ الاب بعد موتہ علی المذہب، وفی الشامیۃ وقولہ لا المال) الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط الخ (رد المحتار ج ۲)

وقال فی باب الجمعۃ تنوا لولاۃ کفار ایجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین (رد المحتار ج ۱)

صغیر کے لئے ترکہ کی تقسیم اور اس کے مال منقول میں تجارت اور زمین میں زراعت وغیرہ تصرفات کا حق صرف ولی فی المال کو ہے، زمین کی بیع کا اختیار ولی کو بھی نہیں الا فی صور مخصوصۃ، البتہ ماں بھائی اور چچا کو اس کے مال کی حفاظت، بیع منقول بغرض حفاظت اور اس کے لئے طعام لباس وغیرہ ضروریات خریدنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ صغیر ان کی پرورش میں ہو، البتہ خود ترکہ میں طعام یا لباس ہو تو اس سے صغیر کا حصہ اس پر خرچ کرنے میں صغیر کا زیر پرورش ہونا شرط نہیں، ھذا اخلص ما ھو مشروح فی باب الوصی من العلائیۃ والشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ ۸۲ھ

باکرہ بالغہ سے غیر ولی نے نکاح کی اجازت طلب کی تو سکوت کافی نہیں:

سوال: عبدالکریم مسماۃ جنت کو زبردستی اٹھا کر لے گیا، اور اپنے گھر لے جا کر اس سے نکاح کیا، مسماۃ جنت باکرہ اور بالغہ ہے، اور نکاح کے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے، یہ نکاح شرعاً درست ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

باکرہ بالغہ سے اجازت لینے والا اگر ولی اقرب نہیں تو اس صورت میں باکرہ کا سکوت کافی نہیں، بلکہ اجازت بالقول ضروری ہے، لہٰذا مسماۃ جنت نے اگر زبان سے نکاح کی اجازت نہیں دی تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اگر زبان سے اجازت دینے میں زوجین کا اختلاف ہے تو زوجین میں سے جو بھی بینہ پیش کرے اسی کا قول معتبر ہوگا، اگر دونوں کے پاس بینہ ہے تو زوجہ کی اجازت پر زوج کا بینہ معتبر ہوگا، اس کے مقابلہ میں زوجہ کا بینہ قبول نہ کیا جائے گا، البتہ باکرہ کا نکاح ولی اقرب نے کیا تو زوجہ کا بینہ علی الرد اور زوج کے بینہ علی السکوت پر راجح ہوگا، اگر کسی طرف بھی بینہ نہیں تو زوجہ کا قول مع الیمین قبول کیا جائے گا، قال فی شرح التنویر فان استأذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا بل لابد من القول کالثیب البالغۃ، وایضاً فیہ قال الزوج للبکر البالغۃ بلغک

النکاح فسکت وقالت رددت النکاح ولا بینۃ لهما علی ذلک ولم یکن دخل بها طوعاً فی الاصح فالقول قولها بیمینها علی المفتی به وتقبل بینته علی سکوتها لانه وجودی بضم الشفتین ولو برهنا فبینتها اولی الا ان یبرهن علی رضاها او اجازتها. وفی الشامیۃ (قوله ولا بینۃ لهما) قید به لان ایهما اقام البینة قبلت بینته بحر (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم۔

۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۶ھ

عاقلہ بالغہ کا نکاح غیر کفو میں بلا اذن ولی صحیح نہیں:

سوال: اگر بالغہ عورت بلا اذن ولی کے اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، ولی کی رضا صراحۃً ضروری ہے، محض سکوت کافی نہیں، اور نکاح کے بعد ولی کی رضا بھی معتبر نہیں، قال فی العلائیۃ ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاً وهو المختار للفتوی لفساد الزمان، وفی الشامیۃ وهذا اذا کان لها ولی لم یرض به قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ بحر واما اذا لم یکن لها ولی فهو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقاً کما یأتی (الی ان قال) وقول البحر لم یرض به یشمل ما اذا لم یعلم اصلاً فلا یلزم التصریح بعدم الرضا بل السکوت منه لا یکون رضا کما ذکرنا فلا بد حینئذ لصحۃ العقد من رضاہ صریحاً وعلیه فلو سکت قبله ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتأمل (قوله وهو المختار للفتوی) وقال شمس الائمۃ هذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم لانه لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترک انفۃ للتردد علی ابواب الحکام واستثقالاً لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعه دفعاً له فتح (رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۹) فقط واللہ تعالی اعلم۔

۲۸ شعبان سنہ ۱۳۸۲ھ

وصی کو ولایۃ نکاح نہیں:

سوال: رمضان نامی ایک شخص نے گواہوں کے روبرو یہ تحریر لکھ دی کہ میری اس بیوہ منکوحہ کی

میں اپنی لڑکی بہ پابندی شریعت محمدی مرجب اللہ ورایہ ولد علی بخش جاندیہ کے حوالہ کرتا ہوں، یہ جس سے چاہے لڑکی کا نکاح کروادے، اس میں کسی بھی عزیز و قریب کا اعتراض نہ ہوگا، اور نہ ہی میں اس میں کسی قسم کی دست اندازی کروں گا، انسان سوا انسان کی زندگی بے بقاء ہو، اس لئے میری زندگی کے بعد بھی اللہ ورایہ اس لڑکی کا حقدار ہے، کوئی بھی اس بارہ میں اعتراض کرے یا میں کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کروں تو قانوناً مجرم ہوں گا،

اس کے بعد رمضان فوت ہو جاتا ہے، اب اس لڑکی کی ولایت نکاح کے متعلق جھگڑا ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ کا اس بارہ میں جو فیصلہ ہو اس سے مطلع فرمائیں، بینوا بالبرهان اجرکم الرحمٰن،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس لڑکی پر اللہ ورایہ کا کوئی حق نہیں، اگر لڑکی بالغہ ہے تو اپنے نکاح میں خود مختار ہے، اور اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کا حق اس کے اولیاء (عصبات علیٰ ترتیب الارث) کو ہے، اللہ ورایہ کا کوئی حق نہیں، کیونکہ رمضان کی تحریر وکالت اور وصایت دونوں پر مشتمل ہے، یعنی رمضان کی زندگی میں وکالت اور بعد الموت وصایت ہے، سو وکالت تو رمضان کی موت سے ختم ہو گئی: قال فی شرح التنویر وینعزل (الوکیل) بموت احدھما، (رد المحتار ج ۴ ص ۵۷۷) اور وصایت بالنکاح شرعاً ہی سے صحیح نہیں، یعنی باوجود تصریح بوصایۃ النکاح کے وصی کو نکاح کا حق نہیں، قال فی شرح التنویر ولیس للوصی من حیث ھو وصی ان یزوج الیتیم مطلقاً وان اوصی الیہ الاب بذلک علی المذھب نعم لو کان قریباً او حاکماً یملکہ بالولایۃ کما لا یخفی وفی الشامیۃ واستثنی فی الفتح لو عین لہ الموصی فی حیاتہ رجلاً واقرہ فی البحر بانہ ان زوجھا من المعین فی حیاۃ الموصی فھو وکیل لا وصی وان بعد موتہ فقد بطلت الوکالۃ وانتقلت الولایۃ للحاکم عند عدم قریب (رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۱)

باقی رمضان کا اپنے نفس کو بے دعویٰ کرنا اور بعد الموت اولیاء کو بے دعویٰ کرنا یہ تصرف موجب عقد وکالت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول اور مردود ہے، نیز یہ اس کے بس سے باہر ہے، کہ شرعی احکام مرتب کرنے کا انسان کو اختیار نہیں، مثلاً رجعی طلاق دے کر کہے کہ مجھے رجوع کا حق نہیں، تو یہ قول باطل ہے اور اسے رجوع کا حق ہے گو،

وضیعہ تو کہیں میں ہے نفس کو بلکہ بے دعویٰ کرنے سے مقتول کی دیت وصیت نہ ہوگی
بلکہ بے دعویٰ کرنے کا قول باطل ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱ ذیقعدہ سنہ ھ

متعدد اولیاء میں سے ایک نے نکاح کر دیا:

سوال: صغیرہ کے دو چچا ہیں، ایک موجود نہ تھا سفر بعید میں گیا ہوا تھا، دوسرے نے نکاح کر دیا، مدت کے بعد غائب چچا آ گیا تو کہتا ہے کہ یہ نکاح مجھے منظور نہیں، سو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

نکاح صحیح ہو گیا، اگر دوسرا چچا موجود ہوتا تو بھی اس کو فسخ نکاح کا حق نہ ہوتا، قال فی الخلاصۃ ولو زوجہا ولیان مستویان قدم السابق۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ھ

نکاح فضولی میں باکرہ کا سکوت کافی نہیں:

سوال: باکرہ بالغہ کا نکاح فضولی نے کیا، خبر سننے کے بعد باکرہ نے سکوت کیا تو نکاح صحیح ہو گیا یا نہیں؟ ہدایہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح صحیح ہو جائے گا، اذا قال الزوج بلغک النکاح فسکتت فالقول قولہا۔ اس کے آگے یہ کہ اگر مرد نے شاہد پیش کئے سکوت پر تو شہادت معتبر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کے نکاح پر سکوت سے بھی نکاح لازم ہو جائے گا، بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

اس صورت میں اجازت ضروری ہے، سکوت کافی نہیں، قال فی الہندیۃ واذا قال لہا الولی اریدان ازوجک من فلان بالف فسکتت ثم زوجہا فقالت لا ارضی او زوجہا ثم بلغہا الخبر فسکتت فالسکوت منہا رضا فی الوجہین جمیعا اذا کان المزوج ہو الولی وان کان لہا ولی اقرب من المزوج لا یکون السکوت منہا رضا ولہا الخیار ان شاءت رضیت وان شاءت ردت الخ (عالمگیریۃ ص ۲۳)

سوال میں مذکور ہدایہ کا جزئیہ اس پر محمول ہے کہ مزوج ولی ہو، چنانچہ اسی جزئیہ سے عالمگیریہ میں بھی ہے جس میں ولی کی تصریح ہے، ونصہا ولو زوجہا الولی بغیر استیمارہا

ثم اختلفا فقال الزوج بلغت النکاح فسکت وقالت لابل رددت کان القول قولہا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان الخ (عالمگیریۃ ج ۲) غرضیکہ فضولی یا ولی ابعد کی تزویج میں سکوت کافی نہیں بلکہ اذن ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الآخرۃ سنہ ۷۲ھ

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں:

سوال: صغیرہ کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو اس صغیرہ کو خیار بلوغ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس لڑکی کو خیار بلوغ نہیں، قال فی شرح التنویر وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولو ثیبا ولو بغبن فاحش، وفی الشامیۃ (قولہ ولزم النکاح) ای بلا توقف علی اجازۃ احد ولا بثبوت خیار فی تزویج الاب والجد والمولی وکذا الابن علی ما یأتی (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب سنہ ۷۲ھ

ولی اقرب کی موجودگی میں ابعد کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے:

سوال: ایک شخص سندھ میں مقیم ہے، اس کا لڑکا اور نابالغ لڑکی ملتان میں تھے، لڑکی کے بھائی نے لڑکی کا نکاح بلا اذن والد کے کر دیا، اب والد اس نکاح پر راضی نہیں، لڑکی بھی بالغ ہو چکی ہے تو اس نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نابالغ لڑکی کا والد جب ایسی جگہ ہو کہ اس کا مشورہ حاصل کیا جا سکتا ہو تو ایسی حالت میں والد کی اجازت کے بغیر بھائی کا کیا ہوا نکاح والد کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، صورت مسئلہ میں ظاہر ہے کہ والد سے مشورہ کرنا اور اجازت لینا کوئی دشوار نہ تھا، لہٰذا یہ نکاح والد کی اجازت پر موقوف رہا، مگر سوال میں مذکور ہے کہ اب لڑکی بالغ ہو چکی ہے، لہٰذا اس میں دو احتمال متصور ہو سکتے ہیں، ہر ایک کا جداگانہ حکم تحریر ہے:

① لڑکی کے بلوغ سے قبل ہی والد نے نکاح کو رد کر دیا ہو، اس صورت میں نکاح باطل ہو گیا۔

② لڑکی کے بلوغ کے بعد والد نے رد کیا ہو، اس صورت میں والد کا رد کرنا معتبر نہیں، لڑکی خود مختار ہے، لہٰذا اگر بعد البلوغ لڑکی نے نکاح کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی کوئی فعل

دال علی الرضا کیا تو اسے نکاح قبول کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہے، اور اگر بعد البلوغ ایک دفعہ نکاح پر رضامندی کا اظہار قولاً یا فعلاً کر چکی ہے تو یہ نکاح لازم ہو گیا، اب اسے رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں، قال فی التنویر وللولی الابعد التزویج بغیبة الاقرب مسافة القصر و فی الشرح فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته، وفی الشامیة تحت قوله مسافة القصر، وفی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضوره او استطلاع رأیه فات الکفء الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب اھ وفی البحر عن المجتبی والمبسوط انه الاصح وفی النهایة واختاره اکثر المشایخ وصححه ابن الفضل وفی الهدایة انه اقرب الی الفقه وفی الفتح انه الاشبه بالفقه الی قوله وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاویل وعلیه الفتوی اھ وعلیه مشی فی الاختیار والنقایة وبه یتغیر کلام النهر بالاختیار وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیه اکثر المشایخ، وفی العلائیة صغیرة زوجت نفسها ولا ولی ولا حاکم ثمة توقف ونفذ باجازتها بعد بلوغها لان له مجیزا وهو السلطان، وایضا قال فی بحث الفضولی فی النکاح ونکاح عبد وامة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی سیجیء فی البیوع توقف عقوده کلها ان لها مجیز حالة العقد والا تبطل (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ر صفر [illegible]ھ

سوال مثل بالا:

سوال: باپ کی موجودگی میں صغیرہ کا نکاح دادا نے کر دیا، اب باپ کہتا ہے کہ میں اس نکاح پر رضامند نہیں ہوں، تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصدق والصواب

اگر باپ نے صراحةً یا دلالةً اذن نہیں دیا تو یہ نکاح باپ کے اذن پر موقوف ہے، باپ کے سکوت سے اذن ثابت نہ ہوگا، اگرچہ باپ مجلس عقد میں موجود ہو، قال فی شرح التنویر فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته، وفی الشامیة تحت (قوله توقف علی اجازته) فلا یکون سکوته اجازة لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالة تامل (رد المحتار ص ۲۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر جمادی الاولیٰ [illegible]ھ

باپ نے مراہقہ کا نکاح کمسن بچے سے کر دیا:

سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح حالت صغر میں کیا، اب لڑکی بالغہ ہے اور لڑکا نابالغ ہے، لڑکی اس نکاح پر راضی نہیں، اور لڑکے کے بلوغ تک لڑکی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ظاہر ہے، اس نکاح میں باپ کی طرف سے سوء اختیار ظاہر ہے، لہٰذا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح اور لازم نہیں تو بعد البلوغ لڑکی کے محض سکوت سے نکاح منعقد ہو جائے گا، یا کہ اجازت صراحۃً یا دلالۃً ضروری ہے؟ میرے خیال میں اجازت ضروری ہے کیونکہ اس نکاح کو موقوف کہا جائے گا اور نکاح فضولی کی طرح ہوگا اور فضولی کے نکاح میں سکوت کافی نہیں۔
بینوا بیاناً شافیاً توجروا اجراً وافیاً۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر نکاح صحیح ہے:

① قال فی الشامیۃ تحت (قولہ وان عرف لا یصح النکاح) والحاصل ان المانع هو كون الاب مشهوراً بسوء الاختيار قبل العقد (الى قوله) لزم احالة المسألة على قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفء ان كان الولي ابا او جدا الخ
یعنی اگر اول مرتبہ ہی میں سوء اختیار کا قول کیا جائے تو مسئلہ مشہورہ لزوم النکاح الخ کا کوئی محل صحیح نہیں رہتا، اس پر نظر ثانی سے ثابت ہوا کہ سوء اختیار اول مرتبہ میں بھی متحقق ہو سکتا ہے، (تفصیل رسالہ کشف الغبار عن مسألۃ سوء الاختیار میں ہے جو اسی باب کے آخر میں ہے)

② حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سوء اختیار میں صرف مہر میں غبن فاحش اور عدم کفو ذکر فرماتے ہیں، اور تناسب عمر کفو میں شرط نہیں۔

③ شامیہ کی مذکورہ عبارت لزم احالۃ المسألۃ الخ میں دلالت بینہ ہے کہ سوء اختیار مذکورہ دو امور ہی میں منحصر ہے۔

④ کفو میں مہر مثل کے ساتھ غیر الاب والجد کا کیا ہوا نکاح مطلقاً بلا احتراز سوء اختیار و بلا قید تناسب عمر وغیرہ کے صحیح ہے تو اب اور جد کا کیا ہوا نکاح بطریق اولیٰ صحیح ہوگا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدم تناسب عمر میں سوء اختیار نہیں۔

⑤ تناسب عمر کا کفو میں داخل ہونا تو درکنار اسے تو ان عیوب میں بھی شمار نہیں کیا گیا جن کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوتا ہے۔

⑥ عنین وغیرہ کے مسائل میں سقوطِ حقِ فسخ کے لئے ایک دفعہ جماع کافی سمجھا جاتا ہے، اور صغیر کے متعلق ظن غالب ہو کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد باقاعدہ جماع کرسکے گا، معلوم ہوا کہ سوء اختیار یا عیوب مجوزۃ للفسخ میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ عورت کا مالی نقصان نہ ہو یا زوج میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کی وجہ سے عورت اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند نہ کرے، عورت کی تسکین شہوت کو مدنظر نہیں رکھا گیا، ورنہ ساری عمر میں ایک دفعہ جماع کرلینا عنین سے عدم تفریق کے لئے کافی نہ سمجھا جاتا،

⑦ سندھ میں رضیعہ کا نکاح بالغ سے کرنا یا بالعکس معیوب اور سوء اختیار نہیں سمجھا جاتا بلکہ ہر امیر وغریب، عالم وجاہل، مدعی عقل وفراست، بڑے سے بڑا شریف اس ظلم کا مرتکب ہے، غرضیکہ عدم تناسب عمر کو سوء اختیار میں داخل کرنا صحیح نہیں خصوصاً سندھ کے عرف میں، البتہ بضرورت شدیدہ مذہب مالکیہ کے مطابق عدم تفقد کی بناء پر حاکم سے نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجب سنہ ۷۳ھ

ولی اقرب نابالغ ہو تو ابعد کو ولایت نکاح ہے:

سوال: ایک نابالغ لڑکی کا نابالغ بھائی موجود ہے، اس کا نکاح چچا نے کردیا تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی شرح التنویر فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته، وفی الشامیة (قوله حال قیام الاقرب) ای حضوره وهو من اهل الولاية اما لو کان صغیرًا او مجنونًا جاز نکاح الابعد ذخیرة (رد المحتار ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۷۳ھ

ولی ابعد بالغ کی موجودگی میں اقرب نابالغ کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے:

سوال: ایک صغیرہ لڑکی کے صغیر بھائی نے والدہ کی رضامندی سے صغیرہ بہن کا نکاح کردیا ہے حالانکہ اس صغیرہ کا چچا اس نکاح میں راضی نہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ نکاح چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اس نے صراحۃً یا دلالۃً اجازت دیدی تو صحیح

ہو جائے گا اور اگر رد کر دیا تو باطل ہو جائے گا، اگر لڑکی کے بھائی یا خود لڑکی کے بلوغ تک چچا خاموش رہا تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا، پس اگر لڑکی اپنے بھائی سے پہلے بالغ ہوئی تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، بھائی کو بعد البلوغ کوئی اختیار نہ ہوگا، اور اگر اس کا بھائی پہلے بالغ ہوا تو لڑکی کے بلوغ تک اس کو اجازت یا رد کا اختیار ہے، مگر لڑکی کے بلوغ تک خاموش رہا تو اس کا اختیار بھی ختم ہو جائے گا اور نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا، قال فی شرح التنویر فی باب الولی وهو (ای الولی) البالغ العاقل الوارث ولو فاسقا علی المذهب ما لم یکن متهتکا (خرج نحو صبی ومعتوه مطلقا علی المذهب (رد المحتار ج۲ ص۳۰۹) وایضا فیه صغیرة زوجت نفسها ولا ولی ولا حاکم ثمة توقف ونفذ باجازتها بعد بلوغها لان له مجیزا وهو السلطان (الی ان قال) فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب ای حضوره وهو من اهل الولایة اما لو کان صغیرا او مجنونا جاز نکاح الابعد ذخیرة (قوله توقف علی اجازته) تقدم ان البالغة لو زوجت نفسها غیر کفوء فللولی الاعتراض ما لم یرض صریحا او دلالة کقبض المهر ونحوه فلم یجعلوا سکوته اجازة والظاهر ان سکوته هنا کذلک فلا یکون سکوته اجازة لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد ما لم یرض صریحا او دلالة تأمل (رد المحتار ج۲ ص۳۲۳) وایضا فیه قبیل باب المهر (ومن البیوع توقف عقوده (ای الفضولی) کلها ان کان لها مجیز حالة العقد والا تبطل) (رد المحتار ج۲ ص۳۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۸۲ھ

خیارِ بلوغ سکوت سے باطل ہو جاتا ہے:

سوال: ایک نابالغہ لڑکی کا چھوٹے چچا نے اپنے بیٹے کے ساتھ نکاح کر دیا، دوسرے دو بڑے چچا اور ایک نانا راضی نہیں تھے، جب علماء سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی جب بالغ ہوگی تو اس کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، لڑکی جب بالغ ہوئی تو اس نے بلوغ کے بعد چند قدم چل کر لوگوں کو آکر کہا کہ میں بالغ ہو گئی ہوں، لہٰذا مجھے یہ نکاح قبول نہیں، ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ لڑکی نے چند قدم چل کر لوگوں سے آکر کہا ہے، اس لئے تاخیر ہو گئی ہے، لہٰذا اب نکاح فسخ نہیں ہوا، کیا یہ صحیح ہے؟!

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر لڑکی بلوغ کے بعد فوراً فسخ کرلی اگرچہ تنہائی ہی میں تھی تو نکاح فسخ ہوجائے گا، ذرا سی تاخیر سے بھی خیار بلوغ باطل ہوجاتا ہے، اس لئے یہ نکاح تام ہے، قال فی التنویر ویبطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی آخر المجلس، وفی الشرح لانہ کالشفعۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ولا یمتد الی آخر المجلس) ای مجلس بلوغہا او علمہا بالنکاح کما فی الفتح ای اذا بلغت وہی عالمۃ بالنکاح او علمت بہ بعد بلوغہا فلا بد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم فلو سکتت ولو قلیلا بطل خیارہا ولو قبل تبدل المجلس (قولہ لانہ کالشفعۃ) ای فی انہ یشترط للثبوت ان یطلبہا الشفیع فور علمہ فی ظاہر الروایۃ حتی لو سکت لحظۃ او تکلم بکلام لغو بطلت (رد المحتار ص ۳۳۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ صفر ۹۶ھ

بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں:

سوال: بالغ لڑکی نے بلا اذن ولی غیر کفو میں نکاح کرلیا تو کتب فقہ کی تصریح کے مطابق یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق یا متارکت ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق یا متارکت کی ضرورت نکاح فاسد میں ہوتی ہے، بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح فاسد نہیں بلکہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا اس لئے اس میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں، قال فی العلائیۃ ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان، وفی الشامیۃ وھذا اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ بحر واما اذا لم یکن لہا ولی فہو صحیح نافذ مطلقا اتفاقا کما یأتی الی ان قال، وقول البحر لم یرض بہ یشمل ما اذا لم یعلم اصلا فلا یلزم التصریح بعدم الرضا بل السکوت منہ لا یکون رضا کما ذکرنا فلا بد حینئذ لصحۃ العقد من رضاہ صریحا فلو سکت قبلہ ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتأمل (رد المحتار ص ۳۲۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ محرم ۱۴۰۷ھ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب
کشف الغبار
عن
مسألۃ سوء الاختیار
مسئلہ فقہیہ سوء الاختیار سے متعلق مشہور ماہرین افتاء
کے مختلف فتاویٰ پر محققانہ سیر حاصل بحث

تحقیق مسألۃ سوء الاختیار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسألۂ سوء الاختیار سے متعلق خیر المدارس ملتان اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے دو متضاد فتاویٰ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آئے، حضرت مفتی صاحب نے جواب تحریر فرمانے کے بعد اس کی نقل بندہ کو عنایت فرما کر اس پر اظہار رائے کا حکم فرمایا، میں نے جواب کے مطالعہ کے دوران اس سے متعلق مختصر طور پر چند یادداشتیں تحریر کرلیں، اور اس خیال میں رہا کہ کسی موقع پر حاضر خدمت ہو کر بالمشافہ معروضات پیش کروں گا مگر حضرت کی مسلسل بیماری کی وجہ سے اس کی نوبت نہ آئی حتی کہ حضرت کی یہ تحقیق آپ کی کتاب "جواہر الفقہ" میں شائع ہو گئی، پھر سوچا کہ مسئلہ کی اہمیت اور سخت ضرورت کے پیش نظر اسے بحث بھی غور کے لئے دار العلوم، مدرسہ نیو ٹاؤن اور دار الافتاء والارشاد کی مشترک مجلس تحقیق میں رکھا جائے مگر مجلس تحقیق کے اجتماع سے قبل ہی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسافر خانہ سے دار الآخرت تشریف لے گئے، اور ساتھ ہی مجلس تحقیق بھی اپنے سرپرست سے محروم ہو جانے کی وجہ سے مرحوم ہو گئی، حضرت کے انتقال پر تقریباً تین ماہ گزر چکے ہیں مگر اب تک میری حالت یہ ہے کہ جب بھی کوئی علمی بات ذہن میں آتی ہے تو فوراً بیساختہ شوق اٹھتا ہے کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں گا، بعد میں خیال آتا ہے کہ آہ! وہ پیکر شفقت و مجسمہ محبت آج ہم میں نہیں، اب کوئی علمی تحقیق تصویب کے لئے کس کے سامنے پیش کروں! کوئی نکتہ کس کے سامنے بیان کر کے اس کے چہرہ پر بشاشت اور دلکش مسکراہٹ میں سرور قلب کا مشاہدہ کروں؟ ایک لطیفہ تو شاید زندگی بھر نہ بھول سکوں گا بھول بھی کیسے سکتا ہوں؟ سفر مبارک، رفیق سفر جیسا امیر سفر مبارک، مقام مبارک، وقت مبارک اور اس کے علاوہ لطیفہ بذات خود مبارک۔ ایک بار سفر عمرہ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ کی بالائی منزل کے ایسے کمرہ میں قیام تھا کہ روضۂ انور علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر نظر پڑتی تھی، حضرت مفتی صاحب تلاوت فرما رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے "وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ" تو ازراہ بے تکلفی و شفقت مجھ سے فرمایا کہ "یہاں اسمٰعیل کو ابراہیم کے ساتھ متصل کیوں نہیں ذکر کیا گیا؟" میں نے عرض کیا کہ یہ امتحان کسی غیر مفتی کا لیا ہوتا تو کچھ لطف بھی آتا، مفتی کے لئے تو اس کا جواب بہت آسان ہے، قاعدۂ فقہیہ کے مطابق

میں نے اس کا جواب عرض کردیا، بہت محظوظ ہوتے اب نظر ایسی شخصیت کی تلاش کے لئے ہر دو جانب بھٹک کر عالم مایوسی میں واپس لوٹ آتی ہے، اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ،

پس سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں رہی کہ میں مسئلہ مذکورہ سے متعلق ارباب فتویٰ کے غور و فکر کے لئے اپنے خیالات تفصیل سے تحریر کردوں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کسی کو فائدہ پہونچادیں، وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ، اوّلاً سوال اور اس کے مختلف جوابات نقل کئے جاتے ہیں، اس کے بعد اپنی معروضات پیش کروں گا، وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ،

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ مسمّی زید ناحق طور پر قتل کے کیس میں ماخوذ ہوگیا، جس میں چار واقعی قاتل تھے، مسمّی زید ناحق تھا، کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح کی تجویزیں کرتے رہے، کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں، اور سزا کا خطرہ غالب تھا، بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلوں کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں اور مقتول کے وارث سیشن کی عدالت میں اپنے گواہاں بگاڑ دیں گے، چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا، تین خیر خوار لڑکیوں کے عقد کردیئے گئے، مسمّی زید کی لڑکی کا عقد اس پچیس سالہ آدمی سے جو مقتول کا بھائی اور روز مزدور آدمی تھا زید کی اجازت سے کردیا گیا،

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی، جس سے پانچوں ملزموں کو حکم سزائے موت سنا دیا گیا، پھر چار ہزار روپے تو ثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کردیا کہ تم نے دھوکا کیا ہے، لہٰذا تم اس کے حقدار نہیں، مگر عقد تو پہلے ہوچکے تھے، اب دس پندرہ سال کے بعد زید کی لڑکی جوان ہوئی تو اس نے اپنے عقد کی تنسیخ کا اعلان کردیا، اور شہادتیں فراہم کیں، اب شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جبکہ موت و حیات کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیر خوار بچی کا عقد کردیا تھا، پھر ایک تو فرق طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جبکہ اس ہندہ مظلومہ کو رہا ذلت و خواری نصیب ہوگی شرعاً عقد درست ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی ہندہ کسی دوسری جگہ عقد کرکے شریفانہ زندگی گزارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتداء ہی سے باپ سئ الاختیار نہیں ہے؟ جس میں مسماۃ کو حق بل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: از خیر المدارس ملتان:

صورت مسئولہ میں بشرط صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا، لڑکی مذکورہ آزاد ہے

جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، رد المحتار ص ۴۹۹ میں ہے کہ اگر نابالغ کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے، اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد اسحٰق عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی بہشمولیت ورثاء، دوسری جگہ بلا تنسیخ عدالت نکاح کر لیا اور تقریباً نو دس ماہ سے وہاں راضی خوشی آباد ہے، اب فریق اول نے اس کے خلاف واویلا کیا کہ پہلا نکاح صحیح تھا، اب نکاح پر نکاح ہوگیا، نکاح خواں ثانی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے، اور اس امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے، انہوں نے کچھ فتوے بھی منگوائے کہ باپ کا کیا ہوا عقد صحیح ہے، کیونکہ اس نے جیل سے اجازت دی تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے:

جواب مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی:

(۱) درست ہے، نابالغہ کا نکاح باپ کا کیا ہوا فسخ نہیں ہو سکتا سوائے ایک صورت کے کہ باپ معروف بسوء الاختیار ہو یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصالح کے خلاف لگانے میں مشہور و معروف ہو، اور مشہور و معروف ہونے کا کم از کم درجہ ہے جیسے فتاویٰ شامی میں ہے کہ اپنا اختیار ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصالح لڑکی کے کر چکے صرف اسی وقت غلط طریقہ اختیار کرنے سے معروف بسوء الاختیار نہیں ہو سکتا، اس نے باپ کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا، اب جس طرح ہو سکے زوج سے طلاق لے، جبرے طلاق مل جائے تو علیحدگی ہو سکتی ہے،

(۲) سیئ الاختیار ہونے سے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا، معروف بسوء الاختیار ہونے سے حاصل ہوتا ہے، جس کا مطلب ۱ میں عرض کر دیا گیا ہے،

کتبہ جمیل احمد تھانوی
مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۲۸/۳/۹۲ھ

حضرت والا! آپ اس کے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں، کیونکہ موجودہ

میں اس قسم کے نکاح منعقد ہوئے ہیں، جو نتیجہ سوائے خانہ بربادی کے اور کچھ نہیں، اور حصول طلاق
بھی مخالفین سے مشکل ہے، اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی دشوار ہے، کیا معروف بسوء الاختیار
کی جو تشریح علامہ شامی نے کی ہے یہ آنجناب کو راجح نہیں ہے؟ جبکہ صاحب فتح القدیر، بحر الرائق،
فتاویٰ خیریہ، در مختار میں سوء اختیار کے لئے واقعہ اولیٰ شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب
سے نوازیں گے۔ خدا بخش جہانیاں، سرگودھا

الجواب: از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

حامداً ومصلیاً،

صورت مسئولہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ
خیار فسخ حاصل ہوگا، وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے، شرائط شرعیہ
کے مطابق ثبوت پیش کرکے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتی ہے، خود بخود نکاح باطل
نہیں ہوگا، اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کرلیا ہے تو وہ شرعاً
صحیح و درست ہے، لاہور کے فتوے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے اس لئے
خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، یہ اس معاملہ میں صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ باپ کا سوء اختیار اس معاملہ
میں ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہوسکتا، اور علامہ شامی
نے جو فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ
کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے
ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے بوجھتے ہوئے اس کے مصالح کے خلاف کرچکا ہو
تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہوگیا کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا
دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کرے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا، یہ تشریح جمہور فقہاء
کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے، خصوصاً جبکہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ
شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے وہ کوئی یقینی وجہ نہیں، لکھتے ہیں:

لو کان المانع مجرد تحقق سوء الاختیار بدون الاشتہار لزم إلغاء المسألة أعني
قولہم ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفء ان کان الولی ابا او جدا۔

(شامی ص ۴۲۰ ج ۲ مصری)

عـــہ یہ وجہ شامی نے خود لکھی ہے، فتح القدیر سے نقل نہیں کی ۱۲ رشید احمد

اس کا حاصل یہ ہے کہ غیر فاسق کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے، تو تحقق سوء اختیار کو متیقن ہے، اگر صرف تحقق سوء اختیار کافی ہو تو آگے یہ شرط لم یعرف بسوء الاختیار بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا بھی ہے بعض اوقات ایک شفیق و عقلمند باپ لڑکی کا غیر کفو میں ہونے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ دوسرے فوائد اس میں محسوس کرتا ہے، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو کو اور پھر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دنیوی اور دینی دونوں حیثیت سے خوشگوار رہنے کی قوی امید ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب مہر مثل سے کم پر عقد کیا یا غیر کفو میں کیا تو سوء اختیار متحقق ہو گیا، وہ سوء اختیار نہیں بلکہ دانشمندانہ و مصلحانہ اختیار ہے، خلاصہ یہ کہ فقہاء کی اصل عبارت لم یعرف سوء الاختیار ہے اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے، لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہ رکھا۔ جب یہ بات مشتبہ نہ رہے تو حکم یہی ہوگا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے، اس جملے لم یعرف کی شرح جو درمختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی وہ یہ ہے مجانۃ وفسقا یعنی باپ کا بیہودہ بے پرواہ یا فاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بناء پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء سے امتیاز دیا گیا ہے، یعنی باپ دادا کا وفور شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر ہونا، اور جب واقعہ سوال کی طرح بلا اشتباہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے خالص اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں، تو باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہو گئے۔ خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ وفسقا کی شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے: حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعا (رد المحتار ۲/۴۴) اس میں محض باپ کی سفاہت (بیوقوفی) اور طمع ثابت ہو جانے پر عدم انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے، اور اس پر شامی نے بھی کچھ اختلاف نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی نے بحوالہ فتح القدیر جو کچھ لکھا وہ محض ایک بحث ہے، نہ فتح القدیر کا فتویٰ اور فیصلہ ہے نہ خود علامہ شامی کا، اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود

مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، علامہ خیر الدین رملی نے فتوی خیریہ میں اس مسئلہ کی تشریح حسب ذیل الفاظ میں کی ہے، اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضحہ بھی موجود ہیں، وسئل: فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار وعدم النظر فی العواقب اذا زوج ابنته العاقلة للتعلق بالغیر والشر بغیر کفء هل یصح ام لا؟ الجواب: قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اتفاقا ومثله فی الدرر والغرر وقال فی البحر فی شرح قول الکنز ولو زوج طفله غیر کفء او بغبن فاحش صح ولم یجز ذلک لغیر الاب والجد اطلق فی الاب والجد وقیده الشارحون وغیرهم بان لا یکون الاب معروفا بسوء الاختیار حتی لو کان معروفا بذلک مجانة وفسقا فالعقد باطل علی الصحیح قال فی فتح القدیر ومن زوج ابنته الصغیرة القابلة للتخلق بالخیر والشر ممن یعلم انه شریر او فاسق فهو ظاهر سوء اختیاره ولان ترک النظر ههنا مقطوع به فلا یعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق ذلک نظرا الی شفقة الابوة اھ ثم قال وقد وقع فی اکثر الفتاوی فی هذه المسألة ان النکاح باطل فظاهره انه لم ینعقد، وفی الظهیریة یفرق بینهما ولم یقل انه باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی قوله فالنکاح باطل ای یبطل انتهی کلام البحر والمسألة شهیرة (فتاوی خیریہ ص ۲۳)

عبارت مذکورہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور سوء نیت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے حوالے سے یہ جو لکھا گیا ہے لان ترک النظر ههنا مقطوع به. اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ، فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے، ابن ہمام کا فتوی اور فیصلہ نہیں ہے، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لاہور کا فتوی مرجوح ہے، اسی طرح ملتان کے فتوی میں بھی جو یہ لکھا گیا ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لڑکی آزاد ہے جہاں چاہے نکاح کرے یہ بھی صحیح نہیں، جیسا کہ فتاوی خیریہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے اس نکاح کو باطل کہا ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہو سکتا ہے۔

کشف الغبار ————— ۶

متاخرین کے فتویٰ میں جو حوالہ بزازیہ کا دیا گیا ہے صاحب بحر کی توجیہ کے مطابق اس کا بھی یہی مطلب متعین ہے کہ بخیار بلوغ یہ نکاح مرتفع ہو سکتا ہے، شامی علیہ ان ما فی النوازل من ان النکاح باطل معناہ انہ سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسألۃ معروضۃ فیما اذا لم ترض البنت بعد ما کبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرھا وعلیہ یحمل ما فی القنیۃ زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ حر الاصل وکان معتقا فھو باطل بالاتفاق (رد المحتار ص ۴۰۰ ج ۲) اس لئے مسئلہ مذکورہ کا حکم جو ابھی ہو چکا شروع میں لکھا گیا ہے کہ صورت مندرجہ سوال میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر لڑکی کو خیار فسخ ملے گا، شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرا لے تو فسخ ہو جائے گا اور نکاح ثانی کی اجازت ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع

دار العلوم کراچی ۱۴ [illegible] ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

مسئلہ زیر بحث میں تین امور تحقیق طلب ہیں:

① سوء الاختیار کا مطلب: یعنی کا سوء الاختیار معروف و مشہور ہونا ضروری ہے یا سوء الاختیار کا صرف تحقق و تیقن بھی کافی ہے؟

② سوء الاختیار کی صورت میں نکاح بالکل باطل اور کالعدم ہے یا نکاح صحیح ہے اور منکوحہ کو خیار بلوغ ہے؟

③ اگر نکاح صحیح ہے تو منکوحہ بعد البلوغ خود نکاح فسخ کر سکتی ہے یا اس میں قضاء قاضی شرط ہے؟

تفصیل سوء الاختیار

سوء الاختیار کے مفہوم میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے، بعض اسے تزویج کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں اور بعض نے عام یعنی ماجن و متہتک لیا ہے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب الولی تحت (قولہ ما لم یکن متہتکا): وبہ ظھر ان الفاسق المتھتک وھو بمعنی سیء الاختیار لا تسقط ولایتہ مطلقا لانہ لو زوج من کفء بمھر المثل صح کما سیأتی بیانہ (رد المحتار ص ۴۲۱ ج ۲)

وقال الرافعی لم یظھر مما سبق ان الفاسق المتھتک ھو بمعنی سیء الاختیار

ولا يلزم من وجود احدهما وجود الآخر كما هو ظاهر نعم قد يتحقق معناهما في شخص واحد فعلى هذا اذا كان الولي متهتكا او سيئ الاختيار لا يصح تزويجه بنقص عن مهر المثل او من غير كفء (التحرير المختار ص ۸۴ ج ۲)

یہ اختلاف لفظی ہے جس کا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ متہتک و سیئ الاختیار کا حکم واحد ہے، حاصل یہ ہے کہ باپ بے غیرت، طامع یا سفیہ ہو تب بھی یہ بحث کہ باپ کا ان عیوب میں معروف ومشہور ہونا ضروری ہے یا اگر ان عیوب کا صرف تحقق ہی کافی ہے، سو مخفی نہیں کہ عیوب مذکورہ کا تحقق اور ان میں معروف ہونا تقریباً متلازم ہیں، یعنی جس شخص میں یقینی طور پر یہ عیوب پائے جاتے ہیں وہ عموماً ان عیوب میں معروف بھی ہوتا ہے، اس لئے معروف بسوء الاختیار کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، ورنہ اصل مقصد تحقق و تیقن ہے، چنانچہ ماجن، متہتک، اور سکران میں کسی نے بھی معروف ہونے کی شرط نہیں لگائی، تنویر میں ہے، لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لا، اور شامیہ میں شرح المجمع کے حوالہ سے نیز درر میں "عرف منه سوء الاختیار" کے الفاظ ہیں، جن کی دلالت شہرت کے بجائے تحقق پر زیادہ ہے، پھر یہ الفاظ صاحب درر کے اپنے نہیں، بلکہ "قالوا" کے لفظ سے اس جملہ کو عامۃ الفقہاء کی طرف منسوب فرمایا ہے (درر الحکام ص ۳۳۴ ج ۱) منحۃ الخالق میں فرمایا ہے "ان علم سوء تدبیرہ" نقل کیا ہے، جس سے محض تحقق و تیقن ثابت ہوتا ہے، شامیہ، بحر اور ذخیرہ وغیرہ میں جو معروف کا لفظ لائے ہیں اور پھر تحقق وشہرت میں فرق کیا ہے ان سب کی بنا ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بحث پر ہے:

(قوله واذا زوج الاب ابنته الصغيرة ونقص من مهرها او ابنه الصغير وزاد في مهر امرأته جاز ذلك عليهما ولزم عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى سواء كان بغبن فاحش او قليل وثبت المال كله في ذمة الصغير في الثانية لا في ذمة الاب سواء كان الاب موسرا او معسرا فيقضيه من مال الصغير وروى لا تعتبر الزيادة والنقص "الا بما يتغابن فيه الناس" وعلى هذا الخلاف تزويج الاب ابنته من غير كفء ويجب ان يكون معنى هذا عدم الكفاءة في غير الديانة واما فيها فلا لما تقدم لو كان الاب معروفا بسوء الاختيار مجانة وفسقا كان العقد باطلا على قول ابي حنيفة على الصحيح ومن زوج بنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير والشر ممن يعلم انه شرير فاسق ظاهر سوء اختياره ولان ترك النظر هنا مقطوع به فلا يعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق

ذلك نظرا الى شفقة الابوة وما في النوازل زوج بنته الصغيرة ممن ينكر انه يشرب
المسكر فاذا هو مدمن له وقالت لا ارضى بالنكاح يعني بعد ما كبرت ان لم يكن يعرفه
الاب بشربه وكان غلبة اهل بيته صالحين فالنكاح باطل لانه انما زوج على ظن
انه كفء ويتبين خلافه اذ يقتضي انه لو عرفه الاب انه يشربه فالنكاح نافذ وهو
ينافي ما قرر من ان الاب اذا عرف بسوء الاختيار لا ينفذ تزويجه من غير كفء،
والجواب انه لا تلازم بين ثبوت سوء الاختيار وتحققه وبين كونه معروفا به
فلا يلزم بطلانه عند تحقق سوء الاختيار مع انه لم يتحقق للناس كون الاب
الفاسق معروفا بمثله (فتح القدير ص ۳۴۴ ج ۳)

فتح القدیر کی عبارت مذکورہ نقل کرنے کے بعد شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: والحاصل
ان المانع هو كون الاب مشهورا بسوء الاختيار قبل العقد فاذا لم يكن مشهورا بذلك
ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سيء الاختيار واشتهر به عند
الناس فلو زوج بنتا اخرى من فاسق لم يصح الثاني لانه كان مشهورا بسوء الاختيار
قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله ولو كان المانع مجرد تحقق سوء
الاختيار بدون الاشتهار يلزم اعادة المسألة اعني قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش
او بغير كفء ان كان الولي ابا او جدا (رد المحتار ص ۳۲۰ ج ۲)

فتح القدیر کی بحث مذکور سے یہ سمجھ لیا گیا کہ باپ کا مشہور بسوء الاختیار ہونا ضروری ہے،
پھر شامی کی تحریر مذکور سے معروف بسوء الاختیار کو اس صورت کے ساتھ خاص سمجھ لیا گیا کہ
باپ پہلے بھی اس قسم کا کوئی نکاح کر چکا ہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ دونوں خیال خلاف
واقع ہیں۔ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تزویج بالفاسق کو مطلقاً سوء الاختیار قرار دیا،
پھر نوازل کے جزئیہ زوج ابنته الصغيرة الخ سے اس پر اشکال ظاہر کیا، پھر تحقق سوء الاختیار
اور معروف بسوء الاختیار میں فرق بیان کر کے اشکال مذکور کا جواب دیا، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ
اسی کی وضاحت کے لئے ایک مثال تحریر فرما کر فرماتے ہیں کہ باپ تزویج اول سے معروف بسوء
الاختیار ہو گیا اس لئے تزویج ثانی باطل ہے، ظاہر ہے کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ معروف بسوء
الاختیار کو اس صورت میں منحصر نہیں قرار دے رہے بلکہ معروف ہونے کی ایک صورت بیان
فرما رہے ہیں، پس اگر باپ میں بے غیرتی، طمع یا حماقت معروف ہو تو اس کی تزویج اول بھی مردود

بسوء الاختیار کی تزویج ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی، حیلۂ ناجزہ میں معروف بسوء الاختیار
کی توضیح بالفاظ ذیل فرماتے ہیں:

"یعنی اس سے قبل کوئی واقعہ ایسا ہوا ہو جس کی بناء پر عموماً خیال ہو جاوے
کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مدنظر
نہیں رکھتا پس اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں
مشہور و معروف ہو وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کردے، یا مہر میں
غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے۔" (حیلۂ ناجزہ مطبوعہ آں محل)

عبارت مذکورہ میں مطلقاً کسی واقعہ سے بدتدبیری میں معروف ہونا لکھا گیا ہے، اس سے قبل
خاص طور پر تزویج ہی میں سوء الاختیار کے وجود کو شرط نہیں ٹھہرایا گیا، امداد الفتاویٰ میں
عنوان "تفصیل زن سنیہ با شیعہ" کے تحت فرماتے ہیں:

"اگر نکاح باپ یا دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے
اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی، جیسا سوال میں مذکور ہے، تب بھی نکاح صحیح
نہ ہوگا۔" (امداد الفتاویٰ مبوب ص۲۲۷ ج ۲)

امداد الفتاویٰ کی اسی عبارت کو ملتان کے فتویٰ میں بلا در المختار سے نقل کیا ہے، اس میں تزویج
ثانی تو درکنار مطلقاً معروف و مشہور ہونے کی شرط بھی نہیں لگائی گئی بلکہ سوء الاختیار کے صرف
ثبوت ہی کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

یہاں تک یہ بیان ہوا کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفصیل سے ان کی طرف یہ منسوب کرنا صحیح نہیں
"یہ معروف بسوء الاختیار کی تزویج اول کی صحت کے قائل ہیں یا ان کے ہاں بدون تزویج سوء
الاختیار کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا، ہم اوپر شامی کی عبارت تحریر کرچکے ہیں جس میں انھوں نے
سیئ الاختیار اور ماجن کو ہم معنی قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے
نزدیک بھی بے غیرتی اور طمع وغیرہ کے ثبوت سے سوء الاختیار متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ تزویج کا کوئی
واقعہ پیش نہ آیا ہو۔

اب ذرا ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کو زیر غور لائیں ان کو اپنے ایک نظریہ سے اشکال
رفع کرنے کے لئے سوء الاختیار میں تحقق اور شہرت کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت پیش آئی،
ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ یہ ہے کہ تزویج بالفاسق مطلقاً سوء الاختیار ہے، و مرتبہ و

زوج ابنته الصغیرة القابلة للتخلق بالخیر والشر ممن یعلم انه شریر فاسق فهو
ظاهر سوء اختیاره" تو حالانکہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ تزویج بالفاسق
جائز یا سفہا ہو تو سوء الاختیار ہے ورنہ نہیں، قال العلائی لم یعرف منهما سوء الاختیار
مجانة وفسقا، ونقل ابن عابدین عن شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء
الاختیار لسفهه او لطمعه الخ (رد المحتار ص ۴۳۲ ج ۲) وفی الدر لو عرف منه سوء
الاختیار لطمعه او سفهه الخ (درر الحکام ص ۳۳۲ ج ۱) وفی "البحر وقیده الشارحون
وغیرهم بان لا یکون معروفا بسوء الاختیار حتی لو کان معروفا بذلک مجانة و
فسقا فالعقد باطل (البحر الرائق ص ۱۲۵ ج ۳) مگر خود ابن ہمام رحمہ اللہ کی "مجانة
وفسقا" کی قید نقل فرماتے ہیں، قال ولو کان الاب معروفا بسوء الاختیار مجانة وفسقا
کان العقد باطلا الخ (فتح القدیر ص ۴۲۵ ج ۲) معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ
نفس تزویج بالفاسق ہی کو فسق یا حماقت قرار دے رہے ہیں، یہ مجانة وسفها کو سوء اختیار
کی شرط نہیں قرار دیتے، بلکہ صرف سبب سمجھتے ہیں، بہرکیف مطلقاً تزویج بالفاسق کو سوء اختیار
قرار دینا محل تامل ہے، بالخصوص اس دور میں تو شاذ و نادر ہی کوئی اس سوء اختیار سے بچا ہو،
بڑے بڑے متدین علماء اور مدعیان تقدس و تقویٰ بھی اس میں مبتلا ہیں، غور کرنے کے بعد
معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ ثمرہ کے لحاظ سے عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ
کے خلاف نہیں، اس لئے کہ طمع یا سفہ کا مرض عموماً معروف ہی ہوتا ہے، یا یوں سمجھ لیا جائے کہ
جب تک کوئی شخص اس مرض میں معروف نہیں ہوتا اس وقت تک اس مرض کے تحقق
کا یقین نہیں ہو سکتا، اب ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے مطابق مسئلہ کی تقریر یوں
ہوگی کہ تزویج بالفاسق اگرچہ سوء الاختیار ہے مگر باپ اگر معروف بسوء الاختیار نہیں تو
اس کا یہ عقد طمع یا سفہ کی وجہ سے نہیں، اس لئے نافذ ہو جائے گا، اور فقہاء رحمہم اللہ کی عام
عبارات کے پیش نظر یوں کہا جائے گا کہ باپ اگر طمع یا سفہ میں معروف نہیں، یعنی یہ مرض اس
میں متحقق نہیں تو اس کی تزویج بالفاسق سوء الاختیار نہیں، لہٰذا نافذ ہے، پس دونوں نظریوں
کا حاصل ایک ہی ہے، اگرچہ نظریہ ثانیہ روایۃً ودرایۃً ارجح ہے۔

اس تقریر سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "ولو کان المانع مجرد تحقق سوء
الاختیار بدون الاشتهار لزم احالة المسألة اعنی قولهم لزم

النکاح وتو غبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی الاب او الجد" اس سے بھی واضح ہو گیا یعنی مطلقاً غبن فاحش سے یا غیر کفؤ میں نکاح کرنا سوء الاختیار نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کسی مصلحت سے، محض مجانۃ یا سفہاً ایسا کیا تو سوء الاختیار کہلائے گا، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا تو ترجیح بالفسق کو سوء الاختیار قرار دینا تو پھر بھی کچھ وزن رکھتا ہے، مگر غبن فاحش اور عدم الکفاءۃ غیر الفسق کو سوء الاختیار میں داخل کرنا تو کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں، جبکہ اس میں مصالح کا احتمال سب فقہاء بیان فرماتے ہیں، اگر اس میں سوء الاختیار متیقن ہوتا تو حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے،

اب تک جو تفصیل بیان ہوئی اس کا خلاصہ ایک نظر میں ملاحظہ فرمائیں:

① بے غیرتی، لالچ اور سفہ وغیرہ جیسے عیوب جس میں پائے جائیں وہ بالعموم معروف ہی ہوتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اسے معروف بسوء الاختیار سے تعبیر کر دیا ہے، ورنہ درحقیقت ان عیوب کا تحقق و تیقن ہی کافی ہے

② عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سوء الاختیار کے ساتھ شہرت کی قید نہیں لگاتے،

③ صرف ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اشکال سے بچنے کے لئے یہ قید لگائی، حالانکہ اس قید کے بغیر بھی کوئی اشکال نہیں، نیز ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ بھی ثمرہ کے لحاظ سے عام عبارات کے خلاف نہیں، کما مر تقریرہ

④ امداد الفتاوی میں صرف تحقق سوء الاختیار کو معتبر قرار دیا گیا ہے، شہرت کی قید نہیں لگائی، حیلۂ ناجزہ میں یہ قید ہے، مگر اس سے بھی حصول یقین مقصود ہے، کما مر ان الیقین لا یحصل عادۃ الا بہ،

⑤ ماجن، متہتک، و مکران میں شہرت کی قید نہیں، پس اگر سیئ الاختیار کو متہتک کا ہم معنی کہا جائے کما قال الشامی، تو اس میں بھی شہرت کی قید کا نہ ہونا ظاہر ہے، اور اگر زیلعی کے قول کے مطابق سیئ الاختیار اور متہتک ہر ایک کا مفہوم الگ لیا جائے تو ایک میں شہرت کی قید نہ لگانے اور دوسرے میں لگانے کی کیا وجہ ہے؟

⑥ بطلان نکاح کی علت عدم النظر کا تیقن ہے جس کے لئے سوء الاختیار کا محض تحقق و تیقن کافی ہے، پس شہرت کی قید کی کیا ضرورت ہے؟

⑦ معروف بسوء الاختیار کو اس میں منحصر کرنا کہ باپ پہلے بھی کوئی ایسا عقد کر چکا ہو

نہ کہیں منقول ہے اور نہ معقول۔

(۸) تزویجہا بالغبن الفاحش او بغیر الکفء ولو کان فاسقاً کو علی الاطلاق سوء الاختیار قرار دینا صحیح نہیں، بلکہ یہ صرف اس صورت میں سوء الاختیار ہوگا جبکہ باپ کی طمع یا سفہ وغیرہ ظاہر ہو۔

(۹) صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں غبن فاحش یا غیر کفو میں کیا ہوا صغیرہ کا نکاح بہرحال باطل ہے اگرچہ باپ سییٔ الاختیار نہ ہو، جب ظلم ظاہر اور ضرورت شدیدہ کے وقت غیر مذہب پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے تو صاحبین کے مذہب پر بطریق اولیٰ گنجائش ہوگی، بلکہ بعض صورتوں میں ظلم صریح سے نجات دلانے کے لیے صاحبین کے مطابق فتویٰ دینا واجب ہوگا۔

سییٔ الاختیار کا نکاح باطل ہے:

سییٔ الاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح غبن فاحش سے کیا یا غیر کفو میں کیا تو یہ نکاح موقوف نہیں، بلکہ منعقد ہی نہیں ہوا اس لئے بالکل باطل اور کالعدم ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نکاح کو موقوف قرار دیا ہے، اور اس کے فسخ کے لئے خیار بلوغ کے استعمال اور قضاء قاضی کو ضروری ٹھہرایا ہے، اور عبارات فقہاء میں "باطل یعنی سیبطل" کہا ہے، دلیل میں دو عبارتیں پیش فرمائی ہیں، ایک خیریہ کی اور دوسری شامیہ سے نوازل کی، درحقیقت یہ دونوں عبارتیں صورت زیر بحث سے متعلق نہیں، بلکہ نوازل کے جزئیہ سے متعلق ہیں، جو یہ ہے زوج ابنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت لا ارضی بالنکاح یعنی بعد ما کبرت ان لم یعرفہ الاب بشربہ وکان غلبۃ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل الخ (رد المحتار ص ۳۲۰ ج ۲)، شامیہ میں تو اس کی تصریح ہے کہ "باطل یعنی سیبطل" نوازل کے جزئیہ مذکورہ سے متعلق ہے، باقی رہی خیریہ کی عبارت جو رملی نے بحر سے بالاختصار نقل کی ہے، مگر اختصار میں تسامح ہو گیا ہے، بحر کی اصل عبارت یوں ہے:

واطلق فی الاب والجد وقیدہ الشارحون وغیرھم بان لا یکون معروفاً بسوء الاختیار حتی لو کان معروفاً بذلک مجانۃ وفسقاً فالعقد باطل علی الصحیح (ثم قال) وذکر اصحاب الفتاوی ان الاب اذا زوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت بعد ما کبرت لا ارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفہ الاب بشربہ وکان غلبۃ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل اتفاقاً

لانه انما زوج على ظن انه كفؤ (رحمه تعالى) وقد وقع في اكثر الفتاوى في هذه المسألة ان النكاح باطل فظاهره انه لم ينعقد وفي الظهيرية يفرق بينهما ولم يقل انه باطل وهو الحق ولذا قال في الذخيرة في قولهم فالنكاح باطل اي سيبطل (البحر الرائق ص ١٣٥ ج ٣) اس عبارت میں ظاہر ہے کہ "هذه المسألة" سے وہ مسئلہ مراد ہے جو اوپر متصل گزرا ہے، چنانچہ مقام مذکور کے حاشیہ میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اي التي ذكرها اصحاب الفتاوى" یعنی وہی نوازل الاجنبی جسے بحر نے الفتاوی کی طرف منسوب کیا ہے، آگے (قولهم اعلم انه لاكفوءة اذا علمه فاسقا) کے تحت فرماتے ہیں، قال الرملي والحاصل مما تقدم انه ان لم يعلم بعدم كفاءته ثم علم فهو باطل اي سيبطل وان علم بها فنظران علم بسوء تدبيره فكذلك والا فهو صحيح نافذ اه، فتاوی خیریہ کی طرح یہاں بھی رملی نے صورت زیر بحث اور جزئیہ نوازل پر ایک ہی حکم لگا دیا ہے، حالانکہ یہ درایۃً و روایۃً صحیح نہیں، کما ستذکر ان شاء اللہ تعالی، لہٰذا یا تو رملی کی عبارت میں تاویل کرکے اسے دوسرے فقہاء کے موافق کیا جائے گا یا اسے تسامح پر محمول کیا جائے گا، صورت زیر بحث یعنی تزویج سیئ الاختیار بغیر الکفؤ سے متعلق عبارات فقہاء ملاحظہ ہوں:

قال العلائي وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا وكذا لو كان سكران (الدر المختار)

وفي كفاءة الشامية تحت (قوله الاختيار لاجل) كان الظاهر ان يقال لا يصح العقد اصلا كما في الاب الماجن والسكران (رد المحتار ص ٣٢٥ ج ٢) وقال ابن نجيم وقيد الشارحون وغيرهم بان لا يكون معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذلك مجانة وفسقا فالعقد باطل على الصحيح (بحر ص ١٢٥ ج ٣) وقال ابن الهمام قالوا ولو كان الاب معروفا بسوء الاختيار مجانة وفسقا كان العقد باطلا (فتح القدير ص ٣٢٥ ج ٣)

وفي البزازية قالوا اذا زوج السكران بنته ونقص من مهر المثل لا يصح اجماعا (بزازية على هامش الهندية ص ١٢٣ ج ٤) وفي الهندية والخلاف فيما اذا لم يعرف سوء اختيار الاب مجانة او فسقا اما اذا عرف ذلك منه فالنكاح باطل اجماعا (عالمگیریۃ ص ٢٩٢ ج ١) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله مجانة وفسقا) وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الاب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لا يجوز عقده اجماعا (رد المحتار ص ٣٣٠ ج ٢)، ان عبارات میں اور دلیل

قابلِ توجہ ہیں:

(۱) "باطل" مطلق ہے جس کی کسی نے کوئی تاویل نہیں کی۔

(۲) "لا یصح" اور "لا یجوز" عدمِ انعقاد میں صریح ہے۔

(۳) ماجن وسکران سے تشبیہ دی گئی ہے، اور ان کی تزویج غیر کفو میں بالاتفاق منعقد ہی نہیں ہوتی

(۴) تزویج غیر مسیٔ الاختیار (بغیر الکفء) میں امام صاحب اور صاحبین کے مابین اختلاف بیان فرمانے کے بعد تزویج مسیٔ الاختیار کو "لا یجوز اجماعاً" "لا یصح اجماعاً" "لا یصح اتفاقاً" اور "باطل اجماعاً" فرما رہے ہیں، صاحبین کے ہاں یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، یہ مسئلہ متفق علیہ اور اجماعی جب ہی ہو سکتا ہے کہ عند الامام بھی عدمِ انعقاد ہی کا حکم ہو۔

علاوہ ازیں درایۃً بھی عدمِ انعقاد ہی متعین ہے، کیونکہ غیر الاب کا نکاح بغیر کفو منعقد نہ ہونے کی علت دفعِ ضرر ہے، اور اس علت کا وجود اب مسیٔ الاختیار میں زیادہ واضح ہے، لہٰذا یہ بطریقِ اولیٰ منعقد نہ ہونا چاہئے، بخلاف مسئلہ نوازل کے کہ اس میں باپ مسیٔ الاختیار نہیں بلکہ معذور ہے، پھر مسئلہ نوازل میں بھی لفظ "باطل" میں کسی تاویل کی کوئی حاجت نہیں، اس لئے کہ "فالنکاح باطل" کا تعلق "قالت لا ارضی" کے ساتھ ہے، تو عبارت یوں ہوگی "ای قالت بعد البلوغ لا ارضی فالنکاح باطل" اس عبارت کی صحت بدون کسی تاویل کے ظاہر ہے،

ولذا قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحۃ الخالق (قولہ ان النکاح باطل) لا یخفی ان قولہم النکاح باطل انما ھو بعد ردھا وذلک لا یفید بطلانہ من اصلہ (الی قولہ) وقد رأیتہ کذلک فی الخانیۃ والذخیرۃ والولوالجیۃ والتجنیس والبزازیۃ فکلھم ذکروا البطلان بعد الرد وھل یتوقف علی القضاء او لا فلیراجع وتأمل (البحر الرائق ص ۱۳۳ ج ۳) اس تقریر سے معلوم ہوا کہ نوازل کے جس جزئیہ میں "باطل" کی شرح "یبطل" سے کی جا سکتی ہے "سیبطل" سے اس کی تشریح کی کوئی گنجائش نہیں، سب سے پہلے "باطل ای یبطل" صاحبِ ذخیرہ نے فرمایا ہے اور دوسرے سب حضرات ذخیرہ سے نقل کرتے ہیں، نقل میں بعض حضرات سے تسامح ہو گیا کہ "یبطل" کی جگہ "سیبطل" نقل کر دیا، چنانچہ ابن نجیم فرماتے ہیں: ولذا قال فی الذخیرۃ فی قولہم فالنکاح باطل ای سیبطل (بحر ص ۱۳۳ ج ۳) اور شامی ذخیرہ ہی کے حوالہ سے فرماتے ہیں: ان النکاح باطل معناہ انہ سیبطل کما فی الذخیرۃ، اور منحۃ الخالق سے خود شامی ہی کا فیصلہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ

یہاں لفظ "باطل" میں کسی تاویل کی حاجت نہیں، دراصل تائید کے لئے ذخیرہ کا بھی حوالہ دیا ہے اس سے
واضح ہو گیا کہ "باطل" کی تعبیر میں یقیناً تسامح ہوا ہے، تقریر مذکور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زوال
کے جزئیہ میں "بعد البلوغ" فسخ نکاح کے لئے قضاء شرط نہیں، اس لئے کہ "ان قالت بعد البلوغ
لا ارضی فالنکاح باطل" سے یہی مستفاد ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول "فحینئذ لا یحتاج الیٰ" سے
اوپر نقل کیا جا چکا ہے "وھل یتوقف علی القضاء؟ لم اره، فتامل" نیز اس میں ضرر بین ہونے کا
مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ اس نکاح کا ابطال قضاء پر موقوف نہ ہو، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ
تحت (قولہ ولھما خیار الفسخ بالبلوغ الخ) وانما شرط فیہ القضاء بخلاف خیار
العتق لان الفسخ ھھنا لدفع ضرر خفی (الیٰ قولہ) فیفتقر الی القضاء وخیار العتق
لدفع ضرر جلی وھو زیادة الملک علیھا ولھذا اختص بالانثی فاعتبر دفعا والدفع
لا یفتقر الی القضاء (بحر ص۱۲۰ ج۳)

اگر غیر سیئ الاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح بدون شرط کفو کیا، زوج نے بھی کفو ہونے کا اظہار
نہیں کیا تھا، بعد میں معلوم ہو کہ کفو نہیں تو اس نکاح میں خیار فسخ ہے یا نہیں؟ اس میں عبارات
مختلف معلوم ہوتی ہیں، حیلہ ناجزہ میں عدم الخیار کو ترجیح دی ہے، درایۃً بھی یہی راجح معلوم ہوتی ہے
اس لئے کہ باپ نے اس نکاح میں کوئی ایسی مصلحت دیکھی ہوگی جس کی موجودگی میں باپ نے تحقیق کفو کی ضرورت نہیں سمجھی،

یہ بحث تتمیم فائدہ کے لئے درمیان میں لکھدی گئی، اصل بحث یہ چل رہی تھی کہ سیئ الاختیار
باپ کا غیر کفو سے کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اس پر واضح دلائل روایۃً و درایۃً لکھے جا چکے
ہیں، اب حیلہ ناجزہ کا فیصلہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:
اول یہ کہ وہ شخص نکاح کے وقت ہوش و حواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا
تو نکاح بالکل ہی باطل ہے،
دوسری شرط یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو (الیٰ قولہ) اگر وہ شخص لالچ یا نا عاقبت
اندیشی کے سبب بد تدبیری میں مشہور و معروف ہو وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے
کردے یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے" (حیلہ ناجزہ مطبوعہ قرآن محل ص ۴۳)

آگے خیار کفاءت کے باب میں فرماتے ہیں:
"دوسری صورت یہ کہ باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا

یا باپ دادا نے کیا مگر وہ معروف بسوء الاختیار یا فاسق متہتک ہو وقتی مزید تفصیل رد المحتار اور شامیہ خیار البلوغ یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو اس صورت میں بھی نکاح باطل ہے کما مر فی خیار البلوغ مفصلاً (حیلہ ناجزہ ص ۳۳)

ان دونوں عبارتوں میں امور ذیل پر توجہ فرمائیں:

(۱) سکران کی تزویج بالکل ہی باطل ہے،

(۲) سیئ الاختیار کی تزویج بھی بالکل باطل ہے،

(۳) ولی غیر الاب والجد، باپ اور دادا سیئ الاختیار، فاسق، متہتک اور سکران سب کا ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے،

(۴) جن صورتوں میں خیار بلوغ یا خیار کفاءت ہو وہ الگ تفصیل سے بیان فرمائی ہیں،

امداد الفتاویٰ:

خیار البلوغ کے فتویٰ میں بتایا گیا ہے کہ امداد الفتاویٰ کی عبارت رد المحتار سے نقل کی گئی ہے جس میں بھی "باطل" بمعنی "سیبطل" ہے، اس لئے امداد الفتاویٰ کی عبارت بھی برائے ملاحظہ پیش کی جاتی ہے، عنوان "تفصیل نکاح زن سنیہ با شیعہ" کے تحت فرماتے ہیں:

غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا، اور اگر باپ یا دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا ہے کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی جیسا سوال میں مذکور ہے، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، اور اگر منکوحہ بالغہ ہے تو اگر اس نے خود اپنا نکاح کیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا، اسی طرح اگر ایسے ولی نے کر دیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا، یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۲۷ ج ۲)

اس عبارت میں چار صورتوں کا ایک ہی حکم مذکور ہے، تین صورتوں میں بالاتفاق نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا تو چوتھی کا بھی یہی حکم ہوگا، نیز یہاں تو لفظ باطل نہیں بلکہ عدم صحت کا حکم لگایا گیا ہے،

اب اس تحریر سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو گیا کہ سیئ الاختیار باپ کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا،

شرطِ کفاءۃ:

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسئلہ زیرِ بحث میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ بالکل باطل اور کالعدم ہے تو یہ بحث ہی ختم ہو گئی کہ اس میں کفاءۃ شرط ہے یا نہیں؟ البتہ مسئلہ نوازل میں چونکہ نکاح ہو جاتا ہے، مگر لڑکی کو خیارِ کفاءت ہے، اس لئے اس میں شرطِ کفاءۃ کا سوال پیدا ہوتا ہے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

غور طلب:

سیئ الاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح مہرِ مثل سے کفو میں کیا ہو، مگر اس میں باپ کی طمع اور ذاتی غرض کی وجہ سے صغیرہ کا عدم النظر ظاہر اور متیقن ہو، مثلاً عمر میں بہت زیادہ تفاوت ہو، یا زوج دائم المرض یا معتوہ یا اپاہج وغیرہ ہو تو یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ بعض علاقوں میں یہ ظلم عام ہے، اس لئے اہلِ فتویٰ پر اس طرف خاص توجہ کرنا لازم ہے، بندہ ابتک اس پر جس قدر غور کر سکا اس کا حاصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں غلبۂ فسق کی وجہ سے صورتِ مذکورہ کے اکثر واقعات کا حل تو یوں نکل آتا ہے کہ سیئ الاختیار باپ کی تزویج بالفاسق باطل ہے، باقی رہا شاذ و نادر کوئی ایسا واقعہ کہ زوج فاسق نہ ہو تو صرف امورِ مذکورہ کی بنا پر ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ سو فقہ حنفی میں تو اس کا صریح حکم نظر سے نہیں گزرا، البتہ فقہ شافعی کی کتاب شرح المہذب لمحمد نجیب المطیعی میں یہ عبارت ہے: قال الصیمری ولا یزوج ابنه الصغیر بعجوز هرمة ولا بمقطوعة اليدين والرجلين ولا عمياء ولا زمنة ولا يهودية ولا نصرانية ولا يزوج ابنته الصغيرة بشيخ هرم ولا بمقطوع اليدين والرجلين ولا باعمى ولا بزمن ولا بفقير وهي غنية، فان فعل ذلك فسخ، وعندي انها تحتمل وجها آخر انه لا يكون له الفسخ بانه ليس باعظم ممن زوج ابنته الصغيرة بمجذوم او ابرص (شرح المهذب ص ۲۵۴ ج ۱۶)

اس سے ثابت ہوا کہ شوافع کے ہاں امور بالا میں کفاءت کے اعتبار کی روایت ہے، احناف کی بھی عباراتِ ذیل سے اس مسئلہ کے لئے کچھ روشنی ملتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله فاحش من الكل) وقد علمت ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فيدور معه (رد المحتار ص ۳۲۹ ج ۲) وقال الرافعي ان المدار على استنقاص اهل العرف ممن يعتد بهم من اصحاب الرأي السديد الموافق لما جاء به الشرع والا لزم هدم كثير من مسائل الكفاءة المذكورة في كتب الفقه ولزم

عدم اعتبار الدیانۃ والنسب بل یلزم ان تعتبر کثرۃ المال والجاہ (التحریر المختار ص ج ۲)

وفی الہدایۃ لکن فی المعراج عن المرغینانی المجنون لیس بکفء للعاقلۃ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولا بالعقل) قال القاضی خان فی شرح الجامع واما العقل فلا روایۃ فیہ عن اصحابنا المتقدمین واختلف فیہ المتأخرون اھ (قولہ لیس بکفء للعاقلۃ) قال فی النہر لانہ یفوت مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر ودناءۃ الحرفۃ وینبغی اعتمادہ لان الناس یعیرون بتزویج المجنون اکثر من ذی الحرفۃ الدنیئۃ (رد المحتار ص ۲۵۰ ج ۲)

وقال الرافعی (قولہ واما العقل فلا روایۃ فیہ عن اصحابنا الخ) وما فی النہر عن المرغینانی من تخریجات المشایخ فلا ینافی ما ھنا من انہ لا روایۃ فیہ عن اصحابنا ولا ینافی ھذا ما قالہ محمد من ان لہا الفسخ بالعیوب الثلاثۃ لان الفسخ فیہا لیس باعتبار عدم الکفاءۃ بل باعتبار ان النکاح یفسخ بہذہ العیوب کالبیع ولہذا کان لہا لا للولی (التحریر المختار ص ۱۷۱ ج ۲)

مذکورہ عبارات کے علاوہ بھی شامیہ اور دوسری کتب میں بھی بہت سی عبارات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مشایخ نے کفاءت کو امور مرویہ عن الائمہ میں منحصر نہیں سمجھا بلکہ زمانے کے حالات وعرف کے لحاظ سے اس میں مزید غور وفکر کی گنجائش ہے، بناء علیہ بندہ کی رائے یہ ہے کہ عدم تناسب عمر وغیرہ امور مذکورہ میں بطلان نکاح کا فتویٰ تو نہ دیا جائے، اس لئے کہ ان میں ضرر کے وجود وعدم اور قلت وکثرت کا فیصلہ اہل الرأی کے غور وفکر کا محتاج ہے، البتہ اولیٰ کو خیار بلوغ دیا جائے اور وہ خیار بلوغ کے شرائط معروفہ کے مطابق عدالت میں مقدمہ پیش کرے حاکم اہل الرأی سے حالات کی تحقیق کر کے مناسب سمجھے تو نکاح فسخ کر دے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۸ محرم سنہ ۹۷ھ

باب الرضاع

نانی کا دودھ پینے سے نواسی کے والدین کا نکاح نہیں ٹوٹتا:

سوال: مندرجہ ذیل سوال وجواب کے متعلق آپ کی کیا تحقیق ہے؟

استفتاء: ایک عورت نے مسئلہ نہ جاننے کی صورت میں اپنی نواسی کو متواتر ڈھائی ہفتے دودھ پلایا، اس صورت میں دودھ پینے والی لڑکی کے ماں باپ کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: چونکہ مرضعہ عورت کی اولاد دودھ پینے والے بچے کے ماں باپ پر حرام ہو جاتی ہے، اس لئے نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیا یہ جواب صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں نکاح باطل نہیں ہوتا، قال العلائی رحمه

یفارق النسب الارضاع فی صور
کأم نافلة او جدة الولد
وأم اخت واخت ابن وأم اخ
وأم خال وعمة ابن اعتمد

وفی الشامیة (قوله واخت ابن) ای کل منهما رضاعی او الاول رضاعی والثانی نسبی او العکس بخلاف ما اذا کان کل منهما نسبیا فلا تحل اخت الابن لانها اما بنتک او ربیبتک ومن هنا یعلم ما اذا ارضعت ولدک من ام امه فان امه لا تحرم علیک لکونها اخت ابنک رضاعا افاده الرملی ط واخت البنت کاخت الابن الخ وایضا فی العلائیة وقس علیه اخت ابنه وبنته وفی الشامیة بان تقول انما حرمت علیه اخت ابنه وبنته نسبا لکونها بنته او بنت امرأته وهذا المعنی مفقود فی الرضاع (رد المحتار باب الرضاع ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۹ر صفر [illegible]ھ

خبر الواحد بنجاسة الماء او الطعام فراجعه من كتاب الاستحسان، پر مولوی صاحب نے جو اعتراض کیا ہے کہ یہ عبارت محض شہادت بعد العقد سے متعلق ہے، اور مطلقاً سے مراد شمول للرضاع الطاری وغیر الطاری ہے نہ کہ شمول للاخبار قبل العقد" اس اعتراض کے ابطال کے لئے بحر کی اصل عبارت کافی ہے ونصہ والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحد قبل النکاح وظاہر المتون انہ لا یعمل بہ رکن الاخبار برضاع طارٍ فلیکن ھو المعتمد فی المذھب (بحر ج ۳ ص ۲۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ محرم ۸۶ھ

حلق میں دودھ پہنچنے کا یقین نہ ہو تو رضاع ثابت نہ ہوگا:

سوال: ایک عورت نے ایک بچے کے منہ میں ایسی حالت میں پستان دیا کہ بچہ بیہوش تھا، بچے نے منہ نہیں ہلایا، عورت نے پستان نکال لیا، اس کے بعد بھی کچھ دیر بیہوش رہا، یہ معلوم نہیں کہ دودھ اس کے اندر گیا ہے یا نہیں، زیادہ گمان یہ ہے کہ اس حالت میں دودھ اس کے اندر نہیں گیا، تو شرعاً رضاع کی حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

جب تک حلق میں دودھ پہنچنے کا یقین نہ ہو جائے حرمت ثابت نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر فلو التقم الحلمۃ ولم یدر ادخل اللبن فی حلقہ ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا، وفی الشامیۃ معزیا الی القنیۃ او ادخلت الحلمۃ فی فم الصبی وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمۃ بالشک (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ربیع الاول ۸۳ھ

عورت دودھ پلانے کے بعد کہتی ہے کہ دودھ نہیں تھا:

سوال: ایک عورت کے دس بارہ سال تک اولاد نہیں ہوئی اور اس عورت نے ایک بچے کو دودھ پلایا بعد میں کہتی ہے کہ میرے پستان میں دودھ بالکل نہ تھا، یہاں کے لوگ اختلاف کر رہے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اتنی مدت میں دودھ خشک ہو جاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہوتا، کیا ایسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

جب دودھ کے وجود پر شاہد نہیں اور عورت خود کہتی ہے کہ دودھ نہیں تھا تو عورت

کا قول معتبر ہوگا، لہٰذا حرمت ثابت نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر فلو التقم الحلمة ولم یدر أدخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم، وفی الشامیة عن القنیة امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلک بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین ألقمتها ثدیی ولم یعلم ذلک الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اھ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ جمادی الآخرة [illegible]ھ

دو سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاع نہیں ہوتی:

سوال: تین سال کے بچے نے اپنی چچی کا دودھ پیا تو چچا کی لڑکی اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حلال ہے، مدت رضاع دو سال ہے، اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، اس سے حرمت رضاع ثابت نہیں ہوتی، قال فی التنویر هو حولان ونصف عنده وحولان عندهما وهو الاصح، وفی العلائیة ویثبت التحریم فی المدة فقط (رد المحتار ص ۴۰۳ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول [illegible]ھ

آئسہ کے پستان کا سفید پانی موجب حرمت رضاع نہیں:

سوال: آئسہ کے پستان سے سفید پانی کی رطوبت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کی رنگت دودھ جیسی نہیں بلکہ پانی کی طرح ہے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا، جوهرة، وفی الشامیة ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لها لبن لا تحرم جوهرة لانهم نصوا علی ان اللبن لا یتصور الا ممن تتصور منه الولادة فیحکم بانه لیس بلبن کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعه تحریم کما فی شرح الوهبانیة (رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ صفر ۹۳ھ

کتاب الطلاق

دفعۃً تین طلاقیں دینے سے مغلظہ ہو جائے گی:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں لکھ کر بھیجیں تو اس صورت میں تین طلاقیں ہوں گی یا ایک؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں، قال فی التنویر قال لموطوءته وهی ممن تحیض انت طالق ثلاثا للسنة وقع عند کل طهر طلقة وان نوی ان تقع الثلاث الساعة او عند کل شهر واحدة صحت نیته (وفی الشامیة (قوله ثلاث متفرقة) وکذا بکلمة واحدة اولی الی ان قال) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث (رد المحتار ج۲ ص۵۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ر محرم ۷۳ھ

غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے کا حکم:

سوال: غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے سے مغلظہ ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں تین لفظوں سے دی ہیں تو مغلظہ نہیں ہوئی صرف ایک بائن واقع ہو گی، اور اگر بیک لفظ تین طلاقیں دی ہیں (مثلاً کہا تجھے تین طلاق) تو مغلظہ ہو جائیگی قال فی التنویر قال لزوجته غیر المدخول بها انت طالق ثلاثا وقعن وان فرق بانت بالاولی ولم تقع الثانیة، (وفی الشرح (بانت بالاولی) لا الی عدة ولذا لم تقع

الثيبة بخلاف الموطوءة حيث يقع الكل (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ

گونگے کی طلاق کا حکم:

سوال: ایک گونگے شخص نے کچھ اشارات کئے حاضرین نے سمجھا کہ بیوی کو طلاق دی ہے، بعد تحقیق گونگا کہتا ہے کہ میں نے اشارے طلاق کے لئے نہیں کئے بلکہ چوری ہوگئی ہے اس سے متعلق لوگوں کو کہتا ہوں، اب یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ بالفرض اگر طلاق ہوگئی تو گونگے کا یہ انکار رجوع کہا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

گونگے کی طلاق تب واقع ہوگی کہ اس کے اشارہ میں سوائے طلاق کے اور کوئی احتمال نہ ہو صرف طلاق ہی کے لئے متعین ہو، لہٰذا صورت سوال میں طلاق نہ ہوگی، قال فی العلائیۃ ویقع طلاق کل زوج (الی قوله) او اخرس باشارته المعهودة فانها تكون كعبارة الناطق استحسانا، وفی الشامیۃ (المعهودة) ای المعروفة منه لان العادة منه ذلك فكانت الاشارة بيانا لما اجمل الاخرس (رد المحتار ص ۴۲۳ ج ۲) وفی الهندية وان لم يكن له اشارة معروفة يعرف ذلك منه او يشك فيه فهو باطل كذا في المبسوط (عالمگیریہ ص ۳۵۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

مجنون کی طلاق نہیں ہوتی:

سوال: مجنون کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی، قال فی العلائیۃ واهله زوج عاقل بالغ مستيقظ، وفی الشامیۃ (قوله واهله زوج عاقل الخ) احترز بالزوج عن سيد العبد ووالد الصغير وبالعاقل ولو حكما عن المجنون والمعتوه الخ (رد المحتار ص ۴۲۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۹۲ھ

سندھی میں "چھٹی کیم" طلاق صریح بائن ہے:

سوال: ایک شخص نے عام مجلس میں اپنی بیوی کو تین دفعہ کہا "چھٹی کیم" تو طلاق

ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

طلاق مغلظہ ہوگئی، سندھی زبان میں "چھڈی کیم" "چھوڑ دی" کے معنی میں مستعمل ہے جو کہ طلاق میں صریح ہے مزید اس میں "چھوڑ دی" کے مفہوم کے ساتھ وصف شدت بھی ہے، "چھڈی کیم" کا صحیح ترجمہ "پھینک دی" بلکہ اس سے بھی بڑھ کر "حقارت کے ساتھ پھینک دی" ہے، شدت ومبالغہ کی وجہ سے لفظ "حرام" کی طرح اس سے بھی طلاق بائن ہوگی، اور صریح ہونے کی وجہ سے نیت کی احتیاج نہیں، پھر چونکہ یہ الفاظ تین بار کہے ہیں اس لئے مغلظہ ہوگئی، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ حرام) وسیأتی وقوع البائن بہ بلا نیۃ فی زماننا للتعارف وان سرحتک کنایۃ لکنہ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح فاذا قال "رہا کردم" ای سرحتک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضا وما ذلک الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح ما لم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت الخ (رد المحتار باب الکنایات ص ۵۰۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]ھ

حکم طلاق بلا فہم معنی:

سوال: ایک مولوی نے کسی جاہل مرد سے تین طلاقیں عربی زبان میں حاصل کیں، یہ شخص ان الفاظ کے مفہوم اور معنی سے بالکل ناواقف تھا، یہ طلاقیں واقع ہوگئیں یا نہیں؟ اور مولوی خطاکار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تین طلاقیں قضاءً واقع ہوگئیں دیانۃً نہیں ہوئیں، اور مولوی طلاقیں دلانے والا سخت گنہگار ہے، قال فی العلائیۃ او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق او تلفظ بہ غیر عالم بمعناہ (وفی الشامیۃ) (قولہ غیر عالم بمعناہ) کما لو قالت لزوجہا اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ اذا لم یعلم الزوج ولم ینو بحر عن الخلاصۃ وایضا فیہا تحت (قولہ او لم ینو شیئا) لو لقنتہ الطلاق فتلفظ بہ غیر عالم بمعناہ فلا یقع اصلا علی ما افتی بہ مشایخ اوزجند صیانۃ عن التلبیس وغیرہم علی الوقوع

قضاء فقط (رد المحتار ج ۲)

غرضیکہ اگر یہ معاملہ فیصلہ کے لئے کسی حاکم کے پاس جائے گا تو وہ وقوع طلاق کا حکم دے گا اور اگر حاکم کے پاس معاملہ نہ پہنچا تو اس شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ رہنا جائز ہے بشرطیکہ عورت کو اس معاملہ کا علم نہ ہو، عورت کو علم ہو گیا تو اسے زوج کے ساتھ رہنا جائز نہیں، کما فی تنقیح الحامدیۃ المرأۃ کالقاضی ومثلہ فی البحر ورد المحتار۔

مجھے ابھی تک وقوع طلاق قضاءً سے متعلق تصریح میسر نہیں، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا، دوسرے اہل فتویٰ کی طرف رجوع کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الاولیٰ [illegible]

سوال مثل بالا:

سوال: ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل شخص سے یہ الفاظ کہلوائے "طلقت امرأتی ثلاثا" یہ شخص ان الفاظ کے معانی اور مفہوم سے بالکل ناواقف ہے، تو اس صورت میں اس کی عورت مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی الھندیۃ: واذا قال الرجل لامرأتہ انت طالق ولا یعلم معنی قولہ انت طالق فانہ یقع الطلاق، واذا قال لامرأتہ انت طالق ولا یعلم ان ھذا القول طلاق طلقت فی القضاء ولا تطلق فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ ھکذا فی الذخیرۃ (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۲۸)

وقال فی شرح التنویر: مخطئاً بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق او تلفظ بہ غیر عالم بمعناہ، وفی الشامیۃ (قولہ غیر عالم بمعناہ) کما لو قالت لزوجھا اقرأ علیّ اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ اذا لم یعلم الزوج ولم ینو، عن الخلاصۃ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳) وایضاً فیھا تحت قولہ (او لم ینو شیئا) لو لقنتہ لفظ الطلاق فتلفظ بہ غیر عالم بمعناہ فلا یقع اصلاً علی ما افتی بہ مشایخ اوزجند صیانۃً عن التلبیس وغیرھم علی الوقوع قضاءً فقط (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئلہ میں مشائخ اوزجند رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو طلاق بالکل نہ ہوگی نہ دیانۃً اور نہ قضاءً اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک صرف قضاءً ہوگی دیانۃً نہ ہوگی،

وجوہ ذیل کی بنا پر مشائخ اوزجند کا مسلک راجح ہے یعنی قضاءً بھی طلاق واقع نہ ہوگی:

① قال فی شرح التنویر ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یستوی فیه الجد والهزل، وفی الشامیة لکن قید فی الدرر عدم الاشتراط بما اذا علما ان هذا اللفظ ینعقد به النکاح ای وان لم یعلما حقیقة معناه الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۱)

وایضاً فی الشرح فاعین انه نکاح علی المذهب، وفی الحاشیة قال فی البحر جزم فی التبیین بانه لو عقد بحضرة هندیین لم یفهما کلامهما لم یجز وصححه فی الجوهرة وقال فی الظهیریة والظاهر انه یشترط فهم انه نکاح واختاره فی الخانیة فکان هو المذهب (الی قوله) ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۰)

وایضاً فیها (فی بیان انعقاد النکاح بالالفاظ المصحفة) بل تقصد حصول الاستمتاع باللفظ الوارد شرعاً۔

وایضاً فیها قال العامی جوزت بتقدیم الجیم او زوزت بالزاء بدل الجیم قاصداً به معنی النکاح یصح (الی قوله) ولا شك ان لفظ جوزت او زوزت لا یفهم منه العاقدان والشهود الا انه عبارة عن التزویج ولا یقصد منه الا ذلك المعنی بحسب العرف (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۲)

ان سب جزئیات سے یہ ثابت ہوا کہ قضاءً انعقادِ نکاح میں اگرچہ فہم معنی شرط نہیں مگر فہم مقصد کی شرط میں کچھ اختلاف ہے، اور شامی کی تحقیق سے اشتراطِ فہم مقصد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، پس اگر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لئے ہیں تو قضاءً بھی نکاح منعقد نہ ہوگا، اور ان احکام میں نکاح وطلاق مساوی ہیں، قال فی الشامیة فاذ تقع الطلاق بالالفاظ المصحفة مع اشتراك الطلاق والنکاح فی ان جدهما جد وهزلهما جد وخطؤهما خطأ ایضاً فیها لا فرق یظهر بین النکاح والطلاق وقد استدل الخیر الرملی علی

ذلک ما اتی منہ من قول القاضی خان انہ ینبغی ان یکون للکل حکم الطلاق (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۶۲)

غرضیکہ طلاق و نکاح میں کوئی فرق نہیں، اور جس صورت میں جبکہ الفاظ کے متعلق یہ علم ہو کہ ان سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے قصد نکاح نہ ہو تو مقایسۃً علی النکاح طلاق بھی نافذ و واقع ہوگی، چنانچہ شامیہ کتاب الطلاق کے دونوں جزئیے بھی اسی پر محمول کئے جائیں گے کہ شوہر کو ان الفاظ کا موجب طلاق ہونا معلوم ہو، مگر یہ حمل بعید ہے، نیز عالمگیریہ کا جزئیہ اس تاویل کو قبول نہیں کرتا، لہٰذا ان تینوں جزئیات کو قول مرجوح پر محمول کرنا اقرب ہے، اور ھزل ہاجن سے شبہہ نہ کیا جائے کیونکہ ہزل کے معنی یہ ہیں کہ علم معنی و قصد تکلم دونوں موجود ہوں مگر ترتب حکم کا قصد نہ ہو،

② دیانت و قضاء کا فرق ان مقامات میں ہوتا ہے جہاں کذب و تلبیس وغیرہ کا شبہہ ہو، پس اگر زوج کے متعلق یقین ہو کہ اسے ان الفاظ سے وقوع طلاق کا قطعاً کوئی علم نہیں تو قضاءً بھی وقوع طلاق کا حکم نہ دیا جائے گا،

③ آجکل اس قسم کے فتنے جس قدر کثرت سے اٹھ رہے ہیں ان کے پیش نظر سداً للذرائع وصیانۃً عن التلبیس مشائخ ارجمند کے مسلک ہی پر فتویٰ دینا ضروری ہے، فان الاحکام تتغیر بتغیر الزمان،

④ زوج مذکور نے الفاظ مذکورہ بطور نقل و حکایت کہے ہیں نہ بطور انشاء، اور طلاق باب انشاء سے ہے، لہٰذا اگر الفاظ کے مفہوم و معانی سے واقف ہو تب بھی بطور نقل الفاظ کہنے سے طلاق نہ ہوگی، قال فی الھندیۃ حکی یمین رجل فلما بلغ الی ذکر الطلاق خطر ببالہ امرأتہ ان نوی عند ذکر الطلاق عدم حکایتہ واستئناف الطلاق وکان موصولا بحیث یصلح للایقاع علی امرأتہ یقع لانہ اوقع وان لم ینو شیئا لا یقع لانہ محمول علی الحکایۃ کذا فی الفتاوی الکبری (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۳۸) وفی الشامیۃ لو کرر مسائل الطلاق بحضرتھا او کتب ناقلا من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ او حکی یمین غیرہ فانہ لا یقع اصلا ما لم یقصد زوجتہ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳)

اگر بلا قصد انشاء محض نقل ہی سے وقوع طلاق کا قول کیا جائے تو پہلے خود مولوی صاحب کی بیوی مطلقہ ہونی چاہئے کیونکہ انھوں نے پہلے خود الفاظ مذکورہ کہے، حالانکہ مولوی صاحب عالم بالمعنی و مفہوم ہیں اور زوج غیر عالم، ایسا مولوی جو تلبیس میں ابلیس کا بھی امام ہے ضرور بے لائق تعزیر ہے، عوام پر لازم ہے کہ اس سے کلی اجتناب اور کامل احتراز کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ رجب ۸۵ھ

تحقیق صور لحاق وعدم لحاق طلاق :

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ فی لحاق البائن بالبائن؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند اللہ۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق ان محصول المبسوط فی الشامیۃ وغیرها من الکتب المعتبرۃ ان الطلاق اما صریح او بالکنایۃ وکل منهما اما رجعی او بائن فالطلاق السابق واللاحق کل منهما علی اربعۃ اقسام وجمیع الصور الممکنۃ فی اللحاق ست عشرۃ حصلت من ضرب الاربعۃ فی الاربعۃ فلا لحاق فی صورتین ای ان کان الطلاق السابق بائنا صریحا کان او بالکنایۃ فلا یلحق البائن بالکنایۃ فقط الا ان ینوی الاخبار او لم یمکن الحمل علی الاخبار مثل قوله ابنتک باخری ویلحق البقیۃ الباقیۃ فی اربع عشرۃ صورۃ بشرط بقاء العدۃ وهذا الخلاصۃ ما هو مسطور فی الکتب المشهورۃ بالبسط والتفصیل فاغتنمه وتشکر فقط وهذا ما جاء فی فهم هذا الفقیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر۔

۲۹ / جمادی الاولی سنہ ۷۲ھ

تعلیق طلاق اور وجودِ شرط میں گواہوں کا اختلاف :

سوال: ایک شخص پیر بخش نامی سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی طلاق کو معلق بالشرط کیا ہے، مگر تعلیق بالشرط اور وجودِ شرط میں گواہوں کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:-

بیانات متعلق تعلیق طلاق

بیان مولوی اسد اللہ صاحب :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ پیر بخش زوج مسماۃ خاتون نے کہا کہ جس شخص (محمد ولد شہداد) پر میری بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت ہے اگر یہ آگ میں سے گذر جائے تو میری بیوی کو تین طلاقیں، اسی طرح یہ الفاظ تین دفعہ دُہرائے۔

بیان علی شیر :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ پیر بخش نے کہا کہ محمد نے اگر آگ میں سے گذرنے سے انکار کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں، یہ الفاظ تین دفعہ کہے۔

بیان خمیسہ :۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ میرے سامنے محمد نے کہا کہ مولوی اسد اللہ صاحب میرا فیصلہ کریں اور محمد آگ میں نہ گذرا تو میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا۔

بیانات متعلق وجود شرط

بیان مولوی اسد اللہ صاحب :۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ میرے سامنے کسی کے کہنے پر محمد ولد شہداد کو بلایا گیا، اور اسے قرآن اٹھانے اور آگ سے گذرنے کے متعلق کہا گیا، مگر اس نے انکار کیا۔

بیان علی شیر :۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد کو مولوی اسد اللہ صاحب نے کہا کہ ہم آگ جلاتے ہیں تو اس پر سے گذرے گا یا نہیں؟ محمد نے کہا کہ نہ ہی تو میں اولیا ہوں اور نہ ہی اولیا کا بیٹا ہوں کہ آگ سے گذروں، گذرنے سے انکار کر دیا۔

مذکورہ طریقہ پر دو شہادتیں اور بھی ہیں :

بیان خمیسہ :۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ہاشم کو بلایا گیا اور اس سے قسم کے متعلق کہا گیا جس میں آگ سے گذرنے کا کوئی ذکر نہ تھا محمد نے قسم سے انکار کیا۔

بیان سارنگ :۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ہاشم کو مولوی صاحب نے قسم کے متعلق کہا جس میں آگ کا ذکر نہ تھا، محمد نے قسم سے انکار کیا۔

مذکورہ طریقہ پر ایک شہادت اور بھی ہے، ـــــ گواہوں کے بیانات ختم ہوئے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان شہادتوں پر شرعی حکم کیا ہوگا؟ بینوا بالبرھان اجرکم الرحمٰن۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

خمیسہ کا بیان تعلیق بالشرط کا مثبت نہیں، اس میں صرف وعدۂ طلاق ہے۔

مولوی اسد اللہ صاحب اور علی شیر کے بیانات تعلیق پر متفق ہیں، مگر شرط میں اختلاف ہے، مولوی اسد اللہ صاحب کے بیان میں تعلیق الطلاق بترک الدخول فی النار ہے، اور علی شیر کے بیان میں تعلیق الطلاق بانکار الدخول ہے، ترک الفعل اور انکار قولی میں فرق ظاہر ہے لہٰذا دونوں

میں سے کسی پر بھی نصاب کامل نہیں۔ اور جب تعلیق بالشرط ہی ثابت نہ ہوئی تو نفس شرط میں اختلاف فضول ہے۔

البتہ اگر کسی ایک معین شرط کے ساتھ تعلیق پر نصاب شہادت کامل ہو یا شوہر اقرار کرلے تو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ:

اگر تعلیق بترک الفعل ہے تو محمد ولد شہداد نے اگر مرنے سے پہلے دخول نار نہ کیا تو اس کی موت کے وقت پیر بخش کی بیوی کو مغلظہ طلاق ہوجائے گی۔ البتہ اگر قرائن سے معلوم ہوجائے کہ پیر بخش نے خاص فیصلہ کی مجلس میں یا دوسرے کسی خاص وقت تک عدم دخول نار کے ساتھ تعلیق کی ہے کما ھو الظاہر تو اس معین مدت کے گزرنے تک عدم دخول سے طلاق ہوجائے گی۔ اس صورت میں انکار دخول کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر تعلیق بالانکار القولی ثابت ہوجائے تو اس شرط کا وجود مولوی اسد اللہ صاحب اور علی شیر کی شہادت سے ثابت ہے، لہٰذا طلاق واقع ہوجائے گی۔ اگرچہ خمیسہ اور ساون کی شہادت کے مطابق یہ شرط نہیں پائی گئی، یعنی محمد کی طرف سے انکار دخول نار نہیں پایا گیا، مگر خمیسہ اور ساون کا یہ بیان مولوی اسد اللہ صاحب اور علی شیر کی شہادت کے مقابلہ میں معتبر نہیں، لان البینۃ للاثبات لا للنفی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ رمضان ۷۳ھ

نکاح فاسد میں تین طلاقوں سے مغلظہ نہ ہوگی:

سوال: ایک شخص نے دوسرے کی عدت میں نکاح کیا، پھر اس عورت کو تین طلاقیں دیدیں، تو اب اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

پہلا نکاح فاسد تھا، اور نکاح فاسد میں متارکت کا حکم ہے، طلاق واقع نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس عورت سے دوبارہ نکاح درست ہے۔ قال فی الشامیۃ طلق المنکوحۃ فاسدا ثلاثا لہ تزوجہا بلا محلل الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ صفر ۸۵ھ

نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی:

سوال: نابالغ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی کما فی شرح التنویر وامنہ زوج عاقل بالغ مستیقظ. وفی الشامیۃ (قولہ واھلہ زوج عاقل الخ) احترز بالزوج عن سید العبد ووالد الصغیر وبالعاقل ولو حکما عن المجنون والمعتوہ والمدھوش والمبرسم والمغمی علیہ بخلاف السکران مضطرا او مکرھا وبالبالغ عن الصبی ولو مراھقا وبالمستیقظ عن النائم الخ (رد المحتار ج ۲ ص) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴ ذیقعدہ سنہ ھ

سوال مثل بالا :

سوال : صغیر کی بیوی بالغہ ہے اور زنا میں مبتلا ہے، اس ضرورت اور حاجت کے پیش نظر جواز طلاق صغیر کے فتوی کی گنجائش ہے یا نہیں ؟ عند الحاجۃ جواز طلاق صغیر شامیہ میں منقول ہے : اذا تحققت الحاجۃ الی صحۃ ایقاع الطلاق من جہتہ لدفع الضرر کان صحیحا فاذا اسلمت وابی فرق بینھما وکان طلاقا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ واذا ارتد والعیاذ باللہ تعالیٰ وقعت البینونۃ وکان طلاقا فی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ واذا وجدتہ مجبوبا فخاصمتہ فرق بینھما ویکون طلاقا عند بعض المشایخ (رد المحتار باب نکاح الکافر ج ۲ ص ۵۲۱) نور الانوار بحث الاہلیۃ ص ۲۸۵ میں شمس الائمہ سرخسی سے ایسی روایت منقول ہے، تحقیق اپنی تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بوقت ضرورت شدیدہ مذہب مالکیہ کے مطابق عدم نفقہ کی بناء پر حاکم سے نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے، صبی کی طلاق صحیح نہیں، شمس الائمہ سے نور الانوار میں جو روایت اور رد شامیہ باب نکاح الکافر میں بھی منقول ہے، جو کہ بظاہر صورت مسئلہ میں مجوز طلاق معلوم ہو رہی ہے مگر امور ذیل پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت میں طلاق صبی کی صحیح نہیں۔

(۱) قال فی شرح التنویر الطلاق من القاضی وھو علیھما لانھما قلیسا باھل للایقاع بل للوقوع کما اوردتہ اقربیہ : وفی الشامیۃ (قولہ فلیسا باھل للایقاع) ای ایقاع منھما بل ھما اھل للوقوع ای حکم الشرع بوقوعہ علیھما عند وجود موجبہ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۰)۔

اسی بحث کے آخر میں شمس الائمہ اور صاحب الکشف کی عبارات سے ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ

کلام سے جواز ایقاع پر استدلال محل نظر ہے، قال الرافعی فی ینقل عبارتہ ای صاحب الکشف لا خفاء ان الوقوع منہ مما یدل علی مشروعیۃ الطلاق فی حقہما عند الحاجۃ وهذا الامر لا نزاع فیہ وعبارۃ السرخسی انما افادت ملک الطلاق بملک النکاح وانہ اذا تحققت الحاجۃ ولیس فیہا ان الایقاع یکون منہ او من القاضی بل غایۃ ما تفیدہ وجود الحاجۃ للایقاع من جہتہ وکون الایقاع الذی یحصل بہ دفع الحاجۃ منہ او من غیرہ امر آخر لا دلالۃ فی الکلام علیہ تأمل (التحریر المختار ص [illegible])

غرض کہ صاحب الکشف اور شمس الائمہ کی عبارات سے جواز الایقاع من الصبی ثابت نہ ہوا۔

(۲) وقوع الطلاق عند الحاجۃ کے جن مواضع کو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے یہ حکم انہی مواضع پر مقصور رہے گا، کیونکہ نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہے، کما فی وقف الشامیۃ ونصہا ثم المفہوم معتبر عندنا فی الروایات فی الکتب ومنہ قولہم فی النفع الوسائل مفہوم التصنیف حجۃ اھ ای لان الفقہاء یقصدون بذکر الحکم فی المنطوق نفیہ عن المفہوم غالبا کقولہم تجب الجمعۃ علی کل ذکر حر عاقل مقیم فانہم یریدون بہذہ الصفات نفی الوجوب عن مخالفہا ویستدل بہ الفقیہ علی نفی الوجوب علی المرأۃ والعبد والصبی (رد المحتار ص [illegible])

(۳) عورت کا زنا میں مبتلا ہو جانا حاجت مجوزۃ ایقاع نہیں یعنی شرعاً اسے حاجت شمار نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ قضاءً ساری عمر میں صرف ایک دفعہ جماع واجب ہے، اگرچہ دیانۃً ہر چار ماہ میں ایک دفعہ ضروری ہے، اسی اصول کی بناء پر زوجہ عنین کو ایک دفعہ وقوع جماع کے بعد تفریق کا اختیار نہیں رہتا، حالانکہ صبی اور عنین کے درمیان امور ذیل میں فرق بھی ہے۔

(۱) عنین کے بارہ میں مدۃ العمر تک جماع سے قطعی مایوسی ہے، اور صبی سے متعلق کچھ وقت کے بعد ہمیشہ کے لئے قدرت کاملہ علی الجماع کا ظن غالب ہے،

(۲) عنانت ایک قدرتی ابتلاء ہے، جس میں انسان مجبور محض ہے، اور نکاح بالصبی کی مصیبت عمداً اختیار کی جاتی ہے،

(۳) قبل از نکاح عورت کو عنانت کا علم نہیں ہوتا، اگر علم عنانت پہلے سے ہو تو عورت کو فسخ کا کوئی اختیار نہیں اگرچہ ایک دفعہ بھی جماع نہ کر سکے اور صبا کا علم عورت اور اس کے اولیاء کو شروع ہی سے ہے،

غرضیکہ عنین میں مسئلہ درجہ بالا مجبوریاں ہوتے ہوئے بھی ایک دفعہ جماع پر قدرت کے بعد فسخ نکاح کا حق نہیں رہتا، تو صبی کے حق میں بھی حاجت بطریق اولیٰ مجوز نہیں بن سکے گی۔

(۲) سندھ میں عدم لحاظ تناسب عمر کی ظالمانہ اور منحوس رسم عام ہے جس کی وجہ سے اہل سندھ کی دین و دنیا کی بربادی ظاہر ہے، اس کی قباحت کے بیان پر قلم اٹھایا جائے تو اس کے لئے ایک وقت اور بڑے دفتر کی ضرورت ہو، اور ظاہر ہے کہ جواز طلاق صبی کے فتویٰ میں اس دین و دنیا کی تباہ کن رسم قبیح کی ترویج و اشاعت ہے، وقال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ عوام چونکہ اس مسئلہ کو بالکل نہیں سمجھیں گے بلکہ اس کا آسان حل انہیں دکھ جائے گا تو ایسے نکاح کثرت سے ہونے لگیں گے، ایک جزئی صورت میں ایک عورت کو زنا سے بچانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لاکھوں کی تعداد میں عورتیں زنا میں مبتلا ہوں گی۔ اگر ایک نابالغ طلاق پر راضی ہو گیا تو ضروری نہیں کہ ہر نابالغ راضی ہو جائے گا، بالفرض راضی ہو بھی جائے تو بھی صدور زنا کے بعد راضی ہوگا، لہٰذا علماء وقت کا فرض ہے کہ مسلمانوں سے اس منحوس رسم کے خاتمہ کے لئے پوری جد و جہد کریں، نیز جواز طلاق نابالغ کی فضول کوشش کی بجائے عدم لحاظ تناسب عمر کی ظالمانہ روش کے خلاف جہاد کرنا ضروری اور فرض ہے، صورت واقعہ سے عبرت حاصل کر کے اس رسم کے خاتمہ کے لئے مؤثر قدم اٹھائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

نابالغ کی طلاق کے لئے امام احمد کا مذہب لینا:

سوال: سندھ میں عموماً تناسب عمر کا خیال نکاح میں نہیں کیا جاتا، بعض دفعہ لڑکی کے بلوغ اور لڑکے کے عدم بلوغ کی وجہ سے ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ لڑکے سے طلاق حاصل کرنی پڑتی ہے، ایسی ضرورت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کر کے لڑکے سے طلاق حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر عمل کرنا بوجوہ ذیل جائز نہیں:

(۱) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع طلاق کے لئے لڑکے کا مراہق ہونا ضروری ہے، کما فی بدایۃ المجتہد، سو اگر لڑکا مراہق ہے تو تفریق کی کوئی ضرورت شدیدہ نہیں۔

(۲) دوسرے مذہب پر فتویٰ کے جواز کے لئے سخت شرائط ہیں، اور ان میں احتیاط کی ضرورت ہے (والتفصیل فی الحیلۃ الناجزۃ)

④ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر فتویٰ دینے سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا، اور طلاق کی وارداتیں عام ہو جائیں گی اور عدم تناسب عمر کی ظالمانہ رسم زیادہ زور پکڑے گی، اعانت علی المعصیۃ خود معصیت ہے، قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ لہٰذا طلاق نابالغ کو جائز ثابت کرنے کی فضول کوشش کرنے کی بجائے عدم تناسب عمر کی ظالمانہ رسم کے خلاف جدوجہد کرنا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجب سنہ ۹۲ھ

تجھے طلاق، اب مجھے آئندہ کے لئے کوئی حق نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر کہا کہ "مجھے آئندہ کے لئے کوئی حق نہیں" یہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ اور ایک طلاق ہوگی یا دو؟ یہاں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے، اس لئے مفصل ومدلل جواب سے نوازیں، جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال في الشامية قبل باب طلاق غير المدخول بها نحو ورقتين تحت عنوان (تتمة) وكذلك افتى (اي في الخيرية) بالرجعي في قولهم انت طالق لا يردك قاض ولا عالم لانه لا يملك اخراجه عن موضوعه الشرعي ورأيته في حواشيه على المنح بمعاني الصيرفية لو قال انت طالق ولا رجعة لي عليك فرجعية ولو قال على ان لا رجعة لي عليك فبائن اھ وقال ان قولهم لا يردك قاض الخ مثل قوله ولا رجعة لي عليك لان حذف الواو كاثباتها كما هو ظاهر لا مثل على ان لا رجعة اھ قلت والفرق ان على ان لا رجعة قيد للطلاق لانه شرط فيه فهو في معنى انت طالق طلاقا مشروطا فيه عدم الرجعة اي طلاقا بائنا فهو داخل تحت القاعدة من انه اذا وصف الطلاق بضرب من الشدة والزيادة يقع به البائن كما مر عن الهداية اما ولا رجعة لي عليك فليس صفة للطلاق بل هو كلام مستأنف اخبر به عما هو خلاف الشرع فان المشروع هو وقوع الرجعي بانت طالق فقوله ولا رجعة لغو مثل قوله انت طالق وبائن اھ ثم بلا نية كما مر (رد المحتار)

تحقیق بالا اس کو مقتضی ہے کہ صورت مسئلہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، "مجھے

کوئی حق نہیں، کنایہ طلاق کی صلاحیت میں مشتبہ ہے، "بائن" سے اور "طلاق و بائن" سے وقوع واحدۂ رجعیہ میں تأمل ہے، چنانچہ شامیہ میں تحقیق بلیغ کے بعد تقریباً ایک صفحہ قبل اس پر اشکال مذکور ہے، ونصہ تحت (قولہ وبالعطف فبائنة) والظاهر ان يقيد تكريرها لايقاع مع وجود مذاكرة الطلاق فان الاصل في العطف المغايرة فكان ينبغي وقوع بالثنتين مع الواو وثم (رد المحتار ج ۲) وایضاً قال في العلائية ولو قال انت طالق اعتدي او عطفه بالواو او الفاء فان نوى واحدة فواحدة او ثنتين وقعتا وان لم ينو ففي الواو ثنتان الخ وفي الشامية (قوله فان نوى واحدة) اي بان نوى باعتدي في الصور الثلاث الامر بالعدة بالحيض دون الطلاق فيصدق لظهور الامر فيه عقب الطلاق كما مر (قوله ففي الواو ثنتان) وكذا في صورة عدم العطف اصلاً لانه في الصورتين يكون امراً مستأنفاً وكلاماً مبتدأ وهو في حال مذاكرة الطلاق فيحمل على الطلاق بحر عن المحيط (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۸)

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق رجعی کے بعد کنایہ کا لفظ اگر بنیت طلاق یا بلا نیت کہا تو دو طلاقیں ہوں گی، اور اگر دونوں لفظوں سے ایک ہی طلاق مراد ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کنایہ کا لفظ طلاق پر تفریع کا محتمل ہے جیسے "اعتدي" "اذهبي" وغیرہ، تو ایک ہی طلاق ہوگی، کما ذكر في العلائية والشامية قبيل الجزئية المذكورة في قوله اعتدي ثلاثاً، اور اگر لفظ کنایہ محتمل تفریع نہیں تو بہرکیف دو طلاقیں واقع ہوں گی، سوال میں جملہ مذکورہ اسی قسم کا ہے، لہٰذا اس صورت میں دو طلاقیں بائن واقع ہو گئیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۸۲ھ

تو میری منکوحہ نہیں:

سوال: اس بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری منکوحہ نہیں، تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر زید نے طلاق کی نیت سے مذکورہ الفاظ کہے تو ایک طلاق رجعی ہو جائے گی ورنہ نہیں، کما في الهندية ولو قال لامرأته لست لي بامرأة او قال لها ما انا بزوجك او سئل فقيل له هل لك امرأة فقال لا فان قال اردت به الكذب يصدق في

الرضا او الغضب جميعا لا يقع الطلاق وان قال نويت الطلاق يقع الطلاق في قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى ايضا فيهما ولو قال ما انت لي بامرأة ولست لك بزوج يقع عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما رحمهما الله تعالى لا يقع (عالمگيرية ج ۲) وفي شرح التنوير لست لك بزوج او لست لي بامرأة او قالت لست لي بزوج فقال صدقت طلاق ان نواه خلافا لهما، وفي الشامية تحت (قوله طلاق ان نواه) واشار بقوله طلاق الى ان الواقع بهذه الكناية رجعي كذا في البحر من باب الكنايات (رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۵ محرم سنہ ۸۳ھ

یہ میری منکوحہ نہیں، اسکو اسکے والدین کے گھر پہنچا دو، میری طرف سے اسکو طلاق ہے، دوسرا خاوند بنا لے:

سوال: ایک شخص نے کئی دفعہ اپنی عورت کو یہ الفاظ کہے: "یہ میری منکوحہ نہیں، اس کو اس کے والدین کے گھر پہنچا دو، میری طرف سے اس کو طلاق ہے، اس کو کوئی روک نہیں جس جگہ چاہے اپنا دوسرا خاوند بنا لے"، ان الفاظ سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

جواب از مولانا عبد اللہ صاحب مفتی خیر المدارس ملتان:

سوال میں دو لفظ موجب طلاق ہیں: "یہ میری منکوحہ نہیں، اس کو اس کے والدین کے گھر پہنچا دو" یہ لفظ الفاظ کنایہ میں سے شمار ہوتا ہے، ففی العالمگیریة ولو قال لا نکاح بینی وبینك او قال لم یبق بینی وبینك نکاح یقع الطلاق اذا نوی (الی قوله) ولو قال انا بریء من نکاحك یقع الطلاق اذا نوی، پس اس لفظ سے بقرینہ طلاق صریح کے جو آگے مذکور ہے ایک طلاق بائن ہوگی اور دوسرا لفظ صریح موجود ہے، لہذا یہ عورت مطلقہ بدو طلاق ہوگی، انتہی مختصراً۔

ایرادات از جانب بندہ رشید احمد بر جواب مذکور

① قولکم: سوال میں دو لفظ موجب طلاق ہیں،

اقول: سوال میں تین جملے موجب طلاق ہیں، "یہ میری منکوحہ نہیں، اس کو طلاق ہے، اپنا دوسرا خاوند بنا لے"،

② قولکم: پس اس لفظ سے بقرینہ طلاق صریح کے جو آگے مذکور ہے الخ،

اقول: کیا ذکر طلاق اگر لفظ کنایہ کے بعد ہو تو اسے حالت مذاکرہ طلاق پر محمول کرکے

جس سے وقوع طلاق کا حکم لگایا جائے گا؟ اس پر کیا دلیل ہے؟

(۳) **قولکم:** ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

اقول: مذاکرہ طلاق یا غضب طلاق کے بغیر ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی ہوگی کما فی شرح التنویر لست لک بزوج اولست لی بامرأۃ (الی قولہ) طلاق ان نواہ، وفی الشامیۃ تحت (قولہ طلاق ان نواہ) وأشار بقولہ طلاق الی ان الواقع بہذہ الکنایۃ رجعی کما فی البحر من باب الکنایات۔

(۴) **قولکم:** یہ عورت مطلقہ بدو طلاق ہوگی۔

اقول: بہر صورت تین طلاقیں واقع ہوں گی اس لئے کہ پہلے جملہ میں تین احتمال ہیں۔

(۱) بعد میں مذکور لفظ طلاق کو حالت مذاکرہ طلاق پر محمول کرکے پہلے جملہ سے طلاق بائنہ کا حکم لگایا جائے جیسا کہ آپ کی رائے ہے۔

(۲) مذاکرہ طلاق پر محمول کرکے پہلے جملہ سے رجعی طلاق ثابت کی جائے کما فی الشامیۃ۔

(۳) بعد میں مذکور لفظ طلاق کو حالت مذاکرہ تسلیم نہ کیا جائے، اس لئے پہلے جملہ کو موجب طلاق نہ کہا جائے جیسا کہ بندہ کا خیال ہے۔

احتمال ثانی پر تو ظاہر ہے کہ تین جملوں سے تین طلاقیں ہوجائیں گی، اور احتمال اول میں جملہ اولیٰ و ثانیہ سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، اور جملہ ثالثہ لغو ہوگا، لان البائن بالکنایۃ لا یلحق البائن، اور احتمال ثالث میں جملہ اولیٰ لغو ہے، صرف جملہ ثانیہ و ثالثہ سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، مگر سوال میں ہے کہ کئی دفعہ یہ الفاظ کہے، پس اس کا کم از کم اور اقل درجہ یہ ہے کہ دو دفعہ کہے ہوں، لہٰذا احتمال اول و ثالث پر بھی تکرار کی وجہ سے مغلظہ کا وقوع لابدی امر ہے۔

جواب از مولانا مفتی عبداللہ صاحب:

(۳) ہمارے خیال میں چونکہ پہلے جملہ سے بائن واقع ہوچکی تھی اس لئے آخری جملہ کو بوجہ عدم وقوع کے علی قاعدۃ البائن لا یلحق البائن ساقط سمجھا گیا تھا اس بناء پر مجموعہ کہا گیا تھا کہ دو طلاق موجب فراق ہیں۔

(۴) اس پر صراحۃً جزئیہ نہیں مل سکا، البحر الرائق بحث الکنایات میں یہ عبارت پائی گئی ہے تحت (قولہ لا تطلق بہا الا بنیۃ او دلالۃ الحال) قال والمراد بہ دلالۃ الحال الحالۃ الظاہرۃ المفیدۃ لمقصودہ ومنہا تقدم ذکر الطلاق کما فی المحیط۔ اس عبارت

میں دلالت حال کو عام کہا گیا ہے، اور تقدم ذکر طلاق کو اس کا فرد قرار دیا گیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی صریح طلاق اگر ایک ہی عبارت میں اور ایک ہی سیاق میں اور ایک ہی مجلس میں واقع ہو تو قرینہ بن جائے گی،

شامی کی عبارت یوں ہے الا بنیۃ او دلالۃ الحال وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق،
اس کے تحت شامی تحریر فرماتے ہیں: اشار بہ الی مافی النھر من ان دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال، اس عبارت میں بھی دلالۃ حال کو عام بتایا گیا ہے، قرینہ حالیہ و قرینہ مقالیہ دونوں اس میں شامل ہیں، اور دراصل کنایات میں احتمال طلاق اور رد یا سب کے کئی ہوا کرتے ہیں، جب ایک شخص ایک سانس میں کہے کہ میرا تیرا نکاح نہیں، میں نے تجھے طلاق دی،، تو اس خاص عبارت میں عاجز کے فہم ناقص میں ثانی کلام کو کلام اول کے لئے تفسیر اور قرینہ بر ارادۂ طلاق بنایا جاسکتا ہے، اگر کہیں اس کے خلاف تصریح مل جائے تو ماننے سے انکار نہیں،

(۳) اعتراض جناب کا صحیح ہے، اس جملے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے،

(۴) واقعی آپ کا خیال صحیح ہے، یہ عورت حرام بحرمت مغلظہ ثلاث ہو جائے گی،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نمبر ۲ کے جواب میں جو لکھا گیا ہے کہ دلالۃ الحال عام اور شامل ہے قرینہ حالیہ و مقالیہ کو، اس میں کوئی شک نہیں، مگر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ قرینہ حالیہ کو حال غضب میں اور قرینہ مقالیہ کو تقدم ذکر طلاق میں منحصر فرما رہے ہیں، قال فی شرح التنویر الا بنیۃ او دلالۃ الحال وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق او الغضب، وفی الشامیۃ (قولہ وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق) اشار بہ الی مافی النھر من ان دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال وقال وعلی ھذا فتفسر المذاکرۃ بسؤال الطلاق او تقدیم الایقاع کما فی اعتدی ثلاثا وقال قبلہ المذاکرۃ ان تسألہ ھی او اجنبی الطلاق (رد المحتار ص ۴۶۵ ج ۲)

تاخیر ذکر طلاق دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، مزید براں عبارات ذیل میں اس کی تصریح ہے کہ مذاکرۂ طلاق تاخیر ایقاع کو شامل نہیں، فی العلائیۃ قال اعتدی ثلاثا ونوی بالاول طلاقا وبالباقی حیضا صدق قضاء لنیتہ حقیقۃ کلامہ وان لم ینو بہ ای بالباقی شیئا فثلاث لدلالۃ الحال بنیۃ الاول حتی لو نوی بالثانی فقط فثنتان او بالثالث فواحدۃ ولو لم ینو بالکل لم یقع، وفی الشامیۃ (قولہ

قال اعتدی ثلاثا، ای قاله ثلاث مرات (قوله بنیة الاول) ای ولدلالة الحال بسبب نیته الایقاع بالاول قال فی فتح القدیر نقلا عن الظهیریة وما ذکر ان حالة مذاکرة الطلاق لا تقتصر علی السؤال وهو خلاف ما تقدم من انها حال سؤالها او سؤال اجنبی طلاقها بل هی اعم منه ومن مجرد ابتدائه بالایقاع (قوله نوی بالثانی فقط) ای نوی به الطلاق ولم ینو بغیره شیئا فثنتان ای یقع به واحدة وکذا بالثالث اخری وان لم ینو به لدلالة الحال بایقاع الثانی ولا یقع بالاول شیء لانه لم ینو به ودلالة الحال وجدت بعده (رد المحتار ص ۵۰۲ ج ۲) وفیها ایضا قبیل باب التفویض تحت (قوله تقع واحدة) مع انه مذکور بعده والقرینة لابد ان تتقدم (رد المحتار ص ۴۹۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۷۵ھ

کوئی دوسرا خاوند بنا لے:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ جہاں چاہے دوسرا خاوند بنا لے، تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

مذکورہ الفاظ اگر طلاق کی نیت سے یا بوقت مذاکرۂ طلاق کہے ہیں تو طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ نہیں، قال فی الهندیة وبابتغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها او اثنتین وثلاث ان نواها هکذا فی شرح الوقایة (عالمگیریة ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم سنہ ۷۲ھ

دو بیویوں کو بدون تعیین تین طلاقیں:

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں تھیں، ایک دفعہ اس شخص نے غصہ میں آ کر کہا میں نے تین طلاق دی، تین دفعہ یوں ہی کہا، نہ بیوی کا لفظ کہا اور نہ ہی کسی بیوی کا نام لیا، اب شریعت محمدیہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فی الشامیة فی اول باب الصریح تحت (قوله لترکه الاضافة) ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته (رد المحتار ص ۴۴۶ ج ۲) وایضا فیها قبیل باب

بالکنایات تحت (قوله وأما الصریح) ویظهر مما قررناه أیضا أن قوله علی الطلاق من بعد الشائع فی زماننا مثل قوله امرأتی طالق لأن معناه کما مر إن فعلت کذا لزم الطلاق ووقع ولا یخفی أن هذا محتمل لأن یکون المراد لزم الطلاق من امرأة أو من أکثر ولا ترجیح لأحدهما علی الآخر فینبغی أن یثبت له صرفه إلی من شاء. وفی الشرح قال امرأته طالق ولم یسم (إلی قوله) ولو کان له امرأتان کلتاهما معروفة له صرفه إلی أیتهما شاء وخانیة ولم یحک خلافا (وفی الخانیة) قال لنسائه الأربع بینکن تطلیقة طلقت کل واحدة تطلیقة وکذا لو قال بینکن تطلیقتان أو ثلاث أو أربع (أی تقع علی کل واحدة تطلیقة واحدة) إلا أن ینوی قسمة کل واحدة بینهن فتطلق کل واحدة ثلاثا (رد المحتار ص ۴۹۹، ۵۰۰ ج ۲) وفی الهندیة ولو قال لنسوة له أنتن طوالق ثلاثا أو طلقتکن ثلاثا یقع علی کل واحدة ثلاث ولا ینقسم بخلاف ما لو قال أوقعت بینکن ثلاثا فإنها تقسم بینهن فتقع علی کل واحدة طلقة کذا فی غایة السروجی (عالمگیریة ص ۳۶۱ ج ۱)۔

جزئیاتِ مذکورہ سے امورِ ذیل ثابت ہوئے:

① اگرچہ طلاق کی نسبت بیوی کی طرف صراحۃً نہیں کی تو بھی طلاق واقع ہوجائے گی، للقرائن البینۃ۔

② دونوں عورتوں میں سے جس کی نیت کی ہو اسی کو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

③ اگر دونوں کا ارادہ کیا تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی۔

④ اگر یوں کہے کہ "تین طلاقیں دونوں میں تقسیم کرکے دیتا ہوں" تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی، البتہ اگر تین طلاقوں میں سے ہر طلاق دونوں بیویوں پر تقسیم کرنے کی نیت ہو تو ہر ایک بیوی کو تین طلاقیں ہوجائیں گی۔

صورتِ سوال میں تقسیم کا لفظ نہیں، اس لئے دونوں کی نیت تھی تو دونوں پر مغلظہ طلاق واقع ہوگئی، اور دونوں میں سے کسی ایک کی نیت تھی تو اس کو مغلظہ طلاق ہوگئی، اس صورت میں تین طلاقیں دونوں بیویوں پر تقسیم نہ ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ جمادی الاولی سنہ ۹۳ھ

صیغۂ مستقبل سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو فلاں کام کرے گی تو میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس کے بعد اگر اس عورت نے وہ کام کیا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، اس میں صرف ارادۂ طلاق کا اظہار ہے، قال فی الهندیة صیغة المضارع لا یقع بها الطلاق الا اذا غلب فی الحال کما صرح به الکمال ابن الهمام (حامدیة ج۲ ص۳۸) وفی الشامیة تحت قوله وما بمعناها من الصریح (وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقك کما فی البحر) (رد المحتار ص۴۲۳ ج۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال سنہ ۷۳ھ

طلاق نامہ لکھنے سے طلاق ہو جاتی ہے:

سوال: ایک عورت کا خاوند انڈیا میں رہتا ہے، عورت کے والد نے کئی دفعہ اسے لکھا کہ اپنی بیوی کو آکر لے جاؤ، ورنہ اسے طلاق دیدو، اور طلاق نامہ لکھ کر بھیج دو، اس کے جواب میں عورت کے خاوند نے یہ الفاظ لکھے: اب میں ایمان سے کہتا ہوں کہ طلاق نامہ لکھوا لیا ہے اور جلدی ہی روانہ کر رہا ہوں، اب یہ شخص طلاق نامہ روانہ کرنے میں تاخیر کر رہا ہے اور ٹال مٹول کرتا ہے، تو کیا شریعت مطہرہ کے حکم کے بموجب وقوع طلاق کے لئے عورت تک طلاق نامہ پہنچنا شرط ہے یا صرف طلاق نامہ لکھنے سے طلاق واقع ہو گئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

وقوع طلاق کے لئے طلاقنامہ کا عورت تک پہنچنا شرط نہیں، صرف لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لئے صورت سوال میں جب کہ اس شخص نے طلاقنامہ لکھوا لیا ہے اس کی بیوی پر اسی قسم کی طلاق رجعی یا بائن واقع ہو گئی جو اس نے لکھوائی ہے اور عدت بھی طلاق نامہ لکھوانے کے وقت سے شروع ہو گئی، اگرچہ ابھی عورت تک طلاق نامہ نہ پہنچا ہو، ونقل فی الشامیة قبیل باب الصریح عن الهندیة ثم المرسومة لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة وان علق طلاقها بمجیء الکتاب بان کتب اذا جاءك کتابی فانت طالق فجاءها الکتاب فقرأته او لم تقرأ یقع الطلاق کذا فی الخلاصة ط، (وبعد اسطر) ولو

فقال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب (رد المحتار ص۴۲۹ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ذی قعدہ سنہ ۷۲ھ

بیوی کو "چلی جاؤ" کہنا:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ "اپنے میکہ چلی جاؤ" تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

اگر طلاق کی نیت سے کہا تو طلاق بائن ہوگی ورنہ نہیں، اگر شوہر نیت طلاق کا انکار کرے تو اس کا قول بدون قسم معتبر نہیں، لہٰذا بیوی خود اس سے گھر ہی پر قسم طلب کرے، اگر قسم سے انکار کرے تو بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کرے، اور قاضی اس سے قسم طلب کرے، اگر وہاں بھی قسم سے انکار کرے تو قاضی ان میں تفریق کردے البتہ اگر بیوی کو اس کے صدق کا ظن غالب ہو تو قسم طلب کرنا لازم نہیں، قال فی التنویر وتقع رجعیة بقوله اعتدی واستبرئی رحمك وانت واحدة وبائنها الباقی (رد المحتار ص۵۰۶ ج۲) وقال العلائی رحمه الله تعالیٰ والقول بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما، مجتبیٰ (رد المحتار ص۵۰۰ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الاول سنہ ۷۲ھ

سسرال میں رہوں تو بیوی سے لادعویٰ ہوں:

سوال: ایک شخص نے نکاح سے پہلے یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ میں ہمیشہ بیوی کے اقرباء کے ساتھ رہوں گا، اس کی خلاف ورزی کرنے کی حالت میں اپنی بیوی سے لادعویٰ ہوں، اب یہ شخص اپنے اقرار کو پورا نہیں کرتا تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

سندھ کے عرف میں "بیوی سے لادعویٰ ہوں" صریح طلاق ہے، اور مثل لفظ حرام ہے، لہٰذا بدون نیت ہی ایک طلاق بائن ہوگئی، کما حقق ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ فی بحث لفظ حرام،

واما صحة التعلیق مع عدم الاضافة الی الملك صراحة فلما فی الهندیة فی الفصل الثالث من الباب الرابع ولو قال کل امرأة لی طالق ان فعلت کذا

ولیس له امرأة فنوی امرأة یتزوجها بعد ذلک صحت کما اذا قال کل امرأة تکون لی وان هذا مذهب شمس الاسلام محمود وقال نجم الدین الاصح وقال السید الامام وبالقول الاول ناخذ کذا فی اصول الاستروشنی (عالمگیریة ج ۲) وفی الخلاصة ولو قال کل امرأة لی فهی طالق ان فعلت کذا ولا امرأة له فان نوی امرأة یتزوجها یصح ویکون بمنزلة قوله کل امرأة یکون لی (خلاصة ج ۲)

اقول لا یوهم ان الاضافة المعنویة الی الملک انما تکفی اذا کانت المرأة غیر معینة واما المعینة فوقوع الطلاق علیها مشروط بکون الاضافة صریحة لان المراد من المعینة ان تکون مذکورة باسمها ونسبها ان کانت غائبة ومشارًا الیها ان کانت حاضرة فان لم یشر الی الحاضرة فهی غیر معینة وان ذکر اسمها ونسبها والتفصیل فی الشامیة، فقط والله تعالی اعلم

۱۱ جمادی الاولی سنہ ۷۳ھ

فاحشہ کو طلاق دینا مستحب ہے:

سوال: ایک عورت فاحشہ اور بدچلن ہے، سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتی، خاوند کی نافرمان ہے، ایسی عورت کو اگر خاوند طلاق دیدے تو اس پر کوئی گناہ تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایسی عورت کو طلاق دینا گناہ نہیں بلکہ مستحب اور اولیٰ ہے، اور اگر عورت یہاں تک نافرمان ہے کہ خاوند کے لئے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہو، گھر میں ہر وقت فتنہ وفساد برپا رہتا ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینا واجب ہے، قال فی التنویر وایقاعه مباح وقیل الاصح حظره الا لحاجة، وفی الشرح کریبة وکبر الی ان قال بل یستحب لو مؤذیة او تارکة صلوة غایة، ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی ویجب لفوات الامساک بالمعروف، وفی الشامیة (قوله لو مؤذیة) اطلقه فشمل المؤذیة له او لغیره بقولها او بفعلها (قوله او تارکة صلوة) الظاهر ان ترک الفرائض غیر الصلوة کالصلوة وعن ابن مسعود رضی الله تعالی عنه لان القی الله تعالی وصداقها بذمتی خیر من ان اعاشر امرأة لا تصلی (رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالی اعلم

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۷۲ھ

مٹی کے ڈھیلے دینے سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: سندھ میں عام رواج ہے کہ عورت کو طلاق کی نیت سے تین ڈھیلے مٹی کے دیتے ہیں اور اسے تین طلاقیں سمجھتے ہیں، اس سے شرعاً طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور رجعی ہوگی یا بائن؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بغیر تلفظ کے صرف مٹی کے ڈھیلے دینے سے طلاق نہیں ہوتی، قال فی الشامیة تحت (قوله ورکنه لفظ مخصوص) وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لاصریحا ولا کنایة لا یقع علیه کما افتی به الخیر الرملی وغیره (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرہ ۸۳ھ

زانی سے معاوضہ لینا طلاق نہیں:

سوال: بلوچستان میں عام رواج ہے کہ اگر کسی عورت پر زنا کا ثبوت مل جائے تو شوہر اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیتا ہے، اور قوم کے سردار کے پاس زانی سے بدل در رقم لینے کی درخواست پیش کرتا ہے، جب یہ سردار زانی سے مزنیہ کے شوہر کو رقم دلاتا ہے بس اسی کو ہی طلاق تصور کیا جاتا ہے، آئندہ کے لئے یہ شخص بغیر طلاق وغیرہ دینے کے حرام سمجھتا ہے، کیا شرعاً اس سے طلاق ہو جائے گی؟ یا سردار کے فیصلہ کو تحکیم قرار دے کر قبول بدل رقم کو بحکم خلع کہا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

جب تک طلاق کا لفظ صریح یا کنایہ بنیت طلاق نہ کہے گا طلاق نہ ہوگی، محض رقم عوض میں وصول کر کے حرام سمجھنے سے طلاق نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر ورکنه لفظ مخصوص وفی الشامیة هو ما جعل دلالة علی معنی الطلاق من صریح او کنایة فخرج الفسوخ علی ما مر واراد اللفظ ولو حکما لیدخل الکتابة المستبینة واشارة الاخرس والاشارة الی العدد بالاصابع فی قوله انت طالق هکذا کما سیأتی وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه کما افتی به الخیر الرملی وغیره وکذا ما یفعله

بمعنی سکان البوادی من امرھا بعلق شعرھا لا یقع بہ طلاق وان نواہ (رد المحتار ص۵۹۸ ج۲)

اسے خلع کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ خلع میں تعلیق الطلاق بقبول بدل ہوتی ہے، اور صورت سوال میں اس کے برعکس پہلے بیوی کو چھوڑ کر بعد میں بدل کا مطالبہ کیا جاتا ہے، البتہ اگر قبول بدل سے طلاق کو معلق کیا ہو تو طلاق ہو جائے گی، مگر مال زانی پر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ رقم بدل خلع کی حیثیت سے نہیں لی جاتی بلکہ زنا پر جرمانہ سمجھی جاتی ہے، اور جرمانہ مالی ناجائز ہے، زنا کے عوض میں مال پر مصالحت کی تردید احادیث صحیحہ میں موجود ہے "ان ابنی کان عسیفا الخ" بالغرض اس رقم کو بدل خلع قرار دیا جائے تو بھی زانی پر رقم واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوب مال کے لئے قابل کی رضا شرط ہے، اور زانی کو قبول پر مجبور کیا جاتا ہے، قال فی شرح التنویر اکرھھا الزوج علیہ تطلق بلا مال لان الرضا شرط للزوم المال وسقوطہ (رد المحتار ج۲ ص۷۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ جمادی الآخرہ ۔۔ھ

متعدد بار سوال کے جواب میں اقرار سے ایک طلاق ہوگی:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی سے جھگڑ کر باہر نکلا اس سے کسی نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس نے کہا ہاں دیدی ہے، پھر دوسرے شخص نے پوچھا تو اس کے جواب میں بھی یہی کہا کہ طلاق دیدی ہے، پھر تیسرے نے پوچھا، تو بھی یوں ہی جواب دیا، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی، اگر ہوگئی تو ایک یا تین؟ بینوا بالدلائل توجروا اجرا وافیا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

پہلی بار سوال کے جواب میں جب اقرار کیا تو بصورت کذب صرف قضاءً اور بصورت صدق دیانۃً بھی طلاق واقع ہو جائے گی، قال فی شرح التنویر ولو قیل طلقت امرأتک فقال نعم او بلی بالھجاء طلقت بحر (رد المحتار ج۲ ص۵۹۲) وایضا فیہ قیل لہ الست طلقتہا تطلق ببلی لا بنعم وفی الفتح ینبغی عدم الفرق للعرف، وفی الشامیۃ ان المعتبر فی احکام الشرع العرف حتی یقام کل واحد منھما مقام الآخر (رد المحتار ص۵۹۳ ج۲)

بہرحال عدت میں رجوع نہ کیا تو عورت کو تمکین وطی جائز نہیں، قال فی الشامیۃ فی باب الصریح تحت (قولہ ولو نوی من العمل لم یصدق) اصلا ولو صرح بہ دیانۃ فقط والمرأۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرھا عدل لا یحل لھا تمکینہ (رد المحتار ص۵۹۹ ج۲)

دوسری یا تیسری بار سوال کے جواب میں ظاہر ہے کہ انشاء طلاق مقصود نہیں بلکہ اخبار مقصود

ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر فی آخر باب طلاق غیر المدخول بها (فروع) کرر لفظ الطلاق وقع الکل، وفی الشامیة تحت (قوله) المذکور واذا قال انت طالق ثم قیل له ما قلت فقال قد طلقتها او قلت هی طالق فهی طالق واحدة لانه جواب کذا فی کافی الحاکم (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۳) وفی شرح التنویر لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعله اخبارا عن الاول واقال (قوله) فلا یقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء، وفی الشامیة (قوله لانه اخبار) ای یجعل اخبارا لانه امکنه ذلک (رد المحتار ص ۶۲۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم سنہ ۷۱ھ

طلاق دیتا ہوں سے طلاق ہو جاتی ہے:

سوال: زید نہایت غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے بار بار کہتا ہے کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں، مگر اس سے قبل اس کا کوئی ارادہ یا نیت ہرگز نہ تھی، بعض صاحبان کہتے ہیں کہ لفظ "طلاق دیتا ہوں" کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اکثر غصہ میں بچوں کو دوسروں کو، بیوی کو کہا جاتا ہے کہ "میں تجھ کو ابھی مارتا ہوں، بدلہ دیتا ہوں، مزہ چکھاتا ہوں" مگر وہ مارتا نہیں، نکالتا نہیں، بدلہ دیتا نہیں، مزہ چکھاتا نہیں، کیا ایسی شکل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

لفظ "طلاق دیتا ہوں" حال کے لئے موضوع ہے، لہٰذا اس سے طلاق واقع ہوگی، اگرچہ یہ جملہ مستقبل قریب کے لئے بھی کبھی کبھی استعمال ہوتا ہے، مع ہذا زوج اگر نیت استقبال کا مدعی ہو تو خلافِ ظاہر ہونے کی وجہ سے اس کا قول قبول نہ ہوگا، صورتِ سوال میں تو زوج ہی نیتِ استقبال کا مدعی نہیں، اگر اس نے یہ الفاظ تین یا اس سے زیادہ بار کہے تو طلاق مغلظہ ہوگی، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت قوله وما بمعناها من الصریح: وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقك کما فی البحر (رد المحتار ص ۶۶۹ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول سنہ ۸۵ھ

تکرارِ تعلیق سے تکرارِ طلاق:

سوال: کسی نے اپنی بیوی سے دو مرتبہ ان دخلت الدار فانت طالق کہا، اس کے بعد دخولِ دار پایا گیا، تو اس کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دو طلاقیں ہوں گی، البتہ اگر تکرار سے نیت تاکید ہو تو دیانۃً ایک طلاق ہوگی، قضاءً دو ہوں گی، قال فی الدر فروع فی ایمان الفتح ما لفظہ وقد عرف فی الطلاق انہ لو قال ان دخلت الدار فانت طالق، ان دخلت الدار فانت طالق، ان دخلت الدار فانت طالق وقع الثلاث واقرہ المصنف ثمۃ۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وقع الثلاث) یعنی بدخول واحد کما تدل علیہ عبارۃ ایمان الفتح حیث قال ولو قال لامرأتہ واللہ لا اقربک ثم قال واللہ لا اقربک فقربہا مرۃ لزمہ کفارتان اھ والظاہر انہ ان نوی التاکید یدین۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۵ھ

حلالہ کرنے کرانے والوں پر لعنت ہے:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر جدا کر دیا ہے، اب زید دوبارہ اپنا گھر آباد کرنا چاہتا ہے، اگر زید کی مطلقہ کسی شخص سے یہ شرط لگا کر نکاح کرے کہ جب میں چاہوں علیحدگی اختیار کر سکتی ہوں، اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ ان کے اس ارادہ کا علم سابق شوہر کو بھی ہے اور عنقریب ہونے والے شوہر کو بھی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مسئلہ کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ مطلقہ مغلظہ دوسرے شخص کے ساتھ دائمی نکاح کرے پھر اتفاقاً وہ طلاق دیدے یا مر جائے تو یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے، سوال میں ذکر کردہ صورت کے مطابق حلالہ کا مروجہ طریقہ حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شوہر، دوسرے شوہر اور بیوی تینوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی بددعا فرمائی ہے، البتہ اگر کسی کو میاں بیوی کی حالت پر رحم آئے اور وہ ان پر احسان کی نیت سے نکاح کرے اور صحبت کے بعد طلاق دیدے تو کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ اس کی نیت کا دوسرے کسی کو بھی قطعاً کوئی علم نہ ہو، اسی طرح اگر عورت کے دل میں یہ نیت تھی کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد اس سے طلاق حاصل کرکے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرے گی اور اس کی اس نیت کا کسی دوسرے کو قطعاً علم نہ ہو تو عورت پر کوئی گناہ نہیں۔ قال فی العلائیۃ وکرہ التزوج للثانی تحریماً لحدیث لعن اللہ المحلل والمحلل لہ بشرط التحلیل کتزوجتک علی ان احللک وان حلت للاول لصحۃ النکاح

ایک یہ کہ اس سے ایقاع بائن متعارف ہے، دوسری یہ کہ سوال میں مذاکرہ طلاق مذکور ہے، اور "فارغ خطی" بریۃ وخلیۃ کا ہم معنی ہے جس سے بحالت مذاکرہ بائن طلاق واقع ہوتی ہے بندہ کو ان دونوں وجہوں میں اشکال ہے، وجہ اول میں یہ کہ عوام کو رجعی اور بائن میں فرق معلوم نہیں، وہ اس سے بالکل بے خبر ہیں لہٰذا ایقاع بائن کا متعارف ہونا محل کلام ہے، کما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ حرام) فان العامی الجاھل الذی یحلف بقولہ علیّ الحرام لا افعل کذا لا یمیز بین البائن والرجعی فضلا عن ان یکون عرفہ ایقاع البائن بہ وانما المعروف عندہ ان من حنث بھذا الیمین یقع علیہ الطلاق مثل قولہ علیّ الطلاق لا افعل کذا (رد المحتار ص ۵۰۲ ج ۲)

دوسری وجہ میں یہ اشکال ہے کہ جب "فارغ خطی" کو بوجہ عرف صریح طلاق تسلیم کر لیا گیا تو اس سے کنایہ کا حکم وقوع بائن ختم ہو گیا جیسا کہ حرام دراصل ان کنایات سے ہے جن سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، مگر عرف میں صریح طلاق ہو جانے کی وجہ سے اس سے رجعی واقع ہوتی ہے اسی طرح بریۃ وخلیۃ سے اگر عرف میں صریح طلاق واقع ہو جائے تو ان الفاظ سے بھی رجعی ہوگی، چنانچہ لغت ترک میں "بوش اول" خلیۃ کا ہم معنی ہے، اور عرف کی وجہ سے صریح ہے، اس لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے وقوع رجعی کا فیصلہ تحریر فرمایا، البتہ لفظ حرام کی طرح کنایہ کے کسی لفظ میں شدت پائی جائے تو عرف میں اس سے صریح طلاق ہو جانے کے بعد بھی بائن ہی واقع ہوگی، اس لئے سندھی میں "چھڈی کیم" صریح ہونے کے باوجود بائن ہے، کیونکہ یہ "پھینک دی" بلکہ "تحقیر کے ساتھ پھینک دی" کا ہم معنی ہے، جس میں "چھوڑ دی" کے مفہوم سے زائد صفت شدت بھی ہے، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اول باب الصریح (تنبیہ) قال فی الشرنبلالیۃ وقع السؤال عن التطلیق بلغۃ الترک ھل ھو رجعی باعتبار القصد او بائن باعتبار مدلول سن بوش اول او بوش اول لان معناہ خالیۃ او خلیۃ فیتنظر اھ، قلت وافتی الرحیمی تلمیذ خیر الرملی بانہ رجعی وقال کما افتی بہ شیخ الاسلام ابو السعود ونقل مثلہ شیخ مشایخنا الترکمانی عن فتاوی علی افندی مفتی دار السلطنۃ وعن الحامدیۃ (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۲)

وقال رحمہ اللہ تعالیٰ فی آخر ما قال واطال فی لفظ "حرام" والحاصل انہ لما تعورف بہ الطلاق صار معناہ تحریم الزوجۃ وتحریمہا لا یکون الا بالبائن (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۲)

البتہ امداد الفتاوی میں مذکورہ صورت سوال میں نتائج خلع بعوض اسقاط مہر ہے، اس لئے اگر مجلس ابراء ہی میں شوہر نے فاتحہ خلع دیدی تو بائن ہو گئی، لما فی خلع الشامیۃ عن الذخیرۃ والخانیۃ وغیرھما طلبت منہ طلاقھا فقال ابرئینی عن کل حق لک حتی اطلقک فقالت ابرأتک من کل حق للنساء علی الازواج فقال الزوج فی فورہ طلقتک واحدۃ وھی مدخول بھا تقع بائنۃ لانہ طلاق بعوض وھو الابراء دلالۃ اھ وبعد سطر فکذا اذا طلب ابراءھا لہ عن المھر والنفقۃ ص ۱ یعنی لیطلقھا فابرأتہ وطلقھا فورا یصح الابراء لانہ ابراء بعوض وبعد ثلاثۃ اسطر وفی الحاوی الزاھدی ولو ابرأتہ لیطلقھا فقام ثم طلقھا یبرأ ان لم ینقطع حکم المجلس والا فلا اھ (رد المحتار ص ۱۱۵ ج ۲) غرضیکہ امداد الفتاوی میں منقول سوال کے مطابق جواب صحیح ہے مگر جواب میں مذکورہ وجوہ صحیح نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الآخرہ سنہ ۸۶ھ

تدبیر ابطال تعلیق :

سوال : طلاق ثلاث معلق جیسا کہ ان دخلت الی ارفانت طالق ثلاثا وغیرہ کی صورت میں اس تعلیق کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے کہ دخول دار بھی ہو اور طلاق بھی نہ پڑے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی تدبیر یہ ہے کہ ایک طلاق دیدے، عدت گزرنے کے بعد عورت گھر میں داخل ہو اس سے تعلیق ختم ہو جائے گی، پھر اس عورت سے دوبارہ نکاح کرلے، اس کے بعد دخول دار سے طلاق نہیں پڑے گی، قال فی العلائیۃ وتنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملک طلقت والا لا فحیلۃ من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقھا واحدۃ ثم بعد العدۃ تدخلھا فتنحل الیمین فینکحھا (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸ جمادی الآخرہ سنہ ۸۶ھ

صیغۂ مستقبل سے وقوع طلاق سمجھ کر اقرار طلاق کیا :

سوال : ایک آدمی نے اپنی بیوی کو غصہ میں آکر کہا کہ اگر دوبارہ آواز کی تو تجھے تین طلاق دوں گا، اس سے پہلے کچھ کشمکش چل رہی تھی، اس نے خیال کیا کہ میں نے جو الفاظ

استعمال کئے ان سے شاید طلاق واقع ہوگئی اس لئے لوگوں سے کہنے لگا کہ اس کو میں نے طلاق دیدی ہے، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

طلاق ہوگئی، بلکہ کسی مفتی کے غلط فتوی کی بنا پر خود بر طلاق کی خبر دیدے تو بھی قضاءً طلاق ہوجاتی ہے، دیانۃً نہیں ہوتی، صورت سوال میں تو اس کی خبر قول مفتی پر مبنی نہیں، اس لئے دیانۃً بھی طلاق ہوگئی، مگر طلاق کے عدد میں اس کے قول اول "تین طلاق دیدوں گا" کا اعتبار نہیں بلکہ لوگوں کو خبر دیتے ہیں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کا اعتبار ہے، اگر یوں کہا کہ "میں نے طلاق دیدی ہے" جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو ایک طلاق ہوئی اور اگر "تین طلاق دیدی ہے" کہا تو تین طلاقیں ہوگئیں، قال فی الاشباہ فی القاعدۃ السابعۃ عشر ولو اقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی القنیۃ وقال الحموی (قولہ لم یقع) ای دیانۃ اما قضاء فیقع کما فی القنیۃ لاقرارہ بہ (الاشباہ والنظائر ص ۱۲۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالی اعلم

غرۂ رجب مسئلہ

رجوع سے طلاق باطل نہیں ہوتی:

سوال: زید نے اپنی زوجہ کو ایک طلاق دیدی، پھر رجوع کرلیا، پھر کچھ دن بعد کسی بات پر طلاق رجعی دیدی، پھر کچھ دنوں کے بعد رجعت کرلی، پھر تیسری مرتبہ طلاق رجعی دی، تو اب تین طلاقیں ہوگئیں یا نہیں؟ اور تینوں ملاکر تین طلاقیں ہوگئیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تین طلاقیں واقع ہوگئیں، رجعی طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کرلینے سے بیوی حلال تو ہوجاتی ہے مگر اس سے طلاق کا عدد باطل نہیں ہوتا، یعنی رجوع کے بعد بھی یہ طلاق تین طلاقوں کے مجموعہ میں شمار ہوگی، اس لئے اس کے بعد مزید دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی، اسی طرح رجعی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کیا یا بائن طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرلیا تو آئندہ دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی، البتہ عورت نے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اس نے بھی طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہوگیا اور عورت نے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرلیا تو اب اس کو نئے سرے سے تین طلاقوں کا اختیار ہے، ایک یا دو طلاقوں سے مغلظہ

تو ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲ ذی الحجہ سنہ ۸۲ھ

طلاق کی جھوٹی خبر کا حکم:

سوال: زید کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنی بیوی ہندہ کو اس کے والدین کے گھر نہیں جانے دیتا تھا، ایک مرتبہ ہندہ کا بھائی عمرو اپنی بہن کو لینے آیا ہوا تھا، اور زید عمرو کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ نہیں تھا، باتوں باتوں میں جھگڑے کی صورت بن گئی، اور انتہائی سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، اس وقت زید کا والد بکر بھی گھر میں موجود تھا، رات کو یہ جھگڑا ہوا، مگر زید ہندہ کو بھیجنے پر آمادہ نہ ہوا، یہ مجلس ناکامی پر ختم پذیر ہوئی، اور سارے افراد سو گئے، صبح کو زید نے محسوس کیا کہ والد صاحب اس کی مرضی کے برخلاف ہندہ کو عمرو کے ساتھ ضرور بھیج دیں گے، اور مجھے بھی اس پر مجبور کریں گے، لہٰذا اس نے خیال کیا کہ میں گھر سے چلا جاؤں، چنانچہ وہ کسی دوسرے شہر میں چلا گیا، اور بیوی کو کہہ گیا کہ تو میکے مت جانا، زید کے چلے جانے پر بکر نے ہندہ کو عمرو کے ہمراہ روانہ کر دیا، دو تین دن کے بعد جب زید نے دیکھا کہ بیوی چلی گئی تو غصہ میں ایک تحریر طلاق کی اپنی بیوی کو لکھ بھیجی، جس کی نقل ہمراہ ہے، تحریر بھیجنے کے بعد اسے یہ احساس ہوا کہ میں نے بڑی سخت غلطی کی، اور والد صاحب کی ناراضگی اس کے لئے مزید پریشانی کا موجب بن گئی کہ والد صاحب کہیں گے کہ چونکہ انہوں نے ہندہ کو بھیج دیا تھا تو اس کے اس بھیجنے سے ناراض ہو کر زید نے طلاق کا انتہائی اقدام کیا،

والد کی اس ناراضگی سے بچنے کے لئے زید نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں نے ہندہ کو طلاق والد صاحب کے بھیجنے کی وجہ سے نہیں دی بلکہ یہ تحریر بعد میں بھیجی گئی، اس سے پہلے جس رات عمرو کے ساتھ میرا جھگڑا ہوا تھا اس رات کو سوتے وقت میں نے بہت دفعہ ہندہ کو طلاق دے دی تھی، زید نے یہی بیان اپنے بھائی خالد کے پاس بھی دیا، اور کہا میں نے اس رات نہ جانے کتنے سینکڑوں مرتبہ طلاق دے دی تھی، اور اپنے ایک دوسرے بھائی صادق کے پاس بھی یہی بیان کیا،

علاوہ ازیں اپنے والد بکر کو بھی یہی لکھا کہ جس رات جھگڑا ہوا تھا اسی شب بعد میں میں نے طلاق دے دی تھی، اس تحریر کی نقل بھی منسلک ہے، اب کچھ عرصہ کے بعد زید حقیقت حال کو یوں واضح کرتا ہے کہ شب مذکور میں میں نے ہرگز طلاق نہیں دی، طلاق کا کوئی لفظ میرے منہ سے نہیں نکلا تھا، نہ اس شب اور نہ اب تک، میرے سابقہ بیانات صرف والد صاحب کی ناراضگی کم کرنے کے لئے تھے اور ایقاع طلاق کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا وہ سب اُس تحریر میں منحصر ہے جو کہ ہندہ کو بھیجی گئی تھی، اور شب مذکور میں طلاق دینا میں نے قصداً جھوٹ کہا تھا

قابلِ دریافت یہ امور ہیں:

① بر تقدیرِ صحت واقعہ قصداً جھوٹ کہنے سے دیانۃً طلاق ہوگی یا نہیں؟

② اگر نہیں تو زید نے جو تحریر ہندہ کو بھیجی تھی جس کی نقل ہمراہ ارسال ہے اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی، رجعی یا بائن یا مغلظہ؟

③ صورتِ مسئولہ میں ہندہ کو زید کے ہاں بدون تجدیدِ نکاح یا بعد تجدیدِ نکاح آباد ہو جانا درست ہے؟

بیوی کے نام بھیجی ہوئی تحریر کا ضروری حصہ

میں آج شام جب گھر واپس آیا تو آپ کو غائب پایا، جس سے اندازہ ہوا کہ آپ بھی خاوند کی مرضی کے خلاف باپ کے نقشِ قدم پر چلنے لگی ہے، جو بیوی اپنے خاوند کے حکم کو ماننے کو تیار نہ ہو اس کے ساتھ زندگی گزارنا یا اس پر اعتماد کرنا گویا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے، اس لئے آپ کی آزادی طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کو مکمل آزادی دیتا ہوں تاکہ آپ اپنی زندگی اپنی اور اپنے باپ کی مرضی کے مطابق گزار سکیں، اب میرے گھر آنے کی ناکام کوشش مت کرنا۔

والد کے نام خط کا ضروری حصہ

بیوی کا نام ہی کا فیصلہ لکھ اور دیتے جاتے زبان سے کئی سینکڑوں مرتبہ طلاق کا تلفظ کیا اور بستر پر کروٹیں لیتے ہوئے رات گزاری، صبح اٹھتے ہی شہر کو چل دیا، صادق آباد سے ...... کی معرفت ...... کے نام فیصلہ روانہ کیا، تین دن کے بعد ہوش آیا اور جلد واپس گیا، مگر جلد ہی بڑی مشکل سے چند گھنٹے رہ سکا، نہ جانے میں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں، خدا کے لئے میری اس عذاب سے جان چھڑا لیجئے، آپ باپ ہیں، خدا کے بعد باپ کے سوا میں اور کس سے مدد مانگ سکتا ہوں، مجھے کسی طرح چین نہیں آتا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① اگر زید نے واقعۃً طلاق کی جھوٹی خبر دی تھی تو دیانۃً طلاق نہیں ہوئی، لیکن قضاءً ہو جائے گی یعنی اگر معاملہ کسی حاکم یا عدالت یا پنچایت تک پہنچا تو وقوعِ طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا، چونکہ سینکڑوں مرتبہ طلاق دینے کا اقرار ہے اس لئے طلاق مغلظہ کا حکم دیا جائے گا۔

اگر جھوٹی خبر سے قبل کسی کو گواہ بنا لیتا کہ میں اس طرح کی جھوٹی خبر دوں گا تاکہ والد صاحب ناراض نہ ہوں تو قضاءً بھی طلاق کا حکم نہ ہوتا۔

② لفظ "آزادی دیتا ہوں" عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے، خط میں "مکمل آزادی" کا

منقطع ہے جو بدون طلاق بائن کے حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا اس تحریر سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔
(۲) اگر عدالت یا پنچایت تک معاملہ نہ پہنچا تو صرف تحریر کی وجہ سے ایک طلاق بائن ہوئی، اس لئے تجدید نکاح کر سکتے ہیں، اور عدالت یا پنچایت تک معاملہ پہنچ گیا تو طلاق مغلظہ کا فیصلہ ہوگا، اس لئے تجدید نکاح کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ نقل فی الشامیة عن البحر لو اقر بالطلاق کاذبا او هازلا وقع قضاءً لا دیانةً اھ ویأتی تمامه (رد المحتار ص ۴۴۵ ج ۲) وایضاً فیها تحت (قوله او هازلا) عن البزازیة والقنیة لو اراد به الخبر عن الماضی کذبا لا یقع دیانةً وان اشهد قبل ذلك لا یقع قضاءً ایضاً (رد المحتار ص ۴۵۹ ج ۲) وفی شرح التنویر قال انت طالق او انت حر وعنی الاخبار کذبا وقع قضاءً الا اذا اشهد علی ذلك (رد المحتار ص ۴۶۹ ج ۲)

اگر بیوی کو تین طلاقوں کے اقرار کا علم ہوگیا تو اس کے لئے اس شوہر کے ساتھ تجدید نکاح جائز نہیں لكون المرأة كالقاضی، البتہ اگر بیوی کو حقیقت امر کا کامل یقین ہو اور اس کا سبب یہ کہ طور پر مطمئن ہو کہ شوہر نے سینکڑوں طلاقوں کی جھوٹی خبر دی ہے تو اس کا شوہر کے ساتھ تجدید نکاح کرنا جائز ہے، اس لئے کہ طلاق کی جھوٹی خبر سے قضاءً وقوع طلاق کا حکم مظنہ تہمت ہونے کی بناء پر کیا جاتا ہے، چنانچہ دیگر وجوہ کی صورت میں یہ بناء حکم موجود نہیں، اس لئے وقوع طلاق کا حکم بھی نہیں لگایا جاتا، اسی طرح عورت پر حقیقت حال واضح ہونے کی صورت میں اس کے حق میں مظنہ تہمت نہیں، لہٰذا اس کے لئے حرمت بھی ثابت نہ ہوگی، المرأة كالقاضی کا مقتضی بھی یہی ہے، اس لئے کہ قضاء القاضی بعلمہ میں یہ تفصیل ہے کہ خالص حدود اللہ میں جائز نہیں، اور غیر حدود میں عند المتقدمین جائز ہے، متاخرین نے فساد زمان کی بناء پر اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اس علت کا اثر صرف غیر کے لئے قضاء پر پڑتا ہے، خود اپنے نفس کے لئے حکم معلوم کرنے پر اس کا کوئی اثر نہیں، لہٰذا اپنے لئے اپنے علم کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، نقل فی الشامیة عن منية المفتی الملخصة من السراجية ما نصه قال القاضی یقضی بعلمه بحق القذف والقصاص والتعزیر ثم قال تقضی بعلمه فی الحدود الخالصة لله تعالی لا یجوز اھ اراد بعض المحشین وهذا موافق لما مر عن الفتح من الفرق بین الحد الخالص لله تعالی وبین غیره فمن الاول لا یقضی اتفاقاً بخلاف غیره فیجوز القضاء فیه بعلمه وهذا علی قول المتقدمین وهو خلاف المفتی به کما علمت (رد المحتار ص ۳۹۵ ج ۴) وقال

العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ ان المعتمد عدم حکمہ بعلمہ فی زماننا اشباہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای عند المتأخرین لفساد قضاۃ الزمان وعبارۃ الاشباہ الفتوی الیوم علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین (رد المحتار ص۲۹۳ ج۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول ۹۳ھ

شوہر بوقت طلاق جنون کا مدعی ہے:

سوال: بنہایت ادب سے التماس ہے کہ میں عرصہ چار پانچ ماہ سے بعارضہ تلی بیمار ہوں ڈاکٹری علاج کرا رہا ہوں، ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے گرم دواؤں اور انجکشنوں کی گرمی دماغ کی طرف رجوع ہوگئی، عرصہ ایک ماہ سے چڑ چڑانے لگے، اور دماغی صلاحیت جاتی رہی، معمولی معمولی باتوں پر گھر میں بیوی اور بچوں سے جھگڑا کرنے لگا، اس وقت میری عمر چھیاسٹھ سال کی ہے اور میری بیوی کی عمر پچپن سال کی ہے، میرے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں جن میں سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں شادی شدہ ہیں، تین لڑکے اور دو نابالغ لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں جو کہ میری پرورش میں ہیں جن کا ذریعہ معاش میری آمدنی پر ہے، مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۷۳ء کو بوقت پانچ بجے شام میری بیوی چونکہ چار پانچ روز سے بیمار تھی میں نے اس کو ڈاکٹر کے ہاں لے جانے کے لئے کہا، وہ نہیں گئی۔ اس بات پر مجھ کو غصہ آگیا، اور میرا دماغی توازن بگڑ گیا، اس وقت میری سمجھ میں اچھا برا کچھ نہیں آیا، عقل ماری گئی، اور جنونی کیفیت پیدا ہوگئی، اسی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق ایک ہی زبان میں کہہ ڈالا، تھوڑی دیر کے بعد جب میرے ہوش وحواس درست ہوئے تو مجھ کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی اور اس شیطانی حرکت پر سخت افسوس ہوا مجھ سے یہ حرکت دماغی توازن بگڑ جانے کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر آپ کی جنونی کیفیت پہلے سے لوگوں میں مشہور تھی اور آپ حلفیہ بیان دیں کہ بوقت طلاق آپ پر یہی جنونی کیفیت طاری تھی تو طلاق نہیں ہوئی، اور اگر آپ کا جنون پہلے سے لوگوں میں معروف نہیں تھا تو اگر دو معتبر مرد یا ایک معتبر مرد اور دو معتبر عورتیں یہ شہادت دیں کہ بوقت طلاق آپ کی جنونی کیفیت تھی تو طلاق نہیں ہوئی۔

اگر آپ کا جنون پہلے سے لوگوں کو معلوم نہیں اور وقت طلاق میں جنونی حالت طاری ہونے پر

تفصیل مذکور کے مطابق دو معتبر گواہ بھی نہیں تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور بیوی آپ پر حرام ہو گئی، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الخیریۃ تحت قول الدر (وفی القنیۃ دهش) وسئل نظما فیمن طلق زوجته ثلاثا فی مجلس القاضی وهو مغتاظ مدهوش فاجاب نظما ایضا بان الدهش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتاده بان عرف منه الدهش مرة یصدق بلا برهان اهـ (رد المحتار ص ۴۹۳ ج ۲) وقال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة والقول قوله بیمینه ان عرف منه الدهش وان لم یعرف منه لا یقبل قوله قضاء الا ببینة کما صرح بذلک علماء الحنفیة رحمهم اللہ تعالیٰ (العقود الدریة ص ۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رمضان ۸۳ھ

طلاق کے بعد زوجین کا بضرورت اکٹھے رہنا:

سوال (متعلق مسئلہ بالا): میں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوں، اس حالت میں بیوی کے سوا دوسرا کوئی میری تیمارداری کرنے والا نہیں، اور نہ میرے بیوی بچوں کا میرے سوا کوئی پرورش کا ذریعہ ہے، لہٰذا ایسی صورت میں میں اپنی بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتا، حالات مندرجہ بالا کو مد نظر رکھ کر کوئی گنجائش نکالئے، ورنہ میری اور بچوں کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بڑھاپے اور مرض کے پیش نظر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور خدمت جائز ہے بشرطیکہ میاں بیوی جیسا معاملہ نہ ہونے پائے، اگر کسی ناجائز معاملہ میں ابتلاء کا ادنیٰ سا خطرہ بھی ہو تو بالکل علیحدگی اختیار کرنا فرض ہے اور ایک مکان میں رہنا جائز نہیں، فی فصل الحداد من العدة العلائیة معزیا الی المجتبی لهما ان یسکنا بعد الثلاث فی بیت واحد اذا لم یلتقیا التقاء الازواج ولم یکن فیه خوف فتنة اهـ وسئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منهما ستون سنة وبینهما اولاد تتعذر علیهما مفارقتهم فیسکنان فی بیتهم ولا یجتمعان فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج هل لهما ذلک قال نعم واقره المصنف. وفی الشامیة (قوله وسئل شیخ الاسلام) حیث اطلقوه ینصرف الی بکر المعروف بخواهر زاده وکانه اراد بنقل هذا تخصیص ما نقله عن المجتبی بما اذا کانت السکنی معها لحاجة کوجود اولاد یخشی ضیاعهم لو سکنوا معه او معها او کونهما کبیرین لا یجد هو من یعوله ولا هی من یشتری لها

لم یجعل ذلک والظاهر ان التغیب یکون منهما ستین سنة ووجود الاولاد مبنی علی کونه کان یکن لها فی حادثة السؤال کما لا یخفی (رد المحتار ص ۵۵۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۸۳ھ

جبری طلاق واقع ہوجاتی ہے:

سوال: زید نے ایک باشعور لڑکی سے شادی کی، شادی کے تین چار مہینے بعد میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے تو عورت کے ورثہ پستول کے ذریعہ جبری طلاق لیتے ہیں شوہر بیچارہ ڈر کے مارے تین طلاق تین لفظوں سے بغیر کسی مال کے عوض کے دے کر نیت رجعی کرتا ہے، پھر دس پندرہ یوم کے بعد اعلان رجعت بھی کرتا ہے اب اس کا رجوع کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جبر کی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس لئے طلاق مغلظہ ہوگئی اور طلاق مغلظہ میں نیت رجعی کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں، ایسے ابتلاء کی حالت میں یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ طلاق لکھ دے زبان سے نہ کہے، حالت اکراہ میں لکھنے سے طلاق نہیں پڑتی، دوسری تدبیر یہ ہے کہ لفظ طلاق کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہہ دے تو طلاق نہیں ہوگی خواہ ان شاء اللہ آہستہ ہی کہا ہو بشرطیکہ خود آواز سنے، عند الکرخی یہ شرط بھی نہیں، قال فی شرح التنویر ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران ولو عبدا او مکرها فان طلاقه صحیح لا اقراره بالطلاق (رد المحتار ص ۵۱ ج ۲) وفی الشامیة (قوله ان لم یطلق بائنا) هذا بیان لشرط الرجعة ولها شروط خمس تعلم بالتامل شرنبلالیة قلت هی ان لا یکون الطلاق ثلاثا فی الحرة او ثنتین فی الامة الخ (رد المحتار ص ۵۲۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی قعدہ ۸۳ھ

مجبوراً اقرار طلاق سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص کو طلاق پر مجبور کیا گیا اس نے مجبور ہو کر گزشتہ زمانہ میں طلاق دینے کا جھوٹا اقرار کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی حالانکہ اس سے قبل اس نے کوئی طلاق نہیں دی تھی، اس صورت میں طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حالتِ اکراہ میں طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے، مگر اقرارِ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ سوال میں طلاق واقع نہ ہوگی، قال فی التنویر ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً او مکرھا، وفی الشرح فان طلاقہ صحیح لا اقرارہ بالطلاق، (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۹۰ھ

جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: میں اپنے والدین سے علیحدہ رہتا ہوں، ایک وقت والدین سے ملنے گیا تو ان لوگوں نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کہا کہ ہم نے تمہاری شادی کرائی تھی اور ہمارے کہنے سے تمہیں یہ شادی چھوڑنی پڑے گی کیونکہ لڑکی خراب ہے، پھر میرے والد صاحب مجھے بج کورٹ لے کر گئے، میں ایک ان پڑھ آدمی ہوں، ان لوگوں نے وہاں ایک اسٹامپ لکھوایا، مجھے نہیں معلوم اس پر کیا لکھا ہوا تھا، اتنا ضرور پتہ تھا کہ یہ سب کچھ میری بیوی کو طلاق دینے کے لئے کیا جا رہا ہے، میں نے ان لوگوں کے دباؤ میں آکر اسٹامپ پر دستخط کر دیئے، اور منہ سے ایک مرتبہ بھی اپنی بیوی کا نام لے کر طلاق نہیں دی، اب براہ مہربانی مجھے یہ مسئلہ بتائیں کہ میری بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اگر ہو گئی تو کوئی ایسا طریقہ شرع میں ہے کہ جس سے میں اپنی بیوی سے دوبارہ تعلقات بحال کر سکوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک زبان سے طلاق کے الفاظ نہ کہے، لہٰذا صورتِ سوال اگر صحیح ہے تو طلاق نہیں ہوئی، قال فی الشامیۃ تحت قولہ لا اقرارہ بالطلاق، وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذا فی الخانیۃ (رد المحتار ص ۴۲۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۸ھ

تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، چلی جا:

سوال: ایک آدمی اپنی بیوی کو حالتِ غضب میں کہتا ہے تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا تجھ کو میں نے چھوڑ دیا ہے، تو چلی جا، جب شہادت طلب کی گئی تو تین آدمیوں نے جن میں سے

دو مطلق کے بھائی ہیں، بعینہٖ الفاظ مذکورہ پر شہادت دی، جب اس مطلق کے والد حج سے واپس تشریف لائے تو دو گواہوں نے اس پہلی گواہی سے یوں رجوع کیا ہے کہ پہلے ہم نے جس طرح گواہی دی معاملہ اس قسم کا نہیں تھا بلکہ اس نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، ایک دو تین طلاق کہا تھا، مگر پہلے ہم گواہی دیتے تو ہمیں جان کا خطرہ تھا، اب چونکہ والد صاحب موجود ہیں لہٰذا ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں، صورت مذکورہ کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ نیز جملہ اولیٰ کا حکم کیا ہوگا؟ جملہ ثانیہ ایک طلاق رجعی ہے اور جملہ ثالثہ کو جملہ ثانیہ کا مجرد تردید کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جملہ اولیٰ "میں تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا" میں طلاق پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ موجود نہیں، لہٰذا اس سے کچھ واقع نہ ہوگا۔

جملہ ثانیہ "تجھ کو میں نے چھوڑ دیا" سرحتک کی طرح صریح طلاق ہے، لہٰذا بلا نیت ہی اس سے طلاق رجعی ہو گئی۔

جملہ ثالثہ "تو جا" اگر بدون نیت یا بنیت طلاق کہا تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی، البتہ اگر طلاق سابق پر تفریع کی نیت سے کہا تو صرف جملہ ثانیہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

جملہ ثالثہ میں بدون نیت کے وقوع طلاق پر اگر یہ شبہ ہو کہ اسے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اُن الفاظ میں شمار کیا ہے جو بہر حال نیت پر موقوف ہیں ان میں مذاکرۂ طلاق کو نیت کے قائم مقام نہیں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالت مذاکرۂ طلاق یعنی حالت سوال طلاق میں اذھبی میں چونکہ رد و طلاق دونوں احتمال تھے اس لئے نیت کی شرط لگائی گئی، مگر مسئلہ زیر نظر میں ایک طلاق دینے کے بعد رد کا کوئی احتمال نہیں، بلکہ اس میں تفریع و طلاق جدید کا احتمال ہے، لہٰذا اگر تفریع کی نیت نہ ہوگی تو مستقل طلاق شمار ہوگی۔

باقی رہا مسئلہ شہادت، سو اگر پہلی شہادت فیصلہ کی مجلس میں نہ ہوئی ہو بلکہ ویسے ہی شاہدوں نے اس کا تذکرہ کیا ہو تو اس کا اعتبار نہیں، فیصلہ کی مجلس میں جو کچھ بیان کریں گے وہ معتبر ہوگا، اگر پہلی شہادت فیصلہ کی مجلس میں ہوئی ہو اور اس کے مطابق فیصلہ ہو چکا ہو تو دوسری شہادت کا اعتبار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ صفر سنہ ۸۹ھ

ایسی بیوی مجھے درکار نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ ایسی بیوی مجھے درکار نہیں۔

اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو رجعی ہوئی یا بائن؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی، نقل فی الہندیۃ عن السراج الوہاج ولو قال لا حاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق (عالمگیریۃ ص۳۷۵ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ جمادی الآخرہ ۸۹ھ

خیارِ طلاق مجلس کے ساتھ خاص ہے:

سوال: ایک شخص نے شادی کرتے وقت شرط لگائی تھی اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو دو عالموں کے سامنے طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کا خیار مجلس کے ساتھ خاص ہوگا یا بعد میں جب بھی وہ چاہے طلاق واقع کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو جب شرط کی خلاف ورزی کا علم ہوا اس کو اسی مجلس میں اس کو خیارِ طلاق ہے، اس کے بعد نہیں، اگر اسی وقت دو عالموں کی تلاش شروع کر دی تاکہ ان کے سامنے طلاق واقع کرے تو خیار رہے گا ورنہ نہیں، البتہ اگر شوہر نے ہمیشہ کے لئے خیار دیا ہو مثلاً یہ کہا کہ "جب چاہے طلاق واقع کرے" تو ہمیشہ کے لئے عورت کو خیارِ طلاق مل جائے گا۔ قال فی التنویر قال لہا اختاری او امرک بیدک ینوی الطلاق او طلقی نفسک فلہا ان تطلق فی مجلس علمہا بہ وان طال مالم تقم او تعمل ما یقطعہ لا بعدہ الا اذا زاد متی شئت او متی ما شئت او اذا شئت او اذا ما شئت، وفی الشامیۃ تحت (قولہ مالم تقم) الا صح کما فی البحر والنہر انہ لابد ان یدل علی الاعراض واشتغال یظہر فیما لو قامت لتدعو الشہود کما یأتی (رد المحتار ص۶۱۲ ج۲) فلما لم یبطل الخیار المطلق بالتاخیر لطلب الشہود فالخیار المقید بکونہ عند الشہود من العلماء لا یبطل بالاولیٰ،

وفی البحر واطلق الامر بالید فشمل المنجز والمعلق اذا وجد شرطہ ومنہ ما فی المحیط لو قال ان دخلت الدار فامرک بیدک فان طلقت نفسہا کما وضعت القدم فیہا طلقت لان الامر فی یدہا وان طلقت بعد ما مشت خطوتین لم تطلق

لانها طلقت بعد ما خرج الامر من یدها، وفی المنحة (قوله وان بعد ما مشت خطوتین لم تطلق) قال المقدسی فی شرحه وفی العتابیة وان مشت خطوة بطل اه، قلت ولعل توفیقه ان ما فی العتابیة یحمل علی ما اذا کانت رجلها فوق العتبة والاخری تحتها بها وما سبق علی ما اذا کانت خارج العتبة فبادنی خطوة لم تتعد وبالدخول فی الثانیة تتعدی ویخرج الامر من یدها (البحر الرائق ص ۳۱۰ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شعبان سنہ [illegible]

طلاق بعد خلوت صحیحہ بائن ہے:

سوال: اگر کسی نے محض خلوت صحیحہ کے بعد یعنی قبل الدخول اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو وہ کونسی طلاق شمار ہوگی، رجعی یا بائن؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بائن ہوگی، قال العلائی رحمه الله تعالی فی بیان الصور التی تکون الخلوة الصحیحة فیها کالوطء وکذا فی وقوع طلاق بائن آخر علی المختار، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی فی البزازیة والمختار انه یقع علیها طلاق آخر فی عدة الخلوة وقیل لا، وفی الذخیرة واما وقوع طلاق آخر فی هذه العدة فقد قیل لا یقع وقیل یقع وهو اقرب الی الصواب لان الاحکام لما اختلفت یجب القول بالوقوع احتیاطا ثم هذا الطلاق یکون رجعیا او بائنا ذکر شیخ الاسلام انه یکون بائنا اه ومثله فی الولوالجیة وفی شرحها والحاصل انه اذا خلا بها خلوة صحیحة ثم طلقها طلقة واحدة فلا شبهة فی وقوعها فاذا طلقها فی العدة طلقة اخری فمقتضی کونها مطلقة قبل الدخول ان لا تقع علیها الثانیة لکن لما اختلفت الاحکام فی الخلوة فی انها تارة تکون کالوطء وتارة لا تکون جعلناها کالوطء فی هذا فقلنا بوقوع الثانیة احتیاطا لوجودها فی العدة والمطلقة قبل الدخول لا یلحقها طلاق آخر اذا لم تکن معتدة بخلاف هذه والظاهر ان وجه کون الطلاق الثانی بائنا هو الاحتیاط ایضا ولم یتعرضوا للطلاق الاول وافاد الرحمتی انه بائن ایضا لانه طلاق قبل الدخول غیر موجب للعدة لان العدة انما وجبت لجعلنا الخلوة کالوطء احتیاطا فان الظاهر وجود الوطء فی الخلوة الصحیحة ولان الرجعة حق الزوج واقراره بانه

طلق قبل الوطء وبقی علیه فیقع بائنا واذا کان الاول لا تعقبه الرجعة یلزم کون الثانی مثله اھ ویشیر الی ھذا قول الشارح طلاق بائن آخر فانه یفید ان الاول بائن ایضا ویدل علیه ما یأتی قریبا من انه لا رجعة بعد وسیأتی التصریح به فی باب الرجعة وبه علمت ما قررناه ان المذکور فی الذخیرة ھو الطلاق الثانی دون الاول فافھم ثم ظاھر کلامھم وقوع البائن اولا وثانیا وان کان بصریح الطلاق وطلاق الموطوءة لیس کذلک فخالفت المعلقة الموطوءة فی ذلک واجاب ح بان المراد التشبیه من بعض الوجوه وھو ان فی کل منھما وقع طلاق بعد آخر واما الجواب بان البائن قد یلحق البائن فی الموطوءة فلا یدفع المخالفة المذکورة فافھم (رد المحتار ص ۴۷۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۹۰ھ

بلا ارادہ لفظ طلاق نکلنے سے طلاق ہو گئی:

سوال: ہم آپس میں بات چیت کر رہے تھے اچانک منہ سے یہ بات نکل گئی "میری منکوحہ آسیہ تجھے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق" اب حسب شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، قال فی التنویر ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرھا او ھازلا (الی قوله) او مخطئا وفی الشرح بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق (رد المحتار ص ۴۲۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم سنہ ۹۱ھ

نکاح پر معلق طلاق میں تدبیر اخفاء تجدید نکاح:

حضرت والا کی خدمت میں خیر المدارس کا سوال وجواب پیش کرتا ہوں، براہ کرم اس پر نظر فرما کر تصویب فرمائیں:

سوال: زید کو کسی مجبوری کی بنا پر یہ کہنا پڑا کہ نکاح کرتے ہی میری بیوی پر طلاق رجعی ہے، کیا صورت مسئولہ میں طلاق بائن ہوگی یا رجعی؟ اگر بائن ہو تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ راز افشا نہ ہو مثلاً نکاح پڑھاتے وقت مجلس واحد میں ولی نکاح جو منکوحہ کا باپ ہو نکاح کے الفاظ کو بجائے ایک دفعہ کے دو دفعہ تلفظ کرے اور زید بھی قبول کے لفظ کو دو دفعہ کہے تو اس سے تجدید نکاح ہو جائے گی

یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب از خیر المدارس ملتان:

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کے اس کہنے سے بوقت نکاح طلاق بائن واقع ہو جائے گی، لیکن اگر ایجاب و قبول کے الفاظ دوبارہ لوٹائے گئے تو پھر دوسری مرتبہ کہنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔ فقط

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۲۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۱ھ

الجواب صحیح، محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۱ھ

اسی مجلس میں دوبارہ ایجاب و قبول کرنے سے دوبارہ نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اس کی خبر ملنے پر منکوحہ کے سکوت کرنے یا تقبیل مہر یا رخصتی وغیرہ سے لازم ہو جائے گا۔ فقط والجواب صحیح،

عبد الستار عفا اللہ عنہ

خیر المدارس ملتان، ۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۱ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

جواب مذکور دو وجہ سے صحیح نہیں، اولاً اس لئے کہ ولی ایجاب کا تکرار نکاح کی تاکید کے لئے کرے گا، نہ کہ بنیت تجدید، لہٰذا اس سے جدید نکاح منعقد نہ ہوگا، ثانیاً اس لئے کہ اگر ولی نے قبل از نکاح لڑکی سے اجازت لی تو یہ وکیل ٹھہرا، پس ایجاب اول سے اس کی وکالت ختم ہو گئی اور ایجاب ثانی فضولی کا ہوا جو لڑکی کی دوبارہ اجازت پر موقوف ہوگا، اور لڑکی کی دوبارہ اجازت قولی یا فعلی جب معتبر ہوگی کہ وہ اسے اجازت سابقہ کی تاکید نہ سمجھے، بلکہ تجدید کی نیت سے اجازت دے اور ظاہر ہے کہ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو کسی نہ کسی طریق سے اجازت سابقہ کے کالعدم ہو جانے کا علم ہو جائے، ورضا بالانعقاد رضا بالاحداث کو مستلزم نہیں، اور اگر باپ نے پہلا ایجاب بلا اجازت کیا تو ابھی تک نکاح نافذ نہیں ہوا، لہٰذا طلاق بھی نہیں ہوئی، تکرار ایجاب و قبول کے بعد جب لڑکی کو علم ہوگا اور وہ قبول کرے گی اس وقت نکاح نافذ ہو کر طلاق بائن واقع ہو جائے گی، لہٰذا مجوزہ حیلہ بہر کیف بے کار رہا، بندہ نے صحیح مخلص تلاش کرنے پر غور کیا، مگر کوئی سبیل نظر نہیں آتی، ممکن ہو تو یہ تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے کہ دوسری بار لڑکی کا والد ایجاب نہ کرے بلکہ شوہر یا اس کا وکیل ایجاب کرے، اور لڑکی کا والد قبول کرے، اس صورت میں نکاح اول سے والد کی وکالت ختم ہو جانے کی

وجہ سے اس کا قبول کرنا صحیح نہیں ہوا، اگر شوہر یا اس کے وکیل کا ایجاب صحیح ہوگیا، بعد میں شوہر بیوی پر حقیقت حال ظاہر کردے، اس کے بعد اگر بیوی نے قولاً یا فعلاً قبول کرلیا تو یہ نکاح نافذ ہوجائے گا، اور اگر لڑکی سے پہلے اجازت نہ لی گئی ہو تو اس کو پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں، دوسری بار مجلس نکاح میں شوہر کی طرف سے ایجاب کے بعد شوہر کا بیوی کو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میرا تجھ سے نکاح ہوگیا، اگر اس پر بیوی نے قولاً یا فعلاً اجازت دے دی تو نکاح نافذ ہوگیا، شوہر کی خبر پر بیوی کا سکوت بحکم اجازت نہیں ہوگا، سکوت بحکم اجازت صرف اس صورت میں ہوتا ہے کہ نکاح کی خبر ولی یا قریب نے دی ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

تو طلاق ہے:

سوال: کسی نے اپنی زوجہ کو اس طرح کہا کہ "تو طلاق ہے تو طلاق ہے تو طلاق ہے" کیا عورت اپنے زوج پر حرام ہوگئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تین طلاقیں واقع ہوکر حرام ہوگئی، قال فی التنویر وفی انت الطلاق او طالق الطلاق او انت طالق طلاقا یقع واحدة رجعیة ان لم ینو شیئا او نوی واحدة او ثنتین فان نوی ثلاثا فثلاث (رد المحتار ص ۶۱۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ شوال سنہ ۹۱ھ

ایک، دو، تین، جاؤ، تو میری ماں بہن ہے:

سوال: ایک فتویٰ ارسال خدمت ہے، اس سے متعلق اپنی رائے عالی و تحقیق اپنی تحریر فرما کر تشفی فرمائیں، والاجر عند اللہ الکریم۔

سوال: شخصے در حالت غضب و مذاکرہ طلاق زوجہ خویش را مخاطب کرد و گفت یک، دو، سہ برو، تو مادر و خواہر من ہستی، و کلام نیت از طلاق وغیرہ نداشتہ بود، آیا بگفتن الفاظ مذکورہ بر زوجہ آں طلاق واقع می شود یا نہ؟ اگر می شود پس چند و کدام؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اقول وباللہ التوفیق ومنہ السداد، ایں الفاظ تجزیہ طلب اند و کل سہ اجزاء اند، ہر یک جزو را حکم علیحدہ و تشریح می شود، جزء اول یک دو سہ، جزء دوم برو، جزء سوم تو مادر و خواہر من ہستی۔

جواب جزء اول آنکہ یک روپیہ وصاف اند و آں ہم بوجہ تابع بودن موصوف خود معتبر نبودے
طرق تجسس بالفرض اگر نیت طلاق داشتہ باشد پس ہم یک بود ستہ ایں الفاظ و معانی شمردہ می شوند
ازاں تکرار طلاق دراں وقت می شود ہرگاہ از زبان ایں جانب اشارۂ لفظی کردہ باشد لیکن دریجا
بہمراہی عدد کدام اشارہ لفظی نیست، مجرد عدد و اعداد کدام مفہوم ندارد، کما فی الشامیۃ
ص ۴۸۰ ج ۲ وقد تقرر فی الاصول ان العدد لا مفہوم لہ اھ، وایضا فی الشامیۃ
وبہ ظہر ان من تشاجر مع زوجتہ فاعطاھا ثلاثۃ احجار ینوی بہ الطلاق و
لم یذکر لفظاً لا صریحاً ولا کنایۃ لا یقع علیہ کما افتی بہ الخیر الرملی رد المحتار ص ۴۲۴ ج ۲
ونظیر آں در اصول فقہ آنکہ اگر شخص بسہ انگشت خود زن خود را اشارہ کردہ بگوید انت ھکذا فقط،
اینجا اشارہ بیان است ملفوظ را و آں دریں جا موجود نیست، کما قال فی الدر المختار ولو قال
انت ھکذا مشیرا ولم یقل طالق لم ارہ، و در غایۃ الاوطار تحت عبارت مذکورہ نقلا عن
حاشیۃ المدنی نوشتہ است جلبی می گوید کہ دریں صورت طلاق واقع نشدن نہایت صریح است،
زیرا کہ ایں لفظ صریح است ونہ در کنایہ داخل است و اشارہ بیان است ملفوظ را و دریں جا
آں ہم موجود نیست،

و خیر الدین رملی گفتہ کہ ایں طور قول لغو اند اگرچہ قائل نیت طلاق داشتہ باشد و حموی برحاشیۃ
الاشباہ والنظائر ہم عدم وقوع را از قول بعضے علماء تصریح کردہ است و حاشیۂ مدنی علی الدر و
علامہ شامی در منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ص ۲۸۶ ج ۳ می فرماید قال الرملی وفیہ بقولہ
انت طالق لانہ لو قال انت ھکذا فھو لغو ولو نوی الطلاق لان اللفظ لا یشعر بہ
والنیۃ لا توثر بغیر اللفظ، قال الزیلعی فی تعلیل اصل المسألۃ لان الاشارۃ
بالاصابع تفید العلم بالعدد عرفا و شرعا اذا اقترنت بالاسم المبہم اھ والطلاق
مما یشار الیہ بہ فتامل ولم ارہ من صرح بہ فی ھذا المحل الی الآن ثم راجعت
احکام الاشارۃ من الاشباہ والنظائر فوجدتہ قال ولم ار الآن انت ھکذا
مشیرا باصابعہ ولم یقل طالق اھ اقول وقد رأیت الحکم کما ذکرتہ بالعلۃ
المذکورۃ فی کتب الشافعیۃ کشرح الروض لشیخ الاسلام زکریا وغیرہ
ولا شیء من قواعدنا یابیہ فتامل،

و نظیر دوم آنچہ کسے بجواب زوجۂ خود کہ مرا طلاق دہ بسہ انگشت بطرف او اشارہ کرد

نیت طلاق داشت در زبان هیچ نگفت کما قال فی الخانیة امرأة قالت لزوجها طلقنی فاشار
الیها بثلاث اصابع ونوی به التطلیقات لا تطلق ما لم یتلفظ به اهـ

ونظیر سوم آنچه که بجواب مطالبهٔ طلاق از زن شوهر آن بطرف سه عدد کلوخ انداخت و گفت
بگیر که در بعضی مثل یک دو سه اند لغو نه اگرچه این الفاظ را عوام و [illegible] را در اعتقاد خود طلاق
می پندارند کما قال الشامی ص ۴۰۴ ج ۲ ولا یقع بالقاء ثلاثة احجار الیها او لامرها بحلق
شعرها وان اعتقد الالقاء والحلق طلاقا کما قدمناه لان رکن الطلاق اللفظ او ما یقوم
مقامه مما ذکر کما مر اهـ

ایضا قال العلامة الشامی فی منحة الخالق حاشیة البحر ص ۲۸۷ ج ۳ وبه
یعلم جواب ما یقع من الاتراک من رمی ثلاث حصوات قائلا انت [illegible] ولا ینطق
بلفظ الطلاق وهو عدم الوقوع تأمل اهـ

فی ابلغتا [illegible] در مذاکرهٔ طلاق سه انگشت اشاره کردن یا سه کلوخ انداختن یا یک
دو سه گفتن کرام طلاق واقع نمی شود اگرچه نیت طلاق داشته باشد زیرا که رکن طلاق لفظ طلاق
است یا چیزیکه قائم مقام طلاق باشد و این الفاظ نه الفاظ طلاق اند و نه قائم مقام طلاق اهـ

وآنچه در فتاوی خلاصه ص ۸۰ ج ۲ نوشته است وفی الفتاوی رجل قال لامرأته
ترا یکی ترا سه او قال تو یکی تو سه قال ابو القاسم الصفار لا یقع شیء وقال الصدر
الشهید یقع اذا نوی وقال به یفتی اهـ

باید دانست که فرق درمیان ترا یکی و ترا سه و تو یکی و تو سه و درمیان یک دو سه واضح است
تأمل چنانکه درمیان انت واحدة و درمیان صرف واحدة گفتن، اول از کنایات طلاق نه
وقوع از ان موقوف بر نیت است و دوم لغو کما قال فی البحر الرائق ص ۳۲۱ ج ۳ وبخلاف
انت منی بثلاث وانت بثلاث بحذف منی سواء فی کونه کنایة واما انت الثلاث
فلیس بکنایة اهـ، هرگاه که تو سه کنایه از طلاق نیست بلکه لغو است پس در لغویت فقط سه
کلام یک اشتباه باقی نمی ماند

سوال کے تین اجزاء میں سے صرف ایک کی تشریح ہوگئی باقی دو اجزاء رہ گئے ہیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جواب مذکور صحیح نہیں، اس میں سب سے پہلا استدلال وفی تقریر فی الاصول انه

العدد ولا مفهوم له ایسا ہے کہ اس کے جواب سے سکوت ہی بہتر ہے، اس کے بعد الفاظ باعجاز و اشارہ
بالاصابع جسے عدم وقوع طلاق سے متعلق جزئیات تحریر میں مگر ایک دو تین کو الفاظ بلا عدد و اشارہ بالاصابع
پر قیاس کرکے موثر قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ ایک دو تین ملفوظات ہیں اور ملفوظات کو غیر ملفوظات
پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ نیت وقوع طلاق کے لئے شرط ہے اور محض نیت بلا ایقاع
طلاق میں موثر نہیں۔

اشارہ بالاصابع کے ساتھ انت هكذا بھی کہا تو طلاق واقع ہو جائے گی، محرر نے اس بارہ
میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت منحۃ الخالق سے نقل کی ہے، مگر معلوم نہیں کہ رد المحتار کی طرف
کیوں رجوع نہیں کیا، رد المحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ رملی کا کلام مذکور نقل کرنے کے بعد فرماتے
ہیں: ورأيت بخط السائحاني معلقا على ما في الخانية من قوله ولو قال لامرأته انت بثلاث
قال ابن الفضل اذا نوى يقع، انه يقع هنا اذا نوى فيها ايضا اذا قال طالق نعم من حيث
فقال لامرأتي طلقت ولو قال انت مني ثلاثا طلقت ان نوى او كان في مذاكرة الطلاق
والا قالوا يخشى ان لا يصدق قضاء اهـ ولكن الفرق الواضح عبارة الخانية الاولى ثم
الظاهر ان قوله هكذا مثل قوله بثلاث او اولى اي لان كلا منهما مرتبط بلفظ
طالق مقدرا وقول الرملي ان اللفظ لا يشعر به غير مسلم وما نقله عن الزيلعي
لا ينافيه لان المراد بالاسم المبهم لفظ هكذا المراد به العدد الذي اشير به اليه و
سماه مبهما لكونه لم يصرح بكميته كما حققه في النهر والاسم المبهم من كونه في
مسألتنا مبين بالمشار اليه والطلاق المقدر الذي نواه المتكلم كما ان قوله بثلاث دل
على عدد طلاق مقدر نواه المتكلم ولا فرق بينهما الا من جهة ان العدد في احدهما
صريح وفي الآخر غير صريح وهذا الفرق غير مؤثر بدليل انه لا فرق بين قوله انت
طالق هكذا مشيرا الى الاصابع الثلاث وبين قوله انت طالق بثلاث، هذا ما ظهر
لي فافهم (رد المحتار ص ۴۰۹ ج ۲)

آخر میں انت واحدة اور صرف واحدة میں جو فرق بیان کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں، اس لئے
کہ مستدلہ البحر الرائق کی جو عبارت پیش کی گئی ہے وہ محرر کے دعویٰ کی تائید نہیں کرتی بلکہ اس کے
خلاف حجت بن رہی ہے، پوری عبارت یوں ہے: لو قال انت الثلاث ونوى لا يقع لانه
جعل الثلاث صفة للمرأة لا صفة للطلاق المضمر حتى نوى ما لا يحتمله لفظه لم

ولو قال لامرأته انت مني بثلاث ونوى الطلاق طلقت لانه نوى ما يحتمله الخ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ انت الثلاث کے کنایت طلاق میں نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ اس ترکیب میں ثلاث، امرأۃ کی صفت ہے نہ کہ طلاق محذوف کی اور لفظ کا حمل معنی غیر محتمل پر صحیح نہیں، اس لئے یہ کلام لغو ہے، بخلاف انت مني بثلاث اور انت بثلاث کے، اس لئے کہ ان دونوں جملوں میں ثلاث طلاق محذوف کی صفت ہو سکتی ہے، لہذا متکلم انت مني بثلاث سے طلاق کی نیت کرے تو یہ نوى ما يحتمله لفظه میں داخل ہے، اس تفصیل کے بعد دیکھنا یہ کہ صرف "واحدۃ" انت واحدۃ، انت مني بثلاث اور ثلاث، تراسہ وغیرہ کی طرح کنایت کے قبیل سے ہے یا انت الثلاث کے قبیل سے؟ یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس طرح "انت واحدۃ" وغیرہ میں واحدۃ کو طلاق محذوف کی صفت قرار دینا صحیح ہے، اسی طرح صرف "واحدۃ" کو بھی طلاق محذوف کی صفت قرار دیا جا سکتا ہے، ترکیب میں کسی قسم کی قباحت لازم نہیں آتی اور کلام بالکل صحیح بنتا ہے، بلکہ انت واحدۃ کی بنسبت صرف واحدۃ میں احتمال طلاق زیادہ قوی ہے اس لئے کہ اس میں صرف عدد مبہم کی توضیح مطلوب ہے، آگے جو معدود بھی لے لیا جائے صحیح ہے، معدود کے سب افراد برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں، صرف نیت قاضی ہوگی، بخلاف انت واحدۃ کہ اس میں بظاہر واحدۃ، انت کی صفت ہے، اس کے باوجود بوقت نیت طلاق خلاف ظاہر اس کو طلاق کی صفت قرار دے کر وقوع طلاق کا حکم دیا جاتا ہے، جب وجود نیت سے خلاف ظاہر فیصلہ کیا جا رہا ہے تو احتمالات متساویہ میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لئے بطریق اولی نیت کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے،

ممکن ہے کہ کسی کے وہم میں یہ فرق آئے کہ انت واحدۃ جملہ ہے اور صرف واحدۃ مفرد ہے، سو یہ فرق اس لئے صحیح نہیں کہ وقوع طلاق کے لئے جملہ کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ تلفظ بالمفرد باعتبار الاضافة الی المرأۃ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، کما لو قال لامرأته "طلاق" ولم یصرح بالاضافة الیها طلقت،

مجموعی تقریر مذکور کے پیش نظر "انت الثلاث" سے عدم وقوع محل تامل ہے، "انت واحدۃ" دیکھئے، توسنۃ میں وقوع مصرح ہے، اور ان جملوں میں خلاف ظاہر عدد کو صفت طلاق قرار دینے کی تعمیم کی گئی ہے، ان سے انت ثلاث کا فرق ظاہر نہیں، اگر یہ فرق بیان کیا جائے کہ توسنہ جملہ خبریہ ہے اور انت الثلاث ترکیب توصیفی ہے تو یہ دو وجہ سے قابل قبول نہیں، اولاً اس لئے

کا عرف نہیں کے درمیان تو وقوع وعدم وقوع میں فرق ظاہر ہے، ثانیاً انت الثلاث کو بھی جملہ خبریہ قرار دیا جاسکتا ہے، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ انت واحدۃ) علی ان الرفع لاینافی الوقوع لاحتمال ان یرید انت طلقۃ واحدۃ فجعلہا نفس الطلقۃ مبالغۃ کرجل عدل (رد المحتار ص ۵۰۴ ج ۲) یعنی یہی تقریر انت الثلاث میں بھی جاری ہوسکتی ہے، اسی لئے خلاصہ کی عبارت مذکورہ فی السوال میں ترکیب توصیفی سے وقوع طلاق کو مفتی بہ قرار دیا ہے، وکذا فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۴۶۳ ج ۱، والبزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۱۹۰ ج ۲، والعمادیۃ عن التاتارخانیۃ والحجۃ والظہیریۃ (حمادیہ ص ۲۴۳ ج ۱) بلکہ حمادیہ میں ظہیریہ سے قال شیخ ابو القاسم کے الفاظ منقول ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ انت الثلاث سے وقوع طلاق کو صرف صدر شہید ہی نے مفتی بہ قرار نہیں دیا بلکہ ابو القاسم کے سوا سب کا مختار یہی ہے کہ اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے جبکہ مذاکرہ طلاق یا نیت طلاق ہو، تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ صورت سوال میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر سنہ ۹۳ھ

طلاق معلق سے بچنے کی تدبیر:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ جب جب میں کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ مطلقہ ثلاث ہوگی، اب اس شخص کے لئے کوئی عورت اپنے نکاح میں لانے کی کوئی صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اجنبی شخص اس کا نکاح کرادے، پھر جب اس کو نکاح کی خبر پہنچے تو زبان سے اجازت نہ دے، ورنہ تین طلاقیں ہوجائیں گی، خبر سن کر بالکل خاموش رہے، تحریری اجازت دیدے یا مہر کل یا اس کا کچھ حصہ بیوی کی طرف بھیج دے، تحریری اجازت بیوی کو بھیجنا ضروری نہیں، اپنے ہی طور پر کسی کاغذ پر اس نکاح کی اجازت لکھ لینے سے نکاح نافذ ہوجائے گا اور طلاقیں واقع نہ ہوں گی، تحریری اجازت یا مہر بھیجنے سے قبل اگر کسی نے نکاح کی مبارکباد دی تو اس پر سکوت بھی زبانی اجازت کے حکم میں ہے، یعنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی، ایسے ابتلاء کے وقت یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ مبارکباد دینے والے کو یوں جواب دے کہ "میں ابھی اس پر غور کر رہا ہوں

قال فی العلائیة حلف لا یتزوج فزوجه فضولی فاجاز بالقول حنث، وبالفعل ومنه الکتابة خلافا لابن سماعة لا یحنث به یفتی، خانیة. وفی الشامیة (قوله فاجاز بالقول) کرضیت وقبلت نحو (وفی حاوی الزاهدی) لو هنأه الناس بنکاح الفضولی فسکت فهو اجازة (قوله وبالفعل) کبعث المهر او بعضه بشرط ان یصل الیها وقیل الوصول لیس بشرط نهر. وکتقبیلها بشهوة او جماعها لکن یکره تحریما لقرب نفوذ العقد من المحرم بحر. قلت فلو بعث المهر اولا لم یکره التقبیل والجماع لحصول الاجازة قبله (قوله ومنه الکتابة) ای من الفعل ما لو اجاز بالکتابة لما فی الجامع حلف لا یکلم فلانا او لا یقول له شیئا فکتب الیه کتابا لا یحنث وذکر ابن سماعة انه یحنث نهر (قوله به یفتی) وقابله ما فی جامع الفصولین من انه لا یحنث بالقول کما مر فکان المناسب ذکره قبل قوله وبالفعل افاده ط (رد المحتار ص۲۴۴ ج۳)

بوقت تہنئہ سکوت اجازت قولیہ نہیں فعلیہ ہے، تقصیر تحریر میں

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ ربیع الآخر سنہ ۱۲ھ

حکم تفویض قبل النکاح:

سوال: ایک شخص نے مندرجہ ذیل شرائط پر نکاح کیا:

① میں اپنی منکوحہ فلانہ بنت فلاں کو نان ونفقہ ماہوار حسب دستور ادا کرتا رہوں گا۔
② اگر سفر درپیش ہو تو ۶ مہینے سے زائد نہیں ٹھہروں گا۔
③ موصوفہ کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کروں گا۔
④ خدانخواستہ کہیں لاپتہ یا مجنون یا محبوس یا عنین ہو جاؤں تو موصوفہ کو بذریعہ پنچایت کے فیصلہ پر دو طلاق بائن کا اختیار ہے۔

اب شخص مذکور چھ مہینے سے لاپتہ ہے، نہ خط وکتابت ہے اور نہ نان ونفقہ بیوی کو بھیجا اور اس کی بیوی کو کھانے پینے کی انتہائی تکلیف ہو رہی ہے، تو کیا بناء بر شرائط بالا اس کو اختیار مل سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرقومہ شرائط اگر نکاح سے پہلے لکھی گئی ہیں تو سب شرائط باطل ہیں، اس لئے ان کے خلاف کرنے سے بیوی کے لئے خیار ثابت نہ ہوگا، صحت تعلیق کے لئے نکاح یا اضافۃ الی النکاح شرط

ہے، مثلاً یوں کہے کہ "اگر میں نے فلانہ بنت فلاں کے ساتھ نکاح کے بعد شرائط کے خلاف کیا تو اس کو اختیار ہوگا۔

اگر یہ شرائط نکاح کے بعد لکھی ہیں تو بجز آخری شرط کے باقی سب وعدے ہیں، ان کی خلاف ورزی سے اختیار نہیں ہوگا، البتہ آخری شرط کے مطابق یہ مقدمہ دیندار پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے وہ اس کے شوہر کی تحقیق کرے کہ کہاں ہے؟ اگر پنچایت شرعی تحقیق کے بعد شوہر کے مجنون یا محبوس یا بالکل لاپتہ ہونے کا فیصلہ کر دے تو بیوی کو خود طلاق بائن کا اختیار ہوگا، فیصلہ کی مجلس ہی میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرلے، مجلس بدلنے سے خیار باطل ہو جائے گا۔

اگر بطریق مذکور عورت طلاق حاصل نہ کر سکے اور اس کے نان و نفقہ کا بھی کوئی انتظام نہ ہو تو دوبارہ استفتاء کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ھ

صحتِ تفویض کی شرائط:

سوال: بے دینی اور غلبۂ شر و فساد کے اس دور میں ظالم مردوں کی طرف سے عورتوں پر مظالم کے واقعات مسلسل روز مرہ کا معمول بن گئے ہیں، کوئی شادی کے بعد بیوی کو چند روز رکھ کر لاپتہ ہو جاتا ہے، کوئی نہ بساتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے، کوئی نان و نفقہ نہیں دیتا، کوئی مار پٹائی کے ذریعہ ظلم کرتا ہے، کوئی معاذ اللہ اسلام ہی سے برگشتہ ہو جاتا ہے، ان مظالم سے بچنے کے لئے اگر عورت یا اس کے اولیاء شوہر سے حق طلاق کی تحریر نکاح سے قبل لکھوانا چاہیں تو اس کی صحیح صورت کیا ہے؟ تاکہ بوقت ضرورت اس کی رُو سے عورت اپنے نفس پر طلاق واقع کرکے ظالم شوہر کے پنجہ سے نجات حاصل کرے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

① تفویض طلاق زبانی یا تحریری نکاح سے قبل ہو تو اس میں نکاح کی طرف نسبت کرنا شرط ہے، مثلاً یوں کہے کہ میرا نکاح فلانہ بنت فلاں سے ہونے کے بعد اگر میں فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کروں تو اس کو طلاق بائن کا اختیار ہوگا، اس صورت میں بیوی کا خیار طلاق خلاف ورزی کا علم ہونے کی مجلس کے ساتھ خاص ہوگا، اسی مجلس میں اس نے طلاق بائن واقع کرلی تو ہو جائے گی، اس مجلس کے بعد خیار باطل ہو جائے گا، اور اگر شوہر نے یوں کہا کہ "خلاف ورزی کی صورت میں جب چاہے طلاق بائن واقع کرلے" تو مجلس علم کے بعد بھی عورت کو خیار رہے گا،

اگر تفویض کی اس صورت میں نکاح کی طرف نسبت نہ کی تو یہ لغو ہے، اس سے عورت کے لئے خیار ثابت نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے قبل لکھی گئی مگر اس پر شوہر نے دستخط نکاح کے بعد کئے تو یہ تفویض صحیح ہو جائے گی۔ قال فی التنویر فی باب التعلیق وشرطه الملك كقوله لمنكوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق فنكحها فزارت (رد المحتار ص ۵۳۴ ج ۲)

(۲) ایجاب و قبول کے وقت عورت کی طرف سے ایجاب میں تفویض کی شرط لگائی جائے، اس کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ ایجاب مع شرط عورت کی جانب سے ہو، مرد قبول کرے، اگر مرد کی طرف سے ایجاب مشروط ہوا اور عورت کی طرف سے قبول کیا گیا تو خیار ثابت نہ ہوگا، دوسری یہ کہ ایجاب مع شرط زبانی ہو صرف تحریر کافی نہیں، البتہ زبان سے تمام شرائط کی تفصیل بتانا ضروری نہیں بلکہ شرائط کی تفصیل لکھنے کے بعد بوقت ایجاب زبانی اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فلانہ کا نکاح اس تحریر میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں، قال فی شرح التنویر قبیل فصل المشیئة نکحها علی ان امرها بيدها صح، وفی الشامية (قوله صح) مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امري بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على اني طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا يصير الامر بيدها كما فی البحر عن الخلاصة والبزازية (رد المحتار ص ۵۰۴ ج ۲) ونقل ابن عابدين رحمه الله تعالى وجه الفرق عن الفقيه ابی الليث رحمه الله تعالى تحت قول العلائية لا يقع طلاق المولى على امرأته الا اذا قال او نصه لان البداءة اذا كانت من الزوج كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح اما اذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن اعادة ما فی السؤال فصار كأنه قال قبلت على انك طالق او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضاً بعد النكاح (رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۵ھ

اپنی لڑکی لے جاؤ:

سوال: عبد اللہ نے اپنی بیوی مسماۃ نورجہاں پر شک کی بنا پر نورجہاں کے والد کو بلا کر یہ الفاظ کہے کہ تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ مجھے اس پر شک ہے، تو کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر نے یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے تو ایک طلاق بائن ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۹۲ھ

تجھے ماں بہن بناتا ہوں:

سوال: زوج نے زوجہ سے کہا کہ خدا رسول کی قسم میں تجھے ماں بہن بناتا ہوں، میرے سامنے سے دُور ہوجا، کیا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ اگر کوئی کفارہ ہے تو اس کی کیا نوعیت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

"تجھے ماں بہن بناتا ہوں" اور "میرے سامنے سے دور ہوجا" یہ دونوں جملے کنایات طلاق میں سے ہیں، اور غصہ کی حالت نیت طلاق پر قرینہ ہے، لہٰذا پہلے جملہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور دوسرے جملہ سے طلاق نہیں ہوئی، قال فی التنویر وان نوی بانت علی مثل امی برًا او ظہارًا او طلاقًا صحت نیتہ والا لغا وفی الشرح وفی العلائیۃ لایلحق البائن البائن۔ (رد المحتار ص ۶۰۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رشوال ۱۳۹۲ھ

فلاں کام کیا تو طلاق پڑ جائے گی:

سوال: زوج نے تحریر اگر میں فلاں بستی میں گیا تو میری زوجہ کو تین طلاقیں پڑ جائیں گی، پر دستخط کئے اور اس کے بعد شرط توڑ دی، اب کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

"اگر فلاں کام کروں تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی" سے تعلیق کے معنی ادا نہیں ہوتے، البتہ اس سے اقتضاءً تعلیق مفہوم ہوتی ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی کہ "اگر میں فلاں کام کروں تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی اس لئے کہ میں نے طلاق کو اس کام پر معلق کر دیا ہے۔" اور اقتضاء وقوع طلاق کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے معتبر قرار دیا ہے، کما قالوا فی اعتق عبدک عنی وامثالہ، لہٰذا بندہ کے خیال میں اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

اس کے بعد رد المحتار میں باب الصریح کے شروع میں یہ جزئیہ نظر سے گذرا، لو قال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع

لترک الاضافة الیہا، (ردالمحتار ص ۴۴۶ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ بصورت وجود اضافت طلاق ہوجائے گی، وجود اضافت سے متعلق علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق (قولہ لترکہ الاضافة) کے تحت سطور بالا میں مذکور ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ ذی الحجہ [illegible]

جبرًا ایقاعِ شرط سے طلاقِ معلق واقع ہوجاتی ہے:

سؤال: ما قولکم ایہا المفتون الکرام فی ہذہ المسألة بان امرأة خرجت من دار زوجہا بدون علمہ، فجاء زوجہا من العمل متعبا ومنہکا بالقوی من شدة الجوع والعطش فسأل ابویہا این زوجتہ؟ فقالوا لا نعلم این ذہبت، فخرج الزوج حائرا یبحث عنہا حتی وجدہا فی بیت اناس وحینما طرق باب البیت وقال لزوجتہ بالحرف الواحد مرة واحدة افتحی الباب والا انت طالق بالثلاثة فارادت زوجتہ ان تفتح الباب لکنہا منعت واجبرت فلم تستطع ان تفتح الباب فہل یقع الطلاق وتصیر مغلظة ام لا؟ واذا ارادت الآن الزوجة ان تعود لزوجہا فکیف یکون العمل؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صارت تلک الزوجة مغلظة فلا یمکن الرجوع، قال فی الدر المختار ولو حلف (الی قولہ) ان لم تجیئی اللیلة منزلی لکنہا منعہا ابوہا حنث فی المختار (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ محرم سنہ

قبل النکاح کہا ان دخلتُ الدار فامرأتی طالق:

سوال: ایک شخص نے شادی سے قبل کہا ان دخلتُ الدار فامرأتی طالق، اس کے بعد شادی کی تو کیا دخولِ دار سے طلاق واقع ہوگئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نیت ہو کہ جس عورت سے شادی کرے گا اس کو طلاق تو اس میں اضافت الی النکاح حکمًا موجود ہے لہٰذا طلاق واقع ہوجائے گی اگرچہ الفاظ میں اضافت الی الملک نہ ہو، اور اگر یہ نیت نہیں تھی بلکہ محض بطور ہزل ایسا کہا تو طلاق نہ ہوگی، قال فی الہندیة فی الفصل الثامن من الباب الرابع لو قال کل امرأة لی طالق ان فعلت کذا ولیست لہ امرأة ونوی

امرأة يتزوجها بعد ذلك صحت كما اذا قال كل امرأة تكون لي وإلى هذا ذهب شمس الائمة محمود رحمه الله تعالى وقال نجم الدين رحمه الله تعالى لا تصح وقال السيد الامام رحمه الله تعالى بالقول الاول نأخذ كذا في اصول الاستروشني (عالمگیریة ص ۴۱۹ ج ۱)

فقط والله تعالى اعلم

۱۶ ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ

حالتِ نشہ میں طلاق ہو جاتی ہے:

سوال: ایک شخص نے شراب پی کر تقریباً دو بجے دن کو اسی حالت میں اپنی زوجہ سے کہا کہ بچوں کو تعلیم دینا بند کرو جبکہ زوجہ بیچاری بچوں کو عربی تعلیم دے رہی تھی، زوجہ نے جواب دیا کہ آپ جائیں، میں صحیح تعلیم دے رہی ہوں، اسی اثناء میں اس نے اپنی زوجہ کو متواتر تین طلاقیں دیدیں، جس وقت وہ طلاق دے رہا تھا اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی، کچھ دیر کے بعد اس کو اس فعل پر ندامت ہوئی، اس کو اعتراف ہے کہ طلاق دیتے وقت وہ ہوش میں نہ تھا، اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نشہ کی حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے اس لئے اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو گئیں، اب اس کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، عدت گزارنے کے بعد یہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے، قال في التنوير ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مكرها او هازلا او سفيها او سكران. وفي الشرح تحت قوله عاقل ولو تقديرا ليس الخ ليدخل السكران (رد المحتار ص ۴۵۶ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۴ ذی الحجہ

اقرارِ طلاق سے طلاق واقع ہو جاتی ہے:

ایک شخص کے متعلق مشہور ہو گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں اس بنا پر والدین اپنی لڑکی کو گھر لے گئے، پھر جب خاوند سے اس کے ماموں نے پوچھا کہ واقعی تو نے طلاق دیدی ہے تو کہا کہ ہاں میں نے بیوی کو کہا ہے کہ تجھ کو تین طلاقیں ہیں، چلی جا، اس کے علاوہ اور بھی لوگوں نے پوچھا کہ واقعی تو نے طلاق دیدی ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ ہاں، بعض کو زبان سے اور بعض کو سر ہلا کر، اب دو مہینے گزرنے کے بعد کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو یوں کہا تھا کہ سیدھی چلی جا، ورنہ تین طلاق

طلاقیں دیدونگا اور بیوی بھی پہلے ہی سے یہ کہتی ہے کہ مجھے خاوند نے طلاق نہیں دی، البتہ کہا تھا کہ اگر تم سیدھی نہ چلی تو تین چار طلاقیں دیدوں گا، اس صورت میں شرعاً عورت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اقرار طلاق سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا تین طلاقیں واقع ہو گئیں، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن البحر: ولو أقر بالطلاق كاذبا أو هازلا وقع قضاء لا ديانة (رد المحتار ص ۵۷۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸؍ صفر سنہ ۹۱ھ

لفظ "حرام" طلاق صریح بائن ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے حرام ہے حرام ہے، حرام کا لفظ تین بار کہا تو کیا اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

لفظ "حرام" طلاق صریح بائن ہے، اس سے بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اب اس بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، قال في التنوير: قال لامرأته: أنت علي حرام (إلى قوله) ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه، وفي الشرح: لغلبة العرف (رد المحتار ص ۱۰۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(اس پر اشکال وجواب تتمہ میں ہے) ۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

الفرق بين اكتب طلاق امرأتي واستكتب كتابا بطلاقها:

سوال: زید نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کی بیوی کا طلاق نامہ لکھ دو، دوست نے اس خیال سے ٹال دیا کہ شاید غور و فکر کے بعد اس کا یہ وقتی خیال تبدیل ہو جائے، مگر زید نے دوسرے روز پھر یہی تقاضا کیا، اس کے دوست نے اس کو سمجھایا کہ طلاق دینے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے، پہلے اپنے خسر کو لکھئے کہ اگر آپ طلاق ہی لینا چاہتے ہیں تو میں طلاق دینے کو تیار ہوں، پھر اگر وہ طلاق طلب کریں تو آپ طلاق دیں، یہ بات زید کی سمجھ میں آگئی اور وہ سردست طلاق نامہ لکھوانے سے رک گیا۔

اس صورت میں سوال یہ ہے کہ زید کے اپنے دوست کو یہ کہنے سے کہ "میری بیوی کا طلاق نامہ لکھ دو" طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ شامیہ کا جزئیہ منقولہ من التاتارخانیہ: ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم يكتب، سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوگئی

مگر آگے فرماتے ہیں: ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها، وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ (رد المحتار ص ۴۶۵ ج ۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی۔ بظاہر شامیہ کے دونوں جزئیات متعارض نظر آتے ہیں، ان میں کیا توفیق ہے اور صورت مسئلہ ان میں سے کس میں داخل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

طلاق بالکتابۃ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

مستبین وغیر مستبین، پھر مستبین کی دو قسمیں ہیں مرسوم وغیر مرسوم، پھر مرسوم کی دو قسمیں ہیں، منجز ومعلق بوصول الکتاب، جزئیہ اولیٰ "ولو قال للکاتب اکتب الخ" میں طلاق مستبین غیر مرسوم مراد ہے، اور جزئیہ ثانیہ "استکتب من غیرہ کتابا الخ" میں طلاق مستبین مرسوم معلق بوصول الکتاب مراد ہے، کما ھو ظاہر من قوله عنونه وبعث به إليها فأتاها، طلاق منجز یا وقوع طلاق کے لئے یہ قیود نہیں ہوسکتیں، چونکہ یہ طلاق بلوغ کتاب زوجہ پر معلق ہے اس لئے جب تک اس کتاب کا کتاب زوج ہونا ثابت نہ ہوگا طلاق نہ ہوگی، اور کسی کتاب کی نسبت کسی کاتب کی طرف جب ہوتی ہے کہ وہ خود لکھے یا بطور املاء لکھوائے، اس لئے اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں تو طلاق نہ ہوگی، لفقدان الشرط إلا أن يقر أنه كتابه فيؤخذ بإقراره، چونکہ طلاق معلق میں تو طلاق کا کوئی احتمال نہیں، اس لئے جزئیہ ثانیہ کو مشتمل بر الطلاق نہیں قرار دیا گیا ہے، برعکس جزئیہ اولیٰ کے کہ عدم طلاق پر اسے مشتمل بر اقرار طلاق قرار دیا گیا ہے، ولذا قال كما لو أقر بالطلاق ولم يكن طلق۔

مذکورہ بالا دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت یہ ہے کہ زوج نے طلاق مستبین مرسوم منجز کی کتابت کا امر کیا ہو، شامیہ میں اس کا حکم مذکور نہیں، مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں کتابت طلاق کے بعد فوراً طلاق واقع ہو جائے گی، لأن فعل الوكيل كفعل الموكل، ولو كتب الزوج بنفسه يقع الطلاق على الفور فكذا بحكم كتابة وكيله۔

صورت سوال میں زوج کی طرف سے جزئیہ اولیٰ کے مطابق طلاق مستبین غیر مرسوم کی کتابت کا امر ہے، لہٰذا طلاق واقع ہو گئی۔

وان قیل لما کان هذا اقرارا بالطلاق فینبغی ان لا یقع الطلاق دیانة کما فی الاقرار کاذبا، قلت ان الطلاق ههنا یثبت اقتضاء کما فی قوله اعتدی فیقع دیانة ایضا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

بیوی کو ماں کہنا طلاق بائن ہے:

سوال: ایک آدمی نے اپنی عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے یا تو میری بہن ہے، (انت امی، انت اختی) اور حرف تشبیہ میں سے کوئی حرف ذکر نہیں کیا، آیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق واقع ہوجائے گی، قال فی شرح التنویر ولو حذف الکاف لغا، وفی الشامیة (قوله لغا) لانه مجمل فی حق التشبیه فما لم یتعین مراد مخصوص لا یحکم بشیء فتح (رد المحتار ص ۱۲۶ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ تعیین ارادۂ طلاق کی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر سے نقل فرماتے ہیں: وفیه حدیث رواہ ابو داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سمع رجلا یقول لامرأته یا اخیة فکرہ ذلک ونهی عنه ومعنی النهی قربه من لفظ التشبیه ولولا هذا الحدیث لامکن ان یقال هو ظهار لان التشبیه فی انت امی اقوی منه مع ذکر الاداة ولفظ یا اخیة استعارة بلا شك وهی مبنیة علی التشبیه لکن الحدیث افاد کونه لیس ظهارا حیث لم یبین فیه حکما سوی الکراهة والنهی فعلم انه لا بد فی کونه ظهارا من التصریح باداة التشبیه شرعا (رد المحتار ص ۱۲۶ ج ۲) ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بھی مقتضائے قیاس بطریق اولیٰ وقوع طلاق یا ظہار کا حکم ہونا چاہیے، مگر حدیث کی وجہ سے قیاس کے مطابق حکم نہیں لگایا جائیگا۔ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں قرائن سے یہ علم تھا کہ اس نے یہ الفاظ بنیت طلاق نہیں کہے اور اس وقت ان الفاظ سے طلاق کا عرف عام بھی نہیں تھا، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم نہیں فرمایا، طلاق کی نیت یا عرف کی صورت میں حدیث سے عدم وقوع ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا بمقتضائے قیاس تشبیہ بلیغ سے بطریق اولیٰ طلاق بائن واقع ہوگی، کما یدل علیه ما نقلنا من الشامیة عن قول ابن الهمام نفسه فما لم یتعین مراد مخصوص لا یحکم بشیء اھ، وقال الشیخ الانور

رحمه الله تعالى قال: الصحيح انه لا يبقى الظهار من التشبيه، واذا قال انت امي لا يكون ظهارا
بل لغوا، اقول لا بد من ان يكون طلاقا بائنا عند النية. وقد روي عن ابي يوسف رحمه
الله تعالى في العمدة والعرف الشذي ص [illegible] وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى تحت
باب اذا قال لامرأته وهو مكره هذه اختي فلا شيء عليه: قال ابن بطال اراد البخاري
رحمه الله تعالى بهذا التبويب رد قول من نهى ان يقول الرجل لامرأته يا اختي ومن
قال لامرأته كن لك وهو ينوي ما نوى ابراهيم عليه الصلوة والسلام فلا يضره شيء و
قال ابو يوسف رحمه الله تعالى ان لم يكن له نية فهو تحريم وقال محمد بن الحسن
هو ظهار اذا لم يكن له نية ذكره الخطابي (عمدة القاري ص ۲۰۵ ج ۲۰) وقال ايضا
في باب الظهار اعلم ان الالفاظ التي يصير بها المرء مظاهرا على نوعين، صريح نحو
انت علي كظهر امي او انت عندي كظهر امي وكناية نحو ان يقول انت علي كامي او
مثل امي او نحوهما يعتبر فيه نيته فان اراد ظهارا كان ظهارا وان لم ينو لا يصير
ظهارا وعند محمد بن الحسن رحمه الله تعالى هو ظهار وعند ابي يوسف رحمه
الله تعالى هو مثله ان كان في الغضب وعنه ان يكون ايلاء وان نوى طلاقا كان
طلاقا بائنا اه (عمدة القاري ص ۲۸۱ ج ۲۰) عمدة القاری کی عبارت اولیٰ میں اداۃ تشبیہ
محذوف ہے اور عبارت ثانیہ میں مذکور ہے، معلوم ہوا دونوں میں حکم واحد ہے۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر
رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دونوں صورتوں میں حرمت تحریر فرمائی ہے، ونصہ تحت قولہ تعالیٰ وان
الله لعفو غفور، اي عما كان منكم في حال الجاهلية وهكذا ايضا عما خرج من سبق
اللسان ولم يقصد اليه المتكلم كما رواه ابو داؤد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
سمع رجلا يقول لامرأته يا اختي فقال اختك هي؟ فهذا انكار ولكن لم يحرمها
بمجرد ذلك لانه لم يقصده ولو قصده لحرمت عليه لانه لا فرق على الصحيح بين
الام وبين غيرها من سائر المحارم من اخت وعمة وخالة وما اشبه ذلك (تفسير
ابن كثير ص ۳۲۱ ج ۴ سورة المجادلة) غرضیکہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بھی نیت
یا عرف طلاق سے طلاق بائن ہو جاتی ہے، آجکل کے عرف عام میں یہ الفاظ صرف طلاق ہی کے لئے
متعین ہیں، لہٰذا بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جائے گی، بلکہ زوج کوئی دوسری نیت
بتلائے تو بھی طلاق ہی کا حکم دیا جائے گا، اس کا قول خلاف ظاہر ہونے کی وجہ سے مقبول

نہیں کیا جائے گا۔

العبارات المزيدة:

① قال الحافظ رحمه الله تعالى تحت باب اذا قال لامرأته وهو مكره هذه اختي فلا شيء عليه: قال ابن بطال اراد بهذا رد من كره ان يقول لامرأته يا اختي وقد روى عبد الرزاق من طريق ابي تميمة الهجيمي مر النبي صلى الله عليه وسلم على رجل وهو يقول لامرأته يا اخية فزجره وقال ابن بطال ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهرا اذا قصد ذلك فارشده النبي صلى الله عليه وسلم الى اجتناب اللفظ المشكل (فتح الباري شرح صحيح البخاري ص ۳۸۸ ج ۹)

② وقال الشيخ محمد زكريا رحمه الله تعالى وقال الباجي ان قال انت علي كاختي فقد قال مالك هو مظاهر وقال ابو القاسم كانت له نية او لا وقال ابن القاسم وكذلك ان قال انت اختي خلافا لابي حنيفة والشافعي في قولهما ان لم ينو الظهار فهو محمول على البر والكرامة انتهى (اوجز المسالك ص ۱۰۰ ج ۱۰)

③ وقال العلامة ابو الوليد الباجي رحمه الله تعالى وان اخرجت للعمل مخرج الجملة فقال انت علي كاختي فقد قال مالك رحمه الله تعالى هو مظاهر وقال الشيخ ابو القاسم كانت له نية او لم تكن قال ابن القاسم وكذلك ان قال لها انت اختي قال القاضي ابو محمد خلافا لابي حنيفة والشافعي رحمهما الله تعالى في قولهما ان لم ينو الظهار فانه محمول على البر والكرامة وهذا يقتضي ان يكون مظاهرا ان لم يكن له نية جملة واما ان كانت له نية الاكرام والبر فيجب ان لا يكون مظاهرا (المنتقى ص ۲۳ ج ۴)

④ وقال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالى تحت باب في الرجل يقول لامرأته يا اختي: ويحتمل ان يكون التوجيه الكراهة من الباب فانه يحتمل انه اذا لم ينبه على ذلك يعتاد به ويمكن ان يتكلم بلفظ يؤدي الى الظهار فتحرم عليه وتجب الكفارة او الفراق اذا نوى الظهار وقال الحافظ قال ابن بطال ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهرا اذا قصد ذلك فارشده النبي صلى الله عليه وسلم الى اجتناب اللفظ المشكل قال وليس بين هذا الحديث وبين قصة ابراهيم معارضة لان ابراهيم عليه السلام انما اراد بها انها اخته في الدين فمن قال ذلك ونوى اخوة الدين لم يضره (بذل المجهود ص ۳۳ ج ۳) فقط والله تعالى اعلم

مزید بحث تتمہ میں ہے۔ ۲۱ محرم سنہ ۹۹ھ

تین نوٹ دے کر کہا تجھے طلاق:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین نوٹ لپیٹ کر ہاتھ میں دیئے اور کہا تجھے طلاق، اس صورت میں کتنی طلاقیں ہوئیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تین نوٹ دینا اس پر قرینہ ہے کہ شوہر نے لفظ طلاق سے تین طلاقوں کی نیت کی ہے جو صحیح ہے، اس لئے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، ولا یرد علیہ ما فی العلائیۃ فی بحث الاشارۃ بالاصابع ولو لم یقل ھکذا یقع واحدۃ لفقد التشبیہ، وفی الشامیۃ ای بالعدد وقال القہستانی لانہ کما لا یتحقق الطلاق بدون اللفظ لا یتحقق عددہ بدونہ (رد المحتار ص ۴۸۶ ج ۲) لان ھذا فی قولہ انت طالق وھو لا یحتمل العدد فاحتیج الی لفظہ بخلاف مسألتنا فانہا متعلقۃ بقولہ طلاق وھو یحتمل العدد فالاشارۃ تکون قرینۃ علی النیۃ لا سیما اذا صار ذلک عرفا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ھ

تو فارغ ہے:

سوال: کوئی شخص بیوی کو کہے "تو فارغ ہے" یہ کونسا کنایہ ہے اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ فارغ کا لفظ اپنے مفہوم و موارد میں خلیۃ و بریۃ و بائن کے مقارب ہے، کہا جاتا ہے یہ مکان بالکل فارغ ہے، یہاں خالی کے معنی میں استعمال ہوا اور کہا جاتا ہے کہ فلاں مولوی صاحب مدرسہ سے فارغ کر دیئے گئے ہیں، یا ملازمت سے فارغ ہیں، یہاں علیحدگی اور جدائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو بائن اور بریہ کا ترجمہ ہے، یا اس کے مقارب ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ فارغ کے لفظ سے خلیۃ و امثالہا کی طرح حالت غضب میں طلاق نہ ہو، لیکن اگر اس امر کو دیکھا جائے کہ ہمارے عرف میں فارغ کا لفظ سب کے لئے مستعمل نہیں صرف جواب کو محتمل ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حالت غضب میں طلاق ہو جائے گی ولو لم ینو، لیکن اگر یہ لفظ رد کا احتمال بھی رکھے تو پھر ہر حالت میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، یہ بندہ کے اوہام ہیں، حضرت والا اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بندہ کا خیال بھی یہی ہے کہ عرف میں یہ لفظ صرف جواب ہی کے لئے مستعمل ہے، اس لئے عند القرینہ بلا نیت بھی اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ھ

تحقیق لفظ "طلاق زن":

سوال: زوج اور زوجہ میں تیز کلامی ہوئی جس پر مرد نے عورت کو کہا "طلاق زن لس کر" یعنی طلاق عورت لس کر۔ سوال یہ ہے کہ مرد کے اس قول سے جو ذکر ہوا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو طلاق بائن یا النیۃ؟ بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جملہ "طلاق زن" عرف سندھ میں طلاق کے لئے متعین نہیں، اس کو گالی کے طور پر بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، اس موقع پر یہ بمعنی "قابل طلاق" یا "مطلقہ جیسی" ہوگا، لہٰذا اگر زوج نے گالی کے طور پر یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاق نہ ہوگی، اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ طلاق صریح بہر کیف واقع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ وقوع بالصریح کے لئے جزم بالایقاع ضروری ہے، جہاں جملہ دوسرے کسی مفہوم کا بھی محتمل ہو وہاں دوسرا مفہوم مراد لینے کی صورت میں صریح لفظ سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی کلفظ المضارع لا یقع بہا الطلاق اذا نوی الاستقبال، اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ زوج نے بیوی سے کہا کہ تو قابل طلاق ہے یا "مطلقہ جیسی ہے" دیکھئے یہاں طلاق کا صریح لفظ ہونے کے باوجود اس سے طلاق نہیں ہوگی کہ ایقاع نہیں پایا گیا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

"خلاص ہستی" طلاق صریح ہے:

سوال: زنے بر شوہر خود دعویٰ است کہ در حالت خشم گفتہ است مرا کہ از خانہ بیروں شو، از تو خلاص ہستی، و سہ بار ایں کلمہ را تکرار کردہ است، و زن بریں دعویٰ خود گواہ ندارد۔

① بریں حالت طلاق واقع شود یا نہ؟
② اگر واقع شود کدام قسم؟
③ زوج چونکہ منکر است تصدیق کردہ شود یا نہ؟
④ اگر تصدیق کردہ شود بہ قسم یا بلا قسم؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

"خلاص ہستی" ترجمہ "سرحتک" است، ازیں وجہ ایں طلاق صریح است و بتکرار سہ بار مغلظہ شد، تصدیق زوج بقسم خواہد شد، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ جمادی الآخرۃ ۹۹ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: حضرت والا نے طلاق متعلقہ کا فتوی تحریر فرمایا ہے، مگر نیو ٹاؤن کے فتوی میں صرف ایک طلاق بائن تحریر ہے، یہ فتوی ارسال خدمت ہے، ملاحظہ فرما کر جواب سے تشفی فرمائیں۔

جواب نیوٹاؤن:

الجواب باسمہ تعالیٰ

"از خانہ بیروں شو" یا اردو میں "گھر سے نکل جا" یا صرف یہ کہنا کہ "نکل جا" کنایات کی اس قسم میں سے ہے جس میں ہر حالت میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے، کما فی الدر المختار ورد المحتار، بصورت مسئولہ شوہر کا اس کے بعد تین بار کہنا کہ "از من طلاق هستی" قائم مقام نیت ہے، اس لئے بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہو گئی، اور جب عورت پہلے کلمے سے بائنہ ہو گئی تو طلاق کی محل نہیں رہی، لہذا باقی الفاظ لغو ہو گئے، شوہر سے عدت کے اندر یا عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ولی حسن عفی عنہ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

الجواب باسم ملہم الصواب

اس فتوی میں دو تسامح واقع ہوئے ہیں، ایک قرینہ مستاخرہ کو نیت طلاق کے قائم مقام قرار دینا اور دوسرا عورت کے بائنہ ہو جانے کے بعد اس کا محل طلاق نہ رہنا۔ اس فتوی کی تحریر کے مطابق بھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس میں "طلاق هستی" کو "بیروں شو" میں نیت طلاق کا قرینہ قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وہ "طلاق هستی" کو طلاق صریح سمجھ رہے ہیں، اگر یہ بھی بائن ہے تو یہ خود قرینہ کی محتاج ہے، تو دوسرے کے لئے قرینہ کیسے ہوئی؟

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ "سرحتک" صریح طلاق ہے، اور "طلاق هستی" "سرحتک" ہی کا ترجمہ ہے، نیز عام عرف میں یہ کلمہ صرف طلاق ہی کے لئے مستعمل ہے، اس لئے بلاشبہ یہ طلاق صریح ہے۔

قاعدہ "البائن لا یلحق البائن" میں طلاق لاحق سے بائن بالکنایہ اور طلاق سابق سے مطلق بائن مراد ہے، سواء کان صریحا او بالکنایۃ، صورت زیر بحث میں طلاق لاحق بائن بالکنایہ نہیں ہے، بلکہ صریح ہے، لہذا سابق سے لاحق ہو کر دو طلاقیں ہو گئیں، پھر دوسری بار تکرار میں "بیروں شو" لاحق نہ ہو گی، لانہ بائن بالکنایۃ، اور "طلاق هستی" لاحق ہو گی، لانہ صریح، پس یہ الفاظ دوبار

کہنے سے مطلقاً طلاق واقع ہوگئی۔

یہ تقریر فتویٰ مولانا کے پیش نظر ہے، جس میں قرینہ متأخرہ کو بھی معتبر قرار دیا گیا ہے، مگر تحقیق یہ ہے کہ کنایہ سے وقوع طلاق کے لئے تقدیم قرینہ شرط ہے، قرینہ متأخرہ معتبر نہیں، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ قرینہ حالیہ کو حالت غضب میں اور قرینہ مقالیہ کو تقدم ذکر طلاق میں منحصر فرماتے ہیں، کما قال فی شرح التنویر (الا بنیة او دلالة الحال وهی حالة مذاکرة الطلاق او الغضب) وفی الشامیة (قوله وهی حالة مذاکرة الطلاق) اشار به الی ما فی النهر من ان دلالة الحال تعم دلالة المقال وقال وعلی هذا فتفسر المذاکرة بسؤال الطلاق او تقدیم الایقاع کما فی اعتدی ثلاثا وقال قبله المذاکرة ان تسأله هی او اجنبی الطلاق. (رد المحتار ص ۵۰۲ ج ۲) تاخیر ذکر طلاق دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، مزید برآں عبارات ذیل میں اس کی تصریح ہے کہ مذاکرہ طلاق تاخیر ایقاع کو شامل نہیں، فی العلائیة قال اعتدی ثلاثا ونوی بالاول طلاقا وبالباقی حیضا صدق قضاء لنیته حقیقة کلامه وان لم ینو بالباقی شیئا فثلاث لدلالة الحال بنیة الاول حتی لو نوی بالثانی فقط فثنتان او بالثالث فواحدة وان لم ینو بالکل لم یقع. وفی الشامیة (قوله قال اعتدی ثلاثا) ای قاله ثلاث مرات (قوله بنیة الاول) ای دلالة الحال بسبب نیته الایقاع بالاول قال فی فتح القدیر فقد ظهر مما ذکرنا ان حالة مذاکرة الطلاق لا تقتصر علی السؤال وهو خلاف ما تقدم من انها حال سؤالها او سؤال اجنبی طلاقها بل هی اعم منه ومن مجرد ابتداء الایقاع (قوله نوی بالثانی فقط) ای نوی به الطلاق ولم ینو بغیره شیئا فثنتان ای یقع به واحدة وکذا بالثالث اخری وان لم ینو به لدلالة الحال بایقاع الثانی ولا یقع بالاول شیء لانه لم ینو به ودلالة الحال وجدت بعده (رد المحتار ص ۵۰۷ ج ۲) وفیه ایضا قبیل باب التفویض تحت (قوله تقع واحدة بلانیة) مع انه مذکور بعده والقرینة لابد ان تتقدم (رد المحتار ص ۵۱۵ ج ۲)۔

اس تفصیل کے تحت صورت مسئولہ کی تقریر یوں ہوگی، پہلی بار "از خانہ بیرون شو" لغو ہے لعدم تقدم القرینة، اس کے بعد "طلاق مستی" سے ایک طلاق رجعی ہوگئی، پھر دوسری بار پہلے جملہ سے دوسری طلاق بائن ہوئی لتقدم القرینة اور دوسرے جملہ سے تیسری طلاق ہوگئی لان الصریح یلحق البائن۔ اور اگر پہلا جملہ صرف ایک بار کہا ہے، تین بار مکرر صرف دوسرے جملہ کہا ہے تو

طلاقیں اسی جملہ کے تین بار تکرار سے ہو گئیں اور پہلا جملہ لغو ہوا، بہرکیف صورت سوال میں طلاق مغلظہ ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ر جمادی الآخرۃ سنہ ۹۹ھ

جواب دیدیا طلاق صریح ہے:

سوال: میرا احمد کے سسر نے پنچایت میں کہا کہ میرا فیصلہ کرو، لڑکی کو جواب دلوا دو، وہاں پر پنچایت میں یہ بات چلی کہ لڑکے نے جواب دیا ہوا ہے فلاں شخص کے سامنے، لڑکے کے وارث نے دو دو روز کا وقت لے کر اس شخص سے معلوم کیا، اس نے یہ کہا کہ میں بھی موجود تھا اور تین آدمی اور بھی تھے، سب کے سامنے لڑکے نے کہا کہ "میں نے جواب دیدیا ہے" لڑکے کے وارث نے لڑکے سے پوچھا تو لڑکے نے یہ کہا کہ "میں نے جواب نہیں دیا ہے"۔ لیکن لڑکا قابل اعتبار نہیں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرے سامنے جواب دیا ہے وہ شخص قابل اعتبار ہے، اور وہ یہ کہتا ہے کہ اس وقت دو تین آدمی اور بھی موجود تھے، ہمارے سامنے اس نے یہ کہا ہے کہ میں نے اپنی عورت کو جواب دیدیا ہے، اس کا شرعی فیصلہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

"جواب دیدیا" عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے، اس لئے اگر دو معتبر گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ لڑکے نے جواب دینے کا اقرار کیا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ر محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

رشتہ ختم ہو چکا:

سوال: ایک شخص نے اپنے سسرال والوں کے نام خط لکھا ہے جس میں اور فضولیات کے علاوہ مندرجہ ذیل عبارت بھی لکھی ہے:

(۱) طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط لیکر مجھے روانہ کر دو، اس کے بعد میں آپ کو روانہ کر دوں گا۔
(۲) میں اس لڑکی کو کسی حالت پر رکھنے کو تیار نہیں ہوں، کسی بھی قیمت پر نہیں رکھ سکتا۔
(۳) لڑکی کو گھر روانہ نہیں کرتا، مجھے طلاق چاہئے اور کچھ نہیں چاہئے۔
(۴) آپ کا اور میرا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔
(۵) مجھے زبیدہ نہیں چاہئے۔

اس قسم کا خط شوہر نے سسر کے نام لکھا تھا، اب فرمائیے کہ ان عبارات سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ یا کوئی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس تحریر میں دو جملے موجب طلاق ہیں، ایک "طلاق" دوسرا "آپ کا اور میرا رشتہ ختم ہوچکا ہے"، پہلا جملہ طلاق صریح ہے، اور دوسرا جملہ کنایہ ہے، اس لئے تقدم مذکورہ طلاق کی وجہ سے طلاق بائن ہوگئی، اس لئے مجموعہ دو بائن طلاقیں ہوگئیں، رجوع کی کوئی صورت نہیں، البتہ دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ر محرم ۱۴۱۴ھ

ابطال فیصلۂ عدالت:

سوال: محترم جناب حضرت مفتی صاحب! مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ مجھے مندرجہ ذیل حالات پہ آپ سے اسلام کی روشنی میں فتویٰ درکار ہے، حالات کے ساتھ مقدمہ کی درخواست کا اردو ترجمہ، مقدمہ کے فیصلہ کا اردو ترجمہ اور خلع کی ڈگری کا اردو ترجمہ اور جیکب لائن کے مفتی صاحب کے دو عدد فتویٰ کی نقول کی فوٹو کاپی بھی منسلک ہے۔

میری شادی ۱۹۸۰ء میں ظفر احمد کے ساتھ ہوئی جس کے بعد کچھ ناگزیر وجوہ کی بنا پر میں جنوری ۱۹۸۱ء میں اپنے والدین کے گھر آگئی، ۱۴ر مارچ ۱۹۸۱ء کو میرے شوہر نے مجھے تحریراً طلاق بھیجی اس کے بعد ۱۴ر اپریل ۱۹۸۱ء کو انہوں نے دوسری تحریری طلاق بھیجی، اس وقت میں حاملہ تھی، اس کے بعد میرے شوہر نے کراچی آکر ۲۰ر مئی ۱۹۸۱ء کو دونوں طلاقیں واپس لے لیں جس کی اطلاع علاقہ یونین کمیٹی کو دیدی تھی، میرے شوہر نے دونوں طلاقیں حمل کے دوران دی تھیں، اور حمل کے دوران ہی واپس لے لیں اور بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی رجعت کرلی تھی، اس وقت بھی میں میکہ میں تھی اور آج تک بھی اپنے والدین کے گھر ہوں، اس کے بعد وہ ستمبر میں لاہور واپس چلے گئے، اور میرے اوپر مقدمہ کردیا، وہ لاہور تھے اور میں کراچی میں ان کے مقدمہ کرنے کے بعد میں نے اپنے بچاؤ کے لئے خلع کی درخواست دیدی، پہلی پیشی پر وہ حاضر ہوئے، دوسری پیشی پر وہ کورٹ نہیں آئے اور کورٹ نے یک طرفہ فیصلہ دیدیا، یہ فیصلہ ۲ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو ہوا، اس کے بعد ۹۰ دن کی میعاد کے بعد چیئرمین کمیٹی کی طرف سے ڈگری بھی دیدی گئی، اس بات کو آج تقریباً بارہ سال سے زیادہ گذر گئے ہیں۔

میرے شوہر کہتے ہیں کہ تم اب بھی شرعاً میری بیوی ہو، میرے پاس قانونی خلع کی ڈگری ہے، مفتی صاحب جیکب لائن کے فتویٰ اور قانونی خلع کی ڈگری کی روشنی میں آپ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں شرعی حکم بتائیں، کیا واقعی اب بھی شرعاً میں اس کی بیوی ہوں

وہ کہتے ہیں کہ تم شرعاً میری بیوی ہو، اس لئے کہ میں نے تم کو اپنے منہ سے یا تحریر سے تیسری طلاق نہیں دی ہے اور تمہارا دوسرا نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں سخت تذبذب میں ہوں کہ کیا کروں؟ ایک طرف قانون کی خلع کی ڈگری دوسری طرف مفتی صاحب کا فتویٰ، فتویٰ ڈگری سے پہلے اور بعد دونوں کا ہے، کیا اب بھی میں اُن کے نکاح میں ہوں یا نہیں؟ خدا کے لئے مسئلہ کا حل ضرور تحریر کیجئے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

میں نے عدالت کے مقدمہ کی مفصل کارروائی اور عدالت کے فیصلہ کی نقل ملاحظہ کی، عدالت کا یہ فیصلہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر خلاف شرع ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

(۱) شرعاً مدعیہ پر لازم ہے کہ وہ عدالت میں مدعیٰ علیہ کے ساتھ اپنے نکاح پر شرعی شہادت پیش کرے، اور اس پر قسم بھی اُٹھائے، عدالت کے فیصلہ میں یہ شرط مفقود ہے۔

(۲) مدعیٰ علیہ پر جن الزامات کی بناء پر عدالت نے فسخ نکاح کا فیصلہ دیا ہے ان میں سے عدم نفقہ کے سوا کوئی الزام بھی ایسا نہیں جس کی وجہ سے شرعاً فسخ نکاح کا اختیار ہو۔

(۳) نفقہ نہ ملنے کی بناء پر فسخ نکاح کا شرعاً اختیار ہے، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ مدعیہ اس پر شرعی شہادت پیش کرے اور قسم بھی اٹھائے، نیز شہادت شرعیہ اور قسم کے ساتھ یہ بھی ثابت کرے کہ اس نے نفقہ معاف نہیں کیا، عدالت کے فیصلہ میں نفقہ سے متعلق نہ کوئی شہادت ہے اور نہ مدعیہ سے قسم لی گئی ہے۔

(۴) نفقہ نہ ملنے کی صورت میں شرعاً جج پر لازم ہے کہ وہ مدعیٰ علیہ کو بذریعہ نوٹس تنبیہ کرے کہ اگر اس نے عدالت میں حاضر ہو کر آئندہ کے لئے نفقہ دینے کا وعدہ نہ کیا تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا، مذکور فیصلہ میں مدعیٰ علیہ کو اس قسم کا کوئی نوٹس نہیں دیا گیا۔

لہٰذا مدعیہ کا مدعیٰ علیہ کے ساتھ نکاح بدستور قائم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الاول سنہ [illegible]ھ

طلاق کے مروّج دستور پر تعزیر واجب ہے:

سوال: آجکل معاشرہ میں ابغض الحلال الی اللہ کی بہتات ہے، اس کے باعث اعتداء حدود اللہ، نشوز زن اور کثرت بغاوت ہے، بہرحال مرد کی جانب سے جواز طلاق تو محل کلام نہیں، تحقیق طلب امر یہ ہے کہ بغیر عذر شرعی مرد کا طلاق دینا جیسا بعض ظالم بھی خود دہ طلاق دینے پر جری بھی ہو

ایسی صورت میں طلاق شرعاً تعزیری جرم ہے یا نہیں؟ تعزیر سے مراد یہ ہے کہ اہل قبیلہ و برادری ایسے شخص سے نفرت بالقلب کے علاوہ معاشرتی مقاطعہ بھی کریں، تاکہ احکام الٰہیہ سے مذاق کا سلسلہ ختم ہو، تو آیا یہ مقاطعہ یعنی معاشرتی ترکِ تعلق جائز ہوگا کہ نہیں؟ جواب سے تشفی فرمائیں، جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسناً،

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل کے دستورِ طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے، طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاح ذات البین کی کوشش کی جائے، مایوسی کی صورت میں اہل صلاح سے استشارہ و استخارہ کیا جائے، اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل وطء صرف ایک طلاق رجعی دی جائے، اس کے برعکس آجکل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہو گیا ہے:

① بدون غور و فکر جلد بازی،
② اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی،
③ خاندان کے با اثر و با صلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا،
④ استخارہ نہیں کیا جاتا،
⑤ حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا،
⑥ بیک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہیں،
⑦ تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالۂ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے، اور بعض تو لعنتِ حلالہ کی بجائے عمر بھر لعنتِ زنا میں مبتلا رہتے ہیں،

ان وجوہ کی بناء پر طلاق کا مروّج دستور بلاشبہہ واجب التعزیر جرم ہے، حکومت پر فرض ہے کہ ایسے مجرم کو عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ جمادی الآخرہ سنہ [illegible]

شرط یا استثناء میں اختلاف:

سوال: مندرجہ ذیل امور میں سے کسی میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو فیصلہ کی کیا صورت ہے؟

① تعلیق طلاق میں اختلاف، زوجہ مطلق طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور زوج مدعی تعلیق ہے،

(۲) وجود شرط میں اختلاف، زوجہ وجود شرط کی مدعیہ ہے اور زوج منکر ہے۔

(۳) استثناء میں اختلاف، زوج مدعی ہے کہ اس نے طلاق کے ساتھ "ان شاء اللہ" کہا ہے، عورت انکار کرتی ہے۔

ان صورتوں میں بینہ کس پر ہے اور یمین کس پر؟ بندہ کو شامیہ سے یہ مقام سمجھ میں نہیں آیا، وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا بالبیان الشافی توجروا اجرا وافیا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تعلیق اور وجود شرط میں بینہ زوجہ پر ہے ورنہ قول زوج مع الیمین قبول ہوگا، اور استثناء میں یہ تفصیل ہے کہ زوجہ پر بینہ ہے اگر وہ بینہ پیش کرے تو اگر زوج صلاح وتقوی میں معروف ہے تو اس کا قول مع الیمین معتبر ہے، ورنہ قول زوج بدون بینہ قبول نہ کیا جائے گا، قال فی التنویر فان اختلفا فی وجود الشرط فالقول له مع الیمین الا اذا برهنت، وفی الشامیة (قوله فی وجود الشرط) ای اصلا او تحققا کما فی شرح المجمع ای اختلفا فی وجود اصل التعلیق بالشرط او فی تحقق الشرط بعد التعلیق وفی البزازیة ادعی الاستثناء او الشرط فالقول له ثم قال وذکر النسفی ادعی الزوج الاستثناء وانکرت فالقول لها و لا یصدق بلا بینة لانه ادعی تعلیق الطلاق بالشرط وادعت الارسال فالقول له لم وسیذکر المصنف الاختلاف فی دعوی الاستثناء وظاهر ما ذکر عن النسفی ان الاختلاف غیر جار فی دعوی الشرط تأمل وفی البحر عن القنیة ادعت انه طلقها من غیر شرط والزوج یقول طلقتها بالشرط ولم یوجد فالبینة فیه للمرأة اهـ (رد المحتار ص ۲۰۴ ج ۲)

وفی بحث الاستثناء من العلائیة ویقبل قوله ان ادعاه وانکرته فی ظاهر المروی عن صاحب المذهب وقیل لا یقبل الا ببینة وعلیه الاعتماد والفتوی احتیاطا لغلبة الفساد خانیة وقیل ان عرف بالصلاح فالقول له، وفی الشامیة (قوله ویقبل قوله الخ) قال الخیر الرملی فی حواشی المنح لم یذکروا هل بیمینه وکذلک صاحب البحر والنهر والکمال ولم ار لاحد ویجب حمل ما هو المعتمد ان یکون بیمینه اذا انکرته الزوجة واما اذا لم تنکره فلا یمین علیه اللهم الا اذا اتهمه القاضی اهـ (قوله ان ادعاه وانکرته) ای ادعی الاستثناء ومثله الشرط کما فی الفتح وغیره۔ (قوله وقیل لا یقبل الخ) قال الخیر الرملی اقول حیث وقع خلاف وترجیح لکل من

القولین فالواجب الرجوع الی ظاهر الروایة لان ما عداها لیس مذهبا لاصحابنا و
ایضا کما غلب الفساد فی الرجال غلب فی النساء فقد تکون کارهة له فتطلب الخلاص منه
فتفتری علیه فیفتی المفتی بظاهر الروایة الذی هو المذهب ویفوض باطن الامر الی الله
تعالی فتأمل وانصف من نفسك اه، قلت الفساد وان کان فی الفریقین لکن اکثر العوام
لا یعرفون ان الاستثناء مبطل للیمین وانما یعلمه ذلك حیلة بعض من لا یخاف
الله تعالی وایضا ان دعوی الزوج خلاف الظاهر فانه بدعوی الاستثناء یدعی
ابطال الموجب بعد الاعتراف به بخلاف ما مر من ان القول له فی وجود الشرط
کدخولها الدار مثلا فانه بعد قوله ان دخلت الدار فانت طالق لم یتحقق الموجب
للطلاق الا بعد وجود الدخول وهو منکر والظاهر یشهد له اما هنا فالظاهر خلافه
(قوله واذا عم الفساد ینبغی الرجوع الی الظاهر) قال فی الفتح نقل نجم الدین النسفی عن
شیخ الاسلام ابی الحسن ان مشایخنا اجابوا فی دعوی الاستثناء فی الطلاق ان
لا یصدق الزوج الا ببینة لانه خلاف الظاهر وقد فسد حال الناس اه
(قوله وقیل ان عرف بالصلاح الخ) قاله صاحب الفتح (الی قوله) قلت ولا یخفی ان
هذا تحقیق للقول الثانی المفتی به لان المشایخ عللوه بفساد الزمان ای بکون
الزوج متهما واذا کان صالحا انتفت التهمة فیقبل قوله فلا یکون هذا قولا ثالثا
(رد المحتار ص ۵۵۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ

لفظ "تاک" سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: میری پہلی بیوی اور بچوں نے مجھے دوسری بیوی کو طلاق دینے پر سخت مجبور کیا، میں نے پریشان اور سخت مجبور ہو کر دفع الوقتی کے لئے دوسری بیوی کے مشورہ سے یہ صورت نکالی کہ پہلی بیوی کے سامنے دوسری بیوی کو ایک بار لفظ طلاق کہہ کر اس کے بعد دو بار "تاک" کہہ دوں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایک طلاق واقع ہوئی، اس کے بعد لفظ "تاک" جو دوبارہ استعمال کیا اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، اس سے آپ عدت کے اندر رجوع کر سکتے ہیں، قال فی الهندیة فی الفصل الاول من

الباب الثاني فالقول من البحر وان حنث الامام فقال انت طالق ان لا يقع واب
ذی (عالمگیریۃ ص ۳۵۵ ج ۱) ولو كتب لا ... كتاب الطلاق من البحر قوله ... الى ...
الصريح كانت طالق ومطلقة وطلقتك (البحر الرائق ص ۲۵۵ ج ۳) فقط واللہ تعالی اعلم

۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۲ھ

طلاق مغلظہ میں غیر مقلد سے فتوی لینا جائز نہیں :

سوال : آجکل یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ لوگ غصہ میں آکر تین طلاقیں بیک وقت دیدیتے ہیں اس کے بعد پریشان ہوکر اہل فتوی کی طرف بھاگتے ہیں، جب کہیں سے بھی کوئی حل نہیں ملتا تو کسی غیر مقلد سے صحت کا فتوی لے کر بیوی کو اپنے گھر میں بسا لیتے ہیں، کیا اُن کا یہ فعل شرعاً جائز ہے ؟ اور کیا اس طرح سے بیوی حلال ہوجائے گی ؟ اگر کسی نے یہ حرکت کی تو کیا اس کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا دین اسلام کا مذاق اڑانا ہے، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے، دنیا کی چند روزہ راحت و عیش کی خاطر ہلاک کرنا اور ضائع کرنا اور جہنم کا سامان کرنا بہت بڑی حماقت و نا عاقبت اندیشی ہے، اس لئے اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نفسانی خواہش کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو لینا حرام ہے، خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ نے اس کی حرمت پر اجماع امت تحریر کیا ہے، حیث قال فيمن نكح عند شهود فسقة ثم طلق امرأته ثلاثا فاراد التخلص من الحرمة بان النكاح كان فاسدا لانه حصل على مذهب الشافعي رحمه الله تعالى فلم يقع الطلاق فيه وهذا القول يخالف اجماع المسلمين فانهم متفقون على ان من اعتقد حل الشيء كان عليه ان يعتقد ذلك سواء وافق غرضه او خالفه ومن اعتقد تحريمه كان عليه ان يعتقد ذلك في الحالين وهؤلاء المطلقون لا يقولون بفساد النكاح بفسق الولي الا عند الطلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث يكونون في وقت يقلدون من يفسده وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوى ومثل هذا لا يجوز باتفاق الامة ثم قال بعد ثلاثة اسطر ونظير هذا ان يعتقد الرجل ثبوت شفعة

الجواز اذا کان طالبا لها وعدم جوازها اذا کان مشتریا فان هذا لا یجوز بالاجماع وکذا من بنی علی صحة ولایة الفاسق فی حال نکاحه وبنی علی فساد ولایته حال طلاقه لم یجز ذلک باجماع المسلمین ولو قال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف ذلک وانا الیوم التزم ذلک لم یکن من ذلک له لان ذلک یفتح علیه التلاعب بالدین وفتح الذریعة الی ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاهواء،

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۴۰ ج ۲)

حاصل یہ کہ تین طلاقوں کے بعد کسی غیر مقلد سے فتویٰ لینا باجماعِ امت حرام ہے اور خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ اس کی حرمت پر اجماعِ امت کے قائل ہیں، غیر مقلد سے فتویٰ لینے سے بیوی حلال نہیں ہوئی، یہ مرد اور عورت دونوں عمر بھر بدکاری کے گناہ میں مبتلا رہیں گے، عذابِ آخرت کے علاوہ دنیوی وبال الگ،

اہل اسلام پر فرض ہے کہ ان میں تفریق کرائیں، اور جب تک وہ اس حرام کاری سے باز نہیں آتے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں، ورنہ دنیوی وبال و اخروی عذاب میں ان کے ساتھ وہ سب لوگ بھی شریک ہوں گے جو ان سے قطع تعلق نہیں کرتے، اور ان کو حرامکاری سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ

تعلیق بنکاحِ فاسد صحیح ہے:

سوال: ایک لڑکی جنت جو کہ تقریباً چھ سال کی تھی اس کے باپ نے زید نامی لڑکے سے نکاح کرا دیا تھا، منکوحہ جنت بالغ ہوئی تو اس کے بھائیوں نے باپ کی وفات کے بعد اس کا نکاح دوسرے شخص بکر کے ساتھ کر دیا، زید سے طلاق لئے بغیر، اس کے بعد جب قوم اور برادری نے زور پکڑا اور علماء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا تو اس وقت جنت کے بھائیوں نے نجات پانے کے لئے اس جنت کی مطلقہ بہن اس کے عوض میں اس شرط پر دی کہ زید اپنی منکوحہ زوجہ جنت کو طلاق دے، جب برادری اکٹھی ہوئی تو نکاح خواں مولوی صاحب بھی آئے، زید بولا اگر میں اپنی منکوحۂ اولیٰ کو پہلے طلاق دوں گا تو یہ پھر دھوکہ کریں گے، لہٰذا پہلے میرا نکاح جنت کی بہن کے ساتھ پڑھایا جائے اس کے بعد طلاق دوں گا، آخر کار طلاق معلق بالشرط بنا کر نکاح پڑھا دیا، یعنی زید نے یہ شرط لگائی کہ

جس وقت میرا نکاح جنت کی بہن سے پڑھا جائے گا اسی وقت اسی ساعت میری پہلی منکوحہ جنت کو طلاق واقع ہوگی، گویا یوں کہا کہ جب میں قبول کروں گا تو جنت کو تین طلاقیں ہوں گی، اس صورت میں واضح فرمائیں کہ یہ نکاح اور طلاق دونوں صحیح ہیں یا غلط؟ اور جمع بین الاختین جو کہ حرام ہے وہ ہوا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

منکوحہ کی بہن سے جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے، اور منکوحہ جنت پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں اس کی بہن سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، اگر وہ دوبارہ نکاح پر راضی نہ ہو تو شوہر اسے چھوڑ دے، اگر نہیں چھوڑتا تو عورت زبان سے کہدے کہ میں نے اس نکاح کو فسخ کر دیا، اس کے بعد وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ وفی الظہیریة رجل قال لامرأة لا یحل نکاحها ان تزوجتك فعبدی حر فتزوجها حنث لان یمینه تنصرف الی ما تتصور (البحر الرائق ص ۳۲۸ ج ۳) وفی آخر باب التعلیق الشامیة عن تلخیص الجامع وشرحه الفارسی وحلف لا یبیع فباع فاسدا حنث لوجود رکن البیع وان کان المطلوب منه وهو انتقال الملك غیر ثابت (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ۲/ شعبان سنہ ۱۴۰۲ھ

تعلیق بعدم اداء قرض کے بعد قرضخواہ مرگیا:

سوال: زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے کل تک تمہارا قرض ادا نہ کیا تو میری منکوحہ مغلظہ ہو جائے گی۔

امر مطلوب یہ ہے کہ اگر خالد کل صبح فوت ہوگیا یا لاپتہ ہوگیا یا کہیں چلا گیا یا کسی ظالم نے اسے گم کر دیا یا حکومت نے کسی جرم کے تحت اسے قید کر لیا کہ وہاں تک زید عادۃً نہیں پہنچ سکتا، پس ان سب صورتوں میں کہ زید نے خالد کو میعاد مقررہ پر قرض ادا نہیں کیا زید کی منکوحہ مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی یا نہیں ہوگی؟

اس مسئلہ سے متعلق مختلف جزئیات ارسال خدمت ہیں، ان میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہوگی؟

(۱) فی الهندیة رجل قال لغیره ان لم اتك غدا ان استطعت فامرأته طالق

ولم یمرض ولم یمنعہ سلطان ولا غیرہ ولم یجئ امر لا یقدر معہ علی اتیانہ فلم یأت حنث فی یمینہ وھذا اذا لم تکن لہ نیۃ الخ (ص ۳۰۳ ج ۲)

(۲) وفیہا لو قال ان لم اخرج من ھذہ الدار الیوم فامرأتہ طالق فقید الحالف ومنع من الخروج ایاما یحنث الحالف وھو الصحیح (ص ۳۳۰ ج ۱)

(۳) وفیہا لو حلف ان لا یسکن ھذہ الدار فقید ومنع من الخروج لا یحنث، کذا فی خزانۃ المفتین (ص ۳۳۰ ج ۱)

(۴) وفی البدائع ولو قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا لو واللہ لاقضین فلانۃ فماتت فلانۃ قبل ان یمضی بہا فقد حنث فی یمینہ وھو مخیر ان شاء الزم نفسہ الطلاق وان شاء الکفارۃ لان شرط البرفات بموتہا فحنث فی احدی الیمینین (ص ۳۰ ج ۳) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بصورت موت خالد کے ورثاء اس کے قائم مقام ہیں لہٰذا زید نے ان کو اس روز قرض ادا کر دیا تو حانث نہ ہوگا، بقیہ سب صورتوں میں اور بصورت موت ورثہ کے عدم علم کی حالت میں زید نے خالد کا قرض اس روز قاضی کے سپرد کر دیا تو حانث نہ ہوگا، اگر قاضی کے سپرد نہ کیا یا وہاں قاضی نہیں تھا تو حانث ہو جائے گا، قال فی العلائیۃ یبر المدیون فی حلفہ لرب الدین لاقضین مالک الیوم فجعلوا بہ فلم یجدہ ودفع للقاضی ولو فی موضع لا قاضی لہ حنث بہ یفتی منیۃ المفتی (رد المحتار ص ۱۳۸ ج ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ رب الدین کے قائم مقام کو ادا کر دینے سے حانث نہیں ہوتا، اور بصورت موت رب الدین کے ورثاء اس کے قائم مقام ہیں، لہٰذا ان کو دینے سے حانث نہ ہوگا،

سوال کے ساتھ مندرجہ جزئیات کی توضیح درج ذیل ہے،

جزئیۂ اولیٰ میں ان استطعت کی قید ہے اس لئے بصورت عدم استطاعت حانث نہیں ہوتا،

جزئیۂ ثانیہ میں شرط بر یعنی خروج نہیں پایا گیا، اس لئے حانث ہو گیا،

جزئیۂ ثالثہ میں شرط بر عدم سکونت ہے، اور عرفا صرف اختیاری رہائش کو سکونت کہا جاتا ہے جو یہاں مفقود ہے، اور شرط بر یعنی عدم سکونت اختیاری متحقق ہے اسلئے حانث نہیں ہوا،

جزئیہ رابعہ میں بر کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی، اس لئے حانث ہوگیا، بخلاف مسئلہ زیر نظر کے کہ اس میں بطریق الاداء الی الورثہ تمادا فالقاصفوں بر ممکن ہے، لہذا بصورت اداء حانث نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ ر شوال سنہ ۱۴۰۲ھ

جاؤ، چلی جاؤ، آزاد کر دیا:

سوال: زید کا اپنی بیوی سے کئی مرتبہ گھریلو تنازع ہوا، اور بیوی نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تو زید نے غصہ میں آکر کہا کہ جاؤ اپنے ابا کے گھر چلی جاؤ میں نے آزاد کر دیا، اور پھر اس کے بعد آج سے تین روز قبل دوران تنازع زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، اگر لگایا تو خود کو حرام ہوا پاؤں گا، بیوی کہتی ہے کہ ان الفاظ سے ہمارا زن و شوہر والا تعلق نہیں رہا، اب آپ فرمائیں کہ شریعت کی روشنی میں کیا واقعی ان الفاظ سے طلاق ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس تحریر میں طلاق کے تین جملے ہیں، (۱) جاؤ (۲) اپنے ابا کے گھر چلی جاؤ (۳) میں نے آزاد کر دیا۔

پہلا جملہ بنیت طلاق کہا ہو تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ورنہ نہیں۔

دوسرے جملہ میں طلاق کی نیت نہ ہو تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔

دوسرے جملہ میں طلاق کی نیت تھی، پہلے میں نہیں تھی تو دوسرے جملہ سے ایک طلاق بائن ہوگئی۔

دونوں جملوں میں طلاق کی نیت تھی تو پہلے جملہ سے ایک طلاق بائن ہوگئی، دوسرے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ لان البائن لا یلحق البائن۔

تیسرا جملہ طلاق صریح بائن ہے، لہذا اس سے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو بہرحال ایک طلاق بائن ہوگئی۔

خلاصہ: پہلے دونوں جملوں میں طلاق کی نیت نہ ہو تو صرف تیسرے جملہ سے ایک طلاق بائن ہوئی،

پہلے دونوں جملوں میں یا دونوں میں سے ایک میں طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن یہ ہوئی اور دوسری بائن تیسرے جملہ سے، مجموعہ دو بائن طلاقیں ہوگئیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب
ایقاع الطلقات
بالقاء الحجر
بعض علاقوں میں طلاق دینے کا یہ دستور ہے
کہ بیوی کی طرف تین کنکریاں پھینک کر کہتے ہیں:
"یہ طلاقیں ہیں" اس رسالہ میں ثابت کیا
گیا ہے کہ اس سے تین طلاقیں ہو جاتی ہیں'
اس سلسلہ میں مختلف تحریرات کی تنقیحات،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایقاع الطلقات بالقاء الجمرات

تین کنکریاں پھینک کر کہا یہ طلاقیں ہیں:

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک کا نام رحیمہ ہے، یہ شخص بحالت غضب و تشاجر میں تین عدد جمرات (کنکریاں) پھینک کر کہے کہ یہ رحیمہ کی طلاقیں ہیں اور یہ میری ماں بہن ہے۔ آیا اس شخص کی بیوی رحیمہ تین طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی؟ الجواب: مفہوم مخالف عبارت در مختار کے کہ لکھا ہے رجل ظہر لامرأتہ من تشاجر مع زوجتہ فاعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیہ الخ (رد المحتار ص ۵۸۴ ج ۲) اور بوجہ تصریح فتاوی بزازیہ کے جو لکھا ہے: نوی الطلاق نص بها او قال اینک طلاق لا او لو قال اینک ثلاث یقع، واقول امام احمد القلانسی کے جو بزازیہ میں ایک سطر کے بعد مذکور ہے وسئل احمد القلانسی عمن رکز امرأته فقال اینک یک طلاق ثم رکزها ثانیا وقال اینک دو طلاق ورکزها فی الرکزة الثالثة وقال تطلق ثلاثا قال شیخ الاسلام لا یقع لانه سمی الضرب طلاقا فیبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق فیقع (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ص ۱۷۱ ج ۴) وکذا فی الهندیة ص ۳۸۳ ج ۱) شخص مذکور کے الفاظ مذکورہ باطل اور لغو ہوں گے اور اس کی زوجہ مذکورہ کو کوئی طلاق بھی واقع نہ ہوگی، لما مر آنفا من قول شیخ الاسلام من البزازیة والهندیة وملخصہ فی الخانیة رجل وقعت الخصومة بینه وبین امرأته فقالت المرأة ضع ثلاث تطلیقات ههنا وهناک ثلاث قصبات مقدار ما یکون للحائک بلا غزل فاتان الرجل باسهم رجله واحدة وقال هذا طلاقک ثم رفع حتی نحاها عن اماکنها ثم قال اوضعه الی الحائک لیسعه فی ثوبک قالوا ینبغی ان لا تطلق امرأته

لانه جعل الغضب طلاقا اھ (خانیة علی ھامش الھندیة ص ۲۴۲ ج ۱) ولما فی تنویر الابصار وشرحه حیث قال وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی خانیة بر او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع ما نواہ لانه کنایة والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة (رد المحتار ص ۶۲۲ ج ۲)

الجواب باسم ملهم الصواب

صورت مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، تین کنکریاں عدد کی وضاحت اور تاکید کے لئے دی گئی ہیں، جن عبارات میں ضربات وقصبات دینے کی صورت میں عدم وقوع طلاق کا ذکر ہے ان میں اور مسئلہ زیر بحث میں دو وجہ سے فرق ہے:

(۱) عدد کی توضیح کے لئے ضربات عرفاً مستعمل نہیں، اور قصبات سے متعلق اوقعیة فی الحائط کا قول اس پر قرینہ ہے کہ قصبات سے عدد کی توضیح مقصود نہیں، بلکہ قصبات ہی کو طلاق کہہ رہا ہے۔

(۲) آجکل عرف میں یہ طریقہ عام مروج ہے کہ عدد طلاق کی توضیح کے لئے تین پتھر وغیرہ پھینکے جاتے ہیں، لہٰذا عرف کے مطابق تین کنکریوں کو عدد پر محمول کیا جائے گا اور تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔　　　۱۹ رجب ۱۳۹۵ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: آپ نے القاء جمرات ثلاث سے وقوع طلاق مغلظہ کا حکم تحریر فرمایا تھا، یہاں کے دو عالموں نے اس کے خلاف لکھا ہے، دونوں کی تحریریں ارسال خدمت ہیں، ان پر غور فرما کر اپنی رائے تحریر فرمائیں۔

تحریر اول:

درمسئلہ مذکورہ اشارہ بسوئے شئ محسوسہ یعنی جمرات ثلاثہ است وخبر برائے ہمیں اسم اشارہ است واشیاء محسوسہ را موسوم بہ سوئے طلاق کردہ است، لہٰذا کلامش لغو میشود، مثل احد القلا لسی عمن وکزا مراته فقال اینک یک طلاق ثم ذکر ثانیا فقال اینک وطلاق وکذا فی الوکزة الثالثة قال تطلق ثلاثا، قال شیخ الاسلام لا یقع لانه سمی الضرب طلاقا فیبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق فیقع اھ (بزازیة علی الھندیة ص ۱۸۲ ج ۴) وھکذا فی العالمگیریة عن الخلاصة مطبوعة

ھندیہ (ص ۵۰۶ ج ۲) وفی الھامش علی قول شیخ الاسلام رفیبطل، وھو الاظھر،
ھندیہ از باب ترجیح است، وچوں قول راجح را اخیراً ذکر می‌کند چنانچہ مذکورہ بالا است
ونیز در ہامش لفظ وھو الاظھر ترجیح بطلان را ایقاع طلاق است، لہذا زوجہ عبدالواحد
ہمچناں در نکاحش باقی است، ہیچ طلاقے واقع نشدہ،

۲۳ رجب سنہ ۱۳۹۵ھ

تحریر ثانی:

علاوہ بریں کہ منطوق بر مفہوم خود برتری ورجحان دارد، مفہوم مخالف عبارت شامیہ ایں است کہ اگر مرد با انگشتان سنگ سوئے زن لفظے از الفاظ طلاق صریحاً کنایۃً ذکر کرد طلاق واقع میشود، یعنی بذکر لفظ طلاق فقط با انگشتان سہ تا سنگ بدون ذکر لفظ دال بر عدد سہ طلاق خواہد شد، زیرا کہ ہمچنانکہ برائے وقوع طلاق ذکر لفظ صریح یا کنایہ طلاق شرط است برائے تعدد طلاق ہم لفظ دال بر عدد ضروری است، وانگشتان سنگ از قبیل افعال است نہ از جنس اقوال والفاظ، زیرا کہ گفتہ مثل ایں سنگہائے، ولو قالت لزوجھا طلقنی فاشارت بثلاث اصابع وارادت بذلک ثلاث تطلیقات لا یقع ما لم یقل بلسانہ، ھکذا فی الظھیریۃ (عالمگیریہ ص ۳۵۰ ج ۲) انت طالق ھکذا مشیرا بالاصابع المنشورۃ وقع بعددہ ای بعدد ما اشار الیہ من الاصابع الاشارۃ اللغویۃ او بعدد ما اشار بہ منھا الاشارۃ الحسیۃ تأمل فان اشار بثلاث فھی ثلاث او ثنتین او بواحدۃ فواحدۃ کما فی الھدایۃ قال فی البحر لان ھذا تشبیہ بعدد مشار الیہ وھو العدد المفھوم کمیتہ بالاصابع المشار الیہ لان الھاء للتنبیہ والکاف للتشبیہ وذا للاشارۃ اھ وانظر ھل الاشارۃ الی غیر الاصابع من المعدودات کذلک ام لا لاختصاص ارادۃ العدد فی العادۃ بالاصابع تأمل (شامیہ ص ۴۲۷ ج ۲)

والظاھر ان فی عرف دیارنا القاء الاحجار وغیرھا کذلک لکن ان وجد لفظ الاشارۃ بھا،

ولو لم یقل ھکذا ای بان قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانھا تطلق واحدۃ خانیۃ اھ قولہ لفقد التشبیہ

ای بامعناه وقال القہستانی لانہ کما لایتحقق الطلاق بدون اللفظ لایتحقق بمعناہ بدونہ اھ (شامیۃ ص ۴۸۸ ج ۲) معلوم شد کہ مفہوم عبارت شامیہ متعلق عبارت خانیہ مخالفتی ندارد۔

وسئل الحسن الفلانسی عمن دکز امرأتہ فقال اینک یک طلاق ثم وکز ثانیا وقال اینک دو طلاق وکذا فی الوکزۃ الثالثۃ، وقال تطلق ثلاثا قال شیخ الاسلام لایقع لانہ سمی الضرب طلاقا فیبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق فیقع اھ (بزازیۃ علی الہندیۃ ص ۲۷۲ ج ۴) وعبارۃ الہندیۃ وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ فقال دار طلاق قال لا تطلق، اگرچہ لفظ قالوا کہ در عبارت خانیہ واقع است در اصطلاح فقہاء از الفاظ ترجیح ومدم رضا است وچنیں لفظ ینبغی از اضعف الفاظ ترجیح، اما اولاً ایں اصطلاحی نیست وثانیاً صاحب خانیہ کہ از اجل ارباب ترجیح است قولے دیگر کہ مخالف ایں روایت باشد نقل نفرمودہ است، وثالثاً از قول شیخ الاسلام کہ لفظ وھو الاظہر بروں نوشتہ شدہ است، تاہم آں مفہوم نیز از صیغۂ قالوا معلوم میشود کہ شیخ الاسلام دریں قول منفرد نیست موافقے ہم دارد، بنا بریں ایں روایت قابل قبول خواہد بود۔ البتہ دو اشکال در پیش اند:

① عبارت ہندیہ کہ از مجموع النوازل نقل شدہ است قول شیخ الاسلام در مسئلہ متعلقہ بہ "دار طلاق" مذکور است، وحال آنکہ در خود ہندیہ بعد از چند سطری نویسد ولو قال لہا دار طلاق لا یقع فی جنس الاضافۃ اذا لم ینو لعدم الاضافۃ الیہا وقیل یقع من غیر نیۃ وھو الاشبہ لان قولہ دار فی العادۃ وقولہ خذ سواء ولو قال لہا خذی طلاقک یقع من غیر نیۃ کذا فی المحیط (ہندیۃ ص ۳۸۹ ج ۱ طبع مجیدی) شاید سبق وہم شود کہ قول شیخ الاسلام در مسئلہ دار طلاق بعدم وقوع مبنی بر عدم وجود اضافت است، و در مسئلہ اضافت (ای علیحدہ سوختنت) موجود است۔

وحقیقت ایں است کہ در مسئلہ محیط "دار طلاق" امر محسوسے بر انشد ضرب موجود نیست، کہ بقول شیخ الاسلام باسم طلاق مسمیٰ گردد، لہٰذا عدم وقوع بعلت عدم اضافت است اما در مسئلہ مجموع النوازل لفظ سئل شیخ الاسلام ہمیں فعل ضرب را مفعول صیغۂ امر "دار" قرار میدہد و میگوید کہ زوج ہمیں ضرب را بنام طلاق نامیدہ و زن را بداشتن آں امر

کرده است، لهذا طلاق واقع نشود، ودلیل برین عبارت بزازیه است که در مسئلهٔ تنکیر که درآن اشاره بلفظ اینک یک طلاق موجود است اختلاف شیخ والامام قاضی را ذکر فرموده است،
ظاهر است که امر برداشتن بجانب اشاره در مورد امر محسوس چون ضرب و در زد و القاء حجر وغیره میشود، البته وقتیکه شئ محسوس وجود نداشته در طلاق که از امور معنوی است مراد گرفته خواهد شد، فلا منافاة بین الروایتین،

(۲) لو قالت طلقنی فضربها وقال اینک طلاق لا یقع ولو قال اینکت طلاق یقع اھ (ھندیہ ص ۳۰۵ ج ۲) ازین عبارت بظهور ووضوح معلوم میشود که عدم وقوع در صورت اولی بعلت عدم اضافت ووقوع در صورت ثانیه بسبب وجود اضافت یعنی تاء خطاب است لهذا این عبارت ظاهرا با قول شیخ الاسلام در مسئلهٔ زیر بحث مخالفت دارد زیرا که اینجا ضرب موجود است ومع ذلک مشار الیه ومسمی باسم طلاق قرار داده نشده است، اللهم الا ان یفرق بینهما بان قولها طلقنی سؤال عن الطلاق ودلیل علی ان المشار الیه فی قوله اینکت طلاق هو الطلاق دون الضرب لان السؤال معاد فی الجواب کما فی قواعد الاشباه فالوقوع لیس بمجرد اضافة الطلاق الیها بل به وبانه سمی الطلاق الذی تضمنه السؤال طلاقا لا غیر الطلاق طلاقا وبهذا یظهر الجواب عما فی مسألة الخانیة فان فیها ایضا قالت المرأة ضع ثلث تطلیقات هنا، لان الطلاق لیس مما یوضع فی مکان فتدبر،

خلاصهٔ جواب آنکه چون در مسئلهٔ مورد بحث جمرات محسوسه موجود هستند وسؤال از طلاق هم وجود ندارد، واشاره در اصل وضع برای امر محسوس است، واگر بسوی امر غیر محسوس اشاره می کنند آنرا مبالغة اراده بمنزلهٔ محسوس قرار میدهند کما هو مقرر فی علم المعانی، اما چون امر محسوس قابل اشاره موجود است عدول از معنی وضعی اسم اشاره خلاف ظاهر است، بنابرین طلاق واقع نخواهد شد، ومحل قول علامه شامی رحمه الله تعالی ولم ینو که لفظا لا صریحا ولا کنایة این است ولم یذکر لفظا موضوعا ودر مسئلهٔ ما ذکر لفظ سوّم بعد اشاره بسوی جمرات علی وجه الایقاع نیست، وزیادت این قید ضروری است، زیرا که ذکر هر لفظ طلاق برای ایقاع نیست کما تشهد له فروع کثیرة مذکورة فی کتب الفقه، هذا ما ادی الیه فهمی القاصر والعلم عند الله العلیم الخبیر، چون مسئله

حاصل اینست قول اعتماد است از توضیح قابل اطمینان اعتقاد فرمایند. اقول قولی هٰذا واستغفر الله العظیم۔ ۲۰ رجب ۱۳۹۵ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

مذکورہ بالا دونوں تحریروں میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں غور نہ کرنے سے مغالطہ لگا ہے، ذیل میں ان دونوں تحریروں کی تنقیح اور اس کے ضمن میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی توضیح کی جاتی ہے:

تنقیح تحریر اول

① قولہ: ہندیہ از ارباب ترجیح است۔

اقول: ہندیہ کسی مصنف کا نام نہیں جو ارباب ترجیح میں سے ہو، نیز یہ کسی فرد واحد کی تصنیف نہیں جس کو ارباب ترجیح سے شمار کیا جا سکے، اسے تو علماء کی ایک جماعت نے لکھا ہے، آپ کس کس کو ارباب ترجیح میں سے شمار کر رہے ہیں؟ نیز ہندیہ کے مصنفین کو کسی نے بھی ارباب ترجیح میں سے نہیں لکھا، اگر لکھا ہے تو اس کی وضاحت مطلوب ہے۔

② قولہ: و پیوستہ قول راجح را اخیر ذکر می کنند چنانچہ مذکورہ بالا است۔

اقول: ہندیہ کی پوری عبارت یہ ہے: وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن حلف بطلاق امرأته فقال دار طلاق قال لا تطلق وسئل الامام احمد القلانسی رحمہ اللہ تعالیٰ عمن ذکر امرأته وقال اینک یک طلاق ثم ذکرها ثانیا وقال اینک دو طلاق ولکن ثالثا قال تطلق ثلاثا فشیخ الاسلام یقول معنی الضرب طلاق فیبطل والامام احمد یقول معنی الطلاق فیقع اھ (ہندیہ ص ۳۸۲ ج ۱)

مذکورہ بالا عبارت میں سب سے پہلے احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور ہے، پھر شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کا اور آخر میں پھر احمد کا قول مع وجہ ذکر کیا گیا ہے، اس لئے قول اخیر کو اگر مفتیٰ بہ تسلیم کیا جائے تو بھی وہ احمد کا قول ہو نہ کہ شیخ الاسلام کا قول، قول شیخ الاسلام کو درمیان میں لاتے ہیں اس لئے اصول فتویٰ کے مطابق یہ قول مفتیٰ بہ نہیں ہو سکتا، نیز احمد کے قول کو مع وجہ مؤخر ذکر کرنا اس کی ترجیح کی دلیل ہے۔

③ قولہ: و نیز در حاشیہ لفظ وهو الاظهر ترجیح بطلان بر ایقاع طلاق است۔

اقول: یہ شخص کون ہے اور اس کے اصحاب ترجیح میں سے ہونے پر کیا دلیل ہے؟

تنقیح تحریر ثانی

① **قولہ**: ازیں عبارت بطور وضوح معلوم میشود کہ عدم وقوع درصورت اولی بعلت عدم اضافت ووقوع درصورت ثانیہ بسبب وجود اضافت یعنی تا خطاب است۔

اقول: عبارت مذکورہ واقعی اسی فرق پر مبنی ہے مگر شامیہ میں اس کی تصریح ہے کہ عرفی قول پر اضافت وعدم اضافت کا فرق غیر معتبر ہے۔

② **قولہ**: قولہا طلقنی سؤال عن الطلاق الخ

اقول: جب بیوی کا سوال عن الطلاق تعیین مرجع کے لئے قرینہ بن سکتا ہے تو شوہر کی نیت تعیین مرجع کے لئے کیوں کافی نہیں؟ حالانکہ مراد متکلم میں خارجی قرائن کی بنسبت اس کی نیت کو زیادہ دخل ہے، اگر وہ نیت کا انکار کرے تو عرف اس کی تکذیب کرتا ہے، اس لئے اس کا انکار معتبر نہیں، صورت زیر بحث میں تو دلالۃ الحال، نیت اور عرف سب ایقاع طلاق پر متفق ہیں۔

③ بالفرض شیخ الاسلام کے قول کو لے لیا جائے تو مابہ الفرق وہی ہے جو ہم اس سے قبل اسی سوال کے جواب میں تحریر کرچکے ہیں۔

④ مسئلہ زیر بحث اور ضرب والے مسئلہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جب کسی سے کوئی چیز طلب کی جاتی ہے اور اس کو وہ چیز دینا منظور نہ ہو تو اس کو مار کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لے اپنی مطلوب چیز، اس کا مقصد وہ چیز دینا نہیں ہوتا بلکہ اس کے مطالبہ کو رد کرنا مقصود ہوتا ہے، بخلاف حجرات واحجار کے کہ ان میں ہرگز مطالبہ کو رد کرنا نہیں ہوتا۔

⑤ جس علاقہ میں یہ رواج ہے کہ احجار وحجرات کے ذریعہ ہی طلاق دیتے ہیں وہاں آخر طلاق کی کیا صورت ہوگی؟ مذکورہ جوابات کے مطابق تو بلوچستان میں کبھی بھی طلاق واقع نہیں ہوئی ہوگی، اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

التفریق

بین

التقیید والتعلیق

طلاق کے متعلق ایک مسئلہ میں اکابر مفتیان کرام کے جوابات
میں اختلاف ہوا تو بالآخر فیصلہ کے لئے سب جوابات
حضرت مؤلف دامت برکاتہم کی خدمت میں بھیجے گئے
نو عمری کے باوجود آپ کی نظر عمیق ایسے نکتہ پر پہنچی کہ
اس سے سارا اختلاف ہی منہدم ہو گیا،

وہ کیا ہے؟

تقیید و تعلیق کی تعریف اور ان کے احکام طلاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التفریق بین التقیید والتعلیق

تقیید و تعلیق میں فرق:

فلاں کا ایک مسئلہ حضرات مفتیان کرام میں مختلف فیہا بنا ہوا ہے، سب حضرات کے فتاویٰ جناب کی خدمت میں ارسال ہیں، اُن پر نظر فرما کر اپنی رائے عالی و قول فیصل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں:

سوال: ایک شخص پہلے نکاح کے بعد دوسرا نکاح منکوحۂ اولیٰ کے غیر آباد ہونے کی وجہ سے کرنا چاہتا ہے، منکوحۂ ثانیہ کے متولیوں کو مندرجہ ذیل تحریر کا ایک وثیقہ لکھ کر دینا ہے:

منکہ مسمیٰ امیر احمد ولد فلاں قوم فلاں اقرار کرتا ہوں کہ مسماۃ غلام سہارہ منکوحۂ اولیٰ دختر مولوی محمد رمضان کو روبرو گواہان سے زبان سے مشروط طلاق بائن دے کر اس کے حقوق ازدواجی اپنے پر حرام کرتا ہوں، بشرطیکہ مسماۃ غلام سہارہ کو غلام سکینہ دختر غلام حسین منکوحۂ ثانیہ کی جیتی حیات تک اپنے گھر لا کر آباد کروں یا اس کے ساتھ یعنی غلام سہارہ منکوحۂ اولیٰ کے ساتھ گذارہ زوجیت پابرجا کروں۔

العبد امیر احمد ، گواہ شد ، گواہ شد

اس تحریر کے بعد کیا کوئی صورت منکوحۂ اولیٰ کے ساتھ گذر بسر کرنے کی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایک دفعہ یمین منحل ہو جائے تو نکاح جدید کے بعد یمین باقی رہے گی یا نہ؟

اس کے جواب میں اہل علم حضرات کی آراء باہم مخالف ہیں جو درج ذیل ہیں، چونکہ معاملہ اہل علم کے گھرانے کا ہے اور سخت کشمکش برپا ہے، لہٰذا جب تک کسی ایک مفتی کی رائے بنا بر دلائل اکثر اہل علم حضرات کی تائید سے قوی تر ثابت نہ ہو جائے شبہات و مشکل ہے، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل فتاویٰ میں غور و فکر فرمانے کے بعد اپنی تحقیق جو بھی ہو مدلل یا تائید کسی ایک کی تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

التفریق ______

خلاصہ فتوی نمبر ۱:

منکوحۂ اولیٰ کی تحلیل کی صورت یہ ہے کہ عورت کو ایک طلاق رجعی یا بائن دی جائے۔ بعد مرورِ عدت اس کو زوج لاکر اپنے گھر آباد کرے تو یمین منحل ہو کر سب طلاق لغو ہو جائیں گی، بعد لغویت سہ طلاق تجدید نکاح کر لی جائے۔ محمد نور

صدر مدرس مدرسہ سراج العلوم سرگودھا

چنانچہ وثیقہ تحریر کنندہ اسی فتوی پر عمل کرتے ہوئے منکوحۂ اولیٰ کے ساتھ گذر بسر کر رہا ہے، اور ثانیہ غیر آباد ہے، منکوحۂ ثانیہ کے متولیوں نے دوسرے اہل علم حضرات کی طرف رجوع کیا تو مندرجہ ذیل جوابات موصول ہوئے:

خلاصہ فتوی نمبر ۲:

اس صورت میں جس شرط پر تین طلاقوں کو معلق کر دیا گیا ہے وہ شرط ایسی ہے کہ اس کے غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں وہ وقوع میں نہیں آسکتی "گھر میں لاکر آباد کروں یا اس کے ساتھ گذارۂ زوجیت یا برتاؤ کروں" یہ شرط صرف اسی صورت میں پائی جا سکتی ہے جبکہ مسماۃ غلام سہاگ اس کے نکاح میں ہو، اس کو طلاق بائن یا رجعی دی جائے اور وہ نکاح سے نکل جائے تو پھر گھر میں آباد کرنے اور گذارۂ زوجیت کی شرط کہاں پائی جا سکتی ہے؟ لہٰذا اس کو اگر اولاً طلاق بائن دیکر ثانیہ منکوحہ بنا دینے کے بعد پھر اس کے گھر میں آباد کرایا جائے، تو چونکہ وہ تعلیق طلاق ابھی تک موجود ہوگی منحل نہیں ہوگی، لہٰذا وقوعِ شرط کے ساتھ ہی تین طلاقیں پڑ جائیں گی، اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگی، میں نے سوچا لیکن میرے ذہن میں اب تک کوئی ایسی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی جو کہ فقہی قوانین وقواعد کے مطابق ہو، اور حرمت مغلظہ سے محفوظ رہ کر اس منکوحۂ اولیٰ کو گھر میں آباد بھی کر سکے، سیاح الدین

مفتی مدرسہ اشاعۃ العلوم جامع مسجد فیصل آباد

خلاصہ فتوی نمبر ۳:

چونکہ شوہر کی شرط میں "حین حیات تک" کا لفظ موجود ہے اس لئے پھر دوبارہ نکاح کے بعد حین حیات باقی رہے گا، شرط پائی جائے گی، اور طلاق واقع ہوگی، وہ حیلہ (پہلے طلاق دیکر مرورِ عدت کے بعد گھر آباد کرنا اور پھر تجدید نکاح کر لینا) اس وقت درست تھا جب کوئی لفظ ایسا نہ ہوتا، صرف ایک ہی دفعہ کا قصہ ہوتا، اب تو حیات بھی ہوگا کہ تین باتوں میں سے ایک

بھی پائی گئی تو طلاق ہوگی۔ جمیل احمد تھانوی

مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

اصل وثیقہ کی تحریر اور مذکورہ بالا جوابات مفتی عطاء محمد صاحب کی خدمت میں برائے تبصرہ وتائید پیش کئے گئے تو ان کا مندرجہ ذیل جواب موصول ہوا:

فتویٰ نمبر ۴:

باسمہ تعالیٰ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصاً علی خاتم الانبیاء وعلی آلہ واصحابہ البررۃ الاتقی۔ اما بعد فقیر نے آپ کے تحریر کردہ مسودہ وثیقہ اور اس پر متعدد فتاویٰ علماء کرام کو غور سے دیکھا ہے، فقیر کے نزدیک مفتی جمیل احمد صاحب کی رائے صحیح اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہے، مفتی سراج الدین صاحب کی رائے بھی اس کے قریب ہے اور مآل میں دونوں متحد ہیں، وہ حیلہ جو سراج العلوم سرگودھا کے مدرس صاحب نے لکھا کہ بے محل ہے اور غیر مفید، آپ نے مدلل تحریر کرنے کو لکھا ہے، حسب الحکم عرض ہے ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسائل کے رسالہ ۱۳ ص ۲۹۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

① اعلم ان الحالف علی شیٔ لابد ان یکون لہ فی الاقدام علی الیمین غرض ثم ان ذلک الغرض قد یکون نفس الفعل الذی سماہ مثل لا ادخل الدار وقد یکون ذلک الفعل لمسمی مع شیٔ آخر مثل لا اشتری بعشرۃ فالفعل ھو عدم الشراء بعشرۃ والغرض عدم الشراء بھا او بما فوقہا لانہ مستنقص فمرادہ الشراء بما دونہا وقد یکون الغرض امراً خارجاً عن الفعل المسمی ولا یکون المسمی مراداً اصلاً مثل لا اضع قدمی فی دار فلان فان الفعل المحلوف علیہ ھو عدم وضع القدم والغرض المنع من الدخول مطلقاً والمسمی غیر مراد حتی لو وضع قدمہ ولم یدخل لم یحنث۔

② ثم ان البر لا یتحقق الا بتحقق الغرض فصار حصول الغرض شرطاً للبر ومن المعلوم ان الحنث نقیض البر والحنث لا یتحقق الا بما یفوت الغرض وھو عدم الفعل المحلوف علیہ اثباتاً او نفیاً:

③ ففی لا ادخل انما یتحقق الحنث بالدخول وفی لا ادخل بعد مہ فاذا تحقق الفعل الذی ھو شرط الحنث وفات بہ الغرض فقد فات شرط البر

من کل وجه فتحقق الحنث المطلق المترتب علیه حکمه منه لزوم کفارة ونحوها لتحقق شرطه وهو وجود الفعل المفوت للغرض،

(۴) لان شرط الحنث الکامل هو وجود الفعل مع فوات الغرض۔

ان قواعدِ مذکورۂ بالا کی رُو سے جب تحریر کی روح کو سمجھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ تاریخ نکاحِ ثانی کرتے وقت پہلی منکوحہ کے گھر لانے اور اس سے حقوقِ زوجیت برتنے پر حلف کر رہا ہے (یعنی تعلیق وقوعِ طلقات ثلاث منکوحۂ اولیٰ پر) مگر اصل غرض اس کی یہ ہے کہ زوجۂ اولیٰ کو زوجۂ ثانیہ کے ساتھ حقوق میں شریک نہ بنائے گا، اسی غرض سے زوجۂ ثانیہ کو اس کے اطمینان کے لئے یہ تحریر کر دی گئی ہے، لیکن واضح ہے کہ "گھر میں لانے" سے مراد نہ صرف ورود ہی ہے بلکہ بطورِ زوجیت کے پہلی منکوحہ کو آباد کرنا ہی گھر لانا ہے؛ اور ظاہر ہے کہ فواتِ غرض یعنی اشتراک فی حقوق الزوجیۃ "گھر لانے" اور حقوقِ زوجیت برتنے کو بتقدیر وجودِ زوجۂ ثانیہ کے لازم ہے، بناءً علیٰ ہذا جب بھی یہ شخص زوجۂ اولیٰ کے ساتھ بموجودگی ثانیہ کے بطورِ زوجیت کے تعلق رکھے گا تو اس وقت فعلِ محلوف علیہ کے وجود کے ساتھ فواتِ غرض بھی موجود ہو جائے گی اور حنث متحقق ہو کر زوجۂ اولیٰ پر طلاق ثلاث عائد ہوں گی، جب کہ یہ مقرر ہوا کہ حالف کے "گھر لانے" سے مراد نہ صرف ورود ہے، تو پھر تحریرِ مذکورہ میں غور کرنے سے اس حیلہ کا بے محل ہونا بھی واضح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الفقیر عطاء محمد عفی عنہ

از جامع مسجد چودھواں ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

۴/ رجب المرجب [illegible] ہجری

جواب نمبر ۵:

ہمارے نزدیک مسماۃ غلام صابرہ کے آباد کرنے کی بحیاتِ زوجۂ ثانیہ کوئی شکل و صورت صحیح نہیں ہے، جب بھی اسے زوجۂ ثانیہ کی حیات میں لا کر آباد کرے گا چاہے مطلقہ بائنہ کر کے دوبارہ تجدید نکاح کرے تب بھی شرط کا تحقق ہو جائے گا اور تینوں طلاقوں سے حرام ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

محمد عبداللہ

مفتی خیر المدارس ملتان

جواب نمبر ۵:

حامداً و مصلیاً

ہمارے نزدیک بھی مفتی جمیل احمد صاحب و مولانا عبداللہ صاحب اور ان کے مؤیدین کا جواب صحیح ہے کہ غلام سہارہ کے آباد کرنے کی بجائے زوجۂ ثانیہ کوئی شکل نہیں، چونکہ زوج کی شرط میں حین حیات کا لفظ موجود ہے جس سے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واکمل۔

محمد وجیہ عفولہ

مدرس مدرسہ دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار

الجواب صحیح ظفر احمد عثمانی عفی عنہ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

جواب نمبر ۶: از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: اقول وباللہ التوفیق ومنہ السداد والصواب

میرے نزدیک تینوں فتووں میں مولانا محمد نور صاحب کا فتویٰ صحیح و درست ہے، اس پر جو اشکال مولانا سراج الدین صاحب کے فتویٰ میں کیا گیا ہے وہ اس لئے مرتفع ہے کہ جب کسی شخص کے نام کے ساتھ کوئی صفت ذکر کی جاتی ہے تو قواعد اصول کے مطابق اکثر احکام میں صفت بیکار ہو جاتی ہے اور معاملہ اس شخص کی ذات کے ساتھ رہتا ہے، عبارت مندرجہ میں جو تعلیق طلاق کی گئی ہے وہ مسماۃ غلام سہارہ کے نام پر کی گئی ہے، اس کا منکوحہ و زوجہ ہونا ایک صفت ہے، اس صفت پر مدار احکام اس جگہ نہیں ہوگا، بلکہ اس کے نام اور ذات کے ساتھ ہوگا، اس لئے طلاق بائن کے بعد جب اس کو اپنے گھر میں آباد کر لیا تو اگرچہ وہ اس وقت اس کی زوجہ نہیں لیکن تعلیق کی شرط پائی گئی، کیونکہ شرط تعلیق بحرف تردید دو میں سے کوئی ایک چیز ہے، اس کو گھر میں آباد کرنا یا اس کے ساتھ گزارۂ زوجیت یا برتاؤ زوجیت کا کرنا، صورت مذکورہ میں اگرچہ گزارہ اور برتاؤ زوجیت کا حرام ہے، مگر اول تو اس تعلیق کا مدار حلال و حرام پر نہیں بلکہ نفس برتاؤ زوجیت پر ہے وہ متحقق ہو گیا، ثانیاً اس کی شق اول یہ ہے کہ گھر میں آباد کرے وہ علاقۂ زوجیت منقطع ہو جانے کے بعد بھی جائز طور سے ہو سکتا ہے، اس لئے وہ اشکال مرتفع ہو گیا، اور مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ کے فتویٰ میں جو اشکال حین حیات کے ساتھ مقید ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے وہ بھی غور کرنے کے بعد ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ اس

تعلیق میں اگرچہ مدت وقوعِ طلاق کی وسیع کردی گئی ہے کہ زوجۂ ثانیہ کے حینِ حیات میں جب کبھی یہ واقعہ پیش آئے کہ زوجۂ اولیٰ کو آباد کرے تو زوجۂ اولیٰ پر تینوں طلاقیں ہوجائیں گی، مگر یہ صرف ایک مرتبہ واقع ہوکر تعلیق ختم اور یمین منحل ہوجائے گی، نکاحِ جدید کے بعد دوسری مرتبہ اس پہلی تعلیق کی وجہ سے کسی قسم کی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ تعلیق مذکور میں مدت کی توسیع ہے مرّات کی نہیں، یعنی اس میں یہ نہیں کہ اس کے حینِ حیات جب کبھی یا جتنی مرتبہ آباد کیا جائے گا ہر مرتبہ طلاق واقع ہوگی، کما یستفاد من کلام العالمگیریۃ نقلاً عن الجوھرۃ: ان قال لھا طلقی متی شئت فلھا ان تطلقھا فی المجلس وبعدہ، ولھا المشیئۃ مرۃ واحدۃ وکذا قولہ متی ما شئت واذا ما شئت ولو قال کلما شئت کان ذلک لھا ابداً حتی یقع ثلاثاً (عالمگیریۃ فصل المشیئۃ ص ۸۷ ج ۲)

مذکورہ عبارت میں اس فرق کو واضح کردیا گیا ہے کہ تعلیقات وغیرہ میں وقت اور زمانہ کی توسیع الگ چیز ہے اور مرۃً بعد مرۃ (یکے بعد دیگرے) چند بار کرنے کی توسیع علیحدہ ہے، وہ کلما یا اس کے ہم معنی لفظ سے حاصل ہوتی ہے، تعلیق مندرجہ سوال میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے مرۃً بعد مرۃ کی اجازت اور وسعت مفہوم ہو، اس لئے پہلی مرتبہ جب زوجۂ اولیٰ کو اپنے گھر میں آباد کرے گا تعلیق ختم ہوجائے گی، اور یہ آبادی اگر طلاق بائن کے بعد ہو تو وقوعِ شرط کے وقت وہ محلِ طلاق نہ رہے گی، اس لئے طلاق ثلاث نہیں پڑیں گی، اور نکاحِ جدید کے بعد تعلیق ختم ہوچکی، اس کی وجہ سے پھر کوئی طلاق عائد نہ ہوگی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

اس سے قبل مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھا والے اور ان کے فرزند نائب مفتی احمد سعید صاحب نے بھی اولاً حیلہ کو مفید مان کر جواب تحریر فرمایا تھا، مگر دیگر علماء کے فتاویٰ خصوصاً مفتی سیاح الدین صاحب، مولانا جمیل احمد صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ اور مفتی عطاء محمد صاحب و مفتی محمد عبد اللہ صاحب خیر المدارس ملتان وغیرہم کے ان کی خدمت میں بھیجے گئے تو انھوں نے رجوع فرماتے ہوئے مذکورہ بالا حضرات کی تائید فرمائی۔

الحق ——————

الجواب ومنه الصدق والصواب

اقول وبالله التوفیق وبیده ازمة التحقیق مستعینا بجنابہ سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم، حضرات محررین میں سے اگر کسی کی توجہ اس طرف منعطف ہوجاتی کہ وثیقہ محررہ میں تعلیق بالشرط نہیں بلکہ تقیید بالشرط ہے تو اس قدر تطویل مضمون اور علماء کے درمیان طویل تحریری مباحثہ کی نوبت ہی نہ آتی، طلاق کو مقید بالشرط کرنے کی صورت میں طلاق فوراً واقع ہوجاتی ہے اور شرط باطل ہوتی ہے، قال فی التنویر (وما لا یبطل بالشرط الفاسد القرض والهبة والصدقة والنکاح والطلاق، وفی العلائیة یصح (الی ان قال) ویبطل الشرط) وفی الشامیة (قوله والطلاق) کطلقتك علی ان لا تتزوجی غیری (رد المحتار کتاب البیوع ج ۴ ص ۲۵۵) وایضاً فی الطلاق منه معزیاً الی البحر ولو قال انت طالق علی دخولك الدار ان قبلت یقع والا فلا لانه استعمل الدخول استعمال الاعواض فکان الشرط قبول العوض لا وجوده کما لو قال انت طالق علی ان تعطینی الف درهم اھ (رد المحتار کتاب الطلاق ج ۲ ص ۵۲۲) چونکہ "علی" عوض کے لئے بھی مستعمل ہے اس لئے طلاق قبول زوجہ پر موقوف ہوگئی، کما هو شأن الاعواض، ورنہ محض تقیید تنجیز ہے، تعلیق نہیں،

تعلیق وتقیید میں فرق عنایہ میں اس طرح تحریر ہے تحت (قوله والابراء مما یتقید بالشرط وان کان لا یحتمل التعلیق به) انهما متغایران لفظاً ومعنیً، اما لفظاً فهو ان التقیید بالشرط لا یستعمل فیه لفظ الشرط صریحاً ای اداة الشرط ان واخواتها کما سیجیئ، والتعلیق به یستعمل فیه ذلك، واما معنیً فلان فی التقیید به الحکم ثابت فی الحال علی عرضیة ان یزول ان لم یوجد الشرط، وفی التعلیق به الحکم غیر ثابت فی الحال وهو بعرضیة ان یثبت عند وجود الشرط (عنایة مع الفتح ج ۷ ص ۴۳ باب الصلح فی الدین)

وفی بیوع الشامیة قبل باب الصرف تحت عنوان (ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقه به) والتعلیق ربط حصول مضمون جملة بحصول مضمون جملة اخری وتقدم الکلام علیه فی کتاب الطلاق ومثال الشرط الفاسد بعتك بشرط کذا ومثال التعلیق بعتك ان رضی فلان وفی حاشیة الاشباه للحموی عن

قال الزرکشی الفرق بین التعلیق والشرط ان التعلیق داخل فی اصل الفعل بان ونحوها والشرط ما جزم فیہ باصل الفعل او یقال التعلیق ترتیب امر لم یوجد علی امر لم یوجد بان او احدی اخواتها والشرط التزام امر لم یوجد فی امر لم یوجد بصیغة مخصوصة اھ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۲)

وفیها (قوله البیع بصورة البیع بالشرط) کقوله بعته بشرط استخدامه شهرا وتعلیقه بالشرط کقوله بعته ان کان زید حاضرا (رد المحتار ص ۲۲۱ ج ۴) وفیها (قوله کهذا الولد منی ان رضیت امرأتی) تابع البحر فی ذلك مع انه فی البحر اعترض علی العینی مرارا بان الکلام فی الشرط الفاسد لا فی التعلیق فالاولی قول النهر بشرط رضا زوجتی (رد المحتار ص ۲۲۵ ج ۴) وفی منحة الخالق (قوله بان قال لامته التی ولدت هذا الولد منی ان رضیت امرأتی بذلك) فیه ان هذا من التعلیق ولیس الکلام فیه ومثله فی النهر بان قال لامته بعد ما ولدت هذا الولد منی بشرط رضا زوجتی اھ وبعد اسطر (قوله بان قال ان وجدت بالمبیع عیبا ارده علیك ان شاء فلان) فیه ان هذا من التعلیق فکان علیه ان یقول بشرط ان یرضی فلان اھ
(البحر الرائق ص ۱۹۱ ج ۶)

بندہ نے شامیہ میں کسی دوسرے مقام میں بھی دیکھا ہے جو اس وقت تلاش کرنے سے نہیں ملا مگر خوب اچھی طرح یاد ہے کہ تعلیق ادات شرط کے ساتھ ہوتی ہے اور تقیید لفظ شرط یعنی مادہ ش، ر، ط سے یا لفظ "علی" سے ہوتی ہے، لفظ شرط کا تقیید کے لئے ہونا تو بالکل ظاہر ہے جیسا کہ تعریف شرط میں "بصیغة مخصوصة" اور تمثیل میں "بشرط کذا" کے الفاظ سے واضح ہے، اسی طرح لفظ "علی" بھی تقیید بالشرط کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ما یبطل بالشرط الفاسد وما لا یبطل بہ میں تقیید بالشرط کی سب امثلہ میں لفظ "علی" ہی ذکر فرمایا ہے، جن میں تقیید الطلاق بالشرط کی دو مثالیں اوپر تحریر کی جا چکی ہیں، اسی طرح تقیید الابراء وتعلیقہ میں صاحب ہدایہ ودیگر جمیع مصنفین نے جن جزئیات میں "علی" ہے ان کو تقیید اور جن میں ادات شرط ہے ان کو تعلیق قرار دیا ہے، نیز "علی" حقیقت میں التزام کے لئے ہے کما حققہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الطلاق، اور التزام تقیید میں ہوتا ہے، کما مر فی التعریف من انہ التزام امر الخ، تعلیق میں التزام

نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ترتیب امر علیٰ آخر باداۃ الشرط ہوتا ہے کما مر من تعریفہ،
پس اگر کسی مصنف نے کسی ایسے جزئیہ پر تعلیق کا اطلاق کردیا ہے جس میں تقیید بعلیٰ ہے
تو یہ اطلاق مسامحۃً یا مجازاً ہوگا، کما قال فی الشامیۃ تحت (قولہ الا اذا کان الشرط
متعارفاً) والمراد بالتعلیق المذکور التقیید بالشرط فانھم یطلقون علیہ لفظ
التعلیق تأمل (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۰)

ہاں یہ اشکال باقی ہے کہ انت طالق علیٰ ان تدخلی الدار میں طلاق دخول پر کیوں معلق
ہوتی ہے؟ سو اس کے حل کے لئے کتب بینی کی فرصت نہیں، اور اس کا مسئلہ زیر بحث
سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اس کے حل کی کوئی حاجت بھی نہیں، سر دست یہی
کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ روایت حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے جس کی بندہ تحقیق
نہیں کرسکا، تو اس کی کوئی عمیق وجہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہوگی، جہاں تک ہماری
رسائی نہیں ہوسکی، اور اگر صرف قول مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ ہے تو حجت نہیں، خصوصاً جب کہ
آج تک کوئی بھی اس کی توجیہ نہیں کرسکا، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
وقد سئل عن ھذہ الفروع الثلاثۃ (ای علیٰ ان تدخلی وعلیٰ دخولک ومع ان
تعطینی) فی البحر فلم یبد فرقاً ونقل کلامہ فی النھر وسکت علیہ ونقل فی
الدر المنتقی عن شرح اللباب الفرق (الیٰ قولہ) لکن لم یظھر الفرق فیما نحن
فیہ کما قال ح (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۰)

اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند مقربات قائم فرماکر فرق بیان کرنے
کی کوشش فرمائی ہے، مگر اولاً تو خود ہی آخر میں ھذا غایۃ ماظھر من الفرق واللہ تعالیٰ
اعلم فرماکر اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمادیا، اور پھر علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے التحریر
المختار میں اس پر بھی اشکال وارد کرکے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی وجہ الفرق کو ساقط کردیا ہے،
ثانیاً اگر یہ فرق تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی اصل اشکال باقی رہتا ہے، فرق کا مدار ہی اس پر
رکھا ہے کہ یہاں "علیٰ" تعلیق کے لئے ہے، حالانکہ اعتراض خود یہ ہے کہ "علیٰ" تقیید کے لئے
ہوتا ہے نہ کہ تعلیق کے لئے، البتہ قید کا غیر مفید ہونا قرینہ ہوسکتا ہے کہ "علیٰ" مجازاً تعلیق
کے لئے ہے، مگر صورت زیر بحث میں مجازاً بھی تعلیق کا احتمال نہیں، جس کی وضاحت آگے
آرہی ہے،

الفرق ــــــــــــــ ۱۰

بہرکیف یہ بحث تو لفظ "علی" سے متعلق ہے، وثیقہ میں تو لفظ شرط کی تصریح ہے جس میں
تعلیق کا کوئی احتمال نہیں، یہ لفظ تو بحیثیت تقیید ہی کے لئے مستعمل ہے اور اس میں زوج کی
نیت تعلیق بھی معتبر نہ ہوگی، اس لئے کہ صحت نیت کے لئے الفاظ کا محتمل ہونا ضروری ہے
اور صورت موجودہ میں الفاظ وثیقہ تعلیق کے محتمل ہی نہیں بلکہ تقیید کے لئے متعین ہیں، تعلیق
کے لئے اگرچہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اداۃ شرط "ان واخواتہا" کو ضروری قرار نہیں دیا، اور
تعریف تعلیق میں "ان واخواتہا" کی قید کو احترازی نہیں بلکہ عمومی واکثری قرار دے کر بعض
ایسی صورتوں میں تعلیق طلاق کا حکم لگادیا ہے، جن میں اداۃ شرط کی تصریح نہیں، مگر ان
سب صورتوں میں کم از کم کوئی لفظ دال علی حقیقۃ التعلیق یعنی ترتیب امر علی آخر ضرور
موجود ہے، بخلاف صورت وثیقہ کے اس میں کوئی لفظ بھی ترتیب پر دال نہیں، بلکہ اس کے
برعکس "مشروط" اور "بشرطیکہ" یہ دونوں لفظ صراحۃً تقیید کے ہیں، آخر تقیید کے لئے اس سے
زیادہ صریح اور کونسا لفظ ہوسکتا ہے؟ اور پھر لفظ "حرام کرتا ہوں" بھی ظاہرا التنجیز و
محتمل بعید ہے، اور یہ دونوں تعلیق کے منافی ہیں، کما لایخفی، ان الفاظ کو تو اگر اداۃ
شرط کے ساتھ بھی ذکر کیا جاتا تو بھی مفید تعلیق نہ ہوتے، ذرا غور فرمائیے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی
سے یوں کہا کہ "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق دیتا ہوں" یا بطور وعدہ یوں کہا "اگر تو گھر
میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق دیدوں گا" یا کہا "ان دخلت الدار طلقتک" کیا ان الفاظ کا مفید
تعلیق نہ ہونا ایسا بدیہی امر نہیں کہ ذوق سلیم اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے؟ اور اس سے انکار کی
ذرہ بھر گنجائش نہیں پاتا؟ علاوہ ازیں اس میں احتمال تعلیق بطور فرض محال تسلیم بھی کرلیا جائے تو
بھی زوج کی نیت معتبر نہ ہوگی، کیونکہ معنی متبادر وظاہر کے خلاف کی نیت جبکہ حالف کے لئے
نافع ہو اس میں اس کی تصدیق نہیں کی جاتی۔

غرضیکہ صورت زیر بحث میں وثیقہ لکھتے ہی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، ہاں اگر وثیقہ میں
تقیید کی بجائے تعلیق ہوتی تو اس پر مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کی تحریر صحیح ہوتی، بندہ
کے خیال میں بھی "گھر لاکر آباد کروں" کا مفہوم عرفاً یہی متعین ہے کہ بصورت نکاح آباد کرے،
اس پر تقیید میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تحریر کافی نہیں، کیونکہ یہاں اس بحث کا
کوئی فائدہ نہیں کہ منکوحہ کی صفت پر حکم ہے یا کہ اسم ذات پر، اس سے مسئلہ کی نوعیت میں کوئی
فرق نہیں پڑتا، دیکھنا یہ ہے کہ "گھر لاکر آباد کروں" سے مقصود کیا ہے؟ سو عرفاً یہ مقید بالنکاح

ہو جائیں، یا یہ شبہ کہ پھر حرف تردید لا کر "گذارنا زوجیت" وغیرہ کو جدا کیوں ذکر کیا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ "گذارنا زوجیت" اور "بصورت نکاح گھر میں آباد کرنا" ان دونوں میں عموم وخصوص من وجہ ہے، وھو ظاهر جدًا، علاوہ ازیں عام محاورات میں الفاظ مترادفہ کو محض تاکید کی غرض سے حرف تردید کے ساتھ لانے کا عام معمول ہے، چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "اگر میں نے اسے مارا پیٹا ہو، گالی دی ہو یا برا بھلا کہا ہو تو میں باپ کے حرامی کی ہوں" وغیرہ، اس تاکید پر یہ قرینہ بھی ہے کہ آخری دونوں جملوں میں بھی حرف تردید لانے کے باوجود ان میں بظاہر کوئی فرق نہیں الا ان یتمحل فی التفرقۃ غایۃ التمحل۔

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے جو "حیلۂ حیات" پر تقریظ فرمائی ہے اور تقریبًا دوسرے سب حضرات نے بھی اس کی تصویب فرمائی ہے، اس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کا تبصرہ بلاشبہ ہی الصواب اور واجب القبول ہے۔

بہرکیف وثیقہ میں بصورت تقیید فوراً اور بصورت تعلیق منکوحہ کو گھر لانے سے اگرچہ طلاق دے کر تجدید نکاح کے بعد ہی لایا ہو، طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اب اس بیوی کے ساتھ نکاح کی کوئی صورت نہیں، بعض حضرات نے تحلیل کے بعد نکاح کرنے کا مشورہ دیا ہے مگر جس فعل پر لعنت وارد ہوئی ہو اس کا مشورہ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اگرچہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بشرط اضمار تحلیل کی اجازت دی ہے، مگر آجکل تو اشتہار ہوتا ہے لہٰذا اضمار بسبب قاعدۂ المعروف کالمشروط یہ نکاح بشرط تحلیل کے حکم میں ہوگا، جو مکروہ تحریمی ہے، فقط وهذا ما جاء فی فہمی هذا الحقیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ

سلخ جمادی الاولی ۹۶ھ

تصدرها رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد

رئيس التحرير
عثمان الصالح

الإخراج الفني
جمال الحضري

المجلد الأول العدد الثالث

سنة ١٣٩٧ هـ

الرياض - المملكة العربية السعودية

حکم

الطلاق الثلاث

بلفظ واحد

هيئة كبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ

علماء اور محققین

اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے

اس مجلس میں طلاق ثلاث کا مسئلہ پیش ہوا

مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی بہت سی کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں فیصلہ دیا ہے ایک لفظ سے دو یا تین بھی دی گئی طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ

میں شائع کیا ہے۔ غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطور حجت پیش کیا کرتے تھے۔ یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اسلئے غیر مقلدین پر حجت ہے

تشكلت هيئة كبار العلماء بموجب الأمر الملكي رقم أ/١٣٧ في ١٣٩١/٧/٨ هـ لتقوم بمزاولة الأعمال الآتية :

أ - إبداء الرأي فيما يحال إليها من ولي الأمر من أجل بحثه وتكوين الرأي المستند إلى الأدلة الشرعية فيه .

ب - التوصية في القضايا الدينية المتعلقة بتقرير أحكام عامة ليسترشد بها ولي الأمر وذلك بناء على بحوث يجري تهيئتها وإعدادها للهيئة .

ثم صدر الأمر الملكي رقم أ/١٣٨ في ١٣٩١/٧/٨هـ بتعيين أصحاب المعالي والسماحة والفضيلة الآتية أسماؤهم أعضاء فيها على أن تكون رئاسة الدورات بالتناوب بين خمسة من أكبر أعضاء الهيئة سنا وفيما يلي أسماء الأعضاء .

١ - الشيخ عبد العزيز بن باز
٢ - الشيخ عبدالله بن حميد
٣ - الشيخ محمد الأمين الشنقيطي
٤ - الشيخ سليمان بن عبيد
٥ - الشيخ عبدالله خياط
٦ - الشيخ محمد الحركان
٧ - الشيخ ابراهيم بن محمد آل الشيخ
٨ - الشيخ عبد الرزاق عفيفي
٩ - الشيخ عبد العزيز بن صالح
١٠ - الشيخ صالح بن غصون
١١ - الشيخ محمد بن جبير
١٢ - الشيخ عبد المجيد حسن
١٣ - الشيخ راشد بن خنين
١٤ - الشيخ صالح بن لحيدان
١٥ - الشيخ محضار عقيل
١٦ - الشيخ عبدالله بن غديان
١٧ - الشيخ عبدالله بن منيع .

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وبعد :

فقد عرض على مجلس هيئة كبار العلماء مسألة « حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد » ، وبناء عليه أعدت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء بحثاً في الموضوع ونصه :

الحمد لله وحده وبعد : فبناء على ما قرره مجلس هيئة كبار العلماء في دورته الثالثة المنعقدة في شهر ربيع الثاني عام ١٣٩٣ھ من البحث في الدورة الرابعة عن حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد ، وبناء على ما تقتضيه لائحة عمل الهيئة من قيام اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء بإعداد بحث علمي عن المسألة التي تقرر عرضها على الهيئة . قامت اللجنة الدائمة بإعداد بحث في مسألة الطلاق الثلاث بلفظ واحد ، اشتمل على ما يلي :

١ ـ حكم الإقدام على جمع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ، مع الأدلة ومناقشتها .

٢ ـ ما يترتب على إيقاع الطلاق ثلاثاً بلفظ واحد ، مع الأدلة ومناقشتها .

وبالله التوفيق ، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم .

حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد

في ضوء الكتاب والسنة

فتوى كبار العلماء والمحققين

المسألة الأولى: حكم الإقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة وفيه قولان

القول الأول: أنه محرم، وهو مذهب الحنفية والمالكية، وإحدى الروايتين عن أحمد، وقول شيخ الإسلام وابن القيم. أما المذهب الحنفي فقال الكاساني في الكلام على طلاق البدعة[1]: وأما الذي يرجع إلى العدد فهو إيقاع الثلاث أو الثنتين في طهر واحد لا جماع فيه، سواء كان على الجمع بأن أوقع الثلاث جملة واحدة أو على التفاريق واحدا بعد واحد بعد أن كان الكل في طهر واحد. وهذا قول أصحابنا.

ولنا الكتاب والسنة والمعقول:

أما الكتاب: فقوله عز وجل (فطلقوهن لعدتهن)[2] أي في أطهار عدتهن، وهو الثلاث في ثلاثة أطهار كذا فسره رسول الله صلى الله عليه وسلم – على ما ذكرنا فيما تقدم، أمر بالتفريق، والأمر بالتفريق يكون نهيا عن الجمع، ثم إن كان الأمر أمر إيجاب، كان نهيا عن ضده وهو الجمع نهي تحريم، وإن كان أمر ندب، كان نهيا عن ضده، وهو الجمع نهي ندب. وكل ذلك حجة على المخالف. لأن الأول يدل على التحريم، والثاني يدل على الكراهة، وهو لا يقول بشيء من ذلك.

---

[1] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج٣/٩٤ وما بعدها.
[2] الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١.

وقوله تعالى (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) [1] أي دفعتان ، ألا ترى أن من أعطى آخر درهمين ، لم يجز أن يقول أعطاه مرتين حتى يعطيه دفعتين .

وجه الاستدلال

أن هذا وإن كان ظاهره الخبر ، فإن معناه الأمر ، لأن الحمل على ظاهره يؤدي إلى الخلف في خبر من لا يحتمل خبره الخلف ، لأن الطلاق على سبيل الجمع قد يوجد ، وقد يخرج اللفظ مخرج الخبر على إرادة الأمر ، قال الله تعالى : (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ) [2] أي ليرضعن ونحو ذلك ، كذا هنا ، فصار كأنه سبحانه وتعالى قال : طلقوهن مرتين إذا أردتم الطلاق ، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع ، لأنه ضده ، فيدل على كون الجمع حراماً أو مكروهاً على ما بينا .

فإن قيل : هذه الآية حجة عليكم ، لأنه ذكر جنس الطلاق ، وجنس الطلاق ثلاث ، والثلاث إذا وقع دفعتين ، كان الواقع في دفعة طلقتان ، فيدل على كون الطلقتين في دفعة مسنونتين .

فالجواب : أن هذا أمر بتفريق الطلقتين من الثلاث لا بتفريق الثلاث ، لأنه أمر بالرجعة عقب الطلاق مرتين أي دفعتين بقوله تعالى : (فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ) [3] أي وهو الرجعة وتفريق الطلاق وهو إيقاعه دفعتين لا يعقب الرجعة ، فكان هذا أمراً بتفريق الطلقتين من ثلاث ، لا بتفريق كل جنس الطلاق وهو الثلاث ، والأمر بتفريق طلقتين من الثلاث يكون نهياً عن الجمع بينهما .

ما روي عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه قال : « تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ » [4] نص - صلى الله عليه وسلم - عن الطلاق ، ولا يجوز أن يكون النهي عن الطلاق لعينه ، لأنه قد بقي مشروعاً شرعاً حتى الحكم بعد النهي ، فعلم أنه نهى عنه لغيره ملازماً للطلاق يصلح أن يكون منهياً عنه ، فكان النهي عنه لا عن الطلاق ، فلا يجوز أن يمتنع من الشرع لمكان الحرام الملازم له ، كما في الطلاق في حالة الحيض ، والبيع وقت النداء ، والصلاة في الأرض المغصوبة ، وغير ذلك .

وقد ذكر عن عمر - رضي الله عنه - : أنه كان لا يؤتى برجل طلق امرأته ثلاثاً إلا أوجعه ضرباً وأجاز ذلك عليه ، وذلك بحضر من الصحابة - رضي الله عنهم - فيكون إجماعاً .

ولنا وجوه :

أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا ، والطلاق إبطال له ، وإبطال المصلحة مفسدة ، وقد قال الله عز وجل : (وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ) [5] ، وهذا معنى الكراهة

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣٣ .
(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .
(٤) رواه ابن عدي في الكامل من طريق علي بن أبي طالب ، وقال السيوطي في الجامع الصغير : ضعيف .
(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٠٥ .

الطلاق الثلاث

مشروعية عندنا ، أن الله تعالى لا يحبه ولا يرضى به ، إلا أنه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطبائع ، أو لفساد يرجع إلى نكاحها بأن علم الزوج أن المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة ، أو أن المقام معها سبب فساد دينه ودنياه ، فتنقلب المصلحة في الطلاق ليستوفي مقاصد النكاح من امرأة أخرى ، إلا أن احتمال أنه لم يتأمل حق التأمل ، ولم ينظر حق النظر في العاقبة قائم ، والشرع والعقل يدعوان إلى النظر ، وذلك في أن يطلقها طلقة واحدة رجعية ، حتى أن التباين والفساد إذا كان من جهة المرأة تتوب وتعود إلى الصلاح إذا ذاقت مرارة الفراق ، وإن كانت لا تتوب نظر في حال نفسه أنه هل يمكنه الصبر عنها ؟ فإن علم أنه لا يمكنه الصبر عنها يراجعها ، وإن علم أنه يمكنه الصبر عنها يطلقها في الطهر الثاني .

ثانياً : ويجرب نفسه ، ثم يطلقها فيخرج نكاحها من أن يكون مصلحة ظاهراً وباطناً ، لأنه لا يلحقه الندم غالباً ، فإيقاع الطلقة الواحدة أو الثلاث في ثلاثة أطهار على تقدير خروج نكاحها من أن يكون مصلحة وصيرورة المصلحة في الطلاق ، فأما إذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة في حالة الغضب ، وليست حالة الغضب حالة التأمل ، لم يعرف خروج النكاح من أن يكون مصلحة فكان الطلاق إبطالاً للمصلحة من حيث الظاهر ، فكان مفسدة .

أن النكاح عقد مسنون ، بل هو واجب كما ذكرنا في كتاب النكاح ، فكان الطلاق قطعاً للسنة وتفويتاً للواجب ، فكان الأصل هو الحظر أو الكراهة ، إلا أنه رخص للتأديب أو التخليص ، والتأديب يحصل بالطلقة الواحدة الرجعية .

لأن التباين أو الفساد إنما كان من قبلها ، فإذا ذاقت مرارة الفراق فالظاهر أنها تتأدب وتتوب وتعود إلى الموافقة والصلاح ، والتخليص يحصل بالثلاث في ثلاثة أطهار ، والحديث بالرخصة يكون ثابتاً بطريق الضرورة ، وحق الضرورة صار مقضياً بما ذكرنا فلا ضرورة إلى الجمع بين الثلاث في طهر واحد ، فبقي ذلك على أصل الحظر .

أنه إذا طلقها ثلاثاً في طهر واحد فربما يلحقه الندم ، وقال الله تعالى : ﴿ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ﴾[1] . قيل في التفسير : أي ندامة على ما سبق من فعله أو رغبة فيها ، ولا يمكنه التدارك بالنكاح لمنع الشرع في النكاح ، فكان في جمع احتمال الوقوع في الحرام وليس في الامتناع ذلك ، والتحرز عن مثله واجب شرعاً وعقلاً ، بخلاف الطلقة الواحدة لأنها لا تمنع التدارك بالرجعة ، وبخلاف الثلاث في ثلاثة أطهار ، لأن ذلك لا يعقب الندم ظاهراً لأنه يجرب نفسه في الأطهار الثلاثة فلا يلحقه الندم . انتهى المقصود .

× × ×

---

(۱) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱

وقال الطحاوي: حدثنا ابن مرزوق قال: ثنا وهب، قال: ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح وحميد الأعرج، عن مجاهد، أن رجلا قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة، فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك، لم تتق الله فيجعل لك مخرجا، من يتق الله يجعل له مخرجا، قال الله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن ...)(1)

× × ×

المذهب المالكي

أما المذهب المالكي فهذه بعض نقول عنه:

[illegible]

قلت لعبد الرحمن بن القاسم: هل كان مالك يكره أن يطلق الرجل امرأته ثلاث تطليقات في مجلس واحد، قال: نعم، كان يكرهه أشد الكراهية، وكذلك لا يجوز عند مالك أن يطلقها ثلاثا في كلمة واحدة، فمن فعل لزمه ذلك بدليل قوله تعالى: (تلك حدود الله فلا تعتدوها)(4) وقوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا)(5). وفي الرجعة فجعلها ثابتة بإيقاع الثلاث في كلمة واحدة، ولو لم يجعل ولم يلزمه لم نجد له وجه ولا كان ظالما لنفسه. انتهى المقصود.

[illegible]

فأما العدد، فإنه لا يحل أن يوقع أكثر من طلقة واحدة، فمن أوقع طلقتين أو ثلاثا فقد طلق لغير سنة... والدليل على ما نقوله، قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان)(7) ولا يخلو أن يكون أمرا بصفة الطلاق والأمر يقتضي الوجوب أو يكون إخبارا عن صفة الطلاق الشرعي، ومن أصحابنا من قال: إن الألف واللام تكون للحصر وهذا يقتضي أن لا يكون الطلاق الشرعي على غير هذه الصفة.

فإن قيل: المراد بذلك الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان، وأن ما زاد عليه ليس برجعي. قالوا: يدل على ذلك أنه قال بعد ذلك: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان)(7) ثم أفرد الطلقة الثالثة لما لم تكن رجعية وأفرد حكم الطلقتين فقال: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره)(8)

---

(1) الآية الكريمة من سورة الطلاق: 1.
(2) المدونة 2/61.
(3) المقدمات بهامش المدونة 2/78.
(4) الآية الكريمة من سورة البقرة: 229.
(5) الآية الكريمة من سورة الطلاق: 1.
(6) المنتقى 4/4.
(7) الآية الكريمة من سورة البقرة: 229.
(8) الآية الكريمة من سورة البقرة: 230.

﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾[1] وعلى هذا القول: فهل له أن يطلقها الثانية والثالثة في الرجعة بأن يفرق الطلاق على ثلاثة أشهر، فيطلقها في كل طهر طلقة؟ فيه قولان، هما روايتان عن أحمد، إحداهما له ذلك، وهو قول طائفة من السلف ومذهب أبي حنيفة. والثانية ليس له ذلك وهو قول أكثر السلف، وهو مذهب مالك وأصح الروايتين عن أحمد التي اختارها أكثر أصحابه كأبي بكر عبد العزيز والقاضي أبي يعلى وأصحابه.

القول الثاني أن جمع الثلاث ليس بمحرم، بل هو ترك الأفضل وهو مذهب الشافعي، والرواية الأخرى عن أحمد: اختارها الخرقي.

واحتجوا بأن فاطمة بنت قيس طلقها زوجها أبو حفص بن المغيرة ثلاثاً، وبأن امرأة رفاعة طلقها زوجها ثلاثاً، وبأن الملاعن طلق امرأته ثلاثاً ولم ينكر النبي – صلى الله عليه وسلم – ذلك.

وأجاب الأكثرون: بأن حديث فاطمة وامرأة رفاعة إنما طلقها ثلاثاً متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثاً لا هذا ولا هذا مجتمعات. وقول الصحابي: طلق ثلاثاً، يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها. وهذا كلام عربي رائج باتفاق الأئمة، وهو المشهور على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – في معنى الطلاق ثلاثاً، وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا إنما كان منكراً عندهم، إنما يقع قليلاً، فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا، بل هذا قول بلا دليل، بل هو بخلاف الدليل.

وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البينونة، أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكداً لموجب اللعان، والنزاع إنما هو في طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي – صلى الله عليه وسلم – قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها الثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح، والمعروف أنه فرق بينهما بعد أن طلقها ثلاثاً، فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره.

واحتج حينئذ أن يفرق النبي – صلى الله عليه وسلم – بينهما لأنهما صارا أجنبيين، ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرمها عليه تحريماً مؤبداً فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعاً بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية، فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد: طلقها ثلاثاً فأنفذه عليه رسول الله – صلى الله عليه وسلم – دليل على احتياج ذلك

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة ـ ٢٣٠

أي هذا الطلاق المذكور (مرتان) وإذا قيل: سبِّح مرتين أو ثلاث مرات، لم يُجزئه أن يقول: سبحان الله مرتين، بل لا بد أن ينطق بالتسبيح مرة بعد مرة، فكذلك لا يقال: طلّق مرتين إلا إذا طلّق مرة بعد مرة، فإذا قال: أنت طالق ثلاثاً، أو مرتين لم يجز أن يقال: طلّق ثلاث مرات ولا مرتين، وإن جاز أن يقال طلّق ثلاث تطليقات أو طلقتين، ثم قال سبحانه بعد ذلك: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [1] فهذه الطلقة الثالثة لم يشرعها الله إلا بعد الطلاق الرجعي مرتين.

وقد قال الله تعالى: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [2] الآية، وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، فعلم أن جمع الثلاث ليس بمشروع، ودلائل تحريم الثلاث كثيرة قوية من الكتاب والسنة والآثار والاعتبار، كما هو مبسوط في موضعه، وسبب ذلك أن الأصل في الطلاق الحظر، وإنما أبيح منه قدر الحاجة، كما ثبت في الصحيح عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم: «إن إبليس ينصب عرشه على البحر، ويبعث سراياه فأقربهم إليه منزلة أعظمهم فتنة، فيأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فعل كذا، حتى يأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فرّقت بينه وبين امرأته، فيدنيه منه ويقول: أنت أنت، ويلتزمه»، وقد قال تعالى في ذم السحر: ﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾. [3] وفي السنن عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «إن المختلعات والمنتزعات هن المنافقات» وفي السنن أيضاً عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: «أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة».

ولهذا لم يبح إلا ثلاث مرات، وحرمت عليه المرأة بعد الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره، وإذا كان إنما أبيح للحاجة، فالحاجة تندفع بواحدة، فما زاد فهو باق على الحظر. اهـ.

فصل في حكمه صلى الله عليه وسلم فيمن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة. قد تقدم حديث محمود بن لبيد، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبر عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقام مغضباً ثم قال: «أيُلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم» وإسناده على شرط مسلم، فإن ابن وهب قد رواه عن مخرمة بن بكير بن الأشج عن أبيه قال: سمعت محمود بن لبيد، فذكره، ومخرمة ثقة بلا شك، وقد احتج مسلم في صحيحه بحديثه عن أبيه.

والذين أعلوه، قالوا: لم يسمع منه، وإنما هو كتاب. قال أبو طالب: سألت أحمد بن حنبل عن

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠.
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٢.
(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة: ١٠٢.
(٤) زاد المعاد الجزء الرابع ص ٥٥ وما بعدها

فيه كتاب سليمان لعله سمع من الشيء اليسير، ولم أجد أحداً في المدينة يخبرني عن مخرمة بن بكير أنه كان يقول في شيء من حديثه: سمعت أبي، ومخرمة ثقة. انتهى. ويكفي أن مالكاً أخذ كتابه فنظر فيه واحتج به في موطئه، وكان يقول: حدثني مخرمة، وكان رجلاً صالحاً.

وقال أبو حاتم سألت إسماعيل بن أبي أويس، قلت: هذا الذي يقول مالك بن أنس: حدثني الثقة من هو؟ قال: مخرمة بن بكير. وقيل لأحمد بن صالح المصري: كان مخرمة من ثقات الرجال؟ قال: نعم. وقال ابن عدي عن ابن وهب ومعن بن عيسى عن مخرمة: أحاديث حسان مستقيمة وأرجو أنه لا بأس به.

وفي صحيح مسلم قول ابن عمر للمطلق ثلاثاً: حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك، وعصيت ربك فيما أمرك به من طلاق امرأتك. وهذا تفسير منه للطلاق المأمور به، وتفسير الصحابي حجة، وقال الحاكم: هو عندنا مرفوع.

ومن تأمل القرآن حق التأمل تبين له ذلك، وعرف أن الطلاق المشروع بعد الدخول هو الطلاق الذي يملك به الرجعة، ولم يشرع الله سبحانه إيقاع الثلاث جملة واحدة البتة، قال تعالى: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾[1] ولا تعقل العرب في لغتها وقوع المرتين إلا متعاقبتين، كما قال النبي صلى الله عليه وسلم: «من سبح الله دبر كل صلاة ثلاثاً وثلاثين، وحمده ثلاثاً وثلاثين، وكبره ثلاثاً وثلاثين» ونظائره، فإنه لا يعقل من ذلك إلا تسبيح وتكبير وتحميد متوال يتلو بعضه بعضاً، فلو قال: سبحان الله ثلاثاً وثلاثين، والحمد لله ثلاثاً وثلاثين، والله أكبر ثلاثاً وثلاثين بهذا اللفظ لكان ثلاث مرات فقط. وأصرح من هذا قوله سبحانه: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ﴾[2] فلو قال: أشهد بالله أربع شهادات إني لمن الصادقين، كانت مرة، وكذلك قوله: ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ﴾[3] فلو قالت: أشهد بالله أربع شهادات إنه لمن الكاذبين، كانت واحدة.

وأصرح من ذلك قوله تعالى: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾[4] فهذا مرة بعد مرة.

* * *

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹.
(۲) الآية الكريمة من سورة النور: ۶.
(۳) الآية الكريمة من سورة النور: ۸.
(۴) الآية الكريمة من سورة التوبة: ۱۰۱.

ولا ينتقض هذا بقوله تعالى: ﴿نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ [1] وقوله - صلى الله عليه وسلم -: «ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين».

لأن المرتين هنا: هما الضعفان، وهما المثلان، وهما مثلان في القدر، كقوله تعالى: ﴿يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾ [2] وقوله تعالى: ﴿فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ﴾ [3] أي ضعف ما يعذب به غيرها، وضعف ما كانت تؤتي، ومن هذا قول أنس: «انشق القمر على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مرتين» أي شقتين وفرقتين، كما قال في اللفظ الآخر: «انشق القمر فلقتين» وهذا أمر معلوم قطعاً: أنه إنما انشق القمر مرة واحدة، والفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان وبين ما يكون مثلين وجزءين ومرتين في المضاعفة؛ فالثاني يتصور فيه اجتماع المرتين في آن واحد، والأول لا يتصور فيه ذلك.

X X X

وأيضاً يدل على أن الله لم يشرع الثلاث جملة، أنه قال: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ [4] إلى أن قال: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾ [5] فهذا يدل على أن كل طلاق بعد الدخول، فالمطلق أحق فيه بالرجعة، سوى الثالثة المذكورة بعد هذا.

وكذلك قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ [6] إلى قوله: ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ [7] فهذا هو الطلاق المشروع، وقد ذكر الله سبحانه أقسام الطلاق كلها في القرآن، وذكر أحكامها، فذكر الطلاق قبل الدخول وأنه لا عدة فيه، وذكر الطلقة الثالثة وأنها تحرم الزوجة على المطلق حتى تنكح زوجاً غيره، وذكر طلاق الفداء الذي هو الخلع وسماه فدية، ولم يحسبه من الثلاث كما تقدم، وذكر الطلاق الرجعي الذي يحق المطلق فيه الرجعة وهو ما عدا هذه الأقسام الثلاثة.

وبهذا احتج أحمد والشافعي وغيرهما على أنه ليس في الشرع طلقة واحدة بعد الدخول بغير عوض بائنة، وأنه إذا قال: أنت طالق طلقة بائنة كانت رجعية ويلغو وصفها بالبينونة، وأنه لا يملك إبانتها إلا بعوض، وأما أبو حنيفة فقال: تبين بذلك، لأن الرجعة حق له وقد أسقطها، والجمهور يقولون: وإن كانت الرجعة حقاً له

---

(1) الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ۳۱.
(2) الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ۳۰.
(3) الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۶۵.
(4) الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸.
(5) الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸.
(6) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱.
(7) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲.

لكن تنفذ الرجعة وكسرتها حق عليه ، فلا يملك إسقاطه إلا باختيارها وبذلها العوض ، وجوّزوا أن تفتدي نفسها بغير عوض في أحد القولين ، ومن جوّز الخلع بغير عوض ، وأما إسقاط حقها من الكسوة والنفقة بغير عوض فلا يملكها العوض فخلاف النص والقياس .

قالوا : وأيضاً فالله سبحانه شرع الطلاق على أكمل الوجوه وأنفعها للرجل والمرأة ، فإنهم كانوا يطلقون في الجاهلية بغير عدد ، فيطلق أحدهم المرأة كلما شاء ويرتجعها ، وهذا ـ وإن كان فيه رفق بالرجل ـ ففيه إضرار بالمرأة ، فنسخ سبحانه ذلك بثلاث ، وقصر الزوج عليها وجعله أحق بالرجعة ما لم تنقض عدتها ، فإذا استوفى العدد الذي ملكه حرمت عليه ، فكان في هذا رفق بالرجل إذ لم تحرم عليه بأول طلقة ، وبالمرأة حيث لم يجعل إليه أكثر من ثلاث ، فهذا شرعه وحكمته وحدوده التي حدها لعباده ، فلو حرمت عليه بأول طلقة يطلقها ، كان خلاف شرعه وحكمته ، وهو لم يملك إيقاع الثلاث جملة ، بل إنما ملك واحدة ، فالزائد عليها غير مأذون له فيه .

قالوا : وهذا كما أنه لم يملك بانتها بطلقة واحدة إذ هو خلاف ما شرعه ، لم يملك إبانتها بثلاث مجموعة إذ هو خلاف ما شرعه . ونكتة المسألة : أن الله لم يجعل للأمة طلاقاً بائناً قط إلا في موضعين : أحدهما طلاق غير المدخول بها ، والثاني : الطلقة الثالثة وما عداه من الطلاق فقد جعل للزوج فيه الرجعة . هذا مقتضى الكتاب كما تقدم تقريره ، وهذا قول الجمهور منهم الإمام أحمد والشافعي وأهل الظاهر . قالوا : لا يملك إبانتها بدون الثلاث إلا في الخلع ، ولأصحاب مالك ثلاثة أقوال فيما إذا قال : أنت طالق طلقة لا رجعة فيها ـ ومالك رحمه الله ـ هل هي ثلاث ، أو خلع بدون عوض ، أو واحدة بائنة .

× × ×

[illegible]

أجاب ابن حزم ـ رحمه الله ـ في كتابه المحلى عن ذلك بقوله[1] : أما الآيات فإنها نزلت فيمن طلق واحدة أو اثنتين فقط ، ثم نسألهم عمن طلق مرة ثم راجع ثم مرة ثم راجع ثم ثالثة ، أبدعة أي وقعتم قولهم : لا بل سنة . فنسألهم أتحكمون له بما في الآيات المذكورات ؟ فمن قولهم : لا ، فلا خلاف فصح أن المقصود في الآيات المذكورات من أراد أن يطلق طلاقاً رجعياً ، فبطل احتجاجهم بها في حكم من طلق ثلاثاً . وأما قولهم : معنى قوله : ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾[2] أن معناه مرة بعد مرة ، فخطأ ، بل هذه الآية كقوله تعالى :

(١) انظر المحلى الجزء العاشر ص (١٦٧-١٦٨)
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩ .

من قول العلماء في الإقدام على جمع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، أنه ليس بمحرم ولا بدعة، بل سنة، وهو قول الشافعي، وأبي ثور، وأحمد بن حنبل في إحدى الروايات عنه، وجماعة من أهل الظاهر، كما في زاد المعاد، ونكتفي بإيراد كلام الشافعي في الأم، وابن حزم في المحلى. قال الإمام الشافعي: (اختلاف في الطلاق الثلاث): —

حدثنا مالك بن أنس، عن عبد الله بن يزيد مولى الأسود بن سفيان، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن فاطمة بنت قيس. أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب بالشام فبعث إليها وكيله بشعير فسخطته فقال: والله ما لك علينا من شيء. فجاءت النبي — صلى الله عليه وسلم — فذكرت ذلك له فقال: «ليس لك عليه نفقة».

قال الشافعي — رحمه الله: وأبو عمرو رضي الله عنهما طلق امرأته البتة وعلم ذلك النبي — صلى الله عليه وسلم — فأسقط نفقتها لأنه لا رجعة له عليها، والبتة التي لا رجعة له عليها ثلاث، ولم يعب النبي — صلى الله عليه وسلم — طلاق الثلاث، ويحكم فيما سواها من الطلاق بالحقيقة والشكوى. فإن قال قائل: ما دل على أن البتة ثلاث فهو لو لم يكن سمى أبو عمرو رضي الله عنهما ثلاثا البتة، أو نوى بالبتة ثلاثا، كانت واحدة يملك الرجعة وعليه نفقتها

ومن زعم أن البتة ثلاث يلزم بتة المطلق، ولا تسمية ثلاث، فقال: إن النبي — صلى الله عليه وسلم — إذ لم يعب الطلاق الذي هو ثلاث، دل على أن الطلاق بيد الزوج، ما أبقى منه أبقى لنفسه وما أخرج منه من يده لزمه غير محرم عليه، كما لا يحرم عليه أن يعتق رقبة، ولا أن يخرج من ماله صدقة، وقد يقال له: لو أبقيت ما تستغني به عن الناس كان خيرا لك.

فإن قال قائل: ما دل على أن أبا عمرو لا يعدو أن يكون سمى ثلاثا، أو نوى بالبتة ثلاثا؟ قلنا: الدليل من رسول الله — صلى الله عليه وسلم.

قال الشافعي — رحمه الله —: أخبرنا عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبد الله بن علي بن السائب، عن نافع ابن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة المزنية البتة، ثم أتى النبي — صلى الله عليه وسلم — فقال: إني طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة.

فقال النبي — صلى الله عليه وسلم — لركانة: «والله ما أردت إلا واحدة؟» فردها إليه النبي — صلى الله عليه وسلم —، فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان — رضي الله عنهما.

قال الشافعي — رحمه الله —: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن سهل بن سعد، أنه أخبره أنه تلاعن عويمر وامرأته بين يدي النبي — صلى الله عليه وسلم — وهو مع الناس فلما فرغا من ملاعنتهما.

أراد أكثر من واحدة ألزمه ذلك .

أخبرنا الربيع : قال أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك عن ابن شهاب ، عن طلحة بن عبد الله ابن عوف ، وكان أعلمهم بذلك ، وعن أبي سلمة بن عبد الرحمن ، أن عبد الرحمن طلق امرأته البتة وهو مريض فورثها عثمان منه بعد انقضاء عدتها .

قال الشافعي ـ رحمه الله ـ أخبرنا عبد الوهاب ، عن أيوب ، عن ابن سيرين . أن امرأة عبد الرحمن نشدته الطلاق فقال : إذا حضت ثم طهرت فآذنيني ، فطهرت وهو مريض فآذنته فطلقها ثلاثا . قال الشافعي ـ رحمه الله ـ : والبتة في حديث مالك بيان هذا الحديث ثلاثا ، لما وصفنا من أن يقول طالق البتة ينوي ثلاثا وقد بينه ابن سيرين فقطع موضع الشك فيه .

أخبرنا الربيع ، قال : أخبرنا الشافعي ، قال : أخبرنا مالك ، عن ابن شهاب ، عن محمد بن عبد الرحمن ابن ثوبان عن محمد بن إياس بن بكير ، قال : طلق رجل امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها ، ثم بدا له أن ينكحها ، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له . فسأل أبا هريرة ، وعبد الله بن عباس ـ رضي الله عنهما ـ عن ذلك فقالا : لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك . قال : إنما كان طلاقي إياها واحدة ، فقال ابن عباس : إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل .

قال الشافعي رحمه الله : وما عاب ابن عباس ولا أبو هريرة عليه أن يطلق ثلاثا ، ولو كان ذلك معيبا لقالا له : لزمك الطلاق وبئسما صنعت ، ثم سمى حين راجعه فما زاده ابن عباس على الذي هو عليه أن قال له : إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل ، ولم يقل بئسما صنعت ، ولا حرجت في إرساله .

أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك ، عن يحيى بن سعيد ، عن بكير ، عن النعمان ابن أبي عياش الأنصاري عن عطاء بن يسار ، قال : جاء رجل يستفتي عبد الله بن عمرو : عن رجل طلق امرأته ثلاثا قبل أن يمسها ، قال عطاء فقلت : إنما طلاق البكر واحدة . فقال عبد الله بن عمرو إنما أنت قاص الواحدة تبينها ، والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره .

ولم يقل له عبد الله : بئسما صنعت حين طلقت ثلاثا . أخبرنا الربيع قال أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد ، أن بكيرا أخبره عن النعمان بن أبي عياش أنه كان جالسا عند عبد الله بن الزبير ، وعاصم بن عمر فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال : إن رجلا من أهل البادية طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها فماذا تريان ؟ فقال ابن الزبير : إن هذا الأمر ما لنا فيه قول ، اذهب إلى ابن عباس وأبي هريرة ، فإني تركتهما عند عائشة فسلهما ، ثم ائتنا فأخبرنا . فذهب فسألهما ، فقال ابن عباس لأبي هريرة : أفته يا أبا هريرة ، فقد جاءتك معضلة ، فقال أبو هريرة ـ رضي الله عنه ـ : الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره .

وقال ابن عباس مثل ذلك ولم يعبها عليه ثلاث ولا عائشة . أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرني مالك عن ابن شهاب عن عروة أن مولاة لبني عدي يقال لها : زبراء أخبرته أنها كانت تحت عبد وهي يومئذ أمة ، فعتقت قالت : فأرسلت إلي حفصة فدعتني فقالت : إني مخبرتك خبرا ولا أحب أن تصنعي شيئاً ، إن أمرك بيدك ما لم يمسك زوجك ، فقالت : ففارقته ثلاثاً ، فلم تعب لها حفصة : لا يجوز لك أن تطلقي ثلاثاً .

ولو كان ذلك عيباً على الرجل ، إذاً لكانت ذلك عيباً عليها إذا كان بيدها فيه ما بيده .

أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك ، عن هشام ، عن أبيه ، عن جمهان ، عن أم بكرة الأسلمية أنها اختلعت من زوجها عبد الله بن أسيد ، ثم أتيا عثمان في ذلك فقال : هي تطليقة ، إلا أن تكون سميت شيئاً فهو ما سميت .

فعثمان ــ رضي الله عنه ــ يخبره أنه إن سمى أكثر من واحدة كان ما سمى ، ولا يقول له : لا ينبغي لك أن تسمي أكثر من واحدة ، بل في هذا القول دلالة على أنه جائز له أن يسمي أكثر من واحدة . أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك ، عن يحيى بن سعيد ، عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم ، أن عمر بن عبد العزيز ــ رضي الله عنه ــ قال : البتة ما يقول الناس فيها ؟ فقال أبو بكر ، فقلت له : كان أبان بن عثمان يجعلها واحدة ، فقال عمر : لو كان الطلاق ألفاً ما أبقت البتة منه شيئاً ، من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى .

قال الشافعي : ولم يحك عن واحد منهم على اختلافهم في البتة أنه عاب البتة ولا عاب ثلاثاً . قال الشافعي قال مالك في المخيرة : إن خيرها زوجها فاختارت نفسها فقد طلقت ثلاثاً ، وإن قال زوجها : لم أخيرك إلا في واحدة فليس له في ذلك قول ، وهذا أحسن ما سمعت .

قال الشافعي : فإذا كان مالك يزعم أن من مضى من سلف هذه الأمة قد خيروا وخير رسول الله ــ صلى الله عليه وسلم ــ والخيار إذا اختارت المرأة نفسها يكون ثلاثاً ، كان ينبغي أن يزعم أن الخيار لا يحل ، لأنها إذا اختارت كان ثلاثاً ، وإذا زعم أن الخيار يحل وهي إذا اختارت نفسها طلقت ثلاثاً فقد زعم أن النبي ــ صلى الله عليه وسلم ــ قد أجاز طلاق ثلاث ، وأصحاب النبي ــ صلى الله عليه وسلم ــ .

قال الشافعي : رحمه الله ــ أخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن عكرمة بن خالد أن سعيد بن جبير أخبره أن رجلاً أتى ابن عباس فقال : طلقت امرأتي مائة فقال ابن عباس ــ رضي الله عنه ــ تأخذ ثلاثاً وتدع سبعاً وتسعين .

قال الشافعي : أخبرنا سعيد ، عن ابن جريج ، أن عطاء ومجاهداً قالا : إن رجلاً أتى ابن عباس ، فقال : طلقت امرأتي مائة ، فقال ابن عباس : تأخذ ثلاثاً وتدع سبعاً وتسعين .

أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مسلم بن خالد عن ابن جريج ، عن عطاء وحده ، عن ابن عباس أنه قال : وسبعاً وتسعين عدواناً ، اتخذت بها آيات الله هزواً ، فعاب عليه ابن عباس كل ما زاد عن عدد الطلاق الذي لم يجعله الله إليه ولم يعب عليه ما جعل الله إليه من الثلاث وفي هذا دلالة على أنه يجوز له عنده أن يطلق ثلاثاً ولا يجوز له ما لم يكن إليه . اهـ

وأما المذهب الحنبلي فقد . . .

اختلفت الرواية عن أحمد في جمع الثلاث: فروي عنه أنه غير محرم اختاره الخرقي، وهو مذهب الشافعي: وأبي ثور وداود، وروي ذلك عن الحسن بن علي وعبد الرحمن بن عوف، والشعبي، لأن عويمراً العجلاني لما لاعن امرأته قال: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله – صلى الله عليه وسلم – متفق عليه ولم ينقل إنكار النبي – صلى الله عليه وسلم –.

وعن عائشة أن امرأة رفاعة جاءت إلى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فقالت: يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقي متفق عليه، وفي حديث فاطمة بنت قيس، أن زوجها أرسل إليها بثلاث تطليقات ولأنه طلاق جاز تفريقه فجاز جمعه كطلاق النساء.

وقد أجاب ابن قدامة عن أدلة القائلين بالإباحة جواباً إجمالياً:

فقال[2]: وأما حديث المتلاعنين فغير لازم، لأن الفرقة لم تقع بالطلاق، فإنها وقعت بمجرد لعان الزوج فلا حجة فيه.

ثم إن اللعان يوجب تحريماً مؤبداً، فالطلاق بعده كالطلاق بعد انفساخ النكاح بالرضاع أو غيره.

ولأن جمع الثلاث إنما حرم لما يعقبه من الندم، ويحصل به من الضرر، ويفوت عليه من حل نكاحها، ولا يحصل ذلك بالطلاق بعد اللعان لحصوله باللعان.

وسائر الأحاديث لم يقع فيها جمع الثلاث بين يدي النبي – صلى الله عليه وسلم – فيكون مقراً عليه، ولا حضر المطلق عند النبي – صلى الله عليه وسلم – حين أخبر بذلك لينكر عليه.

---

(١) المغني مع الشرح الكبير ٨/٢١٠ .
(٢) المغني مع الشرح الكبير ٨/٢١٢ .

على أن حديث فاطمة قد جاء فيه: أنه أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها، وحديث امرأة رفاعة جاء فيه أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات متفق عليه، فلم يكن في شيء من ذلك جمع الثلاث، ولا خلاف بين الجميع في أن الاختيار والأولى أن يطلق واحدة ثم يدعها حتى تنقضي عدتها، إلا ما حكيناه من قول من قال إنه يطلقها في كل قرء طلقة، والأول أولى، فإن في ذلك امتثالاً لأمر الله — سبحانه — وموافقة لقول السلف، وأمناً من الندم، فإنه متى ندم راجعها، فإن فاته ذلك بانقضاء عدتها فله نكاحها . . . .

وقال ابن حزم وجدنا من حجة من قال: إن الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة، قول الله تعالى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾[2].

فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولا يجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص.

وكذلك قوله تعالى: ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾[3] عموم لإباحة الثلاث والاثنتين والواحدة.

وقوله تعالى: ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾[4] فلم يخص تعالى مطلقة واحدة من مطلقة اثنتين ومن مطلقة ثلاثاً.

ووجدنا ما رويناه من طريق مالك، عن ابن شهاب، أن سهل بن سعد الساعدي أخبره، في حديث اللعان، عويمر العجلاني مع امرأته، وفي آخره أنه قال: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها، فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله — صلى الله عليه وسلم — ثم قال: وأنا مع الناس عند رسول الله — صلى الله عليه وسلم —.

قال أبو محمد — ابن حزم — لو كانت طلاق الثلاث مجموعة معصية لله تعالى، لما سكت رسول الله — صلى الله عليه وسلم — عن بيان ذلك، فصح يقيناً أنها سنة مباحة.

وقال بعض أصحابنا: لا يخلو من أن يكون طلقها وهي امرأته، أو طلقها وقد حرمت عليه ووجب التفريق بينهما، فإن كان طلقها وهي امرأته، فليس هذا قولكم، لأن قولكم إنها بتمام اللعان تبين عنه إلى الأبد، وإن كان طلقها أجنبية فإنما نحن فيمن طلق امرأته لا فيمن طلق أجنبية.

فقلنا: إنما طلقها وهو يقدر أنها امرأته، فلو كان ذلك معصية لسبقكم رسول الله — صلى

---

(١) أنظر الجزء العاشر من المحلى ص ١٦٧–١٧٢.
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠.
(٣) الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٤٩.
(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١.

الله عليه وسلم ـ إلى هذا الاعتراض، فإنا سمعنا كلها في ترك رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ الإنكار على من طلق ثلاثا مجموعة امرأة يلاعنها امرأته؛ ولا يشك أنها في عصمته فقط.

فإن قالوا: ليس كل مسكوت عن ذكره في الأخبار يكون تركنا ذكره حجة. قلنا: نعم، وهو حجة لازمة إلا أن يوجد بيان في خبر آخر لم يذكر في هذا الخبر، فحينئذ لا يكون المسكوت عنه في خبر آخر حجة.

■ ومن طريق البخاري، نا محمد بن بشار، نا يحيى هو ابن سعيد القطان، عن عبيد الله بن عمر، نا القاسم بن محمد ابن أبي بكر، عن عائشة أم المؤمنين ـ رضي الله عنها ـ قالت: إن رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق، فسئل رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ أتحل للأول؟ قال: «لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول». فلم ينكر ـ عليه الصلاة والسلام ـ هذا السؤال، ولو كان لا يجوز لأخبر بذلك. وخبر فاطمة بنت قيس المشهور رويناه من طريق يحيى بن أبي كثير، أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن، أن فاطمة بنت قيس أخبرته أن زوجها ابن حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثا ثم انطلق إلى اليمن فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا: إن ابن حفص طلق امرأته ثلاثا فهل لها من نفقة؟ فقال رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ «ليس لها نفقة وعليها العدة» وذكر باقي الخبر.

■ ومن طريق مسلم، نا محمد بن المثنى، نا حفص بن غياث، نا هشام بن عروة، عن أبيه، عن فاطمة بنت قيس قالت: قلت: يا رسول الله، زوجي طلقني ثلاثا وأنا أخاف أن يقتحم علي، قال: فأمرها فتحولت. ومن طريق مسلم، نا محمد بن المثنى، نا عبد الرحمن بن مهدي، نا سفيان الثوري، عن سلمة بن كهيل، عن الشعبي، عن فاطمة بنت قيس، عن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ في المطلقة ثلاثا قال: «ليس لها سكنى ولا نفقة».

فهذا نقل تواتر عن فاطمة بأن رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ أخبرها هي ونفر سواها بأن زوجها طلقها [illegible][1] وبأنه ـ عليه الصلاة والسلام ـ حكم في المطلقة ثلاثا ولم ينكر ـ عليه الصلاة والسلام ـ ذلك ولا أخبر بأنه ليس بسنة، وفي هذا كفاية لمن نصح نفسه.

■ فإن قيل: إن الزهري روى عن أبي سلمة هذا الخبر، فقال فيه: إنها ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث طلقات وروى الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها فذكر الخبر وفيه: فأرسل مروان إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر.

■ قلنا: نعم، هكذا رواه الزهري، فأما روايته من طريق عبيد الله بن عبد الله فمنقطعة، لم يذكر عبيد الله أنه سمعها ولا من قبيصة عنها، إنما قال: إن فاطمة طلقها زوجها وأن مروان بعث إليها قبيصة فحدثته، ولما خبر عن

(١) كذا في الأصل ولعله ثلاثا.

ومن طريق أحمد بن شعيب، أنا عمرو بن علي، نا يحيى بن سعيد القطان، عن سفيان الثوري، عن أبي إسحاق السبيعي عن أبي الأحوص، عن عبد الله بن مسعود قال: طلاق السنة أن يطلقها طاهراً من غير جماع، وهذا في غاية الصحة عن ابن مسعود، فلم يخص طلقة من طلقتين من ثلاث.

فإن قيل: قد روى الأعمش، عن أبي إسحاق، عن أبي الأحوص، عن ابن مسعود وفيه: فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى، فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى.

قلنا: نعم، هذا أيضاً سنة، وليس فيه أن ما عدا ذلك حرام وبدعة. فإن قيل: قد رويتم من طريق حماد بن زيد، نا يحيى بن عتيق، عن محمد بن سيرين قال: قال علي بن أبي طالب: لو أن الناس أخذوا بأمر الله تعالى في الطلاق ما يتبع رجل نفسه في امرأة أبداً، يطلقها تطليقة ثم يتربص ما بينها وبين أن تنقضي عدتها فمتى شاء راجعها.

قلنا: هذا منقطع عنه، لأن ابن سيرين لم يسمع من علي كلمة، ثم ليس فيه أيضاً أن ما عدا ذلك معصية ولا بدعة، لا يعلم عن الصحابة رضي الله عنهم غير ما ذكرنا. وأما التابعون فروينا من طريق وكيع عن إسماعيل ابن أبي خالد، عن الشعبي قال: قال رجل لشريح القاضي: طلقت امرأتي مائة، فقال: بانت منك بثلاث، وسبع وتسعون إسراف ومعصية.

فلم ينكر شريح الثلاث، وإنما جعل الإسراف والمعصية ما زاد على الثلاث. ومن طريق عبد الرزاق عن معمر عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، قال: طلاق العدة أن يطلقها إذا طهرت من الحيضة بغير جماع.

قال أبو محمد: فلم يخص واحدة من ثلاث من اثنتين لا يعلم عن أحد من التابعين أن الثلاث معصية، صرح بذلك، إلا الحسن، والقول بأن الثلاث سنة هو قول الشافعي وأبي ثور وأصحابهما.

وقال ابن أبي شيبة[1]: من رخص للرجل أن يطلق ثلاثاً في مجلس، حدثنا أبو أسامة، عن هشام قال: سئل محمد عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً في مقعد واحد، قال: لا أعلم بذلك بأساً، قد طلق عبد الرحمن بن عوف امرأته ثلاثاً فلم يعب عليه ذلك.

حدثنا أبو أسامة، عن ابن عون عن محمد قال: كان لا يرى بذلك بأساً. حدثنا غندر عن شعبة، عن عبد الله بن أبي السفر، عن الشعبي في رجل أراد أن تبين منه امرأته، قال: يطلقها ثلاثاً.

(١) انظر مصنف ابن أبي شيبة [illegible]

٦- **وقال الباجي**

وإنما ثبت ذلك[1] أي كلامه على تحريم إيقاع الثلاث بلفظ واحد، فمن أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء .

٧- **وقال القرطبي**

قال علماؤنا : واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة ، وهو قول جمهور السلف .

٨- **هذه مسألة كثيرة من الإمام الشافعي**

ـ رحمه الله ـ في الكلام على المسألة الأولى وإن يوقعها ثلاثاً[2] .

٩- **وقال الشيرازي**

وإن قال لغير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً وقع الثلاث لأن الجميع صادف الزوجية فوقع الجميع كما لو قال ذلك للمدخول بها . . .[3] .

١٠- **وقال ابن قدامة**

وإن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين قبل الدخول وبعده، وروي ذلك عن ابن عباس، وأبي هريرة، وابن عمر، وعبدالله بن عمرو، وابن مسعود، وأنس، وهو قول أكثر أهل العلم من التابعين والأئمة بعدهم .[4]

وقال النووي

وإن طلقها ثلاثاً مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثاً وإن لم ينوها على الصحيح من المذهب، نص عليه مراراً وعليه الأصحاب بل الأئمة الأربعة رحمهم الله وأصحابهم في الجملة .[5]

١٢- **وقال شيخ الإسلام**

ـ في أثناء الكلام على بيان المذاهب في ذلك ـ الثاني أنه طلاق محرم لازم وهو قول مالك، وأبي حنيفة، وأحمد في الرواية المتأخرة عنه اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين .[6]

١٣- **وقال ابن القيم**

فاختلف الناس فيها ـ أي وقوع الثلاث بكلمة واحدة ـ على أربعة مذاهب : أحدها : أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين، وكثير من الصحابة . . .[7]

---

(١) المنتقى ٣/٤ .
(٢) تفسير القرطبي ١٢٩/٣ .
(٣) المهذب ٨٤/٢ .
(٤) المغني ٢١٢/٨ .
(٥) الإنصاف ٤٥٣/٨
(٦) مجموع الفتاوى ٨/٣٣ .
(٧) زاد المعاد ١٠١/٤ .

۱۴- الفصل الأول في أن الطلاق الثلاث يقع ثلاثاً هذا هو الصحيح من المذهب،ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره كما سيأتي ، وهذا القول مجزوم به في أكثر كتب أصحاب الإمام أحمد كالخرقي والمقنع،والمحرر والهداية وغيرهم ، من كتب أصحاب الإمام أحمد ولا يعدل عنه .

قال الأثرم : سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس « كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر واحدة بأي شيء تدفعه ؟ فقال برواية الناس عن ابن عباس أنها ثلاث «وقدمه في الفروع وجزم به في المغني ، وأكثرهم لم يحك غيره والله أعلم بالصواب .

۱۵- وقال أيضاً[1] الفصل الثاني فيمن قال بهذا القول ومن أفتى به :

قال به ابن عباس غير مرة ،وابن عمر ،وعبدالله بن عمرو ،وعثمان ،وعلي ،وابن مسعود وهو قول أكثر أهل العلم ، وبه قال أحمد ،والشافعي ،وأبو حنيفة ، ومالك ،وأنس ،وابن أبي ليلى ، والأوزاعي ، وقال به من أصحابنا الخرقي ، والقاضي وأبو بكر ، وابن حامد ، وابن عقيل ، وأبو الخطاب ، والشيرازي ، والشيخ موفق الدين ، والشيخ مجد الدين — وليس مطلقاً كما سيأتي — والشريف حتى أكثر أصحاب الإمام أحمد على هذا القول .

وفي إجماع ابن المنذر ما يدل على أنه إجماع ليس بصريح فيه . وهذا القول اختاره ابن رجب . وقد صنف رداً على من قال بخلافه ، والله أعلم بالصواب .

۱۶-

قال ابن رجب : أعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين[2] ، أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوي في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد .

۱۷-

وعلى هذا القول — أي اعتبارها ثلاثاً — جل الصحابة وأكثر العلماء منهم الأئمة الأربعة . اهـ . وقد استدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والاجماع والآثار والقياس .

فأولاً قوله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾[5]

---

(۱) سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ۷۰ .
(۲) سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ۷۰ .
(۳) سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ۷۷ .
(۴) أضواء البيان ۱۷۲/۱ .
(۵) الآية الكريمة من سورة البقرة ۲۲۹ .

قال أبو بكر الرازي تحت عنوان « ذكر الحجاج لإيقاع الطلاق الثلاث معاً » قوله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾[1] الآية، يدل على وقوع الثلاث معاً مع كونه منهياً عنه . وذلك لأن قوله تعالى ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ قد أبان عن حكمه إذا أوقع اثنتين بأن يقول : أنت طالق، أنت طالق في طهر واحد، وقد بينا أن ذلك خلاف السنة ، فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معاً ، لأن أحداً لم يفرق بينهما .

وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى : ﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾[2] فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما في طهر واحد أو في أطهار ، فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أي وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون ومباح أو محظور .

فإن قيل : قد قلت في معنى الآية أن المراد بها بيان المندوب إليه والمأمور به من الطلاق وإيقاع الطلاق الثلاث معاً خلاف المسنون عندك ، فكيف تحتج بها في إيقاعها على غير الوجه المباح والآية لم تتضمنها على هذا الوجه ؟

قيل له : قد دلت الآية على هذه المعاني كلها من إيقاع الاثنتين والثلاث لغير السنة وأن المندوب إليه والمسنون تفريقها في الأطهار ، وليس يمتنع أن يكون مراد الآية جميع ذلك . ألا ترى أنه لو قال : طلقوا ثلاثاً في الأطهار وإن طلقتم جميعاً معاً وقعن كان جائزاً ، وإذا لم يتناف المعنيان واحتملتهما الآية وجب حملها عليهما .

فإن قيل : معنى هذه الآية محمول على ما بينه بقوله تعالى : ﴿ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾[3] وقد بين الشارع الطلاق للعدة ، وهو أن يطلقها في ثلاثة أطهار إن أراد إيقاع الثلاث ، ومتى خالف ذلك لم يقع طلاقه .

قيل له : نستعمل الآيتين على ما تقتضيانه من أحكامهما فنقول : إن المندوب إليه والمأمور به هو الطلاق للعدة على ما بينه في هذه الآية ، وإن طلق لغير العدة وجمع الثلاث وقعن لما اقتضته الآية الأخرى، وهي قوله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾[1] وقوله تعالى : ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾[2] إذ ليس في قوله تعالى : ﴿ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ نفي لما اقتضته الآية الأخرى ، على أن في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدة دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة، وهو قوله تعالى : ﴿ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ إلى قوله تعالى : ﴿ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ﴾[3] فلولا أنه إذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالماً لنفسه بإيقاعه ، ولا كان ظالماً لنفسه بطلاقه .

---

(١) الآية ٢٢٩ من سورة البقرة .
(٢) الآية ٢٣٠ من سورة البقرة .
(٣) الآية الأولى من سورة الطلاق .

وفي هذه الآية دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة ، ويدل عليه قوله تعالى في نسق الخطاب : ﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴾[1] يعني – والله أعلم – أنه إذا وقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجاً مما أوقع إن لحقه ندم وهي الرجعة ، وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباس حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثاً : إن الله تعالى يقول : ﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴾[1] وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً ، عصيت ربك وبانت منك امرأتك ، ولذلك قال علي بن أبي طالب – كرم الله وجهه – : لو أن الناس أصابوا حد الطلاق ما ندم رجل طلق امرأته .

فإن قيل : لما كان عاصياً في إيقاع الثلاث معاً لم يقع ، إذ ليس هو الطلاق المأمور به ، كما لو وكل رجل رجلاً بأن يطلق امرأته ثلاثاً في ثلاثة أطهار لم يقع إذا جمعهن في طهر واحد .

قيل له : أما كونه عاصياً في الطلاق فغير مانع صحة وقوعه لما دللنا عليه فيما سلف ، ومع ذلك فإن الله جعل الظهار منكراً من القول وزوراً ، وحكم مع ذلك بصحة وقوعه ، فكونه عاصياً لا يمنع لزوم حكمه ، والإنسان عاص لله في ردته عن الإسلام ، ولم يمنع عصيانه من لزوم حكمه وفراق امرأته ، وقد نهاه الله عن مراجعتها ضراراً بقوله تعالى : ﴿ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ﴾[2] – فلو راجعها وهو يريد ضرارها لثبت حكمها وصحت رجعته .

وأما الفرق بينه وبين الوكيل فهو : أن الوكيل إنما يطلق لغيره بحق أمره وليس يطلق لنفسه ولا يملك ما يوقعه . ألا ترى أنه لا يتعلق به شيء من حقوق الطلاق وأحكامه ، فلما لم يكن مالكاً لما يوقعه ، وإنما يصح إيقاعه لغيره من جهة الأمر إذ كانت أحكامه تتعلق بالآمر دونه لم يقع منه مخالف الأمر ، وأما الزوج فهو مالك للطلاق وبه تتعلق أحكامه وليس يوقع لغيره فوجب أن يقع من حيث كان مالكاً للثلاث وارتكاب النهي في طلاقه غير مانع وقوعه كما وصفنا في الظهار والرجعة والردة وسائر ما يكون به عاصياً ، ألا ترى أنه لو وطئ أم امرأته بشبهة حرمت عليه امرأته ، وهذا المعنى الذي ذكرناه من حكم الزوج في ملكه للثلاث من الوجوه التي ذكرنا يدل على أنه إذا أوقعهن معاً وقع إذ هو موقع لما ملك . اهـ .

وقال القرطبي في تفسير قوله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾[3] – : ترجم البخاري على هذه الآية باب من أجاز الطلاق الثلاث لقوله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾[4] وهذا إشارة منه إلى أن هذا التعديد إنما هو فسحة لهم فمن ضيق على نفسه لزمه . اهـ .

---

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق ٢ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٣١

(٣) أنظر تفسير القرطبي الجزء الثالث ص ١٢[illegible]

(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩

وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعة بن سموأل هو رفاعة بن وهب . اهـ .

× × ×

الدليل الثالث

شبهة

في الصحيح في قصة رفاعة القرظي وامرأته نزل فيه ، فقالت : يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقي ... الحديث ، وقد أخرجه البخاري تحت ترجمة (باب من أجاز الطلاق الثلاث) .

وجه الدلالة : قال الشيخ — محمد الأمين الشنقيطي [1] إن قولها : فبت طلاقي ظاهر في أنه قال لها : أنت طالق البتة .

وأجاب عن ذلك فقال : قال مقيده — عفا الله عنه — الاستدلال بهذا الحديث غير ناهض فيما يظهر ، لأن مرادها بقولها فبت طلاقي أي بحصول الطلقة الثالثة .

ويبينه ، أن البخاري ذكر في الأدب المفرد من وجه آخر ، أنها قالت : طلقني آخر ثلاث تطليقات . وهذه الرواية تبين المراد من قولها فبت طلاقي وأنه لم يكن دفعة واحدة .

وقال شيخ الإسلام [2] : وأجاب الأكثرون بأن حديث فاطمة وامرأة رفاعة إنما طلقها ثلاثاً متفرقات ، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات ، لم يطلق ثلاثاً لا هذا ولا هذا مجتمعات . وقول الصحابي طلق ثلاثاً ، يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ، وهذا طلاق سني واقع باتفاق الأئمة وهو المشهور على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — في معنى الطلاق ثلاثاً ، وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا كان منكراً عندهم إنما يقع قليلاً فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق ، ولا يجوز أن يقال : يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا بل هذا قول بلا دليل ، بل هو خلاف الدليل .

× × ×

(1) أضواء البيان ١٦٦/١ .
(2) مجموع الفتاوى ٣٣/٢٢ .

وأما الشافعي ومالك فأوجبوا لها السكنى ، والحديث قد صرح فيه بأنه لا نفقة لها ولا سكنى فخالفوه ولم يعملوا به ، فإن كان الحديث صحيحاً فهو حجة عليكم ، وإن لم يكن محفوظاً بل هو غلط — كما قال بعض المتقدمين — فليس حجة علينا في جمع الثلاث فأما أن يكون لكم على مخالفيكم ؛ وليس حجة لهم عليكم فبعيد من الإنصاف والعدل .

■ هذا مع أنا نتنزل عن هذا المقام ، ونقول : فالاحتجاج بهذا الحديث فيه نوع سهو من المحتج به ، ولو تأمل طرق الحديث ، وكيف وقعت القصة لم يحتج به ، فإن الثلاث المذكورة فيه لم تكن مجموعة ، وإنما كان قد مضى منها تطليقتين من قبل ذلك : ثم طلقها آخر ثلاث ، هكذا جاء مصرحاً به في الصحيح فروى مسلم في صحيحه عن عبيدالله بن عتبة — أن أبا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علي بن أبي طالب — رضي الله عنه — إلى اليمن ، فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها — الحديث . فهذا المفسر يبيّن ذلك المجمل وهو قوله : « طلقها ثلاثاً » .

■ وقال الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب ، عن أبي سلمة ، عن فاطمة بنت قيس ، أنها أخبرته أنها كانت تحت أبي حفص بن المغيرة ، وأن أبا حفص بن المغيرة طلقها آخر ثلاث تطليقات ، وساق الحديث وذكره أبو داود ثم قال : « وكذلك رواه صالح بن كيسان ، وابن جريج ، وشعيب بن أبي حمزة ، كلهم عن الزهري » .

■ ثم ساق من طريق عبد الرزاق ، عن معمر ، عن الزهري ، عن عبيدالله قال : أرسل مروانُ إلى فاطمةَ ، فسألها فأخبرته أنها كانت عند أبي حفص بن المغيرة وكان النبي — صلى الله عليه وسلم — أمّر علي بن أبي طالب — رضي الله عنه — على بعض اليمن ، فخرج معه زوجها ، فبعث إليها بتطليقة كانت بقيت لها وذكر الحديث بتمامه ، والواسطة بين مروان وبينها هو قبيصة بن ذؤيب ، كذلك ذكره أبو داود في طريق أخرى . فهذا بيان حديث فاطمة بنت قيس .

✕ ✕ ✕

قالوا : ونحن أخذنا به جميعه ، ولم نخالف شيئاً منه إذ كان صحيحاً صريحاً لا مطعن فيه ولا معارض له لمن خالفه فهو محتاج إلى الاعتذار . وقد جاء هذا الحديث بخمسة ألفاظ : « طلقها ثلاثاً » و « طلقها البتة » و « طلقها آخر ثلاث تطليقات » و « أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها » و « طلقها ثلاثاً جميعاً » هذه جملة ألفاظ الحديث ، وبابه التحريف .

فأما اللفظ الخامس وهو قوله : « طلقها ثلاثاً جميعاً » فهذا :

أولاً : من حديث مجالد عن الشعبي ولم يقل ذلك عن الشعبي غيره ، مع كثرة من روى هذه القصة عن الشعبي ، فتفرد مجالد على ضعفه من بينهم بقوله : « ثلاثاً جميعاً » ، وعلى تقدير صحته فالمراد به أنه اجتمع لها التطليقات الثلاث ، لا أنها وقعت بكلمة واحدة ، فإذا طلقها آخر ثلاث ، صح أن يقال : طلقها ثلاثاً جميعاً ،

تؤكد هذه الألفاظ يراد بها تأكيد العدد ، وهو الأغلب عليها . لا الاجتماع في الآن الواحد لقوله تعالى – : (ولو شاء ربك لآمن من في الأرض كلهم جميعا) [1] فالمراد حصول الإيمان من الجميع ، لا إيمانهم كلهم في آن واحد سابقهم ولا لاحقهم .

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي بعد سياقه بعض روايات الحديث وتوجيه الاستدلال ورد التوجيه .

قال [2] : ورد بعضهم هذا الاعتراض بأن الروايات المذكورة تدل على عدم تفريق الصحابة والتابعين بين صيغ البتة الثلاث – يعني لفظ البتة – والثلاث المجتمعة والثلاث المفرقة . لتعبير الراوي في بعض الروايات بلفظ طلق ثلاثا ، وفي بعضها بلفظ طلق البتة ، وفي بعضها بلفظ طلقها آخر ثلاث تطليقات . فلم تخص لفظا منها من لفظ ، لعلمها بتساوي الصيغ ، ولو علمت أن بعضها لا يحرم لاحترزت منه .

قالوا : والشيء إذا كان يبلغ من العظم إلى حد ... وحال المكيف بسؤال عن الكيفية وقبل الجواب بما فيه عنه من إجمال من غير أن يستفسر عنه ؟! وأبو سلمة روى عنها الصيغ الثلاث ، فلو كان بينها عنده تفاوت لاعترض عليها باختلاف ألفاظها ، وتثبت حتى يعلم منها بأي الصيغ وقعت بينونتها ، فتركه لذلك يدل على تساوي الصيغ المذكورة عنده . هكذا ذكر بعض الأجلاء . والظاهر أن هذا الحديث لا دليل فيه لأن الروايات التي فيها إجمال بينتها الرواية الصحيحة الأخرى ، كما هو ظاهر ، والعلم عند الله تعالى . انتهى . .

وقد سبق في تقرير الكلام على الدليل الثالث جواب شيخ الإسلام عن الحديث الثالث ، وعن هذا الحديث فيرجع إليه . .

✕ ✕ ✕

الدليل الخامس

نص الدليل :

أخرج الشافعي وأبو داود والترمذي وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن ركانة بن عبد يزيد أنه طلق امرأته سهيمة البتة ، فأخبر النبي – صلى الله عليه وسلم – وقال والله ما أردت إلا واحدة .

فقال رسول الله – صلى الله عليه وسلم – : « والله ما أردت إلا واحدة » ؟ !

(1) الآية الكريمة من سورة يونس : ٩٩ .
(2) أضواء البيان ١/١٢٠ .

قال ركانة : والله ما أردت إلا واحدة ، فردها إليه رسول الله – صلى الله عليه وسلم – .

ووجه الاستدلال بهذا الحديث يتضح في أن النبي – صلى الله عليه وسلم – حلّف ركانة ، أنه ما أراد بالبتة إلا واحدة ، فدل على أنه لو أراد بها أكثر لوقع ما أراده ، ولو لم يفترق الحال لم يحلفه ، وممن استدل بهذا الحديث لمذهب الجمهور أبو بكر الرازي الجصاص فقال : « لو لم تقع الثلاث إذا أرادها لما استحلفه بالله ما أردت إلا واحدة . اهـ [1]

وكذلك ابن قدامة قال : « ومن طلقها ثلاثاً بكلمة واحدة أو بكلمات حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره لما روي أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ثم أتى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فقال : يا رسول الله طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فقال رسول الله – صلى الله عليه وسلم – : « والله ما أردت إلا واحدة ؟ » فقال ركانة : والله ما أردت إلا واحدة فقال : « هو ما أردت » فردها إلى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – رواه الترمذي والدار قطني وأبو داود وقال : الحديث صحيح .

فلو لم تقع الثلاث لم يكن للاستحلاف معنى . اهـ [2] . وحديث ركانة هذا وإن تكلم فيه بعض أهل العلم فقد قبله غير واحد منهم . قال أبو الحسن علي بن محمد الطنافسي : « ما أشرف هذا الحديث » [3] .

وقد تلقاه ابن ماجه في « باب طلاق البتة » من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد عن عبد الله ابن علي بن يزيد بن ركانة ، عن أبيه عن جده .

وقال الحاكم بعد روايته من طريق الزبير بن سعيد عنه [4] قد انحرف الشيخان عن الزبير بن سعيد الهاشمي في الصحيحين .

غير أن هذا الحديث متابعاً من بيت ركانة بن عبد يزيد المطلبي فصح به الحديث ، حدثناه أبو العباس محمد ابن محمد بن يعقوب أنبأ الربيع بن سليمان أنبأ الشافعي أخبرني عمي محمد بن علي بن شافع عن نافع بن عجير بن عبد يزيد ، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ، ثم أتى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فقال : إني طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فردها إليه رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فطلقها الثانية في زمن عمر ، والثالثة في زمان عثمان – رضي الله عنهما – فقد صح الحديث بهذه الرواية ، فإن الإمام الشافعي قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته ، والسائب ابن عبد يزيد أبو الشافع بن السائب ، وهو أخو ركانة بن عبد يزيد ، ومحمد بن علي بن شافع عم الشافعي شيخ قريش في عصره . اهـ كلام الحاكم ، وصححه أيضاً ابن حبان كما في « التلخيص الحبير » للحافظ ابن حجر هذا بالنسبة لرواية الزبير بن سعيد .

أما رواية نافع بن عجير فقد صححها أبو داود كما جاء في سنن الدار قطني [5] فقد قال بعد أن ساقها : « قال أبو داود هذا حديث صحيح » .

---

(١) أحكام القرآن ١/٣٩١.
(٢) المغني ٧/٣٠٢.
(٣) سنن ابن ماجه ١/٦٦١.
(٤) المستدرك ٢/١٩٩ — ٢٠٠.
(٥) سنن الدارقطني ٤/٣٩.

ونقل ذلك عن الدارقطني أبو بكر بن العربي[١] وجزم به في (العارضة). والمنذري في مختصر سنن أبي داود.

والقرطبي في تفسيره[٢] واعتمد عليه وتجنب به دعوى الاضطراب في هذا الحديث . وكذلك قال الحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير : صححه أبو داود ، وممن ارتضى مسلك الإسلام أبي داود في هذه الرواية الحافظ أبو عمر بن عبد البر — رحمه الله — فقد قال . كما في : تفسير القرطبي ،[٣] رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم ، وقد زاد زيادة لا تردها الأصول فوجب قبولها لثقة ناقليها ، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بني عبد المطلب بن عبد مناف ، وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم . اهـ .

وأما الحافظ ابن كثير فيرى أن الحديث حسن حسبما نقله عنه الشوكاني في ، نيل الأوطار ، حيث قال ظهرت قوة رواية نافع بن عجير . . وأما إعلال رواية نافع بن عجير بدعوى جهالته فلا وجه له لأن نافعاً هذا بعيد عن الجهالة إذ هو نافع بن عجير ابن عبد يزيد ابن المطلب بن عبد مناف القرشي . فأخو ركانة ذكره ابن حبان في الثقات ، وذكره بعض من صنف في الصحابة . قال الحافظ ابن حجر في تهذيب التهذيب : ذكره ابن حبان أيضاً في الصحابة ، وكذا أبو القاسم البغوي وأبو نعيم وأبو موسى في الذيل وغيرهم ، وقد بينت أمره في مختصري في الصحابة . اهـ . ويعني الحافظ بمختصره في الصحابة ، الإصابة في تمييز الصحابة ، وقد ذكره فيه قال : ، ذكره البغوي في الصحابة ، وذكر له حديثه في ، البتة ، وتكلم على روايته ثم قال . ، وذكره ابن حبان في الصحابة ، اهـ .

وممن جزم بتصحيح أبي داود لهذا الحديث المجد ابن تيمية في ، المنتقى ، شرح نيل الأوطار إلا أنه عزا إلى الصحيح والتصحيح معاً ونصه[٤] ، قال أبو داود — أي في حديث نافع بن عجير — هذا حديث حسن صحيح ، وفي جزمه هو وابن العربي والمنذري والقرطبي والحافظ ابن حجر بتصحيح أبي داود لهذه الرواية رد على من قال : بأن أبا داود لم يحكم بصحة حديث نافع ابن عجير ، وإنما قال عنه : هذا أصح من حديث ابن جريج … الخ ، وهذا لا يدل على أن الحديث عنده صحيح ، فإن حديث ابن جريج ضعيف ، وحديث نافع بن عجير ضعيف ، وإنما يعني أبو داود أنه أصح الضعيفين عنده ، اهـ .

ومما يقوي حديث نافع بن عجير في البتة صنيع الأئمة الذين أوردوه في مصنفاتهم في الحديث ، فقد قال الدارمي في مسنده : ، باب في الطلاق البتة ، وقال أبو داود ما جاء في ، البتة ، وقال الترمذي : ، باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة ، .

× × ×

---

(١) العارضة على الترمذي ١٤٤/٥
(٢) تفسير القرطبي ١٣٢/٣ .
(٣) تفسير القرطبي ١٣٢/٣
(٤) نيل الأوطار ٢٤٧/٦ .

الجواب عن حديث ركانة

أما حديث ركانة فقد ضعف الإمام أحمد بن حنبل جميع طرقه كما ذكره المنذري، وكذلك ضعفه البخاري قال الترمذي في «باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة» من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد بن عبد الله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال[1]: «وسألت محمداً – يعني البخاري – عن هذا الحديث فقال: فيه اضطراب، ويروى عن عكرمة عن ابن عباس أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً» اهـ. وذكر الترمذي في موضع آخر[2] أن حديث ركانة مضطرب فيه، تارة قيل فيه «ثلاثاً» وتارة قيل فيه «واحدة».

فعلى قول هذين الإمامين أحمد بن حنبل والبخاري لا احتجاج برواية «ثلاثاً» ولا برواية «البتة»، بل غاية ما في الأمر أن تتساقط الروايات المضطربة فيرجع إلى غيرهما كما ذكره الزرقاني، وعلى غير ذلك المسلك الذي سلكه الإمامان أحمد بن حنبل والبخاري نقول: إن لهذا الحديث روايتين:

إحداهما: عند الإمام أحمد بن حنبل: ثنا سعد بن إبراهيم، ثنا أبي عن محمد بن إسحاق، قال: حدثني داود بن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني مطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً قال: فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم «كيف طلقتها؟» قال: طلقتها ثلاثاً، فقال: «في مجلس واحد؟» قال: نعم. قال: «فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت» قال: فراجعها. فكان ابن عباس يرى إنما الطلاق عند كل طهر.

وقد أجيب عن هذه الرواية فقال البيهقي: «إن هذا الإسناد لا تقوم به الحجة مع ثمانية رووا عن ابن عباس – رضي الله عنهما – فتياه بخلاف ذلك ومع رواية أولاد ركانة أن طلاق ركانة كان واحدة» يعني البيهقي بأولئك الثمانية الذين رووا فتيا ابن عباس بخلاف ذلك سعيد بن جبير

---

[1] مختصر سنن أبي داود ٣/١٢٢.
[2] جامع الترمذي ٥/١٢١.

وعطاء بن أبي رباح، ومجاهد، وعكرمة، وعمرو بن دينار، ومالك ابن الحارث، ومحمد بن إياس ابن البكير، ومعاوية بن أبي عياش الأنصاري، وقد ذكر رواياتهم عنه[1] في باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك، ويعني برواية آل ركانة روايتهم أن ركانة إنما طلق امرأته البتة التي جزم أبو داود بأنها أصح، لأنهم أهله وهم أعلم بخبره كما سيأتي.

الرواية الثانية ما أخرجه أبو داود في سننه قال: حدثنا أحمد بن صالح، نا عبد الرزاق، نا ابن جريج، أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي – صلى الله عليه وسلم – عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة، ونكح امرأة من مزينة، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه، فأخذت النبي – صلى الله عليه وسلم – حمية فدعا بركانة وإخوته، ثم قال لجلسائه: «أترون فلانًا يُشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد، وفلانًا يُشبه منه كذا وكذا؟»

قالوا: نعم.

قال النبي – صلى الله عليه وسلم – لعبد يزيد: «طلقها» ففعل.

قال: «راجع امرأتك أم ركانة وإخوته» فقال: إني طلقتها ثلاثًا يا رسول الله. قال: «قد علمت، راجعها» وتلا: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن)[2].

وقد أجيب عن هذه الرواية بما يلي:

١ – إعلالها بجهالة بعض بني أبي رافع: قال الخطابي[3]: في إسناد هذا الحديث مقال، لأن ابن جريج إنما رواه عن بعض بني أبي رافع ولم يسمه، والمجهول لا تقوم به الحجة.

وقال ابن حزم: هذا لا يصح لأنه عن غير مسمى من بني أبي رافع، ولا حجة في مجهول، وما نعلم في بني أبي رافع من يحتج به إلا عبيد الله وحده، وسائرهم مجهولون[4].

وقال ابن القيم[5]: إن ابن جريج إنما رواه عن بعض بني أبي رافع مولى النبي – صلى الله عليه وسلم – عن عكرمة، عن ابن عباس، ولأبي رافع بنون، ليس فيهم من يحتج به إلا عبيد الله بن أبي رافع، ولا

(١) السنن الكبرى للبيهقي ٧/٣٣٧.
(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١.
(٣) معالم السنن ٣/١٢٩.
(٤) المحلى – ١٠/١٦٨.
(٥) تهذيب سنن أبي داود ٣/١٢٦.

١ـ أن في حديث ابن جريج خطأ ؛ لأن عبد يزيد لم يدرك الإسلام، نبه على ذلك الحافظ الذهبي في كتابيه «تلخيص المستدرك» و «التجريد لأسماء الصحابة» وقال[1] تعقباً لقول الحاكم في حديث محمد بن ثور عن ابن جريج المتقدم : «هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه» قلت محمد ـ أي ابن عبيد الله بن أبي رافع ـ : «واه ، والخبر خطأ ، وعبد يزيد لم يدرك الإسلام» وقال[2] «عبد يزيد بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف : أبو ركانة طلق أم ركانة وهذا لا يصح والمعروف أن صاحب القصة ركانة» اهـ .

٢ـ حمل الحديث على أنه من قبيل الرواية بالمعنى وذلك أن الناس قد اختلفوا في البتة فقال بعضهم : هي ثلاثة ، وقال بعضهم : هي واحدة ، وكان الراوي ممن يذهب مذهب الثلاث ، فحكى أنه قال : «طلقتها ثلاثاً» يريد «البتة» التي حكمها عنده حكم الثلاث ذكر ذلك الخطابي[3] . وقال النووي في شرح صحيح مسلم : «ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد أن لفظ «البتة» يقتضي الثلاث فرواه بالمعنى الذي فهمه وغلط في ذلك» اهـ .

٣ـ أن حديث عبد الرزاق لو صح فليس فيه أنه طلقها ثلاثاً بكلمة واحدة فيحمل على أنه طلقها ثلاثاً في مرات متعددة ، ويكون هذه الواقعة قبل حصر عدد الطلاق في ثلاث ، ذكر هذا التأويل الحافظ ابن رجب في كتابه : «مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة» . . .

٤ـ أن قضية ركانة من باب خصائص النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ فإن له أن يخص من شاء بما شاء من الأحكام ، فقد قال ضمن الأحكام التي خص بها من شاء ، قال : «وإعادة امرأة أبي ركانة إليه بعد أن طلقها ثلاثاً من غير محلل» اهـ .

٥ـ أن رواية أهل بيت ركانة أن ركانة طلق امرأته البتة أولى بالتقديم على رواية من يروي أنه طلقها ثلاثاً وهذا مسلك أبي داود وابن عبد البر والقرطبي . قال أبو داود في «باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث»[4] ومن عنده : حدثنا أحمد بن صالح ، ثنا عبد الرزاق ، أخبرنا ابن جريج أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة ، فجاءت النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ فقالت : ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ، ففرق بيني وبينه ، فأخذت النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ حمية . . إلى آخر الحديث المتقدم ثم قال : «وحديث نافع بن عجير وعبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده أن ركانة طلق امرأته البتة فردها إليه النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ أصح ؛ لأنهم ولد الرجل وأهله أعلم به . إن ركانة إنما طلق امرأته البتة فجعلها النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ واحدة» اهـ .

---

(١) تلخيص المستدرك ٢/١٩١ .
(٢) التجريد [illegible] .
(٣) معالم السنن [illegible]
(٤) سنن أبي داود [illegible] .

الدليل السادس

روى الدارقطني من حديث الحسن البصري قال: حدثنا عبد الله أنه طلق امرأته وهي حائض، ثم أراد أن يتبعها بطلقتين أخريين عند القرئين الباقيين، فبلغ ذلك رسول الله — صلى الله عليه وسلم — فقال: «يا ابنَ عُمرَ ما هكذا أمركَ الله تعالى، إنك قد أخطأتَ السنةَ، والسنةُ أن تستقبلَ الطهرَ فتطلقَ عندَ ذلكَ أو تُمسكَ». فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقتها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها؟ قال: «لا، كانتْ تبينُ منكَ وتكونُ معصيةً».

وأجيب بمعارضته بما رواه الدارقطني في سننه: نا محمد بن أحمد بن يوسف بن يزيد الكوفي أبو بكر ببغداد، وأبو بكر أحمد بن دارم، قالا: نا أحمد بن موسى بن إسحاق، نا أحمد بن صبيح الأسدي، نا طريف ابن ناصح عن معاوية، عن عمار الدهني، عن أبي الزبير، قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض؟ فقال: أتعرفُ ابنَ عمر؟ قلت: نعم. قال: طلقت امرأتي ثلاثاً على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — وهي حائض، فردها رسول الله — صلى الله عليه وسلم — إلى السنة.

ففيه دليل على أنه طلقها ثلاثاً بالفعل وردت إلى الواحدة.

وأجاب القرطبي وابن رجب عن حديث تطليق ابن عمر امرأته ثلاثاً وهي حائض ورد النبي — صلى الله عليه وسلم — ذلك إلى السنة، قال القرطبي:[١] ما نصه: قال الدارقطني — أي في رواته — كلهم من الشيعة، والمحفوظ أن ابن عمر طلق امرأته واحدة في الحيض. قال عبيد الله: وكان تطليقه إياها في الحيض واحدة غير أنه خالف السنة، وكذلك قال صالح بن كيسان، وموسى بن عقبة، وإسماعيل بن أمية، وليث بن سعد، وابن أبي ذئب وابن جريج، وجابر، وإسماعيل بن إبراهيم بن عقبة، عن نافع، أن ابن عمر طلق تطليقة واحدة. وكذلك قال الزهري عن سالم، عن أبيه، ويونس بن جبير، والشعبي، والحسن. اهـ كلام القرطبي.

ومن ذكر رواية الليث ابن سعد مسلم بن الحجاج في صحيحه قال: حدثنا يحيى بن يحيى وقتيبة بن سعيد، وابن رمح، واللفظ ليحيى، قال قتيبة: حدثنا ليث، وقال الآخران: أخبرنا الليث بن سعد، عن

(١) تفسير القرطبي ١٣٠/٣ .

نافع عن عبدالله أنه طلق امرأة له وهي حائض تطليقة واحدة، فأمره رسول الله – صلى الله عليه وسلم – أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض عنده حيضة أخرى ثم يمهلها حتى تطهر من حيضتها، فإن أراد أن يطلقها فليطلقها حين تطهر من قبل أن يجامعها، فتلك العدة التي أمر الله أن يطلق لها النساء. وزاد ابن رمح في روايته وكان عبدالله إذا سئل عن ذلك قال لأحدهم: أما أنت إن طلقت امرأتك مرة أو مرتين فإن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – أمرني بهذا، وإن كنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجا غيرك وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك.

قال مسلم: جوّد الليث في قوله: تطليقة واحدة، يعني مسلم بذلك كما بينه النووي أن الليث حفظ وأتقن قدر الطلاق الذي لم يتقنه غيره، ولم يهمله كما أهمله غيره، ولا غلط فيه وجعله ثلاثاً كما غلط فيه غيره.

X X X

أطال الدارقطني في سرد الروايات عن الأئمة المذكورين وأتى في ذلك بما لا يدع مجالاً للشك في أن تطليقة ابن عمر امرأته كانت واحدة. كما صرح النووي في شرح صحيح مسلم بأن الروايات الصحيحة التي ذكرها مسلم وغيره أن ابن عمر إنما طلق امرأته واحدة.

وقال[1] الحافظ ابن رجب في الرد على رواية الثلاث أيضاً: قد كان طائفة من الناس يعتقدون أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً وأن النبي – صلى الله عليه وسلم – إنما رده عليه لأنه لم يوقع الطلاق في الحيض، وقد روي ذلك عن أبي الزبير أيضاً من رواية معاوية بن عمار الدهني عنه. فلعل أبا الزبير اعتقد هذا حقاً فروى تلك اللفظة بالمعنى الذي فهمه، وروى ابن لهيعة هذا الحديث عن أبي الزبير فقال عن جابر أن ابن عمر طلق امرأته وهي حائض، وأخطأ في ذكر جابر في هذا الإسناد، وتفرد بقوله: طلاقا امرأته، ولا يدل عن عدم وقوع الطلاق إلا على تقدير أن يكون ثلاثاً، فقد اختلف في هذا الحديث عن أبي الزبير. وأصحاب ابن عمر الثقات الحفاظ العارفون به الملازمون له لم يختلف عليهم فيه.

فروى أيوب عن ابن سيرين قال: مكثت عشرين سنة يحدثني من لا أتهم أن ابن عمر طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض، فأمره النبي – صلى الله عليه وسلم – أن يراجعها، فجعلت لا أتهمهم ولا أعرف الحديث حتى لقيت أبا غلاب يونس بن جبير وكان ذا ثبت، فحدثني أنه سأل ابن عمر فحدثه أنه طلقها واحدة. خرجه مسلم وفي رواية: قال له ابن سيرين، فجعلت لا أعرف للحديث وجهاً ولا أفهمه. وهذا يدل على أنه كان قد شاع بين الشباب من غير أهل الفقه والعلم أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً ولعل أبا الزبير من هذا القبيل، ولذلك كان نافع يسأل كثيراً عن طلاق ابن عمر هل كان ثلاثاً أو واحدة، ولما قدم نافع مكة أرسلوا إليه من مجلس عطاء يسألونه عن ذلك.

---

(۱) جامع العلوم والحكم ص [illegible] شرح حديث «من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد».

واستنكار ابن معين رواية الثلاثة يدل على أنه لم يعرف قائلاً معتبراً يقول: إن الطلاق المحرم غير واقع، وأن هذا القول لا وجه له. قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث: يبطل من قال: لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء رديء، ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض.
وقال أبو عبيدة: الوقوع هو الذي عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم وتهاميهم ويمنيهم وشاميهم وعراقيهم ومصريهم، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم إلا ناساً من أهل البدع لا يعتد بهم.

وقد أجاب ابن القيم عن حديث ابن عمر من رواية الحسن فقال[1]: وأما حديث الحسن عن ابن عمر فهو أجل هذه الأحاديث. فنعم قال الدارقطني: حدثنا علي بن محمد بن عبيد الحافظ، حدثنا محمد بن شاذان الجوهري، حدثنا يعلى بن منصور، حدثنا شعيب بن رزيق، أن عطاء الخراساني حدثهم عن الحسن قال: حدثنا عبد الله بن عمر — فذكره — وشعيب وثقه الدارقطني، وقال أبو الفتح الأزدي: فيه لين، وقال البيهقي وقد روى هذا الحديث، وهذه الزيادات تفرد بها شعيب وقد تكلموا فيه.

ولا ريب أن الثقات الأثبات الأئمة رووا حديث ابن عمر فلم يأت أحد منهم بما أتى به شعيب البتة، ولهذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح، ولا السنن.

× × ×

الدليل السابع

الدارقطني من حديث إبراهيم بن عبيد الله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده، قال: «طلق بعض آبائي امرأته ألفاً، فانطلق بنوه إلى رسول الله — صلى الله عليه وسلم — فقالوا: يا رسول الله إن أبانا طلق امرأته ألفاً، فهل له من مخرج؟ فقال: إن أباكم لم يتق الله فيجعل له مخرجاً، بانت منه بثلاث على غير السنة، وتسعمائة وسبعة وتسعون إثم في عنقه».

قال ابن القيم[2]: وأما حديث عبادة بن الصامت الذي رواه الدارقطني فقد قال عقيب إخراجه: رواته مجهولون وضعفاء، إلا شيخنا وابن عبد الباقي.

(١) إغاثة اللهفان ١/٢٩٥.
(٢) إغاثة اللهفان ١/٣٠١

الدليل الثامن

روى الدارقطني من حديث حماد بن زيد، حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس قال: سمعت أنس بن مالك يقول: سمعت معاذ بن جبل يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «يا معاذ من طلق للبدعة واحدة أو اثنتين أو ثلاثا ألزمناه بدعته».

ورد بأن في إسناده إسماعيل بن أمية الذراع وهو ضعيف.

قال ابن القيم[1] وأما حديث معاذ بن جبل فلقد وهت مسألة يحتج فيها بمثل هذا الحديث الباطل، والدارقطني إنما رواه للمعرفة وهو أجل من أن يحتج به، وفي إسناده إسماعيل بن أمية الذراع، يرويه عن حماد قال الدارقطني بعد روايته: إسماعيل بن أمية ضعيف متروك الحديث.

× × ×

الدليل التاسع

روى الدارقطني من حديث زاذان عن علي رضي الله عنه قال: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلا طلق البتة فغضب وقال: «تتخذون آيات الله هزوا، أو دين الله هزوا ولعبا، من طلق البتة ألزمناه ثلاثا، لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره».

---

(١) إغاثة اللهفان ١/٣٠٢.
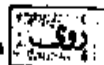
وورد هذا[1] الحديث بأن فيه إسماعيل بن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني كوفي ضعيف.

وقال ابن القيم: قلت وفي إسناده مجاهيل وضعفاء.

وأما الإجماع فقد نقله كثير من العلماء في مسألة النزاع وقالوا إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الإجماع أكثر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر يجوّز الخطأ والوهم على راويه بخلاف الإجماع فإنه معصوم.. وممن حكى الإجماع على لزوم الثلاث في الطلاق بكلمة واحدة أبو بكر الرازي والباجي وابن العربي وابن رجب.

قال أبو بكر الرازي[2]: فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كانت معصية.

وقال الباجي: من أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء وحكى القاضي أبو محمد في إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة، وعن بعض أهل الظاهر لا يلزمه شيء، وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة ومحمد بن إسحاق، والدليل على ما نقوله: إجماع الصحابة لأن هذا مروي عن ابن عمر وعمران بن حصين، وعبد الله بن مسعود وابن عباس وأبي هريرة، وعائشة رضي الله تعالى عنهم ولا مخالف لهم وما روي عن ابن عباس في ذلك من رواية طاوس قد أنكره بعض المحدثين عليه، وقد روى ابن طاوس عن أبيه وكذا عن ابن وهب خلاف ذلك وإنما رفع الوهم في تأويل. اهـ[3]

وقال القاضي أبو بكر بن العربي في نفس أجوبته عن حديث ابن عباس قال: إنه حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على إجماع الأمة ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين، وقد سبق العصران الكريمان والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً. اهـ[4]

وقال بعد ما بين أن المراد بالطلاق في الآية الكريمة (الطلاق مرتان)[5] المشروع قال: قد نقول بأنه غير مشروع لولا تظاهر الأخبار[6] وقال ابن رجب في بيان مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة: اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد. اهـ

---

(١) إغاثة اللهفان ١/[illegible].
(٢) أحكام القرآن ١/[illegible].
(٣) المنتقى [illegible]
(٤) الناسخ والمنسوخ
(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩.
(٦) أحكام القرآن ١/[illegible].

الوجه السابع

أن هذا مذهب عمرو بن دينار في الطلاق قبل الدخول . قال ابن المنذر في كتاب الأوسط : وكان سعيد بن جبير ، وطاوس ، وأبو الشعثاء ، وعطاء ، وعمرو بن دينار يقولون : من طلق البكر ثلاثاً فهي واحدة .

× × ×

الوجه الثامن

أنه مذهب سعيد بن جبير ، كما حكاه ابن المنذر وغيره عنه ، وحكاه الثعلبي عن سعيد بن المسيب وهو غلط عليه ، إنما هو مذهب سعيد بن جبير .

× × ×

الوجه التاسع

أنه مذهب الحسن البصري الذي استقر عليه . قال ابن المنذر : واختلف في هذا الباب عن الحسن ، فروي عنه كما رويناه عن أصحاب النبي — صلى الله تعالى عليه وآله وسلم — وذكر قتادة ، وحميد ، ويونس عنه : أنه رجع عن قوله بعد ذلك ، فقال : واحدة بائنة . وهذا الذي ذكره ابن المنذر رواه عبد الرزاق في المصنف ، فقال : أخبرنا معمر عن قتادة قال : سألت الحسن عن الرجل يطلق البكر ثلاثاً ، فقال الحسن [1] وما بعد الثلاث فقال مسلك ، وما بعد الثلاث ، فأفتى الحسن بذلك زمناً ، ثم رجع فقال : واحدة تبينها . . ويخطبها ، فكان به حياته [2] .

× × ×

الوجه العاشر

أنه مذهب عطاء بن يسار ، قال عبد الرزاق : أخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير عن بسر بن أبي عياش قال : سأل رجل عطاء بن يسار عن الرجل يطلق البكر ثلاثاً ، فقال إنما طلاق البكر واحدة ، فقال له عبد الله بن عمرو بن العاص أنت قاص ، الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره ، فذكر عطاء مذهبه ، وعبد الله بن عمرو مذهبه .

× × ×

---

(١) في الشوكاني ويخطبها ثلاثة جملة ولعل كل حال فالجملة غير واضحة ، فتحرر .

(٢) بعد تصحيح نص الأثر من نسخة المصنف ٦/٢٣٣ .

العلماء على أنه يلزمه الثلاث، وبه القضاء، وعليه الفتوى، وهو الحق الذي لا شك فيه، قال: وقال بعض السلف: يلزمه من ذلك طلقة واحدة، وتابعهم على ذلك قوم من الخلف من المفتين بالأندلس، قال: واحتجوا على ذلك بحجج كثيرة، وأحاديث مسطورة أضربنا عنها، واقتصرنا على الصحيح منها. فمنها ما رواه داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس: أن ركانة طلق زوجته عند رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ثلاثاً في مجلس واحد فقال له النبي – صلى الله عليه وسلم –: «إنما هي واحدة، فإن شئت فدعها، وإن شئت فارتجعها» ثم ذكر حديث أبي الصهباء وذكر بعض تأويلاته التي ذكرناها.

× × ×

الوجه السادس عشر

أن أبا جعفر الطحاوي حكى النزاع في كتابه «تهذيب الآثار» فقال: باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً – ثم ذكر حديث أبي الصهباء – ثم قال: فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً معاً، فقد وقعت عليها واحدة، إذا كانت في وقت سنة، وذلك أن تكون طاهراً في غير جماع، واحتجوا في ذلك بهذا الحديث، وقالوا: لما كان الله عز وجل إنما أمر عباده أن يطلقوا لوقت على صفة، فطلقوا على غير ما أمرهم به لم يقع طلاقهم. ألا ترى لو أن رجلاً أمر رجلاً أن يطلق امرأته في وقت فطلقها في غيره، أو أمره أن يطلقها على شريطة فطلقها على غير تلك الشريطة أن طلاقه لا يقع إذ كان قد خالف ما أمر به.. ثم ذكر حجج الآخرين، والجواب عن حجج هؤلاء على عادة أهل العلم والدين في إنصاف مخالفيهم والبحث معهم، ولم يسلك طريق جاهل ظالم معتد، يبرك على ركبه ويفجر عينيه ويهول بتصعيبه لا بعلمه، ويموه قصده لا يحسن فهمه، ويقول: القول بهذه المسألة كفر يوجب ضرب العنق ليبهت خصمه ويمنعه عن بسط لسانه، ويجري معه في ميدانه، والله تعالى عند لسان كل قائل، ومن له يوم الوقوف بين يديه عما قاله سائل.

× × ×

الوجه السابع عشر

أن شيخنا حكى عن جده أبي البركات: أنه كان يفتي بذلك أحياناً سراً، وقال في بعض مصنفاته: هذا قول بعض أصحاب مالك وبعض حنيفة وأحمد.

قلت: أما المالكية فقد حكينا الخلاف عنهم، وأما بعض أصحاب أبي حنيفة فهو محمد بن مقاتل من الطبقة الثانية من أصحاب أبي حنيفة، وأما بعض أصحاب أحمد، فمن كان أفتاه جده بذلك أحياناً، وإلا فلم نقف على نقل لأحد منهم.

الوجه الثامن عشر

قال أبو الحسن السغدي(١) في وثائقه — وقد ذكر الخلاف في المسألة ثم قال: ومن بعض حججهم أيضاً في ذلك: أن الله سبحانه وتعالى أمر بتفريق الطلاق بقوله تعالى: (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)(٢) وإذا جمع الإنسان الثلاث في كلمة، كانت واحدة وكان ما زاد عليها لغو، كما جعل مالك وأصحابه رمي سبع الجمرات في مرة واحدة جمرة واحدة، وبني عليها أن الطلاق مثله منه، قال: وممن نصر هذا القول من أهل الفتيا بالأندلس: أصبغ بن الحباب، ومحمد بن بقي، ومحمد بن عبد السلام الخشني، وابن زنباع، مع غيرهم من نظرائهم علماء الفقه.

× × ×

الوجه التاسع عشر

أن أبا الوليد هشام بن عبد الله بن هشام الأزدي القرطبي صاحب كتاب مفيد الحكام فيما يعرض لهم من النوازل والأحكام، ذكر الخلاف بين السلف والخلف في هذه المسألة حتى ذكر الخلاف فيها في مذهب مالك نفسه، وذكر من كان يفتي بها من المالكية، والكتاب مشهور معروف عند أصحاب مالك، كثير الفوائد جداً.

ونحن نذكر نصه فيه بلفظه، فنذكر ما ذكره عن ابن مغيث، ثم نتبعه كلامه، ليعلم أن القول بذلك معلوم متداول بين أهل العلم، وأن من قصر في العلم باعه، وطال في الجهل والظلم ذراعه يدعو إلى الجهل والتكفير والعقوبة، جهلاً منه وظلماً، ويحق له وهو المدعي في العلم وليس منه أقرب رحماً.

قال ابن هشام: قال ابن مغيث: الطلاق ينقسم على ضربين: طلاق السنة، وطلاق البدعة، فطلاق السنة: هو الواقع على الوجه الذي ندب الشرع إليه. وطلاق البدعة: نقيضه، وهو أن يطلقها في حيض أو نفاس، أو ثلاثاً في كلمة واحدة، فإن فعل لزمه الطلاق.. ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق، كم يلزمه من الطلاق؟

فقال علي بن أبي طالب، وابن مسعود: يلزمه طلقة واحدة، وقاله ابن عباس. وقال: قوله — ثلاثاً — لا معنى له، لأنه لم يطلق ثلاث مرات، وإنما يجوز قوله في ثلاث إذا كان مخبراً عما مضى فيقول: طلقت ثلاثاً، يخبر عن ثلاثة أفعال كانت منه في ثلاثة أوقات، كرجل قال: قرأت أمس سورة كذا ثلاث مرات، فذلك يصح. ولو قرأها مرة واحدة فقال: قرأتها ثلاث مرات، لكان كاذباً، وكذلك لو حلف بالله

---

(١) في نسخة الراجلي.
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩.

تعالى شيئاً يريده المطلق ، كانت ثلاث أيمان ، ولو قال : أحلف بالله ثلاثاً لم يكن حالفاً إلا يميناً واحدة ، فالطلاق مثله ، وغيره .

قال الزبير بن العوام ، وعبد الرحمن بن عوف — رضي الله تعالى عنهما — روينا ذلك كله عن ابن وضاح وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع ، شيخ هدى ، ومحمد بن بقي بن مخلد ، ومحمد بن عبد السلام الخشني فقيه عصره ، وأصبغ بن الحباب ، وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة .

وكان من حجة ابن عباس : أن الله تعالى فرق في كتابه لفظ الطلاق ، فقال تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾[1] يريد أكثر الطلاق الذي يمكن بعده الإمساك بمعروف ، وهو الرجعة في العدة ، ومعنى قوله : ﴿ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ يريد تركها بلا ارتجاع حتى تنقضي عدتها ، وفي ذلك إحسان إليها إن وقع ندم منهما ، قال الله تعالى : ﴿ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴾[2] يريد الندم على الفرقة ، والرغبة في الرجعة . وموقع الثلاث غير محسن ؛ لأنه ترك المندوحة التي وسع الله تعالى بها ونبه عليها ، فذكر الله سبحانه وتعالى لفظ الطلاق مفرقاً ، فدل على أنه إذا جمع أنه لفظ واحد ، فتدبره .

وقد يخرج من غير ما مسألة من الديانات ما يدل على ذلك .

من ذلك قول الرجل : مالي صدقة في المساكين : أن الثلث من ذلك يجزيه ... هذا كله لفظ صاحب الكتاب بحروفه . أفترى الجاهل الظالم المعتدي يجعل هؤلاء كلهم كفاراً مباحة دماؤهم * سبحانك هذا بهتان عظيم ، بل هؤلاء من أكابر أهل العلم والدين ، وذنبهم عند أهل العمى : أهل التقليد : كونهم لم يرضوا لأنفسهم بما رضي به المقلدون ، وردوا ما تنازع فيه المسلمون إلى الله ورسوله .

وتلك شكاة ظاهر عنك عارها .

* * *

الوجه العشرون

أن هذا مذهب أهل الظاهر : داود ، وأصحابه وذنبهم عند كثير من الناس اعتناؤهم بالكتاب والسنة ونصوص نبيهم ، ونبذهم القياس وراء ظهورهم ، فلم يعبؤوا به شيئاً ، وخالفهم أبو محمد بن حزم في ذلك ، فأوجب جميع الثلاث وأوقعها .

فهذه عشرون وجهاً في إثبات النزاع في هذه المسألة بحسب بضاعتنا المزجاة من الكتب . وإلا فالذي لم نقف عليه من ذلك كثير . وقد حكى ابن وضاح وابن مغيث ذلك عن علي ، وابن مسعود ، والزبير ، وعبد الرحمن بن عوف ، وابن عباس . ولعله إحدى الروايتين عنهم ، وإلا فقد صح بلا شك عن ابن مسعود ،

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١

وقول ابن عباس : الإلزام بالثلاث لمن أوقعها جملة ، وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة . ولم نقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك . فحاصله لم نجد ما حكى عنهم في الرجوع إلى ميثة النزاع ، ورأي نعدها وتقبا عليه في مواضعه ، ونعرفه إليها ، وبالله التوفيق

■ وإليك الآثار من فتاوى أصحاب رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ .

■ قال ابن أبي شيبة في مصنفه : نا علي بن مسهر ، عن شقيق بن أبي عبدالله ، عن أنس قال : كان عمر إذا أتي برجل قد طلق امرأته ثلاثا في مجلس أوجعه ضربا وفرق بينهما .

■ نا وكيع ، عن سفيان ، عن سلمة بن كهيل ، عن زيد بن وهب ، أن رجلاً بطالاً كان بالمدينة طلق امرأته ألفا فرجع إلى عمر فقال : إنما كنت ألعب فعلا عمر رأسه بالدرة وفرق بينهما .

■ نا وكيع ، والفضل بن دكين ، عن جعفر بن برقان ، عن معاوية بن أبي يحيى ، قال : جاء رجل إلى عثمان فقال : إني طلقت امرأتي مائة قال : ثلاث تحرمها عليك وسبعة وتسعون عدوان .

■ نا وكيع عن الأعمش عن حبيب قال : جاء رجل إلى علي فقال : إني طلقت امرأتي ألفا ، قال : بانت منك بثلاث ، واقسم سائرها بين نسائك .

■ نا ابن فضيل ، عن الأعمش ، عن حبيب ، عن رجل من أهل مكة ، قال : جاء رجل إلى علي فقال : إني طلقت امرأتي ألفا ، قال : الثلاث تحرمها عليك واقسم سائرهن بين أهلك .

■ نا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن ابراهيم ، عن علقمة ، عن عبدالله ، قال : أتاه رجل فقال : إني طلقت امرأتي تسعة وتسعين مرة ، قال : فما قالوا لك قال : قالوا قد حرمت عليك ، قال : فقال عبدالله : لقد أرادوا أن يبقوا عليك . بانت منك بثلاث وسائرهن عدوان .

■ نا حفص ، عن الأعمش ، عن ابراهيم ، عن علقمة ، عن عبدالله ، أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطليقة ؟ قال : حرمتها ثلاث ، وسبعة وتسعون عدوان .

■ نا وكيع ، عن سفيان عن منصور والأعمش ، عن ابراهيم عن علقمة ، قال : جاء رجل إلى عبدالله فقال : إني طلقت امرأتي مائة تطليقة : بانت منك بثلاث ، وسائرهن معصية .

■ نا محمد بن فضيل ، عن عاصم ، عن ابن سيرين ، عن علقمة عن عبدالله ، قال : أتاه رجل فقال : إنه كان بيني وبين امرأتي كلام فطلقتها عدد النجوم . قال : تكلمت بالطلاق ؟ قال : نعم . قال فقال عبدالله : قد بين الله الطلاق فمن أخذه ؟ فمن طلق كما أمره الله فقد بين له ، ومن لبس على نفسه جعلنا به لبسه . لا تلبسوا على أنفسكم وتحمله عنكم هو كما تقولون

يكن في أمتي أحد فإنه عمر». وفي رواية ذكرها عليها أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: «لقد كان فيمن كان قبلكم من بني إسرائيل رجال يكلمون من غير أن يكونوا أنبياء فإن يكن في أمتي منهم أحد فعمر». وأخرج مسلم من حديث أبي سلمة عن عائشة عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال «قد كان في الأمم قبلكم محدثون فإن يكن في أمتي أحد فعمر ابن الخطاب». وعنده قال ابن وهب محدثون: ملهمون. وقال الترمذي عن ابن عيينة: قال يعني مفهمين. وعن أبي سعيد عن النبي - صلى الله عليه وسلم - وزاد فيه يا رسول الله كيف محدث؟ قال: «الملائكة على لسانه». والله أعلم

× × ×

فصل: قال ابن رجب في آخر كتاب العلم أن ما قضى به عمر على قسمين:

أحدهما: ما لم يعلم للنبي - صلى الله عليه وسلم - فيه قضاء بالكلية، وهذا على نوعين:

ما جمع به عمر الصحابة وشاورهم فيه فأجمعوا معه عليه، فهذا لا يشك أنه الحق كهذه المسألة، والعمريتين، وكقضائه فيمن جامع في إحرامه أنه يمضي في نسكه وعليه القضاء والهدي ومسائل كثيرة.

الثاني: ما لم يجمع الصحابة فيه مع عمر بل كانوا مختلفين فيه في زمنه، فهذا يسوغ فيه الاختلاف كمسائل الجد مع الإخوة.

ما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - فيه قضاء بخلاف قضاء عمر وهو على أربعة أنواع:

أحدها: ما رجع فيه عمر إلى قضاء النبي - صلى الله عليه وسلم - فهذا لا عبرة فيه بقول عمر الأول.

الثاني: ما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - فيه حكمان، أحدهما: ما وافق قضاء عمر، فإن الناسخ من الحكمين ما عمل به عمر.

الثالث: ما صح عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه رخص في أنواع من جنس العبادات، فيختار عمر للناس ما هو الأفضل والأصلح ويلزمهم به، فهذا يجمع من عمل بغير ما اختاره.

الرابع: ما كان قضاء النبي - صلى الله عليه وسلم - لعلة، فزالت العلة فزال الحكم بزوالها ووجد مانع يمنع من ذلك الحكم.

قال: فهذه المسألة إما أن تكون من الثاني، وإما أن تكون من الرابع.

إلى عبد الله بن عباس وأبي هريرة ، فلما جاء إليهما قال ابن عباس لأبي هريرة : أفته فقد جاءتك معضلة ، ثم أفتياه بالوقوع .

فالصحابة – رضي الله عنهم – ومقدمهم عمر بن الخطاب ، لما رأوا الناس قد استهانوا بأمر الطلاق وأرسلوا ما بأيديهم منه ، ولبسوا على أنفسهم ، ولم يتقوا الله في التطليق الذي شرعه لهم ، وأخذوا بالتشديد على أنفسهم ولم يقفوا على ما حد لهم ألزموهم بما التزموا ، وأمضوا عليهم ما اختاروه لأنفسهم من التشديد الذي وسع الله عليهم ما شرعه لهم بخلافه ، ولا ريب أن من فعل هذا حقيق بالعقوبة بأن ينفذ عليه ما أنفذه على نفسه إذ لم يقبل رخصة الله تعالى وتيسيره ومهلته .

ولهذا قال ابن عباس لمن طلق مائة طلقة : عصيت ربك وبانت منك امرأتك ، إنك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً ، ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً﴾ (١) .

وأتاه رجل فقال إن عمي طلق ثلاثاً فقال : إن عمك عصى الله فأندمه ، وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً ، فقال : أفلا تحللها له ؟ فقال : من يخادع الله يخدعه ، فليتدبر العالم الذي قصده معرفة الحق واتباعه من الشرع والقدر في قبول الصحابة هذه الرخصة والتيسير على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وتقواهم ربهم تبارك وتعالى في التطليق فجرت عليهم رخصة الله وتيسيره شرعاً وقدراً .

فلما ركب الناس الأحموقة وتركوا تقوى الله ولبسوا على أنفسهم وطلقوا على غير ما شرعه لهم أجرى الله على لسان الخليفة الراشد والصحابة معه شرعاً وقدراً إلزامهم بذلك وإنفاذه عليهم وإبقاء الإصر الذي جعلوه في أعناقهم كما جعلوه .

وهذه أسرار من أسرار الشرع والقدر لا تناسب عقول أبناء الزمان .

وقال أيضاً مبيناً علة عمر – رضي الله عنه – (٢) الناس طائفتان : طائفة اعتذرت عن هذه الأحاديث لأجل عمر – رضي الله عنه – ومن وافقه – وطائفة اعتذرت عن عمر – رضي الله عنه – ولم ترد الأحاديث فقالوا : الأحكام نوعان : نوع لا يتغير عن حالة واحدة هو عليها ، لا بحسب الأزمنة ولا الأمكنة ولا اجتهاد الأئمة ، كوجوب الواجبات وتحريم المحرمات والحدود المقدرة بالشرع على الجرائم ونحو ذلك ، فهذا لا يتطرق إليه تغيير ولا اجتهاد يخالف ما وضع عليه .

والنوع الثاني : ما يتغير بحسب اقتضاء المصلحة له زماناً ومكاناً وحالاً ، كمقادير التعزيرات وأجناسها وصفاتها ، فإن الشارع ينوع فيها بحسب المصلحة فشرع التعزير بالقتل لمدمن الخمر في المرة الرابعة – وساق – رحمه الله – طائفة من الأمثلة . ثم قال : ومن ذلك أنه – رضي الله عنه – لما رأى الناس قد أكثروا من الطلاق الثلاث

---

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق .
(٢) إغاثة اللهفان ١/٣٢٢ وما بعدها .

فرأى عمر رضي الله عنه أن المفسدة تندفع بإلزامهم ، فلما تبين له أن المفسدة لم تندفع بذلك وما زاد الأمر إلا شدة ، أخبر أن الأولى كان عدوله إلى تحريم الثلاث الذي يدفع المفسدة من أصلها، واندفاع هذه المفسدة بما كان عليه الأمر في زمن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر ، وأول خلافة عمر – رضي الله عنهما – أولى من ذلك كله ولا يندفع الشر والفساد بغيره البتة. اهـ . وللشيخ الإسلام ابن تيمية جواب عن فعل عمر – رضي الله عنه – وكذلك من وافقه من الصحابة – تركت ذكره هنا ، وسيأتي كلامه في آخر البحث .

وأما القياس فقال ابن قدامة[1] : ولأن النكاح ملك يصح إزالته متفرقاً فصح مجتمعاً كسائر الأملاك . اهـ .

وقد أجاب ابن القيم عن هذا القياس فقال[2] وقولكم إن المطلق ثلاثاً قد جمع ما شرع له في تفريقه : هو إلى أن يكون حجة عليكم أقرب ، فإنه إذا أذن له فيه وملكه متفرقاً لا مجموعاً فإذا جمع ما أمر بتفريقه فقد تعدى حدود الله وخالف ما شرعه ولهذا قال من قال من السلف : « رجل أخطأ السنة ، فيرد إليها » فهذا أحسن من كلامكم وأبين وأقرب إلى الشرع والمصلحة ، ثم هذا ينتقض عليكم بسائر ما ملكه الله تعالى لعبده وأذن له فيه متفرقاً، فأراد أن يجمعه ، كرمي الجمار الذي إنما شرع له متفرقاً ، واللعان الذي شرع كذلك ، وأيمان القسامة التي شرعت كذلك ، ونظير قياسكم هذا أن له أن يؤخر الصلوات كلها ويصليها في وقت واحد ، لأنه جمع ما أمر بتفريقه ، على أن هذا قد فهمه كثير من العوام يؤخرون صلاة اليوم إلى الليل ويصلون الجميع في وقت واحد ، ويحتجون بمثل هذه الحجة بعينها ، ولو سكتم عن نصرة المسألة بمثل ذلك لكان أقوى لها .

وقال القرطبي[3] : وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جداً: وهو أن المطلقة ثلاثاً لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره ، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعاً ، وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقاً في النكاح والعتق والأقارير ، فلو قال الولي: أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه ، وكذا في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام . نقله عنه ابن حجر العسقلاني[3]

ويرد عليه بأن من قال : أحلف بالله ثلاثاً لا يعد حلفه إلا يميناً واحدة فليكن المطلق مثله ، وتعقب باختلاف الصيغتين فإن المطلق ينشيء طلاق امرأته وقد جعل أمد طلاقها ثلاثاً فإذا قال: أنت طالق ثلاثاً فكأنه قال أنت طالق جميع الطلاق ، وأما الحلف فلا أمد لعدد أيمانه . فافترقا اهـ .

---

(١) المغني مع الشرح الكبير ٨/٢٤٣ .
(٢) إغاثة اللهفان ١/٣٠٩
(٣) فتح الباري ٩/٣٦٥ .

المذهب الثانى

إن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثاً بلفظ واحد وقعت واحدة وحل به أو لا؟

■ — قال ابن الهمام[1] : وقال قوم يقع به واحدة وهو مروى عن ابن عباس — رضي الله عنهما — وبه قال محمد بن إسحق ، ونقل عن طاوس وعكرمة أنهم يقولون خلاف السنة فيرد إلى السنة .

■ — قال الباجي[2] : وحكى القاضي أبو محمد في إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة . . . وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة ومحمد بن إسحق . انتهى المقصود .

■ — قال شيخ الإسلام — في أثناء الكلام على ذكر المذاهب في ذلك[3] الثالث أنه محرم ولا يلزم منه إلا طلقة واحدة ، وهذا القول منقول عن طائفة من السلف والخلف من أصحاب رسول الله — صلى الله عليه وسلم — مثل : الزبير بن العوام ، وعبد الرحمن ابن عوف ، ويروى عن علي وابن مسعود وابن عباس القولان ، وهو قول كثير من التابعين ومن بعدهم مثل طاوس ، وخلاس بن عمرو ، ومحمد بن إسحق ، وهو قول داود وأكثر أصحابه ، ويروى ذلك عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وابنه جعفر بن محمد ، ولهذا ذهب إلى ذلك من ذهب من الشيعة ، وهو قول بعض أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد بن حنبل . اهـ

■ — قال ابن القيم[4] : وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية . اهـ

■ — قال المرداوي[5] : وحكى — أي شيخ الإسلام ابن تيمية — عدم وقوع الطلاق الثلاث جملة بل واحدة ، في المجموعة أو المتفرقة عن جده المجد وأنه كان يفتي به سراً أحياناً . اهـ

■ — قال ابن القيم[6] : المثال السابع : أن المطلق في زمن النبي — صلى الله عليه وسلم — وزمن خليفته أبي بكر وصدراً من خلافة عمر كان إذا جمع الطلقات الثلاث بفم واحد جعلت واحدة . . . وكل صحابي من لدن خلافة الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر كان على أن الثلاث واحدة فتوى أو إقراراً أو سكوتاً ، ولهذا ادعى بعض أهل العلم أن هذا إجماع قديم ، ولم تجمع الأمة ولله الحمد على خلافه ، بل لم يزل

(۱) فتح القدير ۳/۴۶۰ .
(۲) المنتقى شرح الموطأ ۴/۳ .
(۳) مجموع الفتاوى ۳۳/۸
(۴) زاد المعاد ۴/۱۰۵
(۵) الإنصاف ۸/۱۴۳
(۶) أعلام الموقعين ۳/۵۱ ، ۹۵ ، ۹۹

فيهم من يفتي به قرناً بعد قرن إلى يومنا هذا .
فأفتى به حبر الأمة وترجمان القرآن : عبدالله بن عباس ، كما رواه حماد بن زيد ، عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس : إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفم واحد فهي واحدة ، وأفتى أيضاً بالثلاث ، أفتى بهذا وهذا ، وأفتى بأنها واحدة الزبير بن العوام ، وعبد الرحمن بن عوف ، حكاه عنهما ابن وضاح ، وعن علي كرم الله وجهه وابن مسعود روايتان كما عن ابن عباس .

وأما التابعون فأفتى به عكرمة رواه إسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عنه ، وأفتى به طاوس .

وأما أتباع التابعين فأفتى به محمد بن إسحق حكاه الإمام أحمد وغيره عنه ، وأفتى به خلاس بن عمرو والحارث العكلي .

وأما أتباع تابعي التابعين فأفتى به داود بن علي وأكثر أصحابه حكاه عنهم أبو المغلس وابن حزم وغيرهما .

وأفتى به بعض أصحاب مالك حكاه التلمساني في شرح تفريع ابن الجلاب قولاً لبعض المالكية .

وأفتى به بعض الحنفية حكاه أبو بكر الرازي عن محمد بن مقاتل ، وأفتى به بعض أصحاب أحمد حكاه شيخ الإسلام ابن تيمية عنه قال : وكان يفتي به أحياناً .

وأما الإمام أحمد نفسه فقد قال الأثرم : سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وعمر واحدة بأي شيء تدفعه ، قال : برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه ، ثم ذكر عن عدة عن ابن عباس أنها ثلاث ، فقد صرح بأنه إنما ترك القول به لمخالفة راويه له .

وأصل مذهبه وقاعدته التي بنى عليها أن الحديث إذا صح لم يرده لمخالفة راويه له، بل الأخذ عنده بما رواه كما فعل في رواية ابن عباس وفتواه في بيع الأمة ، فأخذ بروايته أنه لا يكون طلاقاً وترك رأيه . وعلى أصله يخرج له قول : أن الثلاث واحدة ، فإنه إذا صرح بأنه إنما ترك الحديث لمخالفة الراوي ، وصرح في عدة مواضع أن مخالفة الراوي لا توجب ترك الحديث ، خرج له في المسألة قولان ، وأصحابه يخرجون على مذهبه أقوالاً دون ذلك بكثير . اهـ .

– قال يوسف بن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الهادي[1] : الفصل الرابع – في أنه إنما يقع بالثلاث للفظ الواحد واحدة ، وهذه رواية عن أحمد ، وراويها باطلة ، لكنها قول في المذهب حكاه الشيخ شمس الدين ابن القيم في كتاب أعلام الموقعين ، وذكره في الفروع ، وقال : إنه اختيار شيخه ، وهو اختياره بلا خلاف ، وهو الذي إليه جنح الشيخ شمس الدين بن القيم في كتب ، الهدى وأعلام الموقعين وإغاثة اللهفان ، وفيه جدنا جمال الدين الإمام وقد صنف فيه مصنفات وهو اختيار شيخه الشيخ تقي الدين بن تيمية وحكاه

(1) سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة نشرة ... .

الوجه الأول أنه سبحانه وتعالى إنما شرع أن تطلق لعدتها أي لاستقبال عدتها فتطلق طلاقاً يعقبه شروعها في العدة . ولهذا أمر رسول الله – صلى الله عليه وسلم – عبد الله بن عمر رضي الله عنهما لما طلق امرأته في حيضها أن يراجعها . وتلا هذه الآية تفسيراً للمراد بها ، وأن المراد بها الطلاق في قبل العدة وكذلك كان يقرأها عبد الله بن عمر . ولهذا قال كل من قال بتحريم جمع الثلاث أنه لا يجوز له أن يردف الطلقة بأخرى في ذلك الطهر . لأنه غير مطلق للعدة فإن العدة قد استقبلت من حين الطلقة الأولى فلا تكون الثانية للعدة . ثم قال الإمام أحمد في ظاهر مذهبه ومن وافقه : فإن أراد أن يطلقها ثانية طلقها بعد عقد أو رجعة لأن العدة تنقطع بذلك ، فإذا طلقها بعد ذلك أخرى طلقها للعدة . وقال في رواية أخرى عنه : له أن يطلقها الثانية في الطهر الثاني ، ويطلقها الثالثة في الطهر الثالث ، وهو قول أبي حنيفة ، فيكون مطلقاً للعدة أيضاً ، لأنها تبني على ما مضى والصحيح هو الأول ، وأنه ليس له أن يردف الطلاق قبل الرجعة أو العقد لأن الطلاق الثاني لم يكن لاستقبال العدة بل هو طلاق لغير العدة فلا يكون مأذوناً فيه ، فإن العدة إنما تحسب من الطلقة الأولى لأنها طلاق العدة ، بخلاف الثانية والثالثة . ومن جعله مشروعاً . قال : هو الطلاق لتمام العدة ، والطلاق لتمامها كالطلاق لاستقبالها وكلاهما طلاق للعدة .

وأصحاب القول الأول يقولون : المراد بالطلاق للعدة الطلاق لاستقبالها كما في القراءة الأخرى التي تفسر القراءة المشهورة : ﴿فطلقوهن في قبل عدتهن﴾ (1)

قالوا : فإذا لم يشرع إرداف الطلاق للطلاق قبل الرجعة أو العقد ، فأن لا يشرع جمعه معه أولى وأحرى فإن إرداف الطلاق أسهل من جمعه ولهذا يسوغ الإرداف في الأطهار من لا يجوز الجمع في الطهر الواحد .

وقد احتج عبد الله بن عباس على تحريم الثلاث بهذه الآية – وساق الأثر عن ابن عباس وقد سبق .

* * *

الوجه الثاني من الاستدلال بالآية ، قوله تعالى : ﴿لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن﴾ (1) وهذا إنما هو في الطلاق الرجعي ، فأما البائن فلا سكنى لها ولا نفقة لسنة رسول الله – صلى الله عليه وسلم – الصحيحة التي لا معارض لها المفسرة التي لا شبهة في دلالتها تدل على أن هذا حكم كل طلاق شرعه الله تعالى ما لم يسبقه طلقتان قبله ، ولهذا قال الجمهور : إنه لا يشرع له ولا يملك إبانتها بطلقة واحدة بدون العوض .

وأبو حنيفة قال : يملك ذلك لأن الرجعة حقه وقد أسقطها

(1) الآية الكريمة من سورة الطلاق .

والجمهور يقولون: ثبوت الرجعة وإن كان حقاً له، فإنها عليه حقوق الزوجية فلا يملك إسقاطها إلا بمخالعة أو باستيفاء العدد كما دل عليه القرآن.

* * *

الوجه الثالث: أنه تعالى قال: ﴿وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾[1] فإذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة فقد تعدى حدود الله فيكون ظالماً.

الوجه الرابع: أنه سبحانه قال: ﴿لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا﴾[1] وقد فهم أعلم الأمة بالقرآن — وهم الصحابة — أن الأمر ههنا هو الرجعة، قالوا: وأي أمر يحدث بعد الثلاث.

الوجه الخامس: قوله تعالى: ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾[2] فهذا حكم كل طلاق شرعه الله، إلا أن يسبق بطلقتين قبله.

وقد احتج ابن عباس على تحريم جمع الثلاث بقوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾[1] كما تقدم — أخرجه — رحمه الله الأثر الذي أشرنا إليه سابقاً — وهذا حق، لأن الآية إذا دلت على منع إرداف الطلاق الطلاق في طهر أو أطهار قبل رجعة أو عقد كما تقدم لأنه يكون مطلقاً في غير قبل العدة، فلأن تدل على تحريم الجمع أولى وأحرى.

ومضى — رحمه الله — إلى أن قال: فهذه الوجوه وغيرها مما بين الجمهور أن جمع الثلاث غير مشروع هي حججها تبين عدم الوقوع وأنه إنما يقع المشروع وحده وهي الواحدة. اهـ. وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى.

وأما السنة: فقد استدلوا بالأدلة الآتية:

الدليل الأول: روى مسلم في صحيحه من طريق ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس — رضي الله عنهما — قال: «كان الطلاق على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم».

وفي صحيحه أيضاً عن طاوس: أن أبا الصهباء قال لابن عباس: هات من هناتك ألم يكن الطلاق

---

[1] الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١.
[2] الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢.

ثلاثاً على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر واحدة ؟

فقال : قد كان ذلك ، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازه عليهم . وفي لفظ لأبي داود : أن رجلاً يقال له أبو الصهباء كان كثير السؤال لابن عباس قال : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدراً من إمارة عمر – رضي الله عنهما – فقال ابن عباس : بلى ، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدراً من إمارة عمر – رضي الله عنهما – فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال : أجيزوهن عليهم . هكذا في هذه الرواية قبل أن يدخل بها .

وفي مستدرك الحاكم من حديث عبد الله بن المؤمل ، عن ابن أبي مليكة ، أن أبا الجوزاء أتى ابن عباس فقال : أتعلم أن الثلاث كن يرددن على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – إلى واحدة ؟ قال : نعم . وقال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد وهذا غير طريق طاوس عن أبي الصهباء ، وقد أجاب القائلون بأن الثلاث بلفظ واحد تقع ثلاثاً عن حديث ابن عباس بأجوبة :

الجواب الأول : أنه منسوخ وهو قول الشافعي وأبي داود والطحاوي .

قول الشافعي (1) بعد سياقه لحديث أبي الصهباء وأثر ابن عباس في الذي طلق امرأته ألفاً وأفتاه بوقوع الثلاث ، والذي طلق مائة وقد سبقت ، قال بعد ذلك : فإن كان معنى قول ابن عباس أن الثلاث كانت تحسب على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – واحدة يعني أنه بأمر النبي – صلى الله عليه وسلم – فالذي يشبه – والله أعلم – أن يكون ابن عباس قد علم أن كان شيئاً فنسخ .

فإن قيل : فما دل على ما وصفت ؟ قيل : لا يشبه أن يكون يروي عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – شيئاً ثم يخالفه بشيء لم يعلمه كان من النبي فيه خلافه .

فإن قيل : فلعل هذا شيء روي عن عمر فقال فيه ابن عباس بقول عمر ؟ قيل : قد علمنا أن ابن عباس يخالف عمر في نكاح المتعة ، وبيع الدينار بالدينارين ، وفي بيع أمهات الأولاد وغيره ، فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي – صلى الله عليه وسلم – فيه خلافه ؟

فإن قيل : فلم لم يذكره ؟

قيل : فقد يسأل الرجل عن الشيء فيجيب فيه ولا يتقصى فيه الجواب ، ويأتي على الشيء ويكون جائزاً له كما يجوز له لو قيل : أصلى الناس على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – إلى بيت المقدس ؟ أن يقول نعم ، وإن لم يقل ثم حولت القبلة

---

(1) الأم – اختلاف الحديث : ٧/ ٢٠٠، ٢١٠ .

قال : فإن قيل فقد ذكر على عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر ؟ قيل والله أعلم — وجوابه حين استفتي يخالف ذلك كما وصفت .

فإن قيل : فهل من دليل تقوم به الحجة في ترك أن تحسب الثلاث واحدة في كتاب أو سنة أو أمر أبين مما ذكرت ؟

قيل : نعم . أخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن أبيه قال كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له وإن طلقها ألف مرة فعمد رجل إلى امرأة له فطلقها ثم أمهلها حتى إذا شارفت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها وقال : والله لا آويك . . . ولا تحلين أبداً ، فأنزل الله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾[1] فاستقبل الناس الطلاق جديداً من يومئذ من كان منهم طلق أو لم يطلق . وذكر بعض أهل التفسير هذا فلعل ابن عباس أجاب أن الثلاث والواحدة سواء ، وإذا جعل الله عدد الطلاق إلى الزوج وأن يطلق متى شاء ، فسواء الثلاث والواحدة وأكثر من الثلاث في أن يقضي بطلاقه .

قال الشافعي : وحكم الله في الطلاق أنه مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان . وقوله : ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا ﴾ يعني — والله أعلم — الثلاث ﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾[2] فدل حكمه أن المرأة تحرم بعد الطلاق ثلاثاً حتى تنكح زوجاً غيره ، وجعل حكمه بأن الطلاق إلى الأزواج يدل على أنه إذا حدث تحريم المرأة بطلاق ثلاث وجعل الطلاق إلى زوجها فطلقها ثلاثاً مجموعة أو مفرقة حرمت عليه بعدهن حتى تنكح زوجاً غيره كما كانوا مملكين عتق رقيقهم فإن أعتق واحداً أو مائة في كلمة لزمه ذلك كما يلزمه كلها جمع الكلام فيه أو فرقه مثل قوله لنسوة له : أنتن طوالق ، ووالله لا أقربكن ، وأنتن علي كظهر أمي ، وقوله : لفلان علي كذا ، ولفلان علي كذا ، ولفلان علي كذا ، فلا يسقط عنه بجمع الكلام معنى من المعاني ، جميعه كلام فيلزمه بجمع الكلام ما يلزمه بتفريقه .

فإن قال قائل . فهل من سنة تدل على هذا قيل نعم ، حدثنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن عروة بن الزبير عن عائشة أنه سمعها تقول :

جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت عبد الرحمن بن الزبير وإنما معه مثل هدبة الثوب فتبسم رسول الله وقال : أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ ، لَا حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ ، قال وأبو بكر عند النبي وخالد بن سعيد بن العاص بالباب ينتظر أن يؤذن له فنادى يا أبا بكر ألا تسمع ما تجهر به هذه عند رسول الله — صلى الله عليه وسلم — .

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣٠ .

قال: ثنا إسحاق بن أبي إسرائيل قال: أخبرنا عبد الرزاق — ح — وحدثنا عبد الحميد بن عبد العزيز قال: ثنا أحمد بن منصور الرمادي قال: ثنا عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس مثل الحديث الذي ذكرناه في أول هذا الباب، غير أنهما لم يذكرا أبا الصهباء ولا سؤاله ابن عباس — رضي الله عنهما — وإنما ذكرا مثل جواب ابن عباس — رضي الله عنهما — الذي في ذلك الحديث، وذكر بعد ذلك من كلام عمر — رضي الله عنه — ما قد ذكرناه قبل هذا الحديث، فخاطب عمر — رضي الله عنه — بذلك الناس جميعاً وفيهم أصحاب رسول الله — صلى الله عليه وسلم — ورضي عنهم الذين قد علموا ما تقدم من ذلك في زمن رسول الله — صلى الله عليه وعلى آله وسلم — فلم ينكره عليه منهم منكر، ولم يدفعه دافع، فكان ذلك أكبر الحجة في نسخ ما تقدم من ذلك، لأنه لما كان فعل أصحاب رسول الله — صلى الله عليه وعلى آله وسلم — جميعاً فعلاً يجب به الحجة كان كذلك أيضاً إجماعهم على القول إجماعاً يجب به الحجة، وكما كان إجماعهم على النقل بريئاً من الوهم والزلل كان كذلك إجماعهم على الرأي بريئاً من الوهم والزلل، وقد رأينا أشياء قد كانت على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — على معان فجعلها أصحابه — رضي الله عنهم — من بعده على خلاف تلك المعاني، لما رأوا فيه مما خفي على من بعدهم، فكان ذلك حجة ناسخاً لما تقدمه. من ذلك تدوين الدواوين، والمنع من بيع أمهات الأولاد، وقد كن يبعن قبل ذلك، والتوقيت في حد الخمر ولم يكن فيه توقيت قبل ذلك، فلما كان ما عملوا به من ذلك ووقفنا عليه لا يجوز لنا خلافه إلى ما قد رأيناه مما تقدم فعلهم له، كان كذلك ما وقفونا عليه من الطلاق الثلاث الموقع معاً أنه يلزم لا يجوز لنا خلافه إلى غيره مما قد روي أنه كان قبله على خلاف ذلك. اهـ المراد من كلام الطحاوي

بعد كلامه في النسخ[1]. ثم هذا ابن عباس — رضي الله عنهما — قد كان من بعد ذلك يفتي من طلق امرأته ثلاثاً معاً أن طلاقه قد لزمه وحرمها عليه.

حدثنا إبراهيم بن مرزوق قال: ثنا أبو حذيفة قال: ثنا سفيان عن الأعمش عن مالك بن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثاً؟ فقال: إن عمك عصى الله فأثمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً. فقلت: كيف ترى في رجل يحلها له؟ فقال: من يخادع الله يخادعه. حدثنا يونس قال: أخبرنا ابن وهب أن مالكاً أخبره عن ابن شهاب عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن محمد بن إياس بن البكير قال: طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له أبا هريرة وعبد الله بن عباس عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تتزوج زوجاً غيرك. فقال: إنما كان طلاقي إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل. حدثنا يونس قال: أخبرنا ابن وهب أن مالكاً أخبره عن يحيى بن سعيد أن بكير بن الأشج أخبره عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري أنه كان جالساً مع عبد الله بن الزبير وعاصم بن عمر فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير: إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول، فاذهب

(١) شرح معاني الآثار ٢/٣٠.

إلى عبدالله بن عباس وأبي هريرة – رضي الله عنهم – فذكرهما ثم ائتنا فأخبرنا، فذهب فسألهما فقال ابن عباس لأبي هريرة: أفته يا أبا هريرة فقد جاءتك معضلة، فقال أبو هريرة: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. حدثنا ربيع المؤذن قال: ثنا خالد بن عبد الرحمن قال: أخبرني ابن أبي ذئب عن الزهري عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير، أن رجلاً سأل ابن عباس وأبا هريرة وابن عمر عن طلاق البكر ثلاثاً وهو معه تكلّهم قالوا: حرمت عليك. حدثنا يونس قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن أبي سلمة عن أبي هريرة وابن عباس أنهما قالا في الرجل يطلق البكر ثلاثاً: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. حدثنا أبو بكرة قال ثنا مؤمل قال ثنا سفيان عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير أن رجلاً سأل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرمها عليه وسبعة وتسعون في رقبته إنه اتخذ آيات الله هزواً.

حدثنا علي بن شيبة حدثنا أبو نعيم قال ثنا إسرائيل عن عبد الأعلى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس مثله.

■ حدثنا ابن مرزوق ثنا ابن وهب قال ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح وحميد الأعرج عن مجاهد أن رجلاً قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة قال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً ومن يتق الله يجعل له مخرجاً، قال الله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن)[1] انتهى المراد من كلام الطحاوي.

■ وممن ارتضى هذا المسلك الذي هو مسلك النسخ – الحافظ ابن حجر العسقلاني في جواب بحث طويل في هذه المسألة قال[2]: وفي الجملة فالذي وقع في هذه المسألة نظير ما وقع في مسألة المتعة سواء أعني قول جابر أنها كانت تفعل في عهد النبي – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا، فالراجح في الموضعين تحريم المتعة وإيقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك، ولا يحفظ أن أحداً في عهد عمر خالفه في واحدة منهما وقد دل إجماعهم على وجود ناسخ وإن كان خفي عن بعضهم قبل ذلك، حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر، فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له، والجمهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق. اهـ.

■ واعترض المازري على ذلك قال: وزعم بعضهم أن هذا الحكم منسوخ وهو غلط فإن عمر لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادر الصحابة إلى إنكاره، وإن أراد القائل أنه نسخ في زمن النبي – صلى الله عليه وسلم – فلا يمتنع لكن يخرج عن ظاهر الحديث لأنه لو كان كذلك لم يجز للراوي أن يخبر ببقاء الحكم في خلافة أبي بكر وبعض خلافة عمر. فإن قيل: فقد يجمع الصحابة ويقبل منهم ذلك، قلنا: إنما يقبل ذلك لأنه يستدل بإجماعهم على ناسخ وأما أنهم ينسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذ الله، لأنه إجماع على الخطأ، وهم معصومون عن ذلك. قال: فإن قيل: فلعل النسخ إنما ظهر في زمن عمر، قلنا: هذا أيضاً غلط لأنه يكون قد حصل الإجماع على الخطأ في زمن أبي بكر وليس انقراض العصر شرطاً في صحة الإجماع على الراجح. هذا ما أورده المازري، وأجاب

(۱) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱.
(۲) فتح الباري ۹/۲۹۹.

ونظيره قول جابر عند مسلم في نكاح المتعة فنهانا عنها عمر، فظاهر كل منهما أنه اجتهاد من عمر والنسخ ثابت فيهما كما رأيت، وبقيت الأناة في المشروع وإنما هي في عدم الاستعجال بإيقاع الثلاث دفعة . . . أما كون عمر كان يعلم أن رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ كان يجعل الثلاث بلفظ واحد واحدة فتعمد مخالفة رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وجعلها ثلاثاً ولم ينكر عليه أحد من الصحابة فلا يخفى بعده، والعلم عند الله تعالى. انتهى.

X X X

الجواب الثاني: حمل الحديث على أن الناس اعتادوا في عهد رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر إيقاع الطلاق الطلقة الواحدة ثم يدعها حتى تنقضي عدتها ثم اعتادوا الطلاق الثلاث جملة وتتابعوا فيه. فمعنى الحديث على هذا كان الطلاق الذي يوقعه المطلق الآن ثلاثاً يوقعه المطلق على عهد رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة، فالحديث على هذا إخبار عن الواقع لا عن المشروع.

وهذا جواب أبي زرعة، والباجي، والقاضي أبي محمد عبد الوهاب، ونقل القرطبي عن الكيا الطبري أنه قول علماء الحديث ورجحه ابن العربي، وذكره ابن قدامة.

أما أبو زرعة الرازي فقد نقله عنه البيهقي بسنده إلى عبد الرحمن بن أبي حاتم قال[1]: سمعت أبا زرعة يقول: معنى هذا الحديث عندي أن ما تطلقون أنتم ثلاثاً كانوا يطلقون واحدة في زمن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ وأبي بكر وعمر ـ رضي الله عنهما ـ.

وأما الباجي فقال[2]: معنى الحديث أنهم كانوا يوقعون طلقة واحدة بدل إيقاع الناس ثلاث طلقات ـ قال: ويدل على صحة هذا التأويل أن عمر بن الخطاب ـ رضي الله عنه ـ قال: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فأنكر عليهم أن أحدثوا في الطلاق استعجال أمر كانت لهم فيه أناة فلو كان حالهم ذلك من أول الإسلام في زمن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ ما قاله وما عاب عليهم أنهم استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، ويدل على صحة هذا التأويل ما روي عن ابن عباس من غير طريق أنه أفتى بلزوم الطلاق الثلاث لمن أوقعها مجتمعة، فإن كان معنى حديث ابن طاوس فهو الذي قلناه، وإن حمل حديث ابن طاوس على ما يتأول فيه من لا يعبأ بقوله فقد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع. انتهى كلام الباجي.

---

(١) سنن البيهقي ٧/٣٣٧.
(٢) المنتقى ٤/٤.

■ وأما القاضي فقد نقل عنه القرطبي أنه قال[1] : « معناه أن الناس كانوا يقتصرون على طلقة واحدة ثم أكثروا أيام عمر من إيقاع الثلاث – قال – قال القاضي : وهذا هو الأشبه بقول الراوي إن الناس في أيام عمر استعجلوا الثلاث فعجل عليهم معناه ألزمهم حكمها » . انتهى .

■ وأما ما نسب إلى علماء الحديث فقد قال القرطبي بعد ذكره تأويل الباجي حديث ابن عباس وما أوله به أبو زرعة ، قال : قلت : ما تأوله الباجي هو الذي ذكر معناه الكيا الطبري عن علماء الحديث أي أنهم كانوا يطلقون طلقة واحدة هذا الذي تطلقون ثلاثاً أي ما كانوا يطلقون في كل قرء طلقة وإنما كانوا يطلقون في جميع العدة واحدة إلى أن تبين وتنقضي العدة . انتهى كلام القرطبي . وأما ترجيح ابن العربي فقد نقله عنه ابن حجر[2] .

وأما ذكره ابن قدامة فإنه قال[3] : قيل معنى حديث ابن عباس أن الناس كانوا يطلقون واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وإلا فلا يجوز أن يخالف عمر ما كان في عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر ، ولا يسوغ لابن عباس أن يروي هذا عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ويفتي بخلافه .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال[4] : وأما قول من قال : إن معناه كان وقوع الطلاق الثلاث على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – واحدة ، فإن حقيقة هذا التأويل كان الناس على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يطلقون واحدة وعلى عهد عمر صاروا يطلقون ثلاثاً ، والتأويل إذا وصل إلى هذا الحد كان من باب الإنكار والتحريف لا من باب بيان المراد ولا يصح ذلك بوجه ما ، فإن الناس ما زالوا يطلقون واحدة وثلاثاً ، وقد طلق رجال نساءهم على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ثلاثاً فمنهم من رده إلى واحدة كما في حديث عكرمة عن ابن عباس ، ومنهم من أنكر عليه وغضب وجعله متلاعباً بكتاب الله ، ولم يعرف ما حكم به عليهم ، ومنهم من أقره لتأكيد التحريم الذي أوجبه اللعان ، ومنهم من ألزمه بالثلاث لكون ما أتى به من الطلاق آخر الثلاث . فلم يصح أن يقال : إن الناس ما زالوا يطلقون واحدة إلى أثناء خلافة عمر فطلقوا ثلاثاً ، ولا يصح أن يقال : إنهم قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة فنمضيه عليهم ولا يلائم هذا الكلام الفرق بين عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وبين عهده بوجه ما . فإنه ماض منكم في عهده وبعد عهده . ثم إن في بعض ألفاظ الحديث الصحيحة « ألم تعلم أنه من طلق ثلاثاً جعلت واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ؟ » وفي لفظ : « أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ! فقال ابن عباس بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر

(١) تفسير القرطبي ٣/١٣٠ .
(٢) الفتح ٩/٣٦٩ .
(٣) المغني مع الشرح ٧/٣٠١ .
(٤) زاد المعاد ٤/١١٩ .

وأجاب ابن القيم عن الرواية التي فيها ذكر غير المدخول بها فقال [1]: ورواية طاوس نفسه عن ابن عباس ليس في شيء منها قبل الدخول، وإنما حكى ذلك طاوس عن سؤال أبي الصهباء لابن عباس فأجابه ابن عباس بما سأله عنه ولعله إنما بلغه جعل الثلاث واحدة في حق مطلق قبل الدخول، فسأل عن ذلك ابن عباس وقال: «كانوا يجعلونها واحدة؟» فقال له ابن عباس: نعم، أي الأمر ما قلت وهذا لا مفهوم له فإن التقييد في الجواب وقع في مقابلة تقييد السؤال ومثل هذا لا يعتبر مفهومه.

نعم لو لم يكن السؤال مقيداً فقَيَّد المسؤول الجواب كان مفهومه معتبراً، وهذا كما إذا سئل عن فأرة وقعت في سمن فقال: إذا وقعت الفأرة في السمن فألقوها وما حولها وكلوه، لم يدل ذلك على تعيين الحكم بالسمن خاصة، وبالجملة فغير المدخول بها فرد من أفراد النساء فذكر النساء مطلقاً في أحد الحديثين وذكر بعض أفرادهن في الحديث الآخر لا تعارض بينهما.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي [2]: وحجة هذا القول أن بعض الروايات كرواية أبي داود جاء فيها التقييد بغير المدخول بها، والمقرر في الأصول هو حمل المطلق على المقيد ولا سيما إذا اتحد الحكم والسبب كما هنا، قال في مراقي السعود:

وحمل مطلق على ذاك وجب　　　إن فيهما اتحد حكم والسبب

وما ذكره الأبي — رحمه الله — من أن الإطلاق والتقييد إنما هو في حديثين، أما في حديث واحد من طريقين فمن زيادة العدل مردود بأنه لا دليل عليه وهو مخالف لظاهر كلام عامة العلماء ولا وجه للفرق بينهما، وما ذكره الشوكاني — رحمه الله — في نيل الأوطار من أن رواية أبي داود التي فيها التقييد بعدم الدخول فرد من أفراد الروايات العامة، وذكر بعض أفراد العام بحكم العام لا يخصصه، لا يظهر، لأن هذه المسألة من مسائل المطلق والمقيد، لا من مسائل ذكر بعض أفراد العام، فالروايات التي أخرجها مسلم مطلقة عن قيد الدخول، والرواية التي أخرجها أبو داود مقيدة بعدم الدخول كما ترى، والمقرر في الأصول حمل المطلق على المقيد، ولا سيما إن اتحد الحكم والسبب كما هنا.

نعم لقائل أن يقول: إن كلام ابن عباس في رواية أبي داود المذكورة وارد على سؤال أبي الصهباء، وأبو الصهباء لم يسأل إلا عن غير المدخول بها فجواب ابن عباس لا مفهوم مخالفة له، لأنه إنما خص غير المدخول بها لمطابقة الجواب للسؤال.

وقد تقرر في الأصول أن من موانع اعتبار دليل الخطاب أعني مفهوم المخالفة كون الكلام وارداً جواباً لسؤال، لأن تخصيص المنطوق بالذكر لمطابقة السؤال فلا يتعين كونه لإخراج المفهوم عن حكم المنطوق، وأشار

(١) إغاثة اللهفان: ١/٣٢٠-٣٢١.
(٢) أضواء البيان: ١/١٩٦-١٩٧-١٩٨.

قاله في مراقي السعود في ذكر موانع اعتبار مفهوم المخالفة بقوله :

أو جهل الحكم أو النطق انجلب للسؤال أو جرى على الذي غلب

ومحل الشاهد منه قوله : أو النطق انجلب للسؤال .

وقد قدمنا أن رواية أبي داود المذكورة من أيوب السختياني عن غير واحد عن طاوس ، وهو صريح في أن من روى عنهم أيوب مجهولون ، ومن لم يعرف من هو لا يصح الحكم بروايته ، ولذا قال النووي في شرح مسلم ما نصه : وأما هذه الرواية لأبي داود فضعيفة رواها أيوب عن قوم مجهولين عن طاوس عن ابن عباس فلا يحتج بها ، والله أعلم . انتهى منه بلفظه .

وقال المنذري في مختصر سنن أبي داود بعد أن ساق الحديث المذكور ما نصه : الرواة عن طاوس مجاهيل . انتهى منه بلفظه . وضعف رواية أبي داود هذه ظاهر كما ترى للجهل بمن روى عن طاوس فيها ، وقال العلامة ابن القيم — رحمه الله تعالى — في زاد المعاد بعد أن ساق لفظ هذه الرواية ما نصه : وهذا لفظ الحديث وهو بأصح إسناد . انتهى محل الغرض منه بلفظه فانظره مع ما تقدم . انتهى كلام الشيخ محمد الأمين الشنقيطي .

× × ×

الجواب الرابع ليس في الحديث ما يدل على أن الرسول — صلى الله عليه وسلم — هو الذي جعل ذلك ولا أنه علم به وأقر عليه وهذا جواب ابن المنذر وابن حزم ومن وافقهما .

قال ابن القيم [1]: وأما ابن المنذر فقال : لم يكن ذلك عن علم النبي — صلى الله عليه وسلم — ولا عن أمره ، قال: وغير جائز أن يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي — صلى الله عليه وسلم — شيئاً ثم يفتي بخلافه ، فلما لم يجز ذلك دل فتيا ابن عباس — رضي الله عنه — على أن ذلك لم يكن عن علم النبي — صلى الله عليه وسلم — ولا عن أمره ، إذ لو كان ذلك عن علم النبي — صلى الله تعالى عليه وآله وسلم — ما استحل ابن عباس أن يفتي بخلافه أو يكون ذلك منسوخاً استدلالاً بفتيا ابن عباس .

وقال ابن حزم [2]: وأما حديث طاوس عن ابن عباس الذي فيه أن الثلاث كانت واحدة وترد إلى واحدة وتجعل واحدة ، فليس في شيء منه أنه — عليه الصلاة والسلام — هو الذي جعلها واحدة أو ردها إلى واحدة

(۱) إغاثة اللهفان ۱/۲۹۹

(۲) المحلى ۱۰/۱۶۸ ، ۱۶۹

رآه – عليه الصلاة والسلام – علم بذلك فأقره ، ولا حجة إلا فيما صح أنه – عليه الصلاة والسلام – قاله أو فعله أو علمه فلم ينكره ، وإنما يلزم هذا الخبر من ذهب في قول أبي سعيد الخدري : كنا نخرج زكاة الفطر على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – صاعاً من كذا ، وأما نحن فلا . انتهى كلام ابن حزم .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال[1] : سبحان الله هذا يجاوز عظيم أن يستمر هذا الجهل الفظيع المغير شرع الله ودينه وإباحة الفرج لمن هو عليه حرام وتحريمه على من هو عليه حلال على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأصحابه خير الخلق وهم يفعلونه ولا يعلمونه ولا يعلمه هو ، والوحي ينزل عليه وهو يقرهم عليه ، فهب أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – لم يكن يعلمه وأصحابه يعلمونه ويبدلون دينه وشرعه والله يعلم ذلك ولا يوحيه إلى رسوله ولا يعلمه به ، ثم يتوفى الله رسوله والأمر على ذلك فيستمر هذا الضلال العظيم والخطأ المبين عندكم مدة خلافة الصديق كلها ويعمل به ولا يغيره إلى أن فارق الصديق الدنيا ، واستمر الخطأ والضلال المركب صدراً من خلافة عمر حتى رأى بعد ذلك رأيه أن يلزم الناس بالصواب ، فهل بالجهل بالصحابة وما كانوا عليه في عهد نبيهم وخلفائه أقبح من هذا ؟ وتالله لو كان جعل الثلاث واحدة خطأ محضاً لكان أسهل من هذا الخطأ الذي ارتكبتموه ، والتأويل الذي تأولتموه ، ولو تركتم المسألة بهيآتها لكان أقوى لشأنها من هذه الأدلة والأجوبة .

وذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي[2] : ضعف هذا الجواب لأن جماهير المحدثين والأصوليين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهد النبي – صلى الله عليه وسلم – له حكم الرفع ، وإن لم يصرح بأنه بلغه – صلى الله عليه وسلم – وأقره .

* * *

الجواب الخامس

ما ذكره المجد قال : وتأوله بعضهم على صورة تكرير لفظ الطلاق بأن يقول : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق فإنه يلزمه واحدة إذا قصد التوكيد وثلاثاً إذا قصد تكرير الإيقاع ، فكان الناس في عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر على صدقهم وسلامتهم وقصدهم في الغالب الفضيلة والاختيار ، لم يظهر فيهم خب ولا خداع ، وكانوا يصدقون في إرادة التوكيد ، فلما رأى عمر في زمانه أموراً ظهرت وأحوالاً تغيرت وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ لا يحتمل التأويل ألزمهم الثلاث في صورة التكرير إذ صار الغالب عليهم قصدها ، وقد أشار إليه بقوله : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة . انتهى كلام المجد .

---

[1] زاد المعاد ٤/٥٩ .
[2] أضواء البيان ١/١٧٩ .

وإن اعترف بالحق وقال : يجوز إطلاقه على ما أوقع بكلمة واحدة وعلى ما أوقع بكلمات متعددة وهو أشد بظاهر اللفظ ، قيل له : وإذاً فجزمك بكونه بكلمة واحدة لا وجه له ، وإذا لم يتعين في الحديث كون الثلاث بلفظ واحد سقط الاستدلال به من أصله في محل النزاع .

■ ومما يدل على أنه لا يلزم من لفظ طلاق الثلاث في هذا الحديث كونها بكلمة واحدة أن الإمام أبا عبد الرحمن النسائي مع جلالته وعلمه وشدة فهمه ما فهم من هذا الحديث إلا أن المراد بطلاق الثلاث بلفظ أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق بتفريق الطلقات لأن لفظ الثلاث أظهر في إيقاع الطلاق ثلاث مرات ولهذا ترجم في سننه لرواية أبي داود المذكورة في هذا الحديث وقد سبق في الوجه الثالث ثم قال : فترى هذا الإمام الجليل صرح بأن طلاق الثلاث في هذا الحديث ليس بلفظ واحد بل بألفاظ متفرقة ويدل على صحة ما فهمه النسائي ــ رحمه الله ــ من الحديث ما ذكره العلامة ابن القيم ــ رحمه الله ــ في زاد المعاد في الرد على من استدل لوقوع الثلاث دفعة بحديث عائشة ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت ــ الحديث ، فإنه قال فيه ما نصه : ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد ؟ بل الحديث حجة لنا فإنه لا يقال فعل ذلك ثلاثاً ، وقال ثلاثاً إلا من فعل وقال مرة بعد مرة وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم ، كما يقال قذفه ثلاثاً وشتمه ثلاثاً وسلم عليه ثلاثاً . اهـ . بلفظه .

■ وهو دليل واضح لصحة ما فهمه النسائي ــ رحمه الله ــ من الحديث ، لأن لفظ الثلاث في جميع رواياته أظهر في أنها طلقات ثلاث واقعة مرة بعد مرة كما أوضحه ابن القيم في حديث عائشة آنفاً ــ وبعد أن نقل كلام ابن سريج وأن القرطبي ارتضى هذا الجواب ونقل عن النووي جوابه عنه وقد سبقت الإشارة إلى ذلك كله في أول الجواب ثم قال ــ قال مقيده عفا الله عنه : وهذا الوجه لا إشكال فيه لجواز تغير الحال عند تغير القصد لأن الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى ، وظاهر اللفظ يدل لهذا كما ترى .

■ وعلى كل حال فادعاء الجزم بأن معنى حديث طاوس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد ادعاء خال من دليل كما رأيت ، فليتق الله من تجرأ على عزو ذلك إلى النبي ــ صلى الله عليه وسلم ــ مع أنه ليس في شيء من روايات حديث طاوس كون الثلاث المذكورة بلفظ واحد ، ولم يتعين ذلك من اللغة ولا من الشرع ولا من العقل كما ترى . قال مقيده ــ عفا الله عنه ــ ويدل لكون الثلاث المذكورة ليست بلفظ واحد ما تقدم من حديث ابن إسحق عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس عند أحمد وأبي يعلى : من أنه طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فقال له ــ صلى الله عليه وسلم ــ « كيف طلقتها ؟ » فقال ثلاثاً في مجلس واحد لأن التعبير بلفظ المجلس يفهم منه أنها ليست بلفظ واحد ، إذ لو كان اللفظ واحداً لقال بلفظ واحد ولم يحتج إلى ذكر المجلس ، إذ لا داعي لذكر الوصف الأعم وترك الأخص بلا موجب كما هو ظاهر . انتهى كلام الشيخ الشنقيطي .

× × ×

الجواب الساطع

عن حديث طاوس عن ابن عباس أن سائر أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ذلك وما كان ابن عباس ليروي عن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ شيئاً ثم يخالفه برأيه بل المعروف عنه أنه كان يقول: أنا أقول لكم سنة رسول الله ـ صلى الله تعالى عليه وسلم ـ وتقولون قال أبو بكر وعمر قاله في فسخ الحج وغيره، وقلنا أحمد الإمام أحمد بن حنبل إلى دفع حديث طاوس هذا بما رواه سائر أصحاب ابن عباس عن ابن عباس، قال الأثرم: سألت أبا عبد الله عن حديث ابن عباس: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ـ صلى الله تعالى عليه وسلم ـ وأبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما ـ طلاق الثلاث واحدة بأي شيء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه وكذلك نقل عنه ابن منصور، ذكر جميع ذلك الإمام ابن القيم[1] وجاء في مسودة آل تيمية ما نصه[2]:

«وقال ـ في معاني الحديث للأثرم ـ أيضاً في حديث ابن عباس: كان الطلاق على عهد رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وأبي بكر وصدراً من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال أبو عبد الله: أدفع هذا الحديث بأنه قد روي عن ابن عباس خلافه من عشرة وجوه، أنه كان يرى طلاق الثلاث ثلاثاً» ا هـ.

وقال البيهقي في «باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك»[3] هذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخاري ومسلم فأخرجه مسلم وتركه البخاري وأظنه إنما تركه لمخالفته سائر الروايات عن ابن عباس ... ومنها ما أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق، ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، أنا الربيع، أنا الشافعي، أنا مسلم وعبد المجيد، عن ابن جريج قال: أخبرني عكرمة بن خالد أن سعيد بن جبير أخبره، أن رجلاً جاء إلى ابن عباس فقال: طلقت امرأتي ألفاً، فقال: تأخذ ثلاثاً وتدع تسعمائة وسبعة وتسعين، ورواه عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أنه قال لرجل طلق امرأته ثلاثاً حرمت عليك.

وأخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق وأبو بكر بن الحسن قالا: ثنا أبو العباس، ثنا الربيع، ثنا الشافعي، ثنا مسلم بن خالد وعبد المجيد عن ابن جريج عن مجاهد قال: قال رجل لابن عباس: طلقت امرأتي مائة، قال: تأخذ ثلاثاً وتدع سبعاً وتسعين.

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، ثنا أبو عمرو بن مطر، ثنا يحيى بن محمد، ثنا عبيد الله بن معاذ، ثنا أبي، ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح وحميد الأعرج، عن مجاهد قال: سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً﴾ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ﴾[4] وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ ويحيى بن محمد بن محمد بن مهدي قالا: ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا يحيى بن أبي طالب، أنا عبد الوهاب بن عطاء، أنا ابن جريج، عن عطاء

---

(۱) إغاثة اللهفان [illegible].
(۲) المسودة [illegible].
(۳) السنن الكبرى ۷/۳۳۶-۳۳۷.
(٤) الآية الكريمة من سورة الطلاق.

الحميد بن رافع، عن عطاء أن رجلاً قال لابن عباس: طلقت امرأتي مائة، فقال: تأخذ ثلاثاً وتدع سبعاً وتسعين.

وأخبرنا محمد بن عبدالله الحافظ وأحمد بن الحسن القاضي قالا: نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا محمد بن إسحاق أنا حسين بن محمد، نا جرير بن حازم، عن أيوب عن عمرو بن دينار، أن ابن عباس سئل عن رجل طلق امرأته عدد النجوم فقال: إنما يكفيك رأس الجوزاء.

وأخبرنا أبو عبدالله الحافظ، نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا الحسن بن علي بن عفان، نا ابن نمير عن الأعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس قال: أتاه رجل فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثاً فقال: إن عمك عصى الله فأندمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً. قال: أفلا يحللها له رجل؟ فقال: من يخادع الله يخدعه.

أخبرنا أبو أحمد المهرجاني، أنا أبو بكر بن جعفر المزكي، نا محمد بن إبراهيم البوشنجي، نا ابن بكير، نا مالك عن ابن شهاب، عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير أنه قال: طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له فسأل أبا هريرة وعبدالله بن عباس عن ذلك فقالا له: لا نرى أن تنكحها حتى تزوج زوجاً غيرك. قال: فإنما كان طلاقي إياها واحدة فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل.

فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء بن أبي رباح ومجاهد وعكرمة وعمرو بن دينار ومالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير، ورويناه عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري كلهم عن ابن عباس أنه أجاز الطلاق الثلاث وأمضاهن. اهـ كلام البيهقي رحمه الله تعالى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال: [1] لا يترك الحديث الصحيح المعصوم لمخالفة راويه له فإن مخالفته ليست معصومة. وقد قدم الشافعي رواية ابن عباس في شأن بريرة على فتواه التي تخالفها في كون بيع الأمة طلاقها، وأخذ هو وأحمد وغيرهما بحديث أبي هريرة: من استقاء فعليه القضاء. مع فتوى أبي هريرة بأنه لا قضاء عليه — وذكر جملة أمثلة نسبها إلى الحنابلة والحنفية والمالكية والشافعية إلى أن قال — رحمه الله — والذي ندين الله به ولا يسعنا غيره وهو القصد في هذا الباب أن الحديث إذا صح عن رسول الله — صلى الله تعالى عليه وسلم — ولم يصح عنه حديث آخر ينسخه أن الفرض علينا وعلى الأمة الأخذ بحديثه وترك كل ما خالفه ولا نتركه لخلاف أحد من الناس كائناً من كان لا راويه ولا غيره، إذ من الممكن أن ينسى الراوي الحديث، أو لا يحضره وقت الفتيا أو لا يتفطن لدلالته على تلك المسألة، أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً، أو يقوم في ظنه ما يعارضه، ولا يكون معارضاً في نفس الأمر أو يقلد غيره في فتواه بخلافه لاعتقاده أنه أعلم منه وأنه إنما خالفه لما هو أقوى منه. ولو قدر انتفاء ذلك كله ولا سبيل إلى العلم بانتفائه ولا ظنه لم يكن الراوي معصوماً ولم توجب مخالفته لما رواه سقوط عدالته حتى تغلب سيئاته حسناته، وبخلاف هذا الحديث الواحد لا يحصل له

---

(۱) اعلام الموقعين ۳/۴۱ وما بعدها.

وهذا جواب الخطابي ونقله ابن حجر عن الخطابي [١] ويشبه أن يكون معنى الحديث منصرفا إلى طلاق البتة لأنه قد روي عن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - في حديث ركانة أنه جعل البتة واحدة ، وكان عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - يراها واحدة ، ثم تتابع الناس في ذلك فألزمهم الثلاث وإليه ذهب غير واحد من الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - وروي عن علي بن أبي طالب - رضي الله تعالى عنه - أنه جعلها ثلاثا ، وكذلك روي عن ابن عمر وكان يقول : أبت الطلاق طلاق البتة ، وإليه ذهب سعيد بن المسيب وعروة وعمر بن عبد العزيز والزهري ، وبه قال مالك والأوزاعي وابن أبي ليلى وأحمد بن حنبل ، وهذا كصنيعه بشارب الخمر فإن الحد كان في زمان النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر أربعين ، ثم إن عمر لما رأى الناس تتابعوا في الخمر واستخفوا بالعقوبة فيها قال : أرى أن تبلغ فيها حد المفتري ، لأنه إذا سكر هذى وإذا هذى افترى ، فكان ذلك على ملأ من الصحابة فلا ينكر أن يكون الأمر في طلاق البتة على شاكلته . انتهى كلام الخطابي .

وقال ابن حجر [٢] : وهو قوي ويؤيده إدخال البخاري في هذا الباب الآثار التي فيها البتة ، والأحاديث التي فيها التصريح بالثلاث كأنه يشير إلى عدم الفرق بينهما ، وأن البتة إذا أطلقت حملت على الثلاث إلا إن أراد المطلق واحدة فيقبل ، فكأن بعض رواته حمل لفظ (البتة) على الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ الثلاث وإنما المراد لفظ البتة وكانوا في العصر الأول يقبلون ممن قال أردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر أمضى الثلاث في ظاهر الحكم . انتهى كلام الحافظ بن حجر .

× × ×

الجواب الثامن : حمل الحديث على أنه شاذ وقد حكى ذلك جماعة من أهل العلم فقال ابن عبد الهادي قال ابن رجب في كتابه « مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة » وساق حديث ابن عباس ثم قال [٣] : فهذا الحديث لأئمة الإسلام فيه طريقان :

أحدهما وهو مسلك الإمام أحمد ومن وافقه ويرجع الكلام في إسناد الحديث بشذوذه وانفراد طاوس به ، وأنه لم يتابع عليه ، وانفراد الراوي بالحديث وإن كان ثقة هو علة في الحديث يوجب التوقف فيه وأن يكون شاذا ومنكرا إذا لم يرو معناه من وجه يصح وهذه طريقة أئمة الحديث المتقدمين ، كالإمام أحمد ويحيى القطان ويحيى بن معين وعلي بن المديني وغيرهم وهذا الحديث لا يرويه عن ابن عباس غير طاوس قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور : كل أصحاب ابن عباس يعني رووا عنه خلاف ما روى طاوس .

---

(١) معالم السنن ٣/ ٢٣٥ .
(٢) فتح الباري ٩/ ٣٦٣ .
(٣) سير الحاث ، ٢٤ .

وقال ابن حجر [1] : الجواب الثاني دعوى شذوذ رواية طاوس وهي طريقة البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث، ثم نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي – صلى الله عليه وسلم – شيئا ويفتي بخلافه، فيتعين المصير إلى الترجيح والأخذ بقول الأكثر أولى من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. انتهى.

وقال ابن التركماني وطاوس يقول: إن أبا الصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه، وهم عمر وعثمان وعلي وابن مسعود وابن عمر وغيرهم. انتهى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال بعد عرضه لهذا المسلك [2]: وهذا أفسد من جميع ما تقدم، ولا ترد أحاديث الصحابة وأحاديث الأئمة الثقات بمثل هذا، فكم من حديث تفرد به واحد من الصحابة لم يروه غيره وقبلته الأمة كلهم فلم يرده أحد منهم، وكم من حديث تفرد به من هو دون طاوس بكثير ولم يرده أحد من الأئمة ولا نعلم أحدا من أهل العلم قديما ولا حديثا قال: إن الحديث إذا لم يروه إلا صحابي واحد لم يقبل، وإنما يحكى عن أهل البدع ومن تبعهم في ذلك أقوال لا يعرف لها قائل من الفقهاء.

قد تفرد الزهري بنحو ستين سنة لم يروها غيره، وعملت بها الأمة ولم يردوها بتفرده، هذا مع أن عكرمة روى عن ابن عباس – رضي الله عنهما – حديث ركانة وهو موافق لحديث طاوس عنه، فإن قدح في عكرمة أبطل وتناقض، فإن الناس احتجوا بعكرمة، وصحح أئمة الحفاظ حديثه، ولم يلتفتوا إلى قدح من قدح فيه.

فإن قيل: فهذا هو الحديث الشاذ، وأقل أحواله أن يتوقف فيه ولا يجزم بصحته عن رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم –. قيل: ليس هذا هو الشاذ، وإنما الشذوذ: أن يخالف الثقات فيما رووه فيشذ عنهم بروايته، فأما إذا روى الثقة حديثا منفردا به، لم يرو الثقات خلافه فإن ذلك لا يسمى شاذا، وإن اصطلح على تسميته شاذا بهذا المعنى، لم يكن هذا الاصطلاح موجبا لرده، ولا مسوغا له.

قال الشافعي: وليس الشاذ أن ينفرد الثقة برواية الحديث، بل الشاذ أن يروي خلاف ما رواه الثقات، قاله في مناظرته لبعض من رد الحديث بتفرد الراوي به. ثم إن هذا القول لا يمكن أحدا من أهل العلم، ولا من الأئمة، ولا من أتباعهم طرده، ولو طردوه لبطل كثير من أقوالهم وفتاويهم. والعجب أن الرادين لهذا الحديث بمثل هذا الكلام قد بنوا كثيرا من مذاهبهم على أحاديث ضعيفة، انفرد بها رواتها لا تعرف عن سواهم، وذلك أشهر وأكثر من أن يعد.

وبعد ما ذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي كلاما يتفق مع ما سبق ذكره عن ابن القيم قال [3]: نعم للقائل

---

(١) الفتح ٩/٣٦٢.
(٢) إغاثة اللهفان ١/٢٩٥–٢٩٦.
(٣) أضواء البيان ١/١٦٢–١٦٥.

والثاني: أن يكون الحديث غير محكوم بصحته لنقله آحاداً مع توفر الدواعي إلى نقله. والأول أولى وأضعف من الثاني. وقال القرطبي في المفهم في الكلام على حديث طاوس المذكور: وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم أن معظمهم كانوا يرون ذلك، والعادة في مثل هذا أن يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفرد به واحد عن واحد؟ قال: فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره إن لم يقتض القطع ببطلانه. ذكره بواسطة نقل ابن حجر في فتح الباري عنه وهو قوي جداً بحسب النظر في الأصول كما ترى. انتهى.

× × ×

أن الحديث مضطرب، نقل هذا الجواب ابن حجر عن القرطبي[1] وذكر ابن القيم هذا الجواب وناقشه فقال: وسلك آخرون في رد الحديث مسلكاً آخر فقالوا هو حديث مضطرب لا يصح، ولذلك أعرض عنه البخاري، وترجم في صحيحه على خلافه فقال: «باب من جوز الطلاق الثلاث في كتاب الله لقوله تعالى: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾»: ثم ذكر حديث اللعان وفيه فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله ــ صلى الله تعالى عليه وسلم ــ ولم يغير عليه النبي ــ صلى الله تعالى عليه وسلم ــ وهو لا يقر على باطل».

قالوا: ووجه اضطرابه: أنه تارة يروى عن طاوس عن ابن عباس، وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس فهذا اضطرابه من جهة السند.

وأما المتن فإن أبا الصهباء تارة يقول: «ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة» وتارة يقول: «ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ــ صلى الله عليه وسلم ــ وأبي بكر وصدراً من خلافة عمر واحدة». فهذا يخالف اللفظ الآخر. وهذا المسلك من أضعف المسالك، ورد الحديث به ضرب من التعنت ولا يعرف أحد من الحفاظ قدح في هذا الحديث ولا ضعفه، والإمام أحمد لما قيل له: بأي شيء ترده؟ قال: برواية الناس عن ابن عباس خلافه.

ولم يرده بتضعيف ولا قدح في صحته، وكيف يتهيأ القدح في صحته، ورواته كلهم أئمة حفاظ، حدث به عبد الرزاق وغيره عن ابن جريج بصيغة الإخبار، وحدث به كذلك ابن جريج عن ابن طاوس، وحدث به ابن طاوس عن أبيه، وهذا إسناد لا مطعن فيه لطاعن، وطاوس من أخص أصحاب ابن عباس، ومذهبه: أن الثلاث واحدة، وقد رواه حماد بن زيد عن أيوب عن غير واحد عن طاوس، فلم ينفرد به عبد الرزاق ولا ابن

---

(١) فتح الباري ٩/٣٦٤.
(٢) إغاثة اللهفان ١/٢٩٤-٢٩٥.

جريج ، ولا عبد الله بن طاوس الحديث من أصح الأحاديث ، وترك رواية البخاري له لا يوهنه وله حكم أمثاله من الأحاديث الصحيحة التي تركها البخاري لئلا يطول كتابه فإنه سماه : الجامع المختصر الصحيح ، ومثل هذا التعليل لا يقبله من له حظ من العلم .

وأما رواية من رواه عن أبي الجوزاء فإن كانت محفوظة فهي مما يزيد الحديث قوة ، وإن لم تكن محفوظة – وهو الظاهر – فهي وهم في الكنية اتفق فيها عبد الله بن المؤمل عن ابن أبي مليكة عن أبي الصهباء ، إلى أبي الجوزاء ، فإنه كان سيء الحفظ ، والحفاظ قالوا : أبو الصهباء ، وهذا لا يوهن الحديث ، وهذه الطريق عند الحاكم في المستدرك وأما رواية من رواه مقيداً ، قبل الدخول ، فإنه تقدم أنه لا تناقض رواية الآخرين على أن عند أبي داود عن أيوب عن غير واحد ورواية الإطلاق من معمر عن ابن جريج عن ابن طاوس عن أبيه ، فإن تعارضا فهذه الرواية أولى ، وإن لم يتعارضا فالأمر واضح .

وحديث داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – صريح في كون الثلاث واحدة في حق المدخول بها وغاية ما يقدر في حديث أبي الصهباء أن قوله : « قبل الدخول » زيادة من ثقة فيكون الأخذ بها أولى ، وحينئذ فيدل أحد حديثي ابن عباس على أن هذا الحكم ثابت في حق البكر ، وحديثه الآخر على أنه ثابت في حكم الثيب أيضاً ، فأحد الحديثين يقوي الآخر ويشهد بصحته ، وبالله التوفيق .

× × ×

[illegible] أن حديث ابن عباس معارض بالإجماع والإجماع أقوى من خبر الواحد كما ذكر ذلك الشافعي ، وغيره وقد سبق استدلال الجمهور بالإجماع مع ذكر أدلتهم كلها وبيان من قال به ومناقشة ابن القيم له ، فاكتفي بذلك عن الإعادة هنا .

[illegible] ما رواه الإمام أحمد في المسند قال : حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا أبي عن محمد بن إسحاق قال حدثني داود بن الحصين عن عكرمة – مولى ابن عباس – عن ابن عباس قال : « طلق ركانة بن عبد يزيد – أخو بني المطلب – امرأته ثلاثاً في مجلس واحد ، فحزن عليها حزناً شديداً ، قال : فسأله رسول الله – صلى الله عليه وسلم – « كيف طلقتها ؟ » – قال : طلقتها ثلاثاً قال فقال : « في مجلس واحد ؟ » قال : نعم ، فقال : « فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت » قال : فراجعها فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر .

فقال ابن القيم[1] وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه ، وقال في حديث عمرو بن شعيب عن

(1) أعلام الموقعين ٣/٥٠ .

أبيه عن جده ، أن النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – رد ابنته على ابن أبي العاص بمهر جديد ونكاح جديد . قال :
هذا حديث ضعيف أو قال واه لم يسمعه الحجاج من عمرو بن شعيب وإنما سمعه من محمد بن عبيد الله العرزمي ،
والعرزمي لا يساوي حديثه شيئاً والحديث الذي روي أن النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – أقرهما على النكاح الأول
وإسناده عنده هو إسناد حديث ركانة بن عبد يزيد ، هذا وقد قال الترمذي فيه : ليس بإسناده بأس فهذا إسناد
صحيح عند أحمد وليس به بأس عند الترمذي فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده
ما هو نظيره أو أقوى منه ؟ ثم ساق رواية أبي داود وستأتي وهي الدليل الثالث ثم قال ابن القيم : قال شيخنا
– رضي الله عنه – : وأبو داود لما لم يرو في سننه الحديث الذي في مسند أحمد يعني الذي ذكرناه آنفاً فقال :
حديث البتة أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته ولكن الأئمة الأكابر
العارفين بعلل الحديث والفقه كالإمام أحمد وأبي عبيد والبخاري ضعفوا حديث البتة وبينوا أنه رواية
قوم مجاهيل لم تعرف عدالتهم وضبطهم وأحمد أثبت حديث الثلاث وبين أنه الصواب وقال حديث ركانة
لا يثبت أنه طلق امرأته البتة وفي رواية عنه : حديث ركانة في البتة ليس بشيء ، لأن ابن إسحاق يرويه عن
داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس – رضي الله عنه – أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً وأهل المدينة
يسمون الثلاث البتة ، قال الأثرم : قلت لأحمد حديث ركانة في البتة مضطرب . انتهى .

وقد سبق الكلام على رواية الإمام أحمد لحديث ركانة وكذلك رواية الزبير بن سعيد ورواية نافع بن عجير
عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور في المسألة الثانية .

الدليل الثالث

قال أبو داود حدثنا أحمد بن صالح ، قال حدثنا عبد الرزاق أخبرنا ابن جريج ، قال
أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي – صلى الله عليه وسلم – عن عكرمة مولى
ابن عباس ، قال : طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة فجاءت النبي – صلى
الله عليه وسلم – فقالت : ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني
وبينه فأخذت النبي – صلى الله عليه وسلم – حمية فدعا بركانة وإخوته ، ثم قال لجلسائه : « أترون فلاناً يشبه
منه كذا وكذا من عبد يزيد وفلاناً لابنه الآخر يشبه منه كذا وكذا » ؟ قالوا نعم
فقال النبي – صلى الله عليه وسلم – لعبد يزيد : « طلقها » ففعل ، فقال : « راجع امرأتك أم ركانة
وإخوته » فقال : إني طلقتها ثلاثاً يا رسول الله ، قال ، وتلا : ﴿ يا أيها النبي إذا طلقتم النساء
فطلقوهن لعدتهن ﴾ [1]

وقد سبقت مناقشة رواية أبي داود هذه عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور في المسألة الثانية فاكتفي
بما قلناه عن إعادته هنا .

---

(1) الآية الأولى من سورة الطلاق

الدليل الرابع ما جاء في بعض روايات حديث ابن عمر من أنه طلق امرأته في الحيض ثلاثاً فاحتسب بواحدة وقد سبقت مناقشة حديث ابن عمر برواياته وأن الصحيح أنه إنما طلقها واحدة وذلك عند الكلام على الدليل السادس فاكتفي بما ذكر هناك عن إعادته هنا .

وأما الإجماع فسبق ذكره شيخ الإسلام ابن تيمية وابن القيم وغيرهما من العلماء ، فقد بينوا أن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة في عهد أبي بكر وثلاث سنين من خلافة عمر ويمكن أن يجاب عنه بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة في أن الثلاث بلفظ واحد تكون ثلاثاً وقد سبقت .

وأما القياس فقد قال ابن القيم[1] : وأما القياس فإن الله سبحانه وتعالى قال : ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ﴾[2] . ثم قال : ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ﴾[3] فلو قال : أشهد بالله أربع شهادات أني صادق ، بذلك أشهد بالله أربع شهادات إنه لكاذب كانت شهادة واحدة ولم تكن أربعاً ، فكيف يكون قوله أنت طالق ثلاثاً ثلاث تطليقات وأي قياس أصح من هذا ؟ وهكذا كل ما يعتبر فيه العدد من الإقرار ونحوه ولهذا لو قال المقر بالزنا : إني أقر بالزنا أربع مرات كان ذلك مرة واحدة ، وقد قال الصحابة لماعز : إن أقررت أربعاً رجمك رسول الله — صلى الله عليه وسلم — فلو قال : أقر به أربع مرات كان مرة واحدة فهكذا الطلاق سواء .

وقد أجاب الشيخ محمد الأمين الشنقيطي عن هذا القياس فقال[4] : وقياس أنت طالق ثلاثاً على أيمان اللعان في أنه لو حلفها بلفظ واحد لم تجز ، قياس مع وجود الفارق ، لأن من اقتصر على واحدة من الشهادات الأربع المذكورة في آية اللعان أجمع العلماء على أن ذلك كما لو لم يأت بشيء منها أصلاً بخلاف الطلقات الثلاث لمن اقتصر على واحدة منها اعتبرت إجماعاً وحصلت بها البينونة بانقضاء العدة إجماعاً .

وأما الآثار فما جاء عن الصحابة في ذلك فقد روى طاوس وعكرمة عن ابن عباس الإفتاء بذلك ورواية طاوس عند أبي جعفر النحاس في الناسخ والمنسوخ ورواية عكرمة عند أبي داود من رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس ، ويحكى ابن وضاح وعنه ابن مغيث الإفتاء بكون الطلاق الثلاث في كلمة واحدة من علي وابن مسعود والزبير وعبد الرحمن بن عوف . وجاء عن عمر بن الخطاب — رضي الله عنه — ما رواه الحافظ أبو بكر الإسماعيلي في مسند عمر قال : أخبرنا أبو يعلى حدثنا صالح بن مالك ، حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك عن أبيه قال قال عمر — رضي الله تعالى عنه — : ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث أن لا أكون حرمت الطلاق ، وعلى أن لا أكون أنكحت الموالي ، وعلى أن لا أكون قتلت النوائح ، وكذلك ما نقل من الآثار عن أهل البيت .

---

(١) إغاثة اللهفان ١/٢٨٩ .
(٢) الآية الكريمة من سورة النور : ٦ .
(٣) الآية الكريمة من سورة النور : ٨ .
(٤) أضواء البيان ١/١٧٦ ، ١٧٩

■ ويضاف إلى هذه الآثار ما سبق ذكره من الآثار مما لم يذكر هنا وذلك في الكلام على رد استدلال الجمهور بالإجماع.

وأجيب عن تلك الآثار بما يأتي:

أما ما روى طاوس عن ابن عباس أن من قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً إنما تلزمه طلقة واحدة فقد اعتبره أبو جعفر النحاس من مناكير طاوس التي عرفت عنه طاوس[1] قال: وطاوس وإن كان رجلاً صالحاً فعنده عن ابن عباس مناكير يخالف عليها ولا يقبلها أهل العلم، منها أنه روى عن ابن عباس أنه قال في رجل قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً إنما تلزمه واحدة ولا يعرف هذا عن ابن عباس إلا من روايته، والصحيح عنه وعن علي ابن أبي طالب رضي الله عنهما أنها ثلاث كما قال الله تعالى (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره)[2] في الثالثة.

وأما ما يروى حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس أنه قال: إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفم واحد فهي واحدة، فقد تعقبه أبو داود في سننه بقوله: ورواه إسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة هذا قوله ولم يذكر ابن عباس وجعله قول عكرمة، وعلى فرض ثبوتهما فقد رجع ابن عباس عن ذلك كما صرح أبو داود قال[3] وصار قول ابن عباس فيما حدثنا أحمد بن صالح ومحمد بن يحيى وهذا حديث أحمد قالا: نا عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف ومحمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن محمد بن إياس أن ابن عباس وأبا هريرة وعبد الله بن عمرو بن العاص سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً فكلهم قالوا: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. قال أبو داود وروى مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن الأشج عن معاوية بن أبي عياش أنه شهد هذه القصة حين جاء محمد بن إياس بن البكير إلى ابن الزبير وعاصم بن عمر فسألهما عن ذلك فقالا: اذهب إلى ابن عباس وأبي هريرة فإني تركتهما عند عائشة رضي الله عنها — ثم ساق هذا الخبر. قال أبو داود وقول ابن عباس هو أن الطلاق الثلاث تبين من زوجها مدخولاً بها أو غير مدخول بها لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. هذا مثل خبر الصرف قال فيه ثم إنه رجع عنه يعني ابن عباس. اهـ.[3]

■ وقد ساق في الباب الذي أورد فيه ذلك وهو باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث آثاراً عن سائر أصحاب ابن عباس بخلاف ما ذكر عن طاوس وعكرمة حيث قال: حدثنا حميد بن مسعدة نا إسماعيل نا أيوب، عن عبد الله بن كثير عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً قال فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول: يا ابن عباس

(١) الناسخ والمنسوخ ٧٠

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠.

(٣) سنن أبي داود مع عون المعبود ٢/٢٢١-٢٢٣.

يا ابن عباس، وإن الله قال: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا﴾[1] وإنك لم تتق الله فلا أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك وإن الله تعالى قال: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ﴾[2] قال أبو داود: روى هذا الحديث حميد الأعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس، ورواه شعبة عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس، وأيوب وابن جريج جميعاً عن عكرمة بن خالد عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس، وابن جريج عن عبد الحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس، ورواه الأعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس، وابن جريج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس كلهم قالوا في الطلاق الثلاث: إنه أجازها، قال: وبانت منك، نحو حديث إسماعيل عن أيوب عن عبد الله بن كثير. اهـ

وقال الباجي بخصوص ما نقل عن ابن عباس من فتواه بأن الثلاث يقع واحدة[3] ما نصه: قد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع. اهـ

وأما ما نقله أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث الطليطلي عن ابن وضاح، من أن علي بن أبي طالب والزبير ابن العوام وعبد الرحمن بن عوف وعبد الله بن مسعود — رضي الله تعالى عنهم — قد أفتوا بأن من طلق ثلاثاً في كلمة واحدة لا يلزمه سوى طلقة واحدة، فيتوقف الاستدلال به على ثبوت السند إليهم بذلك ولم يثبت.

■ وقد كتب أبو بكر بن العربي في كتاب الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم قال[4]: قال تعالى: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾[5] وزل قوم في آخر الزمان فقالوا: إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبد الرحمن بن عوف وابن مسعود وابن عباس، وعزوه إلى الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة المغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل، وغوى قوم من أهل المسائل فتتبعوا الأهواء المبتدعة فيه وقالوا: إن قوله أنت طالق ثلاثاً كذب لأنه لم يطلق ثلاثاً كما لو قال: طلقت ثلاثاً ولم يطلق إلا واحدة وكما لو قال: أحلف ثلاثاً كانت يميناً واحدة — ثم ساق أبو بكر بن العربي إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد وقد أدخل مالك في موطئه عن علي أن الحرام ثلاث لازمة في كلمة فهذا في معناها فكيف إذا صرح بها، وأما حديث الحجاج بن أرطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة.

■ قال ابن العربي لم يعرف في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان بالاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم، نقل العدل عن العدل ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً. اهـ

---

(۱) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲.
(۲) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱
(۳) المنتقى ۴/۴.
(۴) مختصر سنن أبي داود مع تهذيب السنن ج ۳ ص ۱۲۹
(۵) الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹

ابن القيم ذلك في «إغاثة اللهفان» ص ١٧٩ بقوله: «ولعله إحدى الروايتين عنهم وإلا فقد صح بلا شك عن ابن مسعود وعلي وابن عباس الإلزام بالثلاث إن أوقعها جملة وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة ولم نقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك، فلذلك لم نعد ما حكي عنهم في ترجمة البينة للنزاع وإنما نعد ما وقفنا عليه في مواضعه ونعزوه إليها، وبالله التوفيق» اهـ كلام ابن القيم.

وقال البيهقي في السنن الكبرى في عزو ذلك إلى أمير المؤمنين علي بن أبي طالب — رضي الله تعالى عنه[1] أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد الماليني، أنا أبو أحمد عبد الله بن عدي الحافظ، ثنا محمد بن عبد الوهاب ابن هشام، ثنا علي بن سلمة اللبقي، ثنا أبو أسامة عن الأعمش قال: كان بالكوفة شيخ يقول سمعت علي بن أبي طالب — رضي الله تعالى عنه — يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة والناس عنقاً واحداً إذ ذاك يأتونه ويسمعون منه قال: فأتيته فقرعت عليه الباب فخرج إلي شيخ فقلت له: كيف سمعت علي بن أبي طالب — رضي الله تعالى عنه — يقول فيمن طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد؟ قال: سمعت علي بن أبي طالب يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة. قال فقلت له: أين سمعت هذا من علي — رضي الله تعالى عنه —؟ قال: أخرج إليك كتاباً فأخرج كتاباً فإذا فيه: بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما سمعت علي بن أبي طالب — رضي الله تعالى عنه — يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. قال: قلت ويحك هذا غير الذي قلت، قال: الصحيح هو هذا ولكن هؤلاء أرادوني على ذلك. اهـ.

* * *

ولنا ما روى أبو يعلى عن عمر بن الخطاب — رضي الله تعالى عنه — من قوله: «ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث: أن لا أكون حرمت الطلاق» الخ فلا يصلح الاحتجاج به على أن عمر قد ندم آخر حياته على امضاء الثلاث لأمرين:

أحدهما أن يزيد بن أبي مالك لم يدرك عمر بن الخطاب — رضي الله تعالى عنه — وقد قال الحافظ الذهبي في (ميزان الاعتدال) في يزيد بن أبي مالك: صاحب تدليس وإرسال عمن لم يدرك. وذكره الحافظ ابن حجر في «تعريف أهل التقديس بالموصوفين بالتدليس» وقال — وصفه أبو مسهر بالتدليس.

الثاني أن خالد بن يزيد بن أبي مالك ضعفه ابن معين وقال أحمد: ليس بشيء، وقال النسائي: غير ثقة، وقال الدارقطني: ضعيف، وقال ابن عدي عن ابن أبي عصمة عن أحمد بن أبي يحيى: سمعت أحمد بن حنبل يقول: خالد بن يزيد بن أبي مالك ليس بشيء، وقال ابن أبي الحواري سمعت ابن معين يقول بالعراق: كتاب ينبغي أن يدفن: كتاب الديات لخالد بن يزيد بن أبي مالك، لم يرض أن يكذب على أبيه

---

(١) السنن الكبرى ج/٧ ص: ٣٢٩-٣١.

بالحديث الوارد في التفرقة : إسحاق بن راهويه وخلق من السلف جعلوا الثلاث واحدة في غير المدخول بها .

وهذا المذهب مبني على ما رواه أبو داود في سننه أن رجلا يقال له أبو الصهباء وكان كثير السؤال لابن عباس قال : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضي الله تعالى عنهما – فقال ابن عباس : بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدرا من إمارة عمر – رضي الله تعالى عنهما – فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال : أجيزوهن عليهم .

قال ابن القيم : رأى هؤلاء أن إلزام عمر بالثلاث هو في حق المدخول بها ، وحديث أبي الصهباء في غير المدخول بها قالوا ففي هذا التفريق موافقة المنقول من الجانبين وموافقة القياس . انتهى .

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في الجواب الثالث من الأجوبة على حديث ابن عباس وهو الدليل الأول للمذهب الثاني .

* * *

المذهب الرابع عدم وقوع الطلاق مطلقا لأن إيقاع الطلاق على ذلك الوجه بدعة محرمة فهو مردود لحديث : « من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد » ؛ وقد حكى هذا القول للإمام أحمد فأنكره وقال : هو قول الرافضة ، كما نص عليه ابن القيم في زاد المعاد وذكر أن القول بعدم الوقوع جملة هو مذهب الإمامية ، قال : وحكوه عن جماعة من أهل البيت وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في رسالة الفرق بين الطلاق الحلال والحرام أن القول بعدم وقوع محدث مبتدع ، قاله بعض المعتزلة والشيعة ولا يعرف عن أحد من السلف . اهـ .

وقال ابن رجب في كتابه جامع العلوم والحكم في شرحه لحديث : « من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد » ، قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث وسئل عمن قال لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال : هذا قول سوء رديء ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض ، وقال أبو عبيد : الوقوع هو الذي عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم وتهامهم ، ويمنهم وشامهم ، وعراقهم ومصرهم ، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم إلا ناسا من أهل البدع لا يعتد بهم . اهـ .

وفيما يلي كلام مجمل لابن تيمية في المسألة :

قال[١] : « الأصل الثاني » أن الطلاق المحرم الذي يسمى « طلاق البدعة » إذا أوقعه الإنسان هل يقع ، أم لا ؟ فيه نزاع بين السلف والخلف . والأكثرون يقولون بوقوعه مع القول بتحريمه . وقال آخرون : لا يقع مثل طاوس ، وعكرمة ، وخلاس ، وعمر ، ومحمد بن إسحاق ، وحجاج بن أرطاة ، وأهل الظاهر كداود وأصحابه . وطائفة من أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد ، ويروى عن أبي جعفر الباقر ، وجعفر بن

---

(١) مجموع الفتاوى ج/٣٣ [illegible] .

محمد الصادق، وغيرهما من أهل البيت، وهو قول أهل الظاهر: داود وأصحابه. لكن منهم من لا يقول بتحريم الثلاث. ومن أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد من عرف أنه لا يقع مجموع الثلاث إذا أوقعها جميعاً، بل يقع منها واحدة.

ولم يعرف قوله في طلاق الحائض ولكن وقوع الطلاق جميعاً قول طوائف من أهل الكلام والشيعة. ومن هؤلاء من يقول: إذا أوقع الثلاث جملة لم يقع به شيء أصلاً، لكن هذا قول مبتدع لا يعرف لقائله سلف من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، وطوائف من أهل الكلام والشيعة، لكن ابن حزم من الظاهرية لا يقول بتحريم جمع الثلاث، فلذا يوقعها، وجمهورهم على تحريمها وأنه لا يقع إلا واحدة.

ومنهم من عرف قوله في الثلاث ولم يعرف قوله في الطلاق في الحيض، كمن ينقل عنه من أصحاب أبي حنيفة ومالك. وابن عمر روي عنه من وجهين أنه لا يقع، وروي عنه من وجوه أخرى أشهر وأثبت أنه يقع، وروي ذلك عن زيد.

وأما جمع الثلاث، فأقوال الصحابة فيها كثيرة مشهورة: روي الوقوع فيها عن عمر وعثمان وعلي، وابن مسعود، وابن عباس، وابن عمر، وأبي هريرة وعمران بن الحصين وغيرهم. وروي عدم الوقوع فيها عن أبي بكر، وعن عمر صدراً من خلافته، وعلي بن أبي طالب وابن مسعود، وابن عباس أيضاً، وعن الزبير، وعبد الرحمن بن عوف — رضي الله تعالى عنهم أجمعين —.

قال أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث في كتابه الذي سماه: «المقنع في أصول الوثائق وبيان ما في ذلك من النفاق»: وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً في كلمة واحدة، فإن فعل لزمه الطلاق. ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق كم يلزمه من الطلاق؟ فقال علي بن أبي طالب، وابن مسعود — رضي الله تعالى عنهما —: يلزمه طلقة واحدة، وكذا قال ابن عباس — رضي الله تعالى عنهما — وذلك لأن قوله: «ثلاثاً» لا معنى له، لأنه لم يطلق ثلاث مرات؛ لأنه إنما كان مخبراً عما مضى فيقول: طلقت ثلاث مرات، يخبر عن ثلاث طلقات أتت منه في ثلاثة أفعال كانت منه، فذلك يصح. ولو طلقها مرة واحدة فقال: طلقتها ثلاث مرات لكان كاذباً.

وكذلك لو حلف بالله تعالى ثلاثاً يردد الحلف كانت ثلاثة أيمان، وأما لو حلف بالله تعالى فقال: أحلف بالله تعالى ثلاثاً لم يكن حلف إلا يميناً واحدة، والطلاق مثله. قال: ومثل ذلك قال الزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف روينا ذلك كله عن ابن وضاح يعني الإمام محمد بن وضاح الذي يأخذ عن طبقة أحمد بن حنبل وابن أبي شيبة ويحيى بن معين وسحنون بن سعيد وطبقتهم. قال: وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع شيخ هدى، ومحمد بن عبد السلام الخشني فقيه عصره، وابن بقي بن مخلد، وأصبغ بن الحباب وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة، وذكر هذا عن بضعة عشر فقيهاً من فقهاء طليطلة المتفتين على مذهب مالك بن أنس.

قلت : وقد ذكر التلمساني رواية عن مالك ، وهو قول محمد بن مقاتل الرازي من أئمة الحنفية حكاه عن المازري وغيره ، وقد ذكر هذا رواية عن مالك ، وكان يفتي بذلك أحياناً الشيخ أبو البركات ابن تيمية ، وهو وغيره يحتجون بالحديث الذي رواه مسلم في صحيحه وأبو داود وغيرهما عن طاوس ، عن ابن عباس أنه قال : كان الطلاق على عهد رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم – وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر – رضي الله تعالى عنهما – طلاق الثلاث واحدة ، فقال عمر بن الخطاب : إن الناس قد استعجلوا أمراً كان لهم فيه أناة ، فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم . وفي رواية : أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك ألم يكن طلاق الثلاث على عهد رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم – وأبي بكر واحدة ؟ قال : قد كان ذلك ، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأمضاه عليهم وأجازه .

والذين ردوا هذا الحديث تأولوه بتأويلات ضعيفة ، وكذلك كل حديث فيه : أن – النبي صلى الله تعالى عليه وسلم – ألزم الثلاث بمن أوقعها جملة ، أو أن أحداً في زمنه أوقعها جملة فألزمه بذلك : مثل حديث يروى عن علي ، وآخر عن عبادة بن الصامت ، وآخر عن الحسن عن ابن عمر ، وغير ذلك ، فكلها أحاديث ضعيفة باتفاق أهل العلم بالحديث ، بل هي موضوعة ، ويعرف أهل العلم بنقد الحديث أنها موضوعة ، كما هو مبسوط في موضعه .

وأقوى ما ردوه به أنهم قالوا : ثبت عن ابن عباس من غير وجه أنه أفتى بلزوم الثلاث . وجواب المستدلين أن ابن عباس روي عنه من طريق عكرمة أيضاً أنه كان يجعلها واحدة ، وثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاوس مرفوعاً إلى النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – وموقوفاً على ابن عباس ، ولم يثبت خلاف ذلك عن النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – فالمرفوع ، أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً ، وردها عليه النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – ، قال الإمام أحمد بن حنبل في مسنده : حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا أبي : عن ابن إسحاق ، حدثني داود بن الحصين ، عن عكرمة مولى ابن عباس ، قال : طلق رُكانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد ، فحزن عليها حزناً شديداً قال : فسأله رسولُ الله – صلى الله تعالى عليه وسلم – : « كيف طلقتها ؟ » قال : فقال : طلقتها ثلاثاً ، قال : « في مجلس واحد ؟ » قال : نعم قال : « فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت » قال : فراجعها ، وكان ابن عباس يقول : إن الطلاق عند كل طهر .

قلت وهذا الحديث قال فيه ابن إسحاق حدثني داود ، وداود من شيوخ مالك ورجال البخاري ، وابن إسحاق إذا قال ، حدثني ، فهو ثقة عند أهل الحديث ، وهذا إسناد جيد ، وله شاهد من وجه آخر رواه أبو داود في السنن ، ولم يذكر أبو داود هذا الطريق الجيد ، فلذلك ظن أن تطليقة ركانة كانت ألبتة ، وليس الأمر كما قاله ، بل الإمام أحمد رجح هذه الرواية على تلك وهو كما قال أحمد . وقد بسطنا الكلام على ذلك في موضع آخر .

وهذا المروي عن ابن عباس في حديث ركانة من وجهين ، وهو رواية عكرمة عن ابن عباس من وجهين عن عكرمة ، وهو أثبت من رواية عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة ، ونافع بن عجير : أنه طلقها ألبتة ،

ورأى النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – استحلفه، فقال: ما أردت إلا واحدة، فإن هؤلاء مجاهيل لا تعرف أحوالهم، وليسوا فقهاء، وقد ضعف حديثهم أحمد بن حنبل وأبو عبيد وابن حزم، وغيرهم. وقال أحمد ابن حنبل: حديث ركانة في البتة ليس بشيء، وقال أيضاً: حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة لأن ابن إسحاق يرويه عن داود بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس: أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً، وأهل المدينة يسمون ثلاثاً البتة. فقد استدل أحمد على بطلان حديث البتة بهذا الحديث الآخر الذي فيه أنه طلقها ثلاثاً، وبين أن أهل المدينة يسمون من طلق ثلاثاً طلق البتة، وهذا يدل على ثبوت الحديث عنده، وقد بينه غيره من الحفاظ. وهذا الإسناد هو قول ابن إسحاق: حدثني داود بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس: هو إسناد ثابت عن أحمد وغيره من العلماء.

■ وبهذا الإسناد روى: أن النبي – صلى الله عليه وسلم – رد ابنته زينب على زوجها بالنكاح الأول، وصحح ذلك أحمد وغيره من العلماء. وابن إسحاق إذا قال: حدثني، فحديثه صحيح عند أهل الحديث، إنما يخاف عليه التدليس إذا عنعن، وقد روى أبو داود في سننه هذا عن ابن عباس من وجه آخر، وكلاهما يوافق حديث طاوس عنه، وأحمد كان يعارض حديث طاوس بحديث فاطمة بنت قيس أن زوجها طلقها ثلاثاً، ونحوه.

■ وكان أحمد يرى جمع الثلاث جائزاً، ثم رجع أحمد عن ذلك، وقال: تدبرت القرآن فوجدت الطلاق الذي فيه هو الرجعي، أو كما قال. واستقر مذهبه على ذلك، وعليه جمهور أصحابه، وتبين من حديث فاطمة أنها كانت مطلقة ثلاثاً متفرقات، لا مجموعة، وقد ثبت عنده حديثان عن النبي – صلى الله عليه وسلم –: أن من جمع ثلاثاً لم يلزمه إلا واحدة. وليس عن النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – ما يخالف ذلك، بل القرآن يوافق ذلك، والقياس معه يقتضي الفساد. فهذه النصوص والأصول الثابتة عنه تقتضي من مذهبه أنه لا يلزمه إلا واحدة، وعدوله عن القول بحديث ركانة وغيره كان أولاً لما عارض ذلك عنده من جواز جمع الثلاث، فكان ذلك يدل على النسخ، ثم إنه رجع عن المعارضة، وتبين له فساد هذا المعارض، وأن جمع الثلاث لا يجوز: فوجب على أصله العمل بالنصوص السالمة عن المعارض، وليس يعلل حديث طاوس بفتيا ابن عباس بخلافه، وهذا علته في إحدى الروايتين عنه، ولكن ظاهر مذهبه الذي عليه أصحابه أن ذلك لا يقدح في العمل بالحديث، لا سيما وقد بين ابن عباس عذر عمر بن الخطاب – رضي الله تعالى عنه – في الإلزام بالثلاث، وابن عباس عذره هو العذر الذي ذكره عن عمر – رضي الله تعالى عنه –، وهو أن الناس لما تتابعوا فيما حرم الله تعالى عليهم استحقوا العقوبة على ذلك فعوقبوا بلزومه، بخلاف ما كانوا عليه قبل ذلك، فإنهم لم يكونوا مكثرين من فعل المحرم.

■ وهذا كما أنهم لما أكثروا شرب الخمر واستخفوا بحدها كان عمر يضرب فيها ثمانين، وينفي فيها، ويحلق الرأس، ولم يكن ذلك على عهد النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم –، وكما قاتل علي بعض أهل القبلة ولم يكن ذلك على عهد النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم –. والتفريق بين الزوجين هو مما كانوا يعاقبون به أحياناً: إما مع بقاء النكاح، وإما بدونه، فالنبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – فرق بين الثلاثة الذين خلفوا وبين نسائهم حتى تاب الله عليهم من غير طلاق، والمطلق ثلاثاً حرمت عليه امرأته حتى تنكح زوجاً غيره عقوبة له ليمتنع

من الطلاق .

■ وعمر بن الخطاب ومن وافقه كمالك وأحمد في إحدى الروايتين حرموا المنكوحة في العدة على الناكح أبداً ، لأنه استعجل ما أحله الله فعوقب بنقيض قصده ، والحكمان لهما عند أكثر السلف أن يفرقا بينهما بلا عوض إذا رأيا الزوج ظالماً معتدياً ، لما في ذلك من منعه من الظلم ودفع الضرر عن الزوجة ودل على ذلك الكتاب والسنة والآثار ، وهو قول مالك وأحد القولين في مذهب الشافعي وأحمد ، وإلزام عمر بالثلاث لما أكثروا منه : إما أن يكون رآه عقوبة تستعمل وقت الحاجة ، وإما أن يكون رآه شرعاً لازماً ، لاعتقاده أن الرخصة كانت لما كان المسلمون لا يوقعونه إلا قليلاً .

وهكذا كما اختلف كلام الناس في نهيه عن المتعة : هل كان نهي اختيار ، لأن إفراد الحج بسفرة والعمرة بسفرة كان أفضل من التمتع ، أو كان نهى عن الفسخ ، لاعتقاده أنه كان مخصوصاً بالصحابة ؟ وعلى التقديرين فالصحابة قد تنازعوه في ذلك ، وخالفه كثير من أئمتهم من أهل الشورى وغيرهم : في المتعة وفي الإلزام بالثلاث . وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول . كما أن عمر كان يرى أن المبتوتة لا نفقة لها ولا سكنى ، ونازعه في ذلك كثير من الصحابة ، وأكثر العلماء على قولهم . وكان هو وابن مسعود يريان أن الجنب لا يتيمم ، وخالفهما عمار وأبو موسى وابن عباس وغيرهم من الصحابة ، وأطبق العلماء على قول هؤلاء ، لما كان معهم الكتاب والسنة . والكلام على هذا كثير مبسوط في موضع آخر . والمقصود هنا التنبيه على ما أخذ الناس به .

والذين لا يرون الطلاق المحرم لازماً يقولون : هذا هو الأصل الذي عليه أئمة الفقهاء : كمالك ، والشافعي وأحمد ، وغيرهم ، وهو : أن إيقاعات العقود المحرمة لا تقع لازمة : كالبيع المحرم ، والنكاح المحرم ، والكتابة المحرمة ، ولهذا أبطلوا نكاح الشغار ، ونكاح المحلل ، وأبطل مالك وأحمد البيع يوم الجمعة عند النداء ، وهذا بخلاف الظهار المحرم ، فإن ذلك نفسه محرم ، كما يحرم القذف وشهادة الزور ، واليمين الغموس ، وسائر الأقوال التي هي في نفسها محرمة ؛ فهذا لا يمكن أن ينقسم إلى صحيح وغير صحيح ، بل صاحبها يستحق العقوبة بكل حال ، فعوقب المظاهر بالكفارة ، ولم يحصل ما قصده به من الطلاق ، فإنهم كانوا يقصدون به الطلاق وهو موجب اللفظ ، فأبطل الشارع ذلك ، لأنه قول محرم ، وأوجب فيه الكفارة .

وأما الطلاق فجنسه مشروع : كالنكاح والبيع ، فهو يحل تارة ، ويحرم تارة فينقسم إلى صحيح وفاسد ، كما ينقسم البيع والنكاح ، والنهي في هذا الجنس يقتضي فساد المنهي عنه ، ولما كان أهل الجاهلية يطلقون بالظهار فأبطل الشارع ذلك ، لأنه قول محرم ::: كان مقتضى ذلك أن كل قول محرم لا يقع به الطلاق ، ولأنهم كانوا يقصدون الطلاق بلفظ الظهار ، كالطلاق الحرام ، وهذا ليس أصل الأئمة مالك ، والشافعي ، وأحمد .

■ ولكن الذين خالفوا قياس أصولهم في الطلاق خالفوه لما بلغهم من الآثار . فلما ثبت عندهم عن ابن عمر أنه اعتد بتلك الطلقة التي طلقها امرأته وهي حائض ، قالوا : هو أعلم بقصته ، فاتبعوه في ذلك . ومن نازعهم يقول : ما زال ابن عمر وغيره يروون أحاديث ولا يأخذ العلماء بما فهموه منها ، فإن الاعتبار بما رووه ،

■ ونكاح التحليل لم يكن ظاهراً على عهد النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – وخلفائه ، ولم ينقل قط أن امرأة أعيدت بعد الطلقة الثالثة على عهدهم إلى زوجها بنكاح تحليل ، بل : « لعن النبي – صلى الله تعالى عليه وسلم – المحلِّل والمحلَّل له » ، « ولعن آكل الربا ، وموكله ، وشاهديه وكاتبه » . ولم يذكر في التحليل الشهود ولا الزوجة ولا الولي ، لأن التحليل الذي كان يفعل كان مكتوماً بقصد المحلل ، أو يتواطأ عليه هو والمطلق المحلل له . والمرأة ووليها لا يعلمون قصده ولو علموا لم يرضوا أن يزوجوه ، فإنه من أعظم المقبحات والمنكرات عند الناس ، ولأن عادتهم لم تكن بكتابة الصداق في كتاب ، ولا إشهاد عليه ، بل كانوا يتزوجون ويعلنون النكاح ، ولا يلتزمون أن يشهدوا عليه شاهدين وقت العقد ، كما هو مذهب مالك وأحمد في إحدى الروايتين عنه وليس عن النبي – صلى الله عليه وسلم – في الإشهاد على النكاح حديث صحيح ، هكذا قال أحمد بن حنبل وغيره .

■ فلما لم يكن على عهد عمر – رضي الله تعالى عنه – تحليل ظاهر ، ورأى في إنفاذ الثلاث زجراً لهم عن المحرم : فعل ذلك باجتهاده . أما إذا كان الفاعل لا يستحق العقوبة ، وإنفاذ الثلاث يفضي إلى وقوع التحليل المحرم بالنص وإجماع الصحابة ، والاعتبار وغير ذلك من المفاسد ، لم يجز أن يزال مفسدة حقيرة بمفسدة أغلظ منها ، بل جعل الثلاث واحدة في مثل هذا الحال كما كان على عهد رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم – وأبي بكر أولى . ولهذا كان طائفة من العلماء مثل أبي البركات يفتون بلزوم الثلاث في حال دون حال ، كما نقل عن الصحابة . وهذا : إما لكونهم رأوه من باب التعزير الذي يجوز فعله بحسب الحاجة ، كالزيادة على أربعين في الخمر والنفي فيه ، وحلق الرأس . وإما لاختلاف اجتهادهم : فرأوه تارة لازماً وتارة غير لازم .

■ وبالجملة فما شرعه النبي – صلى الله عليه وسلم – لأمته شرعاً لازماً إنما لا يمكن تغييره لأنه لا يمكن نسخ بعد رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم . ولا يجوز أن يظن بأحد من علماء المسلمين أن يقصد هذا : لا سيما الصحابة ، لا سيما الخلفاء الراشدون ، وإنما يظن ذلك في الصحابة أهل الجهل والضلال : كالرافضة والخوارج الذين يكفرون بعض الخلفاء أو يفسقونه ، ولو قدر أن أحداً فعل ذلك لم يقره المسلمون على ذلك ، فإن هذا إقرار على أعظم المنكرات والأمة معصومة أن تجتمع على مثل ذلك . وقد نقل عن طائفة : كعيسى ابن أبان وغيره من أهل الكلام والرأي من المعتزلة وأصحاب أبي حنيفة ومالك : أن الإجماع ينسخ به نصوص الكتاب والسنة .

■ وكنا نتأول كلام هؤلاء على أن مرادهم أن الإجماع يدل على نص ناسخ ، فوجدنا من ذكر عنهم أنهم يجعلون الإجماع نفسه ناسخاً . فإن كانوا أرادوا ذلك فهذا قول يجوز تبديل المسلمين دينهم بعد نبيهم ، كما تقول النصارى من : أن المسيح سوغ لعلمائهم أن يحرموا ما رأوا تحريمه مصلحة ، ويحلوا ما رأوا تحليله مصلحة ، وليس هذا دين المسلمين ولا كان الصحابة يسوغون ذلك لأنفسهم . ومن اعتقد في الصحابة أنهم كانوا يستحلون ذلك فإنه يستتاب كما يستتاب أمثاله . ولكن يجوز أن يجتهد الحاكم والمفتي فيصيب فيكون له أجران ، ويخطئ ويكون له أجر واحد .

إما أن يكون كالنص من معنى النسخ ؛ لكون ذلك كان مخصوصاً بالصحابة وهو باطل ، فإن هذا كان على عهد أبي بكر ـ رضي الله تعالى عنه ـ ولأنه لم يذكر ما يوجب اختصاص الصحابة بذلك ، وبهذا أيضاً تبطل دعوى من ظن ذلك منسوخاً كنسخ متعة النساء ، وإن قدر أن عمر رأى ذلك لازماً فهو اجتهاد منه اجتهده في المنع من فسخ الحج لظنه أن ذلك كان خاصاً .

وهذا قول مرجوح قد أنكره غير واحد من الصحابة ، والحجة الثابتة هي مع من أنكره . وهكذا الإلزام بالثلاث . من جعل قول عمر فيه شرعاً لازماً قيل له : فهذا اجتهاده قد نازعه فيه غيره من الصحابة ، وإذا تنازعوا في شيء وجب رده إلى الله والرسول ، والحجة مع من أنكر هذا القول المرجوح .

وإما أن يكون عمر جعل هذا عقوبة تفعل عند الحاجة ، وهذا أشبه الأمرين بعمر ، ثم العقوبة بذلك يدخلها الاجتهاد من وجهين : من جهة أن العقوبة بذلك : هل تشرع ؟ أم لا ؟ فقد يرى الإمام أن يعاقب بنوع لا يرى العقوبة به غيره ، كتحريق علي الزنادقة بالنار ، وقد أنكره عليه ابن عباس ، وجمهور الفقهاء مع ابن عباس . ومن جهة أن العقوبة إنما تكون لمن يستحقها فمن كان من المتقين استحق أن يجعل الله له فرجاً ومخرجاً ، لم يستحق العقوبة ، ومن لم يعلم أن جمع الثلاث محرم ، فلما علم أن ذلك محرم تاب من ذلك اليوم أن لا يطلق إلا طلاقاً سنياً فإنه من المتقين ، فمثل هذا لا يتوجه إلزامه بالثلاث مجموعة ، بل يلزم بواحدة منها وهذه المسائل عظيمة وقد بسطنا الكلام عليها في موضع آخر من مجلدين وإنما نبهنا عليها هنا تنبيهاً لطيفاً .

والذي يحمل عليه أقوال الصحابة أحد أمرين : إما أنهم رأوا ذلك من باب التعزير الذي يجوز فعله بحسب الحاجة : كالزيادة على أربعين في الخمر . وإما لاختلاف اجتهادهم فرأوه لازماً ، وتارة غير لازم ، وأما القول بكون لزوم الثلاث شرعاً لازماً ، كسائر الشرائع : فهذا لا يقوم عليه دليل شرعي . وعلى هذا القول الراجح فهذا الموقع أن يلتزم طلقة واحدة ويراجع امرأته ، ولا يلزمه شيء ، لكونها كانت حائضاً ، إذا كان قد اتقى وتاب من البدعة .

× × ×

الخلاصة

اتفق الفقهاء على أن طلاق السنة بالنسبة لعدد الطلاق ، أن يطلق الرجل زوجته طلقة واحدة مدخولاً بها أم غير مدخول بها ، ثم له أن يمسك المدخول بها فيراجعها ما دامت في العدة وله أن يتركها ، فلا يراجعها حتى تنقضي عدتها فتبين منه وهذا هو التسريح بإحسان ، واتفقوا أيضاً على أنه إذا عاد إلى مطلقته

■ ومنها حديث عبادة بن الصامت : أن قوماً جاءوا إلى النبي – صلى الله عليه وسلم – فقالوا : إن أبانا طلق امرأته ألفاً فقال : « بانت امرأته بثلاث في معصية الله وبقي تسعمائة وسبعة وتسعون وزراً في عنقه إلى يوم القيامة » وأجيب بأن في سنده رجالاً مجهولين وضعفاء فلا يصلح للاحتجاج به.[1]

■ ومنها حديث علي قال : سمع النبي – صلى الله عليه وسلم – رجلاً طلق البتة فغضب ، وقال « أتتخذون آيات الله هزواً أو دين الله هزواً أو لعباً ، من طلق البتة ألزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره » فدل غضبه على المنع من جمع الثلاث بلفظ صريح أو كناية ، وأجاب الدارقطني بأن في سنده إسماعيل بن أبي أمية القرشي وهو ضعيف ، وقال ابن القيم في سنده مجاهيل وضعفاء فلا يصح الاحتجاج به .

■ ومنها أن ابن عمر لما طلق امرأته في الحيض وأمره النبي – صلى الله عليه وسلم – أن يراجعها قال : أرأيت لو طلقتها ثلاثاً أكانت تحل لي ؟ قال : « لا ، بانت منك وهي معصية » وأجيب بأن في سنده شعيب ابن رزيق وقد تكلموا فيه ، وتفرد في هذا الحديث عن الثقات بزيادة قوله : أرأيت لو طلقتها ثلاثاً . إلخ . فلم يأت أحد منهم في روايته هذا الحديث بما أتى به ، ولذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح ولا السنن .[2]

■ وأما الإجماع فقد أُتي عمر من بأبي رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات مجموعة بأن يوجعه ضرباً ، وحكم كثير من الصحابة بأن من يطلق ثلاثاً مجموعة أو أكثر فقد عصى ربه واستنكروا ذلك من فاعله وجعلوه متعدياً لحدود الله ، وانتشر ذلك منهم دون نكير ، فكان إجماعاً على المنع من جمع ثلاث طلقات فأكثر دفعة .

وأما المعقول فمن وجوه :

الأول : أن النكاح عقد مصلحة ، والطلاق إبطال له ، فكان مفسدة ، والله لا يحب الفساد .

الثاني : أن النكاح عقد مسنون بل واجب ، وفي الطلاق قطع للسنة أو تفويت للواجب ، فكان الأصل فيه الحظر أو الكراهة ، إلا أنه رخص فيه للدواعي الطارئة كترفع مفسدة من استمرار النكاح أشد من مفسدة الطلاق ، فيرتكب أخف المفسدتين تفادياً لأعظمهما[3] لكن يقتصر من ذلك على طلقة واحدة ، إذ بها تندفع المفسدة ، وما زاد عليها يبقى على الأصل ، وهو المنع ويشهد لكون الأصل في الطلاق الحظر حديث : « أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة » .
رواه أحمد وأبو داود والترمذي وحسنه . وأما القياس فلأن التطليق ثلاثاً دفعة فيه تحريم البضع من غير حاجة فأشبه الظهار فكان محرماً ، ولأن فيه ضرراً وإضراراً بنفسه وبامرأته ، فأشبه الطلاق في الحيض فكان محرماً.

---

(١) ص من البحث .
(٢) ص – من البحث .
(٣) ص – – من البحث

القول الثاني: أن جمع الطلاق الثلاث في كلمة ليس بحرام ولا بدعة، وبه قال الشافعي وأبو ثور وأحمد في إحدى الروايتين عنه، وجماعة من أهل الظاهر. واستدلوا لذلك بالكتاب والسنة والآثار والمعنى.

أما الكتاب: فقوله تعالى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾[1] وقوله تعالى: ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾[2]. وقوله تعالى: ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾[3] فهذه تعم إباحة الثلاث والاثنتين فإنه تعالى لم يخص مطلقة طلقة واحدة من مطلقة ثلاثاً، فليس لأحد أن يخصها إلا بدليل.

ويمكن أن يقال: إن المقصود في الجمل الشرطية الحكم بما تضمنه الجواب على تقدير تحقق فعل الشرط بقطع النظر عن كون فعل الشرط مطلوب الحصول أو مباحاً أو ممنوعاً، وعلى هذا يكون المقصود من آية ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾[1] الحكم بتحريم الزوجة على زوجها الذي طلقها المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره، وقد يكون طلاقها المرة الثالثة مأذوناً فيه كما لو طلقها في طهر لم يمسها فيه طلقة، وقد يكون محرماً كما لو طلقها المرة الثالثة في حيض مثلاً، ويكون المقصود من آية ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾[4] عدم وجوب العدة على تقدير حصول الطلاق قبل الدخول، أما كون طلاقها مباحاً أو محرماً فيفهم من أمر آخر، وأما آية ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾[5] فالمقصود منها إثبات المتعة للمطلقة وجوباً أو ندباً، لا بيان حكم الطلاق، فقد يكون محرماً وتثبت لها المتعة وقد يكون مباحاً كما تقدم.

× × ×

وبهذا يتبين أن الآيات الثلاث ليست دالة في محل النزاع.

وأما السنة: فمنها حديث فاطمة بنت قيس، وفيه أن زوجها طلقها ثلاثاً أو طلقها البتة وهو غائب، وبعث إليها وكيله بشعير نفقة لها، فسخطته، فقال: والله ما لك علينا من شيء، فذكرت ذلك للنبي - صلى الله عليه وسلم - فقال: «ليس لك عليه نفقة». فلم يعب - صلى الله عليه وسلم - ثلاثاً مع الإجمال عما بلغه من جمع الطلاق ولم يستفسر عن كيفيته، ولفظ البتة هنا مراد به الثلاث، وإلا لم تسقط نفقتها ولا سكناها. وأجيب برواية الزهري هذا الخبر عن أبي سلمة وفيه ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات،

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٣٠.
(٢) الآية الكريمة من سورة الأحزاب ٤٩.
(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٤١.
(٤) الآية الكريمة من سورة الأحزاب ٤٩.
(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٤١.

وأجيب بأنها دلت على الأمر بتفريق الطلاق ، ولا مانع من دلالتها على الإلزام به من جهة أخرى إذا وقع على غير الوجه المأمور به .

واعترض أيضاً بأن قوله تعالى : (فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) بين المراد من آية الاستدلال ، وأن الطلاق إنما يكون للعدة ، فمتى خالف ذلك لم يقع طلاقه .

وأجيب بأنا نثبت حكم كل من الآيتين نثبت بآية (فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) أن الطلاق المشروع ما كان للعدة ، ونثبت بآية (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) أن من طلق لغير العدة أو جمع بين الثلاث لزمه ما فعل ، وبذلك نكون قد أعملنا بحكم كل من الآيتين ، على أن آخر آية الطلاق للعدة وهو قوله تعالى : (وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ...) الآية ، يدل على وقوع الطلاق لغير العدة ، فإنه لو لم يلزمه لم يكن ظالماً لنفسه بإيقاعه ولا بطلاقه ، كما أن قوله تعالى : (وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا)[1] يدل على ذلك ، وسيأتي لهذا زيادة بيان في الدليل الثاني إن شاء الله .

واعترض أيضاً بأن الزوج لو وكل من يطلق طلاقاً مفرقاً على الأطهار فجمع الثلاث في طهر لم يقع لكونه غير مأمور به ، فكذا الزوج . وأجيب بالفرق بينهما ، فإن الزوج يملك الطلاق الثلاث ، وإيقاعه على غير الوجه المشروع لا يمنع من لزومه به كالظهار والردة ، أما الوكيل فلا يملك من الطلاق إلا ما ملكه موكله ولا يملك إيقاعه إلا على الوجه الذي وصفه له موكله ، إذ هو معبر عن موكله وتلزمه حقوق ما يوقعه[2] وسيأتي لهذا مزيد بحث . واستدل أيضاً بعموم قوله تعالى في الآية : (أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) على أنه يتناول إيقاع الثلاث دفعة ، وأجيب عن وجوه الاستدلال بالآية :

أولاً بأن تسريح المطلقة طلاقاً رجعياً بإحسان تركها بلا مضارة لها حتى تنقضي عدتها ، لا طلاقها مرة أخرى قبل رجعتها ، وبما روي مرفوعاً من تفسير التسريح بالإحسان بطلاقها ثالثة فمرسل .

ثانياً بأن من العلماء من فرق بين إيقاع الطلاق مفرقاً في طهر أو مجموعاً وبين إيقاعه مفرقاً في أطهار دون سبق رجعة ، وإيقاعه مفرقاً في أطهار مع سبق كل برجعة ، فدعوى عدم الفرق ممنوعة .

ثالثاً بأن الله جعل الطلاق بيد الزوج لكن على أن يوقعه مفرقاً مرة بعد مرة على صفة شرعية ، ولم يشرع سبحانه إيقاع الطلاق ثلاثاً جملة حكمة في تشريعه ورحمة بعباده ، فإيقاعه ثلاثاً مجموعة مخالف لأمر الله وشرعه ، وقياس الثلاث مجموعة على الظهار يبطل قولكم ويثبت قول مخالفيكم ، فإن الله لم يلزم المظاهر بما التزم من تحريم زوجته وجعلها كأمه أو أخته مثلاً بل لم تزل زوجته ، وعاقبه بشيء آخر على جريمة الظهار هو الكفارة ، فإذا أمضى ما شرع من الكفارة حلت له مباشرتها ، فمقتضى قياسكم أن لا يلزم بشيء من الثلاث ويعاقب بأمر آخر على جريمة الجمع بين الثلاث ، وكذا القول في قياسكم جمع الثلاث على الردة ، وإذاً ليست الآية دليلاً على إلزام الثلاث أو الثنتين إذا أوقعها مجموعة ، بل تدل على عكسه .

---

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

(٢) ص ـ ـ من البحث .

ومنه قوله تعالى : (وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)[1] فمن طلق ثلاثاً مجموعة فقد تعدى حدود الله لإيقاعه الطلاق على غير الوجه المشروع ، وظلم نفسه بتحميله لما كانت له فيه أناة ، وحرمانه من رجعة زوجته ، إذ لو لم يلزم بالثلاث من طلق ثلاثاً مجموعة لم يكن ظالماً لنفسه ولا محروماً من زوجته ، لتمكنه من رجعتها .

ويؤيده أن ابن عباس أفتى بإلزام الثلاث من طلق ثلاثاً . وعتب على من جمع الثلاث ورماه بالحماقة ، واستشهد بالآية ، وأجيب بمنع دلالة الآية على الإلزام بالثلاث ، لأن ركانة لما طلق امرأته ثلاثاً أمره النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يراجعها ، ولو كانت الآية دليلاً على إلزام الثلاث من طلق ثلاثاً مجموعة لما استدل بها - صلى الله عليه وسلم - ، وسيأتي مناقشة حديث ركانة .

وكما روي عن ابن عباس الإلزام بالثلاث والاستشهاد بالآية روي عنه اعتبارها واحدة[2] .

ويمكن أن يقال : يحمل تعدي حدود الله في الآية وظلم المطلق لنفسه على الطلاق لغير العدة وإخراج الزوج مطلقته طلاقاً رجعياً من بيتها الذي كانت تسكنه قبل الطلاق وخروجها منه أيام العدة ، دون الطلاق ثلاثاً ، وقد يساعد على هذا سياق الكلام ولاحقه ، وفي هذا أيضاً جمع بين الأدلة .

ومنه قوله تعالى : (وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا)[3] ذكر عن الحسن أنها نزلت فيمن كان يطلق ويتزوج ويعتق ويقول : إنه كان لاعباً ، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : (ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ : النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ) وأجيب بأنه لا دليل في الآية ولا في الحديث على المطلوب ، لأنه لم يذكر فيهما طلاق الثلاث أصلاً ، وإنما فيهما النهي عن اللعب في الطلاق ونحوه مع أن ما ذكر من مراسيل الحسن .

وبالسنة قالوا

حديث تلاعن عويمر العجلاني وامرأته ، وأن النبي - صلى الله عليه وسلم - فرق بينهما بإنفاذ الطلاق الثلاث لا باللعان ، ويؤيد هذا قول سهل : فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فأنفذها رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ... الخ . ووجها يعلم أن طلاق عويمر اعتبر ثلاثاً ، وبانت منه امرأته بذلك ، ثم أكد ذلك بتأبيد تحريمها عليه في اللعان خاصة ، وقد يجاب : بأن إعادة الطلاق الثلاث دلالة على التلاعن خاص باللعان لما فيه من تأبيد التحريم بخلاف غيره ، بدليل حديث محمود بن لبيد . ويجاب بأن حديث محمود بن لبيد وإن صح ليس فيه إنفاذ الثلاث ولا عدم إنفاذها ، وحديث اللعان فيه إنفاذها فيقدم على قول إن حديث محمود بن لبيد دليل على اعتبار إيقاع الثلاث دفعة ثلاثاً ، لأن الزوج على ثلاثاً يظنها لازمة له فلو كانت غير لازمة لبين له - صلى الله عليه وسلم - لعدم جواز تأخير البيان عن وقت الحاجة .[4]

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق ١ .

(٢) ص - من البحث .

(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣١ .

(٤) ص من البحث .

سابعاً: حديث: «من طلّق للبدعة واحدة أو اثنتين أو ثلاثاً ألزمناه بدعته».

وأجيب بأن في سنده إسماعيل بن أمية الذارع، وقد قال فيه الدارقطني بعد روايته هذا الحديث: ضعيف متروك الحديث.

ثامناً: حديث علي أن النبي صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً طلق امرأته البتة فأنكر ذلك وقال: «من طلّق البتة ألزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره».

وأجيب بأن في سنده إسماعيل بن أبي أمية القرشي، قال فيه الدارقطني: كوفي ضعيف، وقال ابن القيم: في إسناد هذا الحديث مجاهيل وضعفاء.[1]

تاسعاً: الإجماع فقد نقل كثير من العلماء الإجماع على إمضاء الثلاث في الطلاق الثلاث بكلمة واحدة منهم: الشافعي وأبو بكر الرازي وابن العربي والباجي وابن رجب وقالوا: إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الإجماع أكبر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر يجوز غلطاً ووهماً على راويه، بخلاف الإجماع فإنه معصوم. وأجيب بأنه قد روي عن جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم القول برد الثلاث المجموعة إلى الواحدة منهم: أبو بكر وعمر صدراً من خلافته، وعلي وابن مسعود وابن عباس، والزبير، وعبد الرحمن بن عوف، وطاوس، والحسن البصري، وسعيد بن جبير، وعطاء بن أبي رباح، ومحمد بن إسحاق، وابن تيمية الجد، وأصبغ بن الحباب، ومحمد بن بقي، ومحمد بن عبد السلام الخشني، وعطاء بن يسار وابن رباح، وخلاس بن عمرو، وأهل الظاهر، وخالفهم في ذلك ابن حزم، وغاية الأمر أن يقال: إن بعض من نقل عنهم الإلزام بالثلاث إذا كانت مجموعة نقل عنهم أيضاً جعلها واحدة فيكون لهم في المسألة قولان. والقصد أن الخلاف في الإلزام بها مجموعة لم يزل قائماً ثابتاً، وممن حكى الخلاف في ذلك من السلف والخلف أبو الحسن علي بن عبد الله اللخمي، وأبو جعفر الطحاوي في تهذيب الآثار وغيرهم، وبهذا يتبين أنه ليس في المسألة إجماع.[2]

وأما الآثار المروية عن الصحابة وغيرهم في إمضاء الثلاث على من طلق زوجته ثلاثاً في مجلس واحد فكثيرة منها: ما روي عن عمر وعثمان وعلي وابن عباس وابن مسعود وابن عمر وعمران بن الحصين وأبي هريرة وغيرهم، فإن سلم اعتبارها في الاحتجاج لكونها أقوال صحابة ثبت المطلوب، وخاصة أن فيهم ثلاثة من الخلفاء: عمر الملهم وعثمان وعلي وحبر الأمة ابن عباس رضي الله عنهم — وإلا فالحجة في إجماعهم، فإن فتاواهم اشتهرت عنهم، ولم يعرف عمن لم يفت بذلك إنكار لفتواهم به، فكان إجماعاً وقد تقدم.

---

(١) ص - من البحث.
(٢) ص - من البحث.

وأجيب بأن عمر - رضي الله عنه - أمضى عليهم الثلاث عقوبة لهم لما رآه من المصلحة في زمانه ليكفوا عما تتابعوا فيه من جمع الطلاق الثلاث ، ويرجعوا إلى ما جعل الله لهم من الفسحة والأناة رحمة منه بهم ، ولما علم الصحابة منه حسن سياسته ورعيته وافقوه على ذلك وأفتوا به رعاية لما رآه من المصلحة ، ولهذا صرحوا لمن استفتاهم في هذا الأمر بأنه عصى ربه ولم يتقه فلم يجعل له مخرجاً ، ولم يجعل ذلك الإمضاء شرعاً لازماً مستمراً لأنه مما تتغير الفتوى به بتغير الزمان والأحوال بل جعل العقوبة به تعزيراً لمن خالف ما أمر به كالنفي ، ومنعه - صلى الله عليه وسلم - المخلفين الثلاثة من نسائهم مدة من الزمن ، والضرب في الخمر ، ونحو هذا مما يختلف التعزير فيه باختلاف الزمان والأحوال وكان هذا من الخليفة اجتهاداً .[١]

وأما الثاني من فهو أن النكاح ملك للزوج فيصح إزالته مجتمعاً كما يصح إزالته متفرقاً وأن الله جعله بيده يزيل منه ما شاء ويبقى ما شاء ، كالعتق وعقد النكاح . وأجيب بأنه قياس مع الفارق فإن الطلاق جعل إليه ليوقعه متفرقاً على كيفية معينة ، ومنعه من جمعه لما تقدم في المسألة الأولى فلا يصح قياس جمعه على تفريقه ، ولا على العتق ، ولا عقد النكاح على أكثر من واحدة وما أشبهه ، مما شرع فيه إيقاعه مجتمعاً ومتفرقاً .[٢]

× × ×

المذهب الثاني

- أ ـــ الطلاق الثلاث بلفظ واحد يعتبر طلقة واحدة ، دخل بها الزوج أم لا . وهو قول أبي بكر وعمر صدراً من خلافته ، وعلي وابن مسعود وابن عباس والزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف ، وكثير من التابعين ومن بعدهم كطاوس وخلاس بن عمرو ومحمد بن إسحاق ، وداود الظاهري ، وأكثر أصحابه ، وهو اختيار ابن تيمية ، وابن القيم[٣] ، واستدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والآثار ، والإجماع ، والقياس .

أما الكتاب فأولاً قوله تعالى : { وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ }[٤] مع قوله تعالى : { حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ }[٥] ووجهه أن الألف واللام في قوله : { الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ }[٦] للعهد

---

(١) ص - من البحث .
(٢) ص من البحث .
(٣) ص - - من البحث .
(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٨ .
(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٣٠ .

والمعهود من الطلاق المفهوم من قوله تعالى: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[1] وهو رجعي لقوله تعالى: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ﴾[2] فالمعنى الطلاق من الذي يكون للزوج فيه حق الرجعة مرتان، مرة بعد مرة، ولا فرق في اعتبار كل مرة منهما واحدة بين أن يقول في كل مرة: طلقتك واحدة أو ثلاثا أو ألفا، فكل مرة منهما طلقة رجعية للسنن، ولقوله تعالى بعده: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾[3] وأما قوله تعالى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾[4] فالضمير المرفوع والمنصوب فيه عائدان إلى المطلق والمطلقة مرتين، لئلا يبطل الكلام مرجع لهما، ولأن الطلاق يقع بعد الشرط والحل بعد النفي تدل على العموم، فإن كانت هذه الجملة مستقلة عما قبلها لزم تحريم كل مطلقة ولو طلقة أو طلقتين حتى تنكح زوجاً آخر، وهو باطل بالإجماع. وإذاً فمعنى الآية: فإن طلقها مرة ثالثة بلفظ واحد طلقة أو ثلاثا فلا تحل له حتى تتزوج غيره. وبهذا يبطل عموم الآية على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل.[4]

ثانياً: قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾[5] إلى قوله: ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾[6] وبيانه أن الجمهور استدلوا بها من وجوه على تحريم جمع الثلاث، وإذاً فلا يقع منها مجموعة إلا ما كان مشروعاً وهو الواحدة.[7] وأجيب بأن التحريم لا ينافي إمضاء الثلاث، فكم من عبادة أو عقد محرم لو ارتكبه إنسان لمخالفته قيل المخالف عصى وصحت عبادته ونفذ عقده، وعلى تقرير النافية فهو يمنع من إمضاء الواحدة أيضاً، لوقوع الطلاق على خلاف ما شرع الله، وذلك ما لا يقول به أحد من الجمهور.

وأما السنة فمنها — أولاً — ما رواه مسلم في صحيحه من طريق ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس — رضي الله عنهما — قال: كان الطلاق على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر — رضي الله عنه —: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم. وأجيب عن الاستدلال به بما يأتي:

أولاً: أنه حديث منسوخ، لأن ابن عباس أفتى بخلافه، فدل ذلك على أنه علم ناسخاً له فاعتمد عليه في فتواه، ونوقش بأنه يمكن أن يكون اجتهد فوافق اجتهاده اجتهاد عمر — رضي الله عنهما — في إمضاء الثلاث تعزيراً للمصلحة كما تقدم، وأيضاً لو علم ناسخاً لذكره، مع وجود الدواعي إليه ولم يكتف بذكر ما كان

---

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة، ٢٢٨.
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة، ٢٢٨.
(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة، ٢٢٩.
(٤) ص من البحث.
(٥) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١.
(٦) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢.
(٧) ص من البحث.

ما كانوا عليه قبل الزمن بالثلاث عقوبة لهم ، ونظير هذا كلما تغير في الفتاوى بتغير الأحوال والأزمان والأمكنة كالعقوبة في الخمر ، والتفريق بين الذين تظاهروا وتماديهم ، والتمثال على لبعض أهل الفتنة مثلاً ، ولم يكن الإمضاء شرعاً مستمراً إنما كان زمن شروطه .[1]

وأجيب ثانياً . بتأويل حديث طاوس عن ابن عباس بأن الطلاق الذي كان الناس يوقعونه واحدة في عهده — صلى الله عليه وسلم — وعهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر اعتادوا إيقاعه بعد ذلك ثلاثاً ، ويشهد لهذا قول عمر — رضي الله عنه — : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة . الخ .

ونوقش بأنه تأويل يخالف الواقع في العهود الثلاثة الأولى ، فإن الطلاق ثلاثاً جملة قد وقع فيها من الصحابة كما تقدم في حديث محمود بن لبيد ، وحديث اللعان ، وكما يأتي في حديث ركانة ، وأيضاً يمنع منه ما ورد في بعض روايات الحديث من أنها جعلت واحدة أو ردت إلى الواحدة .[2]

وأجيب ثالثاً . بحمل الحديث على غير المدخول بها بدليل ذكر ذلك في الرواية الأخرى فإن الزوج إذا قال لها : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق ، بانت بالأولى ، فكانت الثلاث واحدة ، ونوقش هذا بأنه لم يزل صاحباً ولم يتقيد بعهد ولا زمان . وما نحن فيه تغير حكمه في أيام عمر — رضي الله عنه — عما كان عليه قبل ، وفيه وجه يفهم الجواب بتوجيه آخر ، وهو أن زوجها إذا قال لها . أنت طالق ثلاثاً بانت بقوله أنت طالق ، ولغي قوله : ثلاثاً ، ونوقش بأنه كلام متصل ، فكيف يفصل بعضه من بعض ويحكم لكل بحكم ؟ .

ونوقش أصل الجواب بأن حديث طاوس نفسه عن ابن عباس مطلق ليس فيه ذكر لغير المدخول بها ، وجواب ابن عباس في الرواية الأخرى وارد على سؤال أبي الصهباء عن تطليق غير المدخول بها ثلاثاً ، فتخصيص ابن عباس غير المدخول بها لمطابقة الجواب للسؤال ، ومثل هذا ليس له مفهوم مخالفة .[3]

وأجيب رابعاً . بأن جعل الثلاث واحدة لم يكن عن علم منه — صلى الله عليه وسلم — ولا عن أمره ولا ما استحل ابن عباس أن يفتي بخلافه .

ونوقش بأن جماهير المحدثين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهده — صلى الله عليه وسلم — له حكم الرفع ، على تقدير أن النبي — صلى الله عليه وسلم — لم يحكم بذلك يستبعد أن يجهله الصحابة وهم خير القرون ، ولا بعده — صلى الله عليه وسلم — ولو بعد نزوله ، ثم كيف يستمر العمل من الأمة على خطأ في عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر ، والأمة معصومة من إجماعها على الخطأ .[4]

وأجيب خامساً . بحمل الحديث على صورة تكرير لفظ الطلاق فإنه يعتبر واحدة مع قصد التوكيد ،

---

(١) ص — من البحث .
(٢) ص — من البحث .
(٣) ص — من البحث .
(٤) ص — من البحث .

بالنسخ .

ويقول في الوجه الثاني : أنه لا مانع من ثبوت القول بجعل الثلاث بلفظ واحدة عن كل من ابن عباس وعكرمة . وعلى تقدير تعارض الروايتين بالنفي والإثبات ، فالمثبت مقدم على النافي ، مع أن حماد بن زيد أثبت في أيوب من كل من روى عن أيوب كما قال يحيى بن معين ، فيقدم على إسماعيل بن إبراهيم .[2]

وأجيب سابعاً : بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة ، فرواه بعض رواته بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة وفي هذا جمع بين الروايات ، وكأنه يراد بها واحدة كما أراد بها ركانة . فلما تتابع الناس في إيقاع الثلاث بها ألزمهم إياها عمر – رضي الله عنه – ونظيره زيادته الضرب في شرب الخمر حين تتابع الناس فيه .[3]

وقد يقال : إن هذا تأويل على خلاف الظاهر بلا دليل ، وأيضاً تقدم في كلام الشافعي أن كلمة البتة مستحدثة .[4]

وعلى ذلك لا يجوز حمل لفظ الطلاق الثلاث في الحديث عليها .

وأجيب ثامناً : بأن الحديث شاذ ، لانفراد طاوس به عن ابن عباس ، وانفراد الراوي بالحديث – وإن كان ثقة – علة توجب التوقف فيه إذا لم يرو معناه من وجه يصح .[5]

■ ونوقش بأن مجرد انفراد الثقة برواية الحديث ليس علة توجب رده أو التوقف ، ولا يسمى هذا شذوذاً عند علماء الحديث إنما الشذوذ الذي يكون علة في رد الحديث هو أن يخالف الثقة الثقات مخالفة لا يمكن معها الجمع ولم يخالف طاوس في رواية هذا الحديث أحداً من الرواة الثقات عن ابن عباس في هذا الموضوع ، وإنما رميت المخالفة بين ما رواه وما أفتى به ، وقد مضى الكلام في ذلك.[6] لكن للمعترض أن يقول : إن استمرار العمل في زمن النبي – صلى الله عليه وسلم – وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر بجعل الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وتغيير عمر لذلك مع علم من الصحابة مما تتوفر الدواعي على نقله ، فنقله آحاداً يوجب رده . اللهم إلا أن يحمل الحديث على ما تقدم من أن الطلاق كان على وجه التكرار مع قصد التأكيد أو قد كان بلفظ البتة فاختلف الحكم فيه لاختلاف النية .[7]

■ وقد يناقش الأول بمنع أن يكون ما ذكر مما تتوفر الدواعي على نقله ، وأنه على تقدير أن يكون من

---

(١) تهذيب الصحيح .
(٢) ص — من البحث .
(٣) ص — من البحث .
(٤) ص — من البحث .
(٥) ص — من البحث .
(٦) ص — من البحث .

ولمن خالف أن يقول : إن الحديث قد اشتهر نقله وصح سنده ولم يجرؤ أحد على تكذيبه أو تضعيفه بوجه يعتبر مثله كما اشتهر نقل مخالفة فتوى عمر وابن عباس لظاهره ، ويشهد لهذا اشتغال العلماء سلفاً وخلفاً بالأمرين ، فبعضهم يؤول الحديث ليتفق مع الفتاوى ، وبعضهم يذهب إلى بيان وجه مخالفة الفتاوى له ويجيب عن ظاهره ، ويعتذر عن الفتوى بخلافه ، وبعضهم يعارضه بفتوى ابن عباس وبعدم العمل بما عليه ، إلى غير هذا مما يدل على شهرة النقل للأمرين ، وعلى تقدير عدم الشهرة فكم من أمر تتوفر الدواعي على نقله قد نقل آحاداً وعمل به جمع من أئمة الفقهاء ورده آخرون بهذه الدعوى .

وأجيب ثانياً : بأن الحديث مضطرب سنداً ومتناً ، أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاوس عن ابن عباس ، وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس ، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس ، وأما اضطراب متنه فإن أبا الصهباء تارة يقول : ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة ؟ وتارة يقول : ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر من خلافة عمر واحدة ؟

■ ونوقش بأن الاضطراب إنما يحكم به على الحديث إذا لم يمكن الجمع ولا الترجيح وكلاهما ممكن فيما نحن فيه ، فإن الرواية عن أبي الجوزاء وهم فيها عبد الله بن المؤمل حيث انتقل في رواية الحديث عن ابن أبي مليكة من أبي الصهباء إلى أبي الجوزاء ، وقد كان سيء الحفظ فلا تعارض بها رواية الثقات عن أبي الصهباء ، وأما روايته عن طاوس عن ابن عباس وعن طاوس عن أبي الصهباء وعن ابن عباس فكلاهما ممكن فلا تعارض ولا اضطراب ، وأما اختلاف المتن فتقدم بيان الجمع بين الروايتين فلا اضطراب .[1]

وأجيب ثالثاً : بمعارضته بالإجماع والإجماع معصوم أيضاً . وقد تقدمت مناقشة ذلك .[2] ومن السنة أيضاً ما رواه الإمام أحمد في مسنده عن سعد بن إبراهيم ، حدثنا أبي عن محمد بن إسحاق قال : حدثني داود بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال : طلق رُكانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فحزن عليها حزناً شديداً ، قال : فسأله رسول الله – صلى الله عليه وسلم – « كَيْفَ طَلَّقْتَهَا » ؟ قال : طلقتها ثلاثاً ، قال : فقال : « فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ » ؟ قال : نعم ، قال : « فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ » ، قال : فراجعها ، فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر . وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد واحتج بما روي به في رد النبي – صلى الله عليه وسلم – على زوجها ابن أبي العاص بالنكاح الأول وقدمه على ما يخالفه فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده نظيره أو ما هو أقوى منه ، ودلالته ظاهرة في اعتبار الطلاق ثلاثاً في مجلس واحد واحدة .

■ ونوقش بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة فرواه بعض

(1) ص – من البحث .
(2) ص – من البحث .

عن ابن عباس ، وقد تقدم مع المناقشة .

■ واستدلوا بالقياس ، قالوا : كما لا يعتبر قول الملاعن وقول الملاعنة : أشهد بالله أربع شهادات – بكذا ، أربع شهادات – لا يعتبر قول الزوج لامرأته : أنت طالق ثلاثاً بلفظ واحد ثلاث تطليقات وكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول أو الفعل من تسبيح وتحميد وتكبير وتهليل وإقرار .

ونوقش بأنه قياس مع الفارق ، للإجماع على اعتبار الصفة المفردة في الطلاق ، ومعرفة المعتدة منها بانتهاء العدة ، وعدم اعتبار الشهادة الواحدة من الأربع في اللعان .[1]

■ وللمستدل أن يقول : هذا الفارق مسلم ، ومعه فوارق أخرى بينهما ؛ لتفرد كل من الطلاق واللعان بحكم منهما ، لكنها ليست في مورد قياس استدل به ، وإنما ورد فيما يعتبر فيه تكرار الفعل أو القول ، ولا يعتد فيه بالاكتفاء بذكر اسم العدد ، وليس من شرط صلاحية القياس اشتراك المقيس والمقيس عليه في جميع صفاتهما ، بل يكفي اعتبار ما لا يتأتى معه قياس ، لأن كل شيئين لا بد أن ينفرد كل منهما عن الآخر بخاصة أو خواص ، وإلا كان عينه .

■ واستدلوا بما روي من الآثار في الإفتاء بذلك عن ابن عباس وعلي وابن مسعود والزبير وعبد الرحمن ابن عوف وغيرهم من الصحابة ومن بعدهم .[2]

ونوقش بأن ما روي من ذلك عن طاوس عن ابن عباس مردود ؛ فإن لطاوس عن ابن عباس مناكير منها روايته هذه الفتوى عن ابن عباس ، وأجيب بأن طاوس بن كيسان قد وثقه ابن معين ، وقيل لأيوب : أحب إليك طاوس أم سعيد بن جبير ؟ فلم يخير بينهما ، وقال قيس بن سعد : كان طاوس فينا مثل ابن سيرين بالبصرة ، وقال الزهري : لو رأيت طاوساً علمت أنه لا يكذب ، وروى له أصحاب الكتب الستة في أصولهم .[3]

■ فعلى من ادعى روايته للمناكير عن ابن عباس أن يثبت ذلك بشواهد من رواياته عنه في غير هذه المسألة أما روايته في هذه المسألة فهي مجرد دعوى في محل النزاع ، وما ذكر من مخالفة غيره له في هذه المسألة فغايته أن يكون لابن عباس فيها قولان ، روى كل من الفريقين عنه قولاً منهما ، ولذلك تقدم رجوعه عنها على تقدير صحة روايتها ، ثم إن عكرمة تابع طاوساً في روايته هذا الأثر عن ابن عباس وهو من رجال الستة .

■ ونوقش بأن رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس معارضة برواية إسماعيل بن إبراهيم

---

(1) ص من البحث .
(2) ص من البحث .
(3) تهذيب التهذيب .

عن أيوب أن هذا الأثر من قول عكرمة ، وأجيب أولاً : بأنه لا معارضة لجواز أن يكون روي عن كل منهما وثانياً : بأنه على تقدير المعارضة فرواية حماد بن زيد مقدمة على رواية إسماعيل ابن إبراهيم ، فإن حماداً أثبت في الرواية عن أيوب من كل من روى عنه .[1]

× × ×

المذهب الثالث

أن الطلاق ثلاث يمضي ثلاثاً في المدخول بها وواحدة في غير المدخول بها . واستدلوا لمذهبهم في المدخول بها بما استدل به الجمهور ، وقد تقدم مع مناقشته ، واستدلوا لمذهبهم في غير المدخول بها بحديث أبي الصهباء الذي قال فيه لابن عباس : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدراً من إمارة عمر ؟ قال : بلى . وقد تقدم الحديث قالوا : إن التفصيل بين المدخول بها وغير المدخول بها فيه جمع بين الروايات وإثبات حكم كل منها في حال ، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل .[2]

× × ×

المذهب الرابع

أنه لا يعتد به مطلقاً ، لأن إيقاعه ثلاثاً بلفظ واحد بدعة محرمة ، فكان غير معتبر شرعاً ، لحديث « مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ » ورد بأنه لا يعرف القول به عن أحد من السلف ، وأن أهل العلم في جميع الأعصار مجمعون على اعتباره والاعتداد به ، وإن اختلفوا فيما يقع منه ، ولم يخالف فيه إلا ناس من أهل البدع ممن لا يعتد بهم في انعقاد الإجماع .

وقد يستدل لهم أيضاً بأنه كالظهار فإنه لما كان محرماً لم يعتبر طلاقاً مع قصد المظاهر الطلاق فكذا الطلاق ثلاثاً مجتمعة ، وأجيب بالفرق ، فإن الظهار محرم في نفسه على كل حال ، فكان باطلاً ولزمت فيه الكفارة على كل حال . بخلاف الطلاق فإن جنسه مشروع كالنكاح والبيع ، ولذا امتنع في حال دون حال ، وانقسم إلى صحيح وباطل أو فاسد .[3]

هذا ما تيسر إعداده ، وبالله التوفيق ، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم . . .

حرر في ١٣٩٢/٨/١٩هـ

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	عضو	نائب الرئيس	رئيس اللجنة
عبد الله بن سليمان بن منيع	عبد الله بن عبد الرحمن بن غديان	عبد الرزاق عفيفي	إبراهيم بن محمد آل الشيخ

(١) تهذيب التهذيب .
(٢) سبق ... من البحث .

مصادر بحث الطلاق الثلاث بلفظ واحد

١ – تفسير القرطبي طبع مطبعة دار الكتب المصرية عام ١٣٥٤هـ .

٢ – أحكام القرآن لأحمد بن علي الرازي الجصاص ، طبع بمطبعة البهية المصرية سنة ١٣٤٧هـ .

٣ – أضواء البيان .

٤ – صحيح البخاري ومعه فتح الباري طبع المطبعة السلفية بترقيم عبد الباقي وإشراف محب الدين الخطيب

٥ – عمدة القاري للعيني طبع المطبعة المنيرية .

٦ – صحيح مسلم وعليه النووي الطبعة الأولى طبع بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٤٧هـ .

٧ – مختصر سنن أبي داود ومعها المعالم للخطابي وتهذيبها لابن القيم طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية عام ١٣٦٧هـ .

٨ – جامع الترمذي .

٩ – عارضة الأحوذي على الترمذي لابن العربي .

١٠ – شرح الزرقاني على الموطأ طبع بمطبعة الاستقامة بالقاهرة سنة ١٣٧٣هـ .

١١ – مسند الإمام أحمد بتعليق أحمد شاكر طبع دار المعارف سنة ١٣٦٩هـ .

١٢ – مستدرك الحاكم وعليه تلخيصه للذهبي الطبعة الأولى سنة ١٣٤٠هـ طبع بمطبعة حيدرآباد .

١٣ – نيل الأوطار طبعة حلبية الطبعة الثانية عام ١٣٧١هـ .

١٤ – جامع العلوم والحكم طبعة حلبية عام ١٣٨٢هـ الطبعة الثالثة .

١٥ – سنن ابن ماجه الطبعة الأولى بالمطبعة التازية .

١٦ – سنن سعيد بن منصور .

١٧ – سنن الدارقطني طبع دار المحاسن للطباعة طبع عام ١٣٨٦هـ .

١٨ – السنن الكبرى للبيهقي الطبعة الأولى بمطبعة حيدرآباد .

١٩ – المصنف لعبد الرزاق الطبعة الأولى .

٢٠ – شرح المواهب اللدنية للزرقاني المالكي الطبعة الأولى بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٢٥هـ .

٢١ – شرح معاني الآثار طبع مطبعة الأنوار المحمدية .

٢٢ – المنتقى للباجي طبع مطبعة السعادة الطبعة الأولى عام ١٣٣٢هـ .

٢٣ – الجرح والتعديل الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن عام ١٣٧١ .

٢٤ – تهذيب التهذيب الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن عام ١٣٢٧هـ .

٢٥ – خلاصة تذهيب تهذيب الكمال الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٢٢هـ .

٢٦ – الإصابة ومعها الاستيعاب طبع بمطبعة مصطفى محمد .

٢٧ – المستفاد من مبهمات المتن والإسناد طبع مطابع الرياض .

٢٨ – بدائع الصنائع للكاساني طبع بمطبعة الجمالية بمصر الطبعة الأولى عام ١٣٢٨هـ .

٢٩ – المبسوط للسرخسي طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة مصر الطبعة الأولى .

٣٠ – فتح القدير لابن الهمام الطبعة الأولى بالمطبعة الكبرى الأميرية عام ١٣١٥هـ .

٣١ – المدونة الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية سنة ١٣٢٤هـ ومعها المقدمات .

٣١ – المقدمات لابن رشد ومعها المدونة .

٣٣ – مواهب الجليل للحطاب ملتزم الطبع مكتبة النجاح : ليبيا .

٣٤ – الأم الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٢١هـ .

٣٥ – المهذب الطبعة الحلبية .

٣٦ – المغني والشرح الكبير الطبعة الأولى بمطبعة المنار سنة ١٣٤٦هـ .

٣٧ – الكافي الطبعة الأولى سنة ١٣٨٢هـ طبع المكتب الإسلامي .

٣٨ – الإنصاف طبع بمطبعة السنة المحمدية عام ١٣٧٧هـ .

٣٩ – مجموع فتاوى شيخ الإسلام .

٤٠ – زاد المعاد طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية .

٤١ – أعلام الموقعين الطبعة المنيرية .

٤١ – إغاثة اللهفان مطبعة حلبية عام ١٣٥٧هـ .

٤٢ – مسودة آل تيمية .

٤٤ – سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ليوسف بن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الهادي طبعه محمد نصيف ضمن مجموعة ولي الخير .

المحلى لابن حزم الطبعة الأولى .

التجريد في أسماء الصحابة للذهبي الطبعة الأولى في مطبعة دائرة المعارف النظامية بحيدرآباد الدكن .

الناسخ والمنسوخ لابن النحاس الطبعة الأولى .

x x x

القـــرار

بعد الاطلاع على البحث المقدم من الأمانة العامة لهيئة كبار العلماء والمعد من قبل اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء في موضوع «الطلاق الثلاث بلفظ واحد».

وبعد دراسة المسألة وتداول الرأي واستعراض الأقوال التي قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد توصل المجلس بأكثريته إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثا، وذلك لأمور أهمها ما يلي:

أولاً: قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾،[١] إلى قوله تعالى: ﴿وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ، لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا﴾.[٢] فإن الطلاق الذي شرعه الله هو ما يتعقبه عدة وما كان صاحبه مخيرا بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان، وهذا منتف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلم يكن طلاقا للعدة، وفي فحوى هذه الآية دلالة على وقوع الطلاق لغير العدة إذ لو لم يقع لم يكن ظالما لنفسه بإيقاعه لغير العدة

[١] الآية الكريمة من سورة الطلاق ١.

[٢] الآية الكريمة من سورة الطلاق ١.

ولم يسد الباب أمامه حتى يحتاج إلى المخرج الذي أشارت إليه الآية الكريمة ﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴾ (١) وهو الرجعة حسبما تأوله ابن عباس – رضي الله عنه – حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثاً: إن الله تعالى يقول: ﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴾ وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك.

ولا خلاف في أن من لم يطلق للسنة بأن طلق ثلاثاً جملة فقد ظلم نفسه فعلى القول بأنه إذا طلق ثلاثاً فلا يقع من طلاقه إلا واحدة فما هي العقوبة التي بالتزامها يكون المخرج واليسر وما هي عقوبة هذا الظالم نفسه المتعدي حدود الله حيث طلق بغير السنة فلقد جعل الشارع على من قال قولاً منكراً لا يترتب عليه مقتضى قوله المنكر عقوبة له على ذلك كعقوبة الظاهر من امرأته بكفارة الظهار للظهور والله أعلم أن الله تعالى عاقب من طلق ثلاثاً بإيقاعها عليه وسد المخرج أمامه حيث لم يتق الله فظلم نفسه وتعدى حدود الله.

ثانياً ما في الصحيحين عن عائشة – رضي الله عنها – أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسُئل النبي – صلى الله عليه وسلم – أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. فقد ذكره البخاري رحمه الله تحت ترجمة: باب من أجاز الطلاق الثلاث، واعترض على الاستدلال به بأنه مختصر من قصة رفاعة بن وهب التي جاء في بعض رواياتها عند مسلم أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات، ورد الحافظ ابن حجر – رحمه الله – الاعتراض: بأن غير رفاعة قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد، فإن كلاً من رفاعة القرظي ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلاً منهما عبد الرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسها ثم قال: وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعة بن سموأل هو رفاعة بن وهب. اهـ.

وعند مقابلة هذا الحديث بحديث ابن عباس الذي رواه عنه طاوس: كان الطلاق على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الخ فإن الحال لا تخلو من أمرين: إما أن يكون معنى الثلاث في حديث عائشة وحديث طاوس أنها مجتمعة أو متفرقة، فإن كانت مجتمعة فحديث عائشة متفق عليه فهو أولى بالتقديم وفيه التصريح بأن تلك الثلاث تحرمها ولا تحل إلا بعد زوج، وإن كانت متفرقة فلا حجة في حديث طاوس على محل النزاع في وقوع الثلاث بلفظ واحد واحدة. وأما اعتبار الثلاث في حديث عائشة متفرقة وفي حديث طاوس مجتمعة فلا وجه له ولا دليل عليه.

---

(١) الآية الثانية من سورة الطلاق.

ثالثاً ما وجهه به بعض أهل العلم كابن قدامة ـ رحمه الله ـ حيث يقول: ولأن النكاح ملك يصح إزالته متفرقاً فصح مجتمعاً كسائر الأملاك. والقرطبي ـ رحمه الله ـ حيث يقول: وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جداً وهو أن المطلقة ثلاثاً لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعاً وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقاً في النكاح والعتق والأقارير، فلو قال الولي أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه، وكذلك في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. اهـ. وغاية ما يمكن أن يتجه على المطلق بالثلاث أن يؤدب على الإسراف بردع فلا تعزيره.

رابعاً ما أجمع عليه أهل العلم إلا من شذ في إيقاع الطلاق من الهازل استناداً إلى حديث أبي هريرة وغيره مما تلقته الأمة بالقبول، من أن ثلاثاً جدهن جد وهزلهن جد: الطلاق والنكاح والرجعة. ولأن قلب الهازل بالطلاق عامد ذكره كما ذكر ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية ـ رحمه الله ـ في تعليله للقول بوقوع الطلاق من الهازل حيث قال: ومن قال لا لغو في الطلاق فلا حجة معه بل عليه لأنه لو سبق لسانه بذكر الطلاق من غير عمد القلب لم يلزمه وفاقاً وأما إذا قصد اللفظ به هازلاً فقد عمد قلبه ذكره. اهـ. فإن ما زاد على الواحدة لا يخرج عن مسمى الطلاق بل هو من صريحه، واعتبار الثلاث واحدة إعمال لبعض عدده دون باقيه بلا مسوغ، اللهم إلا أن يكون المستند في ذلك حديث ابن عباس ويأتي الجواب عنه إن شاء الله.

خامساً إن القول بوقوع الثلاث ثلاثاً قول أكثر أهل العلم فقد أخذ به عمر وعثمان وعلي والعبادلة ابن عباس وابن عمر وابن عمرو وابن مسعود وغيرهم من أصحاب رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وقال به الأئمة الأربعة: أبو حنيفة ومالك والشافعي وأحمد وابن أبي ليلى والأوزاعي. وذكر ابن عبد الهادي عن ابن رجب ـ رحمه الله ـ قوله: اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد. اهـ. وقال شيخ الإسلام ابن تيمية في معرض بحثه الأقوال في ذلك: الثاني ـ أنه طلاق محرم ولازم وهو قول مالك وأبي حنيفة وأحمد في الرواية المتأخرة عنه اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين. اهـ. وقال ابن القيم: واختلف الناس فيها ـ أي في وقوع الثلاث بكلمة واحدة ـ على أربعة مذاهب أحدها: أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة. اهـ. وقال القرطبي: قال علماؤنا ـ واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف.

وقال ابن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم — رحمه الله — في تهذيب السنن : قال تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ [1] وزل قوم في آخر الزمان فقالوا إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم ، وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبد الرحمن بن عوف وابن مسعود وابن عباس ، وعزوه إلى الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة والمغمور المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل — إلى أن قال : وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد — إلى أن قال : وأما حديث الحجاج بن أرطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة . أهـ .

سادساً

الإيرادات على حديث ابن عباس — رضي الله عنه — كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة إلى آخر الحديث مما يضعف الأخذ به والاحتجاج بما يدل عليه فإنه يمكن أن يجاب عنه بما يلي :

■ — ما قيل من أن الحديث مضطرب سنداً ومتناً أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاوس عن ابن عباس وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس ، وأما اضطراب متنه فإن أبا الصهباء تارة يقول : ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة ، وتارة يقول : ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة .

■ فقد تفرد به عن ابن عباس طاوس وطاوس متكلم فيه من حيث روايته المناكير عن ابن عباس قال القاضي إسماعيل في كتابه (أحكام القرآن) طاوس مع فضله وصلاحه يروي أشياء منكرة منها هذا الحديث . وعن أيوب أنه كان يتعجب من كثرة خطأ طاوس . وقال ابن عبد البر شذ طاوس في هذا الحديث . وقال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاوس ما يتفرد به من شواذ الأقاويل . ونقل القرطبي عن ابن عبد البر أنه قال : رواية طاوس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب .

■ — ما ذكره بعض أهل العلم من أن الحديث شاذ من طريقين : أحدهما تفرد طاوس بروايته وأنه لم يتابع عليه . قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور : كل أصحاب ابن عباس

---

(١) الآية ٢٢٩ من سورة البقرة .

وروا عنه خلاف ما روى طاوس . وقال الجوزجاني هو حديث شاذ : وقال ابن رجب ونقل عنه ابن عبد الهادي : وقد عنيت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً .

الثاني ما ذكره البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم شيئاً ويفتي بخلافه . وقال ابن التركماني وطاوس يقول إن أبا الصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه . ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه وهم عمر وعثمان وعلي وابن مسعود وابن عمر وغيرهم . اهـ .

ثالثاً في هذا الحديث من التفرد فقد أعرض عنه الشيخان الجليلان أبو عبدالله أحمد بن حنبل فقد قال للأثرم وابن منصور بأنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد ، لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك ، والإمام محمد بن إسماعيل البخاري ذكر عنه البيهقي أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذي تركه من أجله الإمام أحمد ولا شك أنهما لم يتركاه إلا لموجب يقتضي ذلك .

■ – إن حديث ابن عباس يتحدث عن حالة اجتماعية مفروض فيها أن تكون معروفة لدى جمهور معاصريها ، وتوفر الدواعي لنقلها بطرق متعددة مما لا ينبغي أن يكون موضع خلاف ، ومع هذا لم تنقل إلا بطريق آحادي عن ابن عباس فقط ولم يروها عن ابن عباس غير طاوس الذي قيل عنه بأنه يروي المناكير . ولا يخفى ما عليه جماهير علماء الأصول من أن خبر الآحاد إذا كانت الدواعي لنقله متوفرة ولم ينقله إلا واحد ونحوه أن ذلك يدل على عدم صحته . فقد قال صاحب جمع الجوامع عطفاً على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر : والمنقول آحاداً فيما تتوفر الدواعي إلى نقله خلافاً للرافضة . اهـ وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولي : إذا انفرد واحد فيما تتوفر الدواعي إلى نقله وقد شاركه خلق كثير كما لو انفرد واحد بقتل خطيب على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعاً خلافاً للشيعة . اهـ .

فلا شك أن الدواعي إلى نقل ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون بعده في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر من أن الطلاق الثلاث كانت تجعل واحدة متوفرة توافراً لا يمكن إنكاره . ولا شك أن سكوت جميع الصحابة عنه حيث لم ينقل عنهم حرف واحد في ذلك غير ابن عباس يدل دلالة واضحة على أحد أمرين . إما أن المقصود بحديث ابن عباس ليس معناه بلفظ واحد . بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد ، وإما أن الحديث غير صحيح لنقله آحاداً مع توفر الدواعي لنقله .

■ – ما عليه ابن عباس رضي الله عنه من التقى والصلاح والعلم والاستقامة والتقيد بالاقتداء

والقوة في الصدع بكلمة الحق التي يراها، يمنع القول بالمبادرة إلى ما أمر به عمر – رضي الله عنه – من إمضاء الثلاث واحتمال أنه يعرف حكم الطلاق الثلاث في عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من خلافة عمر من أنه يجعل واحدة.

فلا يخفى خلافه مع عمر رضي الله عنهما في متعة الحج وبيع الدينار بالدينارين وفي بيع أمهات الأولاد وغيرها من مسائل الخلاف فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي – صلى الله عليه وسلم – خلافه، وإن قوله – رضي الله عنه – في الصدع بكلمة الحق التي يراها تشير كلمته المشهورة في مخالفته عمر في متعة الحج وهي قوله: يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول: قال رسول الله وتقولون قال أبو بكر وعمر.

و – على فرض صحة حديث ابن عباس فإن ما عليه أصحاب رسول الله – صلى الله عليه وسلم – من التقى والصلاح والاستقامة وتمام الانقياد يمنع اتهام الجميع بأنهم رأوا في عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من خلافة عمر، يمنع القول بانقيادهم إلى أمر عمر – رضي الله عنه – في إمضاء الثلاث، والحال أنهم يعرفون ما كان عليه أمر الطلاق الثلاث في ذلك العهد. ومع هذا فلم يثبت بسند صحيح أن أحدا منهم أفتى بمقتضى ما عليه الأمر في عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبي بكر وصدر من خلافة عمر حسبما ذكره ابن عباس في حديثه.

ز – ما في حديث ابن عباس من الدلالة على أن عمر أمضى الثلاث عقوبة للناس لأنهم قد استعجلوا أمراً كانت لهم فيه أناة، وهذا مشكل ووجه الإشكال كيف يجوز عمر – رضي الله عنه – وهو من هو تقى وصلاحاً وعلماً وفقهاً – مثل هذه العقوبة التي لا تقتصر آثارها على من استحقها وإنما تتجاوزه إلى طرف آخر ليس له نصيب في الإجرام، ونعني بالطرف الآخر الزوجات حيث يترتب عليها إحلال فرج محرم على طرف ثالث، وتحريم فرج حلال بمقتضى عقد الزواج، وحقوق الرجعة، مما يدل على أن حديث طاوس عن ابن عباس فيه نظر، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

× × ×

وجهة نظر المخالفين

ترى أن الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة ، وقد سبق إلى القول بهذا ابن عباس في رواية صحيحة ثابتة عنه ، وأفتى به الزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف وعلي بن أبي طالب وعبدالله بن مسعود من الصحابة في رواية عنهم وأفتى به عكرمة وطاوس وغيرهما من التابعين ، وأفتى به ممن بعدهم محمد بن إسحاق وخلاس ابن عمرو والحارث العكلي ومجد بن تيمية وشيخ الإسلام أحمد بن عبد الحليم بن تيمية وتلميذه شمس الدين ابن القيم وغيرهم . . وقد استدل على ذلك بما يأتي :

الدليل الأول

قوله تعالى : ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾[١] وبيانه : أن الطلاق الذي شرع للزوج فيه الخيار بين أن يسترجع زوجته أو يتركها بلا رجعة حتى تنقضي عدتها فتبين منه — مرتان مرة بعد مرة ، سواء طلق في كل مرة منهما طلقة أو ثلاثا مجموعة ، لأن الله تعالى قال : ﴿ مَرَّتَانِ ﴾ ولم يقل طلقتان ، ثم قال تعالى في الآية التي تليها : ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾[٢] فحكم بأن زوجته تحرم عليه بطلاقه إياها المرة الثالثة حتى تنكح زوجا غيره ، سواء نطق في المرة الثالثة بطلقة واحدة أم بثلاث مجموعة ، فدل على أن الطلاق شرع مفرقا على ثلاث مرات ، فإذا نطق بثلاث في لفظ واحد كان مرة واحدة واحدة .

الدليل الثاني

ما رواه مسلم في صحيحه من طريق طاوس عن ابن عباس — رضي الله عنه — قال : كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله — صلى الله عليه وسلم — وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة ، فقال عمر رضي الله عنه : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم ، وفي صحيح مسلم أيضا عن طاوس عن ابن عباس أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك ، ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله — صلى الله تعالى عليه وسلم — وأبي بكر واحدة ، قال : قد كان ذلك ، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازه عليهم . فهذا الحديث واضح الدلالة على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وعلى أنه لم ينسخ لاستمرار العمل به في عهد أبي بكر وسنتين من خلافة عمر ، ولأن عمر علل إمضاءه ثلاثا بقوله : « إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة » ولم يدع النسخ ولم يعلل الإمضاء به ، ولا بظهوره بعد خفائه ، ولأن عمر استشار الصحابة في إمضائه ثلاثا ، وما كان عمر ليستشير أصحابه في العدول عن العمل بحديث علم أو ظهر له أنه منسوخ . . وما أجيب به عن حديث ابن عباس فهو إما تأويل متكلف ، وحمل للفظه على

(١) الآية ٢٢٩ من سورة البقرة .
(٢) الآية ٢٣٠ من سورة البقرة .

ما دامت الدواعي التي دعت إليه قائمة كما هو الشأن في الفتاوى التي تتغير بتغير الظروف والأحوال ، وللإمام أن يعزر الرعية عند إساءة التصرف في الأمور التي لهم فيها الخيار بين الفعل والترك بقصرهم على بعضها ومنعهم من غيره ، كما منع النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ الثلاثة الذين خلفوا من زوجاتهم مدة من الزمن عقوبة لهم على تخلفهم عن غزوة تبوك مع أن زوجاتهم لم يسئن ، وكالزيادة في عقوبة شرب الخمر ، وتحديد الأسعار عند استغلال التجار مثلاً للظروف وتواطئهم على رفع الأسعار دون مسوغ شرعي [illegible] ، وفي معنى هذا تنظيم المرور ، فإن فيه منع الناس من المرور في طرق قد كان مباحاً لهم السير فيها من قبل محافظة على النفوس والأموال ، وتيسيراً للسير مع أمن وسلامة .

الدليل الخامس: قياس الطلاق الثلاث على شهادات اللعان . فالمراد كما لا يعتبر قول الزوج في اللعان : أشهد بالله أربع شهادات أني رأيتها تزني إلا شهادة واحدة لا أربعاً ، فكذا لو قال لزوجته : أنت طالق ثلاثاً لا يعتبر إلا طلقة واحدة لا ثلاثاً ، ولو قال : أقر بالزنا أربعاً مكتفياً بذكر اسم العدد عن تكرار الإقرار لم يعتبر إلا واحداً عند من اعتبر التكرار في الإقرار . فكذا لو قال لزوجته : أنت طالق ثلاثاً مكتفياً باسم العدد عن تكرار الطلاق لم يعتبر إلا واحدة ، وهكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول لا يكفي فيه عن التكرار ذكر اسم العدد كالتسبيح والتحميد والتكبير عقب الصلوات المكتوبة . والله ولي التوفيق ، وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم ...

حرر في ١٢/١١/١٣٩٢ هـ

باب الایلاء

بیوی سے چار ماہ تک بات نہ کی:

سوال: زید نے غصہ کے اندر اپنی زوجہ سے چار پانچ ماہ تک بات نہیں کی مگر نان نفقہ دیتا رہا تو ایلاء ہوا یا نہیں؟ اور کسی قسم کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں ایلاء نہیں ہوا اور کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ اگر زید نے قسم کھائی کہ چار ماہ یا زیادہ مدت تک بیوی کے پاس نہیں جائے گا یا اور کوئی ایسا لفظ کہا جو صیغۂ ایلاء صریح یا کنایہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی اس سے حرمت جماع مفہوم ہو یا بیوی کے ساتھ صحبت کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جس میں مشقت ہے، مثلاً یوں کہا کہ "اگر اس سے صحبت کروں تو اس کو طلاق" تو یہ ایلاء ہے، اس صورت میں چار ماہ تک صحبت نہ کرنے سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

قال فی التنویر هو الحلف علی ترک قربانها (الی قوله) وحکمه وقوع طلقة بائنة ان بر والکفارة او الجزاء ان حنث والمدة للحرة اربعة اشهر (رد المحتار ص ۹۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العرفہ سنہ ۸۳ھ

جب تک بیوی کے گھر والے معافی نہ مانگیں وہ حرام ہے:

سوال: زید شافعی العقیدہ ہے اس نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا جو حنفی العقیدہ ہے "آج سے میرا اور تمہارا میاں بیوی کا تعلق ختم ہوا اور اس وقت تک تمہارے ساتھ سونا حرام ہو جب تک تمہارے گھر والے مجھ سے معافی نہ مانگیں" تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید نے دو جملے خط کشیدہ کہے ہیں، پہلا جملہ کنایۂ طلاق ہے جس سے وقوع طلاق نیت یا مذاکرۂ طلاق پر موقوف ہے، مگر یہاں دوسرا جملہ اس کی وضاحت کر رہا ہے کہ پہلے جملے سے طلاق

مقصود نہیں، دوسرے جملہ میں لفظ "حرام" اگرچہ عرف میں طلاق کے لئے متعین ہے، مگر ایک خاص وقت تک اس کی تقیید اس پر قرینہ ہے کہ یہاں لفظ حرام کی حقیقت عرفیہ مراد نہیں، بلکہ یمین مقصود ہے، معہذا یہ ایلاء نہ ہوگا، اس لئے کہ ایلاء میں تابید یا کم از کم چار ماہ کی مدت شرط ہے، اور یہاں جس امر سے حرمت کو مقید کیا ہے اس کا وقوع چار ماہ کے اندر محتمل ہے، غرضیکہ اس صورت میں کسی قسم کی طلاق واقع نہیں ہوئی صرف قسم ہے، اگر زید نے اس کے خلاف کیا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لا اقربک) ای بلا بیان مدۃ اشار الی انہ کالموقت بمدۃ الایلاء لان الاطلاق کالتابید ومثلہ لو جعل لہ غایۃ لا یرجی وجودھا فی مدۃ الایلاء کقولہ فی رجب لا اقربک حتی اصوم المحرم وکقولہ لہا لا اقربک حتی تفطمی ولدک وبینہما اربعۃ اشہر فاکثر ولو اقل لم یکن مولیا (رد المحتار ص ۵۹۴ ج ۲) وفی الخانیۃ وکذا لو قال واللہ لا اقربک حتی یقدم فلان لا یکون مولیا لانہ یتوہم قدومہ فی المدۃ (خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۵۴۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ

"ایلاء کرتا ہوں" سے ایلاء ہوجاتا ہے:

سوال: کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے ایلاء کرتا ہوں، کیا صرف اتنا لفظ کہنے سے ایلاء ہوجائے گا؟ جبکہ صحبت نہ کرنے پر کوئی قسم نہیں اٹھائی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایلاء کے معنی ہی قسم کے ہیں، لہٰذا ان الفاظ سے ایلاء ہوجائے گا، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ وھو لغۃ الیمین وشرعا قولہ ھو الحلف علی ترک قربانہا اربعۃ اشہر او اکثر ای الزوجۃ وھو تعریف لاحد قسمی الایلاء الحقیقی وھو ما اشتمل علی القسم کقولہ البتۃ ای لا اقربک او حلفت او واللہ وما یؤول الیہ کقولہ انا منک مول فاصدق انہ الایجاب ارادت مثل امرأۃ فلان وقد کان فلان آلی من امرأتہ لان معناہ انا منک مول صالحت (البحر الرائق ص ۶۰ ج ۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ شعبان سنہ ۹۶ھ

باب الخلع

حکم خلع فضولی:

سوال: ایک عورت کی طرف سے اجنبی شخص نے شوہر سے خلع کیا تو کیا یہ خلع صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اجنبی نے مال سے خلع کرے یا خود ضامن بنے تو خلع صحیح ہوگیا، اور مال اس پر لازم ہوگیا، اور اگر عورت کے مال پر خلع کیا یا کسی کا بھی مال معین ذکر کیا اور خود ضامن بھی نہ ہوا، تو یہ خلع بیوی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر اس نے اجازت نہ دی تو مال واجب نہ ہوگا، طلاق ہوجائے گی، خلع میں بائن اور طلاق علی مال میں رجعی ہوگی، وذلک فی الشامیۃ تحت قوله وکذا الکبیرۃ الخ وفی الفصولین لو ضمنه الاب او الاجنبی وقع الخلع ثم ان اجازت نفذ علیها (الی قوله) وان لم یضمن توقف الخلع علی اجازتها فان اجازت جاز وبرئ الزوج عن المهر والا لم یجز قال فی الخیریۃ ولا تطلق وقال غیرہ ینبغی ان تطلق لانه معلق بالقبول وقد وجد اه ای بقبوله الخ وفی البزازیۃ وان لم یضمن توقف علی قبولها فی حق المال فقط وهذا دلیل علی ان الطلاق واقع وقیل لا یقع الا باجازتها اه (رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۲) وفی الدر لو کان بلفظ الطلاق یقع رجعیا (رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ ذی الحجہ سنہ ۷۲ھ

حکم خلع والد:

سوال: اگر عورت کی طرف سے اس کا باپ خلع کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

باپ کے خلع کا بھی یہی حکم ہے جو اجنبی کے خلع کا، جس کی تفصیل سوال سابق کے جواب میں گزری، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۷۲ھ

حکم خلع والدہ:

سوال: اگر کسی عورت کی طرف سے اس کی والدہ اس عورت کے شوہر سے خلع کرے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس میں بھی باقی تفصیل تو وہی ہے جو فضولی کے حکم میں گذری، مگر اتنا فرق ہے کہ اگر اس کی والدہ نے نہ اپنے مال پر خلع کیا اور نہ ہی خود ضامن ہوئی، اور عورت نے بھی اجازت نہ دی تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، قال فی الشامیة (قوله ولا یصح من الام الخ) قال فی البحر قید بالاب لانه لو جری الخلع بین زوج الصغیرة وامها فان اضافت الام البدل الی مالها او ضمنت تم الخلع کالاجنبی وان لا فلا روایة فیه والصحیح انه لا یقع الطلاق بخلاف الاب (رد المحتار ص ۷۷۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ذی الحجہ ۸۴ھ

خلع والد مسقط مہر نہیں:

سوال: آنجناب نے جو ہمارا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق مجھے بعد میں خیال آیا کہ خلع اور مبارات مسقط مہر ہیں، تسکین قلب کے لئے یہ سوال ہے، امید ہے کہ اس پر غور فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

عورت کی طرف سے بدون اس کے اذن کے اگر کوئی دوسرا شخص خواہ اجنبی شخص خلع کرے تو مہر ساقط نہیں ہوتا، قال فی شرح التنویر فان خالعها الاب علی مال ضامنا له ای ملتزما لا کفیلا لعدم وجوب المال علیها صح والمال علیه کالخلع مع الاجنبی فالاب اولی بلا سقوط مهر لانه لم یدخل تحت ولایة الاب، وفی الشامیة تحت (قوله بلا سقوط مهر) ای سواء کان الخلع علی المهر او علی الف مثلا لکن اذا کان علی المهر فلها ان ترجع به علی الزوج والزوج یرجع به علی الاب لضمانه اما لو کان علی الف فانها اذا رجعت بالمهر علی الزوج لا یرجع به علی الاب لانه لم یضمن له المهر بل ضمن له الالف وکلام الفتح محمول علی هذا التفصیل افاده الرحمتی اھ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ رمضان ۸۲ھ

خلع کے بعد طلاق:

سوال: ایک شخص نے خلع کیا، اس کے بعد دو طلاقیں دیں، خلع بالعوض عمل میں ہوا ہے؟

اس کے بعد اب فرزند پیدا ہوا ہے، اب مرد اور عورت دونوں پشیمان ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر نکاح ہو جائے
شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع سے طلاق صریح بائن واقع ہوئی، اس کے بعد عدت میں دو طلاقیں دینے سے مغلظہ ہو گئی
اس لئے اب کوئی گنجائش نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ویلحق البائن) کما لو قال انت بائن او خالعہا علی مال ثم قال انت طالق او ھذہ طالق بحر عن البزازیۃ (رد المحتار ص ۵۰۹ ج ۲) ثم قال بعد ورقتین تحت (قولہ ویستثنی الخ) قال فی النھر فی المنصوری شرح المسعودی المختلعۃ یلحقہا صریح الطلاق اذا کانت فی العدۃ الخ (رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ربیع الاول ۸۳ھ

خلع میں قبول ورجوع کی تفصیل:

سوال: زوجین میں سے کسی ایک نے خلع کا ایجاب کیا تو دوسری جانب سے قبول اسی مجلس میں ہونا لازم ہے یا مجلس بدلنے کے بعد بھی قبول کرنا صحیح ہے؟ نیز قبول سے پہلے ایجاب سے رجوع صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع جانب زوج میں تعلیق طلاق معلق ہے، اس لئے اگر ایجاب جانب زوج سے ہے تو وہ قبول زوجہ سے قبل بھی رجوع نہیں کر سکتا اور زوج کی مجلس بدلنے سے خلع باطل نہ ہوگا، اور جانب زوجہ میں مثل بیع وشراء وغیرہ کی طرح معاوضہ ہے، اس لئے اس کی طرف سے قبول میں یہ شرط ہے کہ بوقت ایجاب حاضر تھی تو اپنی اسی مجلس میں قبول کرے، اور غائب تھی تو مجلس علم کے اندر قبول کرے اور اس کی مجلس بدلنے سے خلع باطل ہو جائے گا، البتہ اگر زوج نے قبول زوجہ کے لئے کوئی مدت معین کر دی تو اس مدت کے اندر اس کو قبول کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر ایجاب زوجہ کی طرف سے ہو تو وہ قبول زوج سے قبل رجوع کر سکتی ہے اور قبول زوج سے قبل زوجین میں سے کسی ایک کی مجلس بدل گئی تو خلع باطل ہو گیا، اور زوج کو قبول کا حق نہ رہا۔ قال فی شرح التنویر ھو یمین فی جانبہ لانہ تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعہ عنہ قبل قبولہا ولا یصح شرط الخیار لہ ولا یقتصر علی المجلس

اي مجلسه ويقتصر قبولها على مجلس علمها وفي جانبها معاوضة بمال فصح رجوعها قبل قبوله وصح شرط الخيار لها ولو اكثر من ثلاثة ايام بحر ويقتصر على المجلس كالبيع، وفي الشامية (قوله فصح رجوعها) اي لو كان الابتداء منها بان قالت اختلعت نفسي منك بكذا فلها ان ترجع عنه قبل قبول الزوج ويبطل بقيامها عن المجلس وبقيامه ايضا ولا يتوقف على ما وراء المجلس بان كان الزوج غائبا حتى لو بلغه وقبل لم يصح ولا يصح تعليقه ولا اضافته بدائع (رد المحتار ص ۷۰۰ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۹ رجب ۸۳ھ

خلع میں عدت کے نفقہ و سکنی کا حکم:

سوال: خلع میں نکاح کی وجہ سے واجب ہونے والے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں مگر ایام عدت کا نفقہ و سکنی ساقط نہیں ہوتا اس کی تشریح فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خلع میں ایام عدت کے نفقہ و سکنی کا ذکر نہ آیا ہو تو یہ دونوں ساقط نہ ہوں گے، اور اگر ان دونوں کے سقوط کی تصریح کی ہو تو دونوں ساقط ہو جائیں گے، مگر چونکہ عدت اسی مکان میں گزارنا واجب ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اس لئے اگر بوقت طلاق زوج کے مکان میں سکونت تھی تو عدت گزرنے تک وہاں سے نکلنا جائز نہیں، بلکہ سقوط سکنی کی وجہ سے زوجہ مکان کا کرایہ ادا کرے، قال فی شرح التنویر الا نفقة العدة وسكناها فلا يسقطان الا اذا نص عليها فتسقط النفقة لا السكنى لانها حق الشرع الا اذا ابرأته عن مؤنة السكن فيصح فتح، وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله لانها حق الشرع) لان سكناها في غير بيت الطلاق معصية بحر عن الفتح (قوله الا اذا ابرأته عن مؤنة السكنى) بان كانت ساكنة في بيت نفسها او تعطي الاجرة من مالها فيصح التزامها ذلك فتح لكن مقتضى هذا انه لا بد من التصريح بمؤنة السكنى مع انه ذكر في الفتح وغيره في فصل الاحداد لو اختلعت على ان لا سكنى لها فان مؤنة السكنى تسقط عن الزوج ويلزمها ان تكتري بيت الزوج ولا يحل لها ان تخرج منه اھ تأمل (رد المحتار ص ۷۶۱ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۰ محرم ۸۴ھ

حکم بدلِ خلع :

سوال : زید نے ہندہ کے ساتھ شادی کی تھی، تقریباً نو ماہ گذر گئے اس دوران میں ہندہ بڑی خوشی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی، اب اتفاقاً والدین کے ساتھ ان کے گھر ملنے کی غرض سے گئی تو دوبارہ زید کے پاس آنے سے انکار کر دیا، انکار کا سبب یہ بتاتی ہے کہ زید نامرد ہے، زید کا دعویٰ ہے کہ اس کے اندر مردانگی کا حصہ موجود ہے، زید نے پوری کوشش کی کہ ہندہ دوبارہ چلی جائے لیکن ہندہ کسی طرح آنے کو تیار نہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا زید کو یہ حق ہے کہ اس نے زیورات کی شکل میں جو مہر دیا تھا اس کے عوض میں خلع کرے، اس کے بغیر طلاق نہ دے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر کا قصور ہو تو طلاق کے عوض بیوی سے کچھ لینا حرام ہے، اور بیوی کا قصور ہو یا میاں بیوی دونوں قصوروار ہوں تو لینا جائز ہے، مگر شوہر نے جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ لینا خلاف اولیٰ ہے، قال فی شرح التنویر وکرہ تحریما اخذ شیء ویلحق به الابراء عما لہا علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز ایضا ولو باکثر مما اعطاہا علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراھة الزیادة وتعبیر الملتقی لا باس به یفید انہا تنزیھیة وبه یحصل التوفیق، وفی الشامیة ای بین مارجحه فی الفتح من نفی کراھة اخذ الاکثر وھو روایة الجامع الصغیر وبین مارجحه الشمنی من اثباتہا وھو روایة الاصل فیحمل الاول علی نفی التحریمیة والثانی علی اثبات التنزیھیة وھذا التوفیق مصرح به فی الفتح فانه ذکر ان المسألة مختلفة بین الصحابة وذکر النصوص من الجانبین ثم حقق ثم قال وعلی ھذا یظھر کون روایة الجامع اوجه نعم یکون اخذ الزیادة خلاف الاولیٰ والمنع محمول علی الاولیٰ اھ ومشی علیه فی البحر ایضا (رد المحتار ص ۷۷۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ

خلع کے بعد دوبارہ نکاح جائز ہے :

سوال : میری بیوی نے کورٹ کی معرفت خلع کرالیا تھا، اب ہم دوبارہ میاں بیوی بننا چاہتے ہیں، کیا حلالہ کے سوا کوئی صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اس لئے اگر تین طلاقیں نہیں دیں تو دوبارہ نکاح

کیونکہ یہ بائن ہے، قال فی التنویر الواقع بہ (ای بالخلع) وبالطلاق علی مال طلاق بائن،
(رد المحتار ص ۶۰۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ربیع الآخر ۹۶ھ

لفظ خلع طلاق صریح بائن ہے:

سوال: شوہر اپنی بیوی کو خلع کا لفظ کہلواتا ہے، ایک بار پھر دو بار پھر سہ بار، تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کونسی طلاق واقع ہوئی؟ اور شوہر کیلئے رجوع کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ خلع عرفاً صرف طلاق کے لئے مستعمل ہے، اس لئے اس سے بلا نیت بھی طلاق صریح بائن واقع ہو جاتی ہے، اور صریح بائن کے بعد دوسری صریح بائن واقع ہو سکتی ہے، اس لئے سوال میں تین بار لفظ خلع کہلانے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اب رجوع کی کوئی صورت نہیں، تجدید نکاح کی بھی گنجائش نہیں، خلع سے بسبب نکاح واجب ہونے والے حقوق مالیہ جانبین سے ساقط ہو جاتے ہیں، اس لئے بیوی نے مہر لیا ہو تو شوہر واپس نہیں لے سکتا اور اگر بیوی نے تا حال مہر نہیں لیا تو ساقط ہو گیا، شوہر سے مطالبہ نہیں کر سکتی، البتہ ایام عدت کا نفقہ و سکنیٰ شوہر کے ذمہ ہے، اس لئے کہ یہ بوقت خلع واجب نہ تھا، بعد میں واجب ہوا ہے، اور خلع سے صرف حقوق مالیہ معاف ہوتے ہیں، قال فی شرح التنویر (وھو من الکنایات فیعتبر فیہ ما یعتبر فیھا) وفی الشرح فیہ اشارۃ الی اشتراط النیۃ وھو ظاھر الروایۃ الا ان المشایخ قالوا لا تشترط النیۃ ھنا لانہ بحکم غلبۃ الاستعمال صار کالصریح کما فی القہستانی عن متفرقات طلاق المحیط، وفی الشامیۃ (قولہ ھنا) ای فی لفظ الخلع (الی قولہ) وفیہ اشارۃ الی ان المبارأۃ لم یغلب استعمالھا فی الطلاق عرفاً بخلاف الخلع فانہ مشتہر بین الخاص والعام فافھم (رد المحتار [illegible])

شامیہ میں جامع الفصولین وخانیہ سے نقل ہے کہ اس صورت میں طلاق بلا بدل واقع ہوگی، ونصھا: واما ان یقول اخلعی ولم یزد علیہ فخلعت فعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لم یکن خلعاً وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تطلق بلا بدل وبہ اخذ کثیر من المشایخ (رد المحتار [illegible])

مگر اب لفظ خلع عرف عام میں بمعنی خلع شرعی ہی مستعمل ہے جو مسقط مہر ہے، اس لئے صورت سوال میں مہر ساقط ہو جائے گا، کما قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعنوان (تنبیہ) فی التاتارخانیۃ وغیرھا مطلق لفظ الخلع محمول علی الطلاق بعوض حتی لو قال لغیرہ اخلع

اى أى فخلع بلا عوض لا يصح (رد المحتار ص ۴۰۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ رجمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۲ھ

خلع کے بعد تین طلاقیں:

سوال: مدعیہ نے خلع کا دعوی عدالت میں دائر کیا، جج نے عورت کے حق میں فیصلہ کیا اور جج کے سامنے ہی مرد نے تین طلاقیں دیدیں، کیا رجوع کی کوئی صورت عدت کے اندر یا عدت کے بعد شرعاً ممکن ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع جانبین کی رضامندی سے ہوتا ہے، اگر عدالت نے شوہر کی رضا کے بغیر فیصلہ کر دیا تو خلع نہیں ہوا، البتہ شوہر نے اسی مجلس میں خلع قبول کر لیا تو یہ خلع صحیح ہو گیا، دونوں صورتوں میں بعد میں تین طلاقیں دینے سے حرمت مغلظہ ہو گئی، لہٰذا شوہر رجوع نہیں کر سکتا اور اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی بھی گنجائش نہیں، قال فی التنویر الواقع به وبالطلاق علی مال طلاق بائن (رد المحتار ص ۴۰۰ ج ۲) وفی العلائیة الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدة، وفی الشامیة کما لو قال لها انت بائن او خلعها علی مال ثم قال انت طالق او هذه طالق بحر عن البزازیة (رد المحتار ص ۵۰۹ ج ۲) ثم قال بعد ورقتین تحت (قوله ویستثنی الخ) قال فی النهر وفی المحیط عن المنتقی المختلعة یلحقها صریح الطلاق اذا کانت فی العدة اھ (رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۲ھ

خلع بلا ذکر مال:

سوال: میں مسمی محمد شریف ولد محمد یوسف صاحب بہوش وحواس اپنی بیوی ساجدہ خاتون بنت صابر علی خان صاحب کو جو مجھ سے کورٹ کے ذریعہ خلع مانگ رہی ہے، خلع بخوشی دے رہا ہوں، اس طرح یہ مقدمہ ختم ہو جائے گا، ساجدہ خاتون نے بھی خلع قبول کر لیا ہے اور مجھے لکھ کر دیدیا ہے کہ خلع کے بعد وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گی، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع کی وجہ سے ایک طلاق صریح بائن ہو گئی، قال فی العلائیة ان المشایخ قالوا لا تشترط النیة هنا لانه بحکم غلبة الاستعمال صار کالصریح کما فی الفتح

عن متفرقات المحیط (رد المحتار ص ۵۸۸ ج ۲) مہر دیا جا چکا ہے تو شوہر واپس نہیں لے سکتا اور اگر ابھی تک ادا نہیں کیا تو بیوی کو مطالبہ کا حق نہیں۔

یہاں عقد خلع میں اگرچہ مہر وغیرہ بدل خلع کا کوئی ذکر نہیں مگر آجکل عرف عام میں لفظ خلع صرف اسقاط مہر ہی کے معنی میں مستعمل ہے، اس لئے خلع بلا ذکر عوض بھی مسقط مہر ہے، قال فی الشامیة (تنبیه) فی التاترخانیة وغیرها مطلق لفظ الخلع محمول علی الطلاق بعوض حتی لو قال لغیره اخلع امرأتی فخلع بلا عوض لا یصح (رد المحتار ص ۵۶۶ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال ۹۶ھ

نابالغ کا خلع صحیح نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بالغ لڑکی کا نکاح نابالغ لڑکے سے کر دیا، کچھ مدت کے بعد لڑکی نے عدالت میں خلع کا دعویٰ کر دیا، عدالت نے لڑکی کے حق میں فیصلہ دیدیا، جبکہ لڑکا ابھی راضی نہیں، اس بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے:

① نابالغ کی طلاق تو غیر معتبر ہے، نابالغ کے خلع کا کیا حکم ہے؟ چونکہ خلع میں نابالغ کو عوض مل رہا ہے اس لئے بیع صغیر پر قیاس کر کے اس کا جواز نکل سکتا ہے؟

② لڑکے کی رضا کے بغیر عدالت کے فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

① نابالغ کی طلاق کی طرح اس کا خلع بھی صحیح نہیں، قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ وشرطه کالطلاق، وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ (قوله وشرطه کالطلاق) وهو اهلیة الزوج وکون المرأة محلا للطلاق منجزا او معلقا علی الملك (رد المحتار ص ۵۵۵ ج ۲) وفی طلاق العلائیة واهله زوج عاقل بالغ مستیقظ، وفی الشامیة احترز بالزوج عن سید العبد ووالد الصغیر (الی قوله) وبالبالغ عن الصبی ولو مراهقا (رد المحتار ص ۴۵۲ ج ۲)

② عدالت کا فیصلہ غلط ہے، عدالت بالغ شوہر کو بھی خلع پر مجبور کرنے کی مجاز نہیں، حالانکہ وہ خلع وطلاق کا اہل ہے، نابالغ میں تو خلع وطلاق کی اہلیت ہی نہیں، وہ اپنی رضا سے بھی خلع نہیں کر سکتا، اس کے خلاف خلع کا فیصلہ سراسر ظلم اور شریعت مقدسہ کی مخالفت ہے، دلائل کی تفصیل میرے رسالہ "جبری خلع" میں ہے۔ فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۱۴۰۰ھ

جبری خلع
خلع میں رضائے زوجین شرط ہے،
کلام اللہ تعالیٰ،
حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ،
خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلے،
اجماع اُمت،
مذاہب اربعہ،
حکم حکمین میں جبراً تفریق جائز نہیں،
کلام اللہ تعالیٰ،
ائمہ تفسیر و فقہ کی تصریحات،
تفسیر مذہب مالکیہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جبری خُلع

خلع میں رضائے زوجین شرط ہے:

سوال: ہفتہ بیداری نسواں کے اختتام پر خواتین نے مطالبات پیش کئے ہیں، ان میں ایک مطالبہ خلع کا بھی ہے، جس کا حق حکومت اس معنی میں خواتین کو دینا چاہتی ہے کہ جو خاتون چاہے ہر وقت خلع کا حق رکھتی ہے، اور قاضی یا مجسٹریٹ کو بہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ آیا اس خاتون کا مطالبہ حقائق پر مبنی ہے یا نہیں؟ بس یہ کافی ہے کہ خاتون خلع لینا چاہتی ہے، لہٰذا اسے ملنا چاہئے، اس کو اسلام کے مطابق اور حق بجانب ثابت کرنے کے لئے مضامین لکھے جا رہے ہیں، اس مسئلہ پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ یہ قانون کے طور پر اسمبلی میں پاس ہونے کے لئے پیش ہونے والا ہے، اس بارے میں آپ سے مفصل فیصلہ درکار ہے کہ آیا ان حالات میں خلع جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس نوعیت کے جو سوالات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں خلع اور فسخ نکاح کو ایسا خلط کر دیا جاتا ہے کہ گویا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خلع اور فسخ نکاح دونوں، کلیۃً الگ ہیں۔ خلع ایک عقد ہے جو دوسرے عقود بیع، اجارہ اور نکاح وغیرہ کی طرح جانبین کی کامل رضامندی پر موقوف ہے، خلع کے لئے عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ زوجین اپنے طور پر اپنی صوابدید کے مطابق عوض خلع متعین کر کے معاملہ کر سکتے ہیں، یہ الگ بحث ہے کہ شوہر کے لئے کن صورتوں میں عوض لینا جائز ہے، اور عوض کی کتنی مقدار کا جواز ہے، اس تفصیل سے قطع نظر جس صورت میں بھی اور جتنی رقم پر بھی جانبین نے معاملہ طے کر لیا وہ نافذ ہو جائے گا، عدت گزر لینے کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

فسخ نکاح میں عوض نہیں ہوتا، اور اس کا اختیار صرف حکومت کو ہے، جو مندرجہ ذیل صورتوں میں منحصر ہے:

① عنین: جبکہ شوہر نکاح سے پہلے ہی مکمل نامرد ہو جاتا ہو یا ایک بار بھی قدرت نہ ہوئی ہو۔

اور بیوی کو بوقت نکاح اس کا علم نہ ہو، اور علم ہونے کے بعد اس کے ساتھ رہنے پر رضا کا کبھی اظہار نہ کیا ہو،

(۲) متعنت: یعنی وہ شخص جو بیوی کو نہ نفقہ دیتا ہو اور نہ ہی طلاق پر راضی ہو، حاکم کے کہنے پر بھی ان دونوں صورتوں میں سے کوئی قبول نہ کرے،

(۳) غائب: یعنی وہ شخص جو نہ نفقہ دیتا ہو نہ طلاق، اور نہ ہی عدالت میں جواب دہی کے لئے حاضر ہو،

(۴) معسر: جو تنگدستی کی وجہ سے نفقہ پر قادر نہ ہو اور طلاق بھی نہ دے،

(۵) مفقود: ایسا لاپتہ کہ انتہائی تلاش اور تمام تر ذرائع جستجو استعمال کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہ لگ سکا ہو،

(۶) مجنون: جبکہ وہ نفقہ پر قادر نہ ہو یا اس سے قتل کا خوف ہو یا اس کے ساتھ رہنا ناقابل برداشت ہو،

ان صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں حکومت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، ان صورتوں میں بھی صحت فسخ چند شرائط کے ساتھ مقید ہے، بعض شرائط صحت دعوی کی ہیں، بدون ان کے عورت کا دعوی ناقابل سماعت قرار دے کر خارج کر دیا جائے گا، اور بعض صحت قضاء کی شرائط ہیں، ان دونوں قسم کی شرائط میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو حکومت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، اگر بدون رعایت شرائط حاکم نے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو وہ شرعاً غیر معتبر ہوگا، اس صورت میں عورت بدستور اسی شوہر کے نکاح میں رہے گی، اور اس کے لئے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا حرام اور بحکم زنا ہوگا، ان شرائط کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، (احسن الفتاوی کی اسی جلد میں باب خیار الفسخ میں ملاحظہ ہو، مرتب)

اس پر امت مسلمہ کے تمام مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ خلع زوجین کی باہمی رضا پر موقوف ہے، حاکم خلع پر مجبور نہیں کر سکتا، اس پر مذاہب اربعہ کے علاوہ اہل ظاہر کا بھی اتفاق ہے، ان مذاہب کی تصریحات ملاحظہ ہوں:-

مذہب حنفی:

(۱) قال شمس الائمة السرخسی رحمه الله تعالى فيحتمل الفسخ بالتراضي ايضا وذلك بالخلع واعتبر هذه المعارضة المحتملة للفسخ بالبيع والشراء في جواز فسخها بالتراضي

(مبسوط ص ۱۷۱ ج ۶)

(۲) وقال ايضا والخلع جائز عند السلطان وغيره لانه عقد يعتمد التراضي كسائر

العقود (مجموعہ) ص ۴۳ ج ۱)

③ قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ واما رکنہ فهو الایجاب والقبول لانہ عقد علی الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔

(بدائع الصنائع ص ۱۴۵ ج ۳)

④ قال الامام الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ ثم لا یملک احدهما الزام صاحبه بدون رضاه (تبیین الحقائق ص ۲۷۱ ج ۲)

⑤ نقل العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ایضا عبارة الزیلعی المتقدمة تحت قول الشارح لانہ تعویض (رد المحتار ص ۱۶ ج ۲)

⑥ قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ولو کان الخلع الی السلطان شاء الزوجان او ابیا اذا علم انهما لا یقیمان حدود اللہ لم یسألهما النبی صلی اللہ علیه وسلم عن ذلک ولا خاطب الزوج بقوله اخلعها بل کان یخلعها منه ویرد علیه حدیقته وان ابیا او واحد منهما کما لما کانت فرقة المتلاعنین الی الحاکم لم یقل للملاعن خل سبیلها بل فرق بینهما (احکام القرآن ص ۳۹۰ ج ۱)

مذہب مالکی:

① قال العلامة ابو الولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرحه لموطا الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وتجبر علی الرجوع الیه ان لم یرد فراقها بخلع او غیره (المنتقی ص ۶۲ ج ۴)

② قال العلامة ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ واما ما یرجع الی الحال التی یجوز فیها الخلع من التی لا یجوز فان الجمهور علی ان الخلع جائز مع التراضی اذا لم یکن سبب رضاها بما تعطیه اضرارٌ بها (بدایة المجتهد ص ۶۸ ج ۲)

علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت کے چند سطر بعد فرماتے ہیں: والفقه ان الفداء انما جعل للمرأة فی مقابلة ما بید الرجل من الطلاق فانه لما جعل الطلاق بید الرجل اذا فرک المرأة جعل الخلع بید المرأة اذا فرکت۔

اس عبارت کے مفہوم کی تعیین کے لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسلوب بیان سمجھنا ضروری ہے، فقہاء کا دستور یہ ہے کہ وہ احکام اور ان کی علل بیان فرماتے ہیں، احکام کی حکمتیں و مصلحتیں نہیں بتاتے مگر کبھی شاذ و نادر لفظ "الفقه فیه" یا "السر فیه" کے تحت حکمت بھی بیان

فرما دیتے ہیں، حکمت مدارِ حکم نہیں ہوتی، علت مدارِ حکم ہوتی ہے، حکمت کہیں کامل پائی جاتی ہے کہیں ناقص، اور کہیں بالکل معدوم ہوتی ہے، اس عبارت میں حکمِ خلع کی علت کا بیان نہیں بلکہ حکمت ناقصہ کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی حد تک بیوی کے لئے بھی اختیارِ تفریق کی صورت موجود ہے، وہ یہ کہ وہ شوہر کو مال کی ترغیب دے کر خلع پر راضی کر سکتی ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بیوی خیارِ تفریق میں شوہر کے برابر ہے جس طرح شوہر بیوی کی رضا کے بغیر طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی شوہر کی رضا کے بغیر خلع کر سکتی ہے، یہ مطلب بوجوہ ذیل باطل ہے:

① یہ مطلب خود علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تصریح کے خلاف ہے جو اس عبارت سے چند سطور پہلے تحریر ہے۔

② اس مطلب کی بناء پر بیوی کو بلا عوض بھی طلاق واقع کرنے کا حق ہونا چاہئے، اس لئے کہ شوہر کے ساتھ برابری تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جیسے شوہر بلا عوض طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی بھی بلا عوض طلاق دے سکے اور اس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں۔

③ جیسے شوہر ایقاعِ طلاق میں عدالت کی طرف رجوع کا محتاج نہیں از خود طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی بذریعہ عدالت خلع حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ دورِ حاضر کے فتنہ میں مبتلا لوگ بدون عدالت بیوی کو یہ حق نہیں دے رہے۔

مذہبِ شافعی:

① قال الامام الشافعی رحمه الله تعالیٰ وان قال لا آویها ولا اعدل لها اجبر على القسم لها ولا يجبر على فراقها (كتاب الأم ص ١٩٠ ج ٥)

② وقال ايضا وليس له (للحاكم) ان يأمرهما (الحكمين) يفرقان ان رأيا الا بأمر الزوج ولا يعطيا من مال المرأة الا باذنها (كتاب الأم ص ١٩٤ ج ٥)

③ وقال ايضا وانما جعلناها تطليقة لان الله تعالى يقول الطلاق مرتان فعقلنا عن الله تعالى ان ذلك انما يقع بايقاع الزوج وعلمنا ان الخلع لم يقع الا بايقاع الزوج (كتاب الأم ص ١٩٩ ج ٥)

④ وقال ايضا وكذلك ليس للسيد ان يخالع عن عبده بغير اذنه لان الخلع طلاق فلا يكون لاحد ان يطلق عن احد اب ولا سيد ولا ولي ولا سلطان انما يطلق المرء عن نفسه او يطلق عليه السلطان بما لزمه من نفسه اذا امتنع هو ان يطلق وكان

من له طلاق وليس الخلع من هذا المعنى بسبيل (كتاب الأم ص ۲۰۰ ج ۵)

⑤ وقال العلامة ابو اسحق الشيرازي رحمه الله تعالى لأنه رفع عقد بالتراضي جعل لدفع الضرر فجاز من غير حضور الحاكم كالإقالة في البيع (المهذب ص ۷۱ ج ۲)

مذہب حنبلی:

① قال العلامة موفق الدين ابن قدامة رحمه الله تعالى ولأنه معاوضة فلم يفتقر إلى السلطان كالبيع والنكاح ولأنه قطع عقد بالتراضي أشبه الإقالة (المغني ص ۳۲۳ ج ۷)

② وقال الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالى وفي تسميته صلى الله عليه وسلم الخلع فدية دليل على أن فيه معنى المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين (زاد المعاد ص ۲۳۸ ج ۴)

مذہب ظاہری:

① قال العلامة ابن حزم رحمه الله تعالى ليس في الآية ولا في شيء من السنن ان للحكمين ان يفرقا ولا ان ذلك للحاكم (المحلى ص ۸۸ ج ۱۰)

② وقال ايضا: الخلع وهو الافتداء اذا كرهت المرأة زوجها فخافت ان لا توفيه حقه أو خافت ان يبغضها فلا يوفيها حقها فلها ان تفتدي منه ويطلقها ان رضي هو والا لم يجبر هو ولا أجبرت هي انما يجوز بتراضيهما ولا يحل الافتداء الا بأحد الوجهين المذكورين او باجتماعهما فان وقع بغيرهما فهو باطل ويرد عليها ما اخذ منها وهي امرأته كما كانت ويبطل طلاقه ويمنع من ظلمها فقط (المحلى ص ۲۳۵ ج ۱۰)

جواز خلع قرآن کریم کے ارشادات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں پر مبنی ہے جو درج ذیل ہیں:-

① قال الله تعالى: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

اس آیت میں تین دلائل ہیں:

(۱) إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جبکہ میاں بیوی دونوں کو حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کا خطرہ ہو، اس لئے وہ دونوں خلع کرنا چاہتے ہوں،

(۲) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا بھی زوجین کی تراضی کو ثابت کر رہا ہے، اس کا مطلب واضح ہے

ہو زوجین خلع پر راضی ہیں، مگر ان کو مال کے لینے دینے کے جواز میں شبہ ہے، اس لئے ارشاد
ہوا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کوئی ادنیٰ فہم رکھنے والا بھی اس جملہ سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ شوہر
خلع پر راضی نہ ہو تو حاکم اس کو خلع پر مجبور کر سکتا ہے۔

(۳) فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ، میں بدل خلع کو "فدیہ" قرار دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ خلع عقد
معاوضہ ہے، اس لئے اس میں زوجین کی رضامندی شرط ہے، اور "مذہب حنبلی" کے تحت
حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مضمون نقل کیا جا چکا ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ میں خطاب کس کو ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ایک
یہ کہ حکام مخاطب ہیں، دوسرا یہ کہ زوجین، اگر خطاب حکام کا قول لے لیا جائے تو بھی اس سے یہ ہرگز
ثابت نہیں ہوتا کہ حاکم شوہر کو خلع پر مجبور کر سکتا ہے، یہ جملہ ایسے تینوں جملوں کے درمیان میں واقع
ہوا ہے جن میں سے ہر ایک میں تراضی زوجین پر واضح دلیل موجود ہے، علاوہ ازیں فَإِنْ خِفْتُمْ
پچھلے جملہ إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ پر تفریع ہے، اور یہ پہلا جملہ تراضی زوجین کی صورت
میں ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بنا بریں اس پر متفرع ہونے والا جملہ فَإِنْ خِفْتُمْ الخ بھی اسی صورت
تراضی سے متعلق ہوگا، اوپر بلاعنوان "مذہب مالکیہ" کے تحت بھی اس کی کچھ وضاحت گزر چکی ہے۔

اگر اس جملہ سے اس پر استدلال صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ حاکم جبراً بذریعہ خلع نکاح فسخ کر سکتا ہے
تو حاکم کے لئے یہ اختیار میاں بیوی دونوں یا صرف بیوی کی رضا کے بغیر بھی ثابت ہوگا، حالانکہ نظریہ حاضرہ
کے علمبرداران دونوں صورتوں میں حاکم کو اختیار نہیں دیتے، صرف شوہر پر جبر کے قائل ہیں، بیوی پر نہیں،
پس اس جملہ سے جس طرح پہلی دو صورتوں یعنی میاں بیوی دونوں یا صرف بیوی پر جبر کیلئے استدلال صحیح
نہیں ٹھیک اسی طرح شوہر پر جبر کے لئے بھی استدلال صحیح نہیں۔

(۴) یہ سوال کہ اگر حاکم کو جبر کا اختیار نہیں تو عدالت میں جانے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب
یہ ہے کہ منظر شرعی میں حاکم کا کام صرف جبراً حکم مسلط کرنا ہی نہیں بلکہ وہ جانبین کا خیر خواہ و مشیر صلاح و
خیر بھی ہے، بسا اوقات ایسی شخصیت کی طرف رجوع سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جانبین میں موافقت کی
کوئی صورت پیدا ہو جائے، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس شخص کے ذہن میں بعض
مرتبہ تراضی طرفین کی کوئی ایسی صورت آجاتی ہے جو فریقین کے ذہن میں نہیں تھی، دوسری وجہ یہ کہ
اس کی محبت وعقیدت یا اس کی وجاہت کے تحت جانبین اس کا مشورہ قبول کر لیتے ہیں، دنیا میں
ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ فریقین اپنے طور پر مصالحت میں ناکام رہے مگر کسی مشفق و مہربان کے

پاس جانے سے مسئلہ حل ہو گیا یا تو اس نے کوئی ایسی صورت بتادی جو جانبین کے لئے قابل قبول ہو یا اس کے ساتھ محبت و عقیدت کی وجہ سے جانبین نے اس کا مشورہ بطیب خاطر قبول کر لیا یا اس کی دعا کی بناء پر بادل نخواستہ راضی ہو گئے۔

④ وقال تعالی: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس آیت میں اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ سے مراد شوہر ہے، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولی عقدۃ النکاح الزوج رواہ الدارقطنی (تفسیر القرطبی ص ۲۰۱ ج ۳) اس حدیث کی سند درجۂ حسن سے کم نہیں، اسی مضمون کی دوسری مرفوع حدیث بسند حسن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے (روح المعانی ص ۳۳ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ عقد نکاح کے بعد اس کا کلی اختیار صرف شوہر ہی کے قبضہ میں ہے اس کی رضا کے بغیر اس کو کسی طرح بھی فسخ نہیں کیا جا سکتا۔

بعض مفسرین نے الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے عورت کا ولی مراد لیا ہے جو بوجوہ ذیل باطل ہے،

(۱) یہ خیال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ تفسیر کے خلاف ہے۔

(۲) حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت مفصل و مدلل بحث کے بعد اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (تفسیر ابن جریر ص ۱۸۰ ج ۲)

(۳) قال القاضی ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ ان الاول انسب لقولہ تعالیٰ وان تعفوا اقرب للتقوی فان اسقاط حق الصغیرۃ لیس فی شیٔ من التقوی (تفسیر ارشاد العقل السلیم ص ۱۸۴) یعنی الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے عورت کا ولی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عورت کی اجازت کے بغیر ولی مہر معاف کر سکتا ہے، اور یہ اسی آیت کے اگلے جملہ وان تعفوا اقرب للتقوی کے خلاف ہے، کیونکہ ولی کا مہر معاف کر دینا کسی حیثیت سے تقوی نہیں ہو سکتا، اس لئے یہاں شوہر ہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایثار کر کے پورا مہر دیدے تو یہ تقوی کے قریب تر ہے۔

جبری خلع:- ـــــ ـــ ـــ ۔

④ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ان امرأۃ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ؟ قالت نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقہا تطلیقۃ (صحیح بخاری ص ۷۹۴ ج ۲) وفی روایۃ النسائی فارسل الی ثابت فقال لہ خذ الذی لہا علیک وخل سبیلہا قال نعم (سنن نسائی ص ۹۳ ج ۲ عدۃ المختلعۃ) وفی روایۃ ابی داؤد فقال (ثابت بن قیس) ویصلح ذلک یا رسول اللہ قال نعم (ابو داؤد ص ۳۱ ج ۲) وفی روایۃ الدارقطنی والبیہقی ومصنف عبد الرزاق فاخذ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مالہ وخلی سبیلہا فلما بلغ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ قال قبلت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دارقطنی ص ۲۵۵ ج ۲، بیہقی ص ۳۱۴ ج ۷، مصنف عبد الرزاق ص ۵۰۲ ج ۶) قال الدارقطنی اسنادہ صحیح (زاد المعاد ص ۳۴ ج ۴)

اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ حاکم کو بغیر خلع کا اختیار نہیں، اگر حاکم کو اختیار ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیوی سے اتردین علیہ حدیقتہ؟ سے استفہام اور شوہر کو طلقہا یا خل سبیلہا نہ فرماتے بلکہ خود نکاح فسخ فرما دیتے، اس استدلال کی تقریر اوپر مذہب حنفی کے تحت امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالی سے نقل کی جا چکی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ قاضی کی طرف سے تھا، خلع پر جبر نہ تھا، روایات مذکورہ کے مختلف جملے اس پر شاہد ہیں جیسا کہ بیوی سے استفہام اتردین علیہ حدیقتہ؟ پھر بیوی کا قول "نعم" اور روایت نسائی میں شوہر کا قول "نعم" اور روایت ابو داؤد میں ویصلح ذلک یا رسول اللہ اور روایت دارقطنی میں قبلت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہے یہ ما قبل کی عدم موجودگی میں قضاء مستقل ریا ہے کہ یہ جبری قضاء نہ تھی، لعدم جب ان انقضاء وعلی المائشہ اس لئے یہ قضاء رضا نے طرفین کے تحقق پر مبنی تھی، روایت مصنف عبد الرزاق کے الفاظ مذکورہ سب روایات سے زیادہ واضح ہیں، فقالت انا اردہ الیہ حدیقتہ، قال اوتفعلین؟ قالت نعم، فذکر ذلک لہ فقال اتہا ترد علیک حدیقتک، فقال او ذلک لی؟ قال نعم، قال قد قبلت یا رسول اللہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذہبا فہو واحدۃ ثم رکعت بعد ہو خابۃ

⑨ جبری خلع ــــــــــ

الا ابنی نعلی بها فجاءت عثمان فقالت ان زوجی ابی الا صداقه فدعا عثمان فقص الحدیث (مصنف عبد الرزاق ص ۳۰۲ ج ۶) اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هو امر ارشاد واصلاح لا ایجاب (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۹)

④ قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه اذا ارادت النساء الخلع فلا تکفروهن (السنن الکبری للبیهقی ص ۳۱۵ ج ۷) اس سے ثابت ہوا کہ خلع طرفین کی رضا پر موقوف ہے، حاکم کو جبر کا اختیار نہیں، اگر حاکم کو یہ اختیار ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں کو یہ ارشاد نہ فرماتے بلکہ خود ہی جبراً بذریعہ خلع نکاح فسخ کردیا کرتے، آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ بیوی خلع چاہے تو اس کا اتمام شوہر کے قبول پر موقوف ہے، اسی لئے آپ نے مردوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ قبول کرلیا کریں۔

حکم حکمین:

زوجین میں مصالحت سے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا، اس سے متعلق ائمہ تفسیر وفقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تشریحات درج ذیل ہیں:

قال الامام ابوبکر الجصاص رحمه الله تعالیٰ وفی الآیة قوله فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها دلالة علی ان الذی من اهله وکیل له والذی من اهلها وکیل لها کانه قال فابعثوا رجلا من قبله ورجلا من قبلها فهذا یدل علی بطلان قول من یقول ان للحکمین ان یجمعا ان شاءا وان شاءا فرقا بغیر امرهما وبعد فمعلوم ان الحکمین ینبغی ان یکونا وکیلین احدهما وکیل المرأة والآخر وکیل الزوج وکذا روی عن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه وروی ابن عیینة عن ایوب عن ابن سیرین عن عبیدة قال اتی علیا رجل وامرأته مع کل واحد منهما فئام من الناس فقال علی ما شأن هذین قالوا بینهما شقاق قال فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما فقال علی تدریان ما علیکما ان رأیتما ان تجمعا وان رأیتما ان تفرقا فقالت المرأة رضیت بکتاب الله فقال الرجل اما الفرقة فلا فقال علی کذبت والله لا تنفلت منی حتی تقر کما اقرت فاخبر علی ان قول الحکمین انما یکون برضا الزوجین فقال اصحابنا لیس للحکمین ان یفرقا الا ان یرضی الزوج وذلک لانه لا خلاف ان الزوج لو اقر بالاساءة الیها لم یفرق بینهما ولم یجبره الحاکم علی طلاقها

قبل تحكيم الحكمين وكذلك لو اقرت المرأة بالنشوز لم يجبرها الحاكم على خلع ولا على
رد مهرها فاذا كان كذلك حكمهما قبل بعث الحكمين فكذلك بعد بعثهما لا يجوز
ايقاع الطلاق من جهتهما من غير رضا الزوج وتوكيله ولا اخراج المهر عن ملكها
من غير رضاها فلذلك قال اصحابنا انه لا يجوز خلعهما الا برضى الزوجين فقال
اصحابنا ليس للحكمين ان يفرقا الا برضى الزوجين لان الحاكم لا يملك ذلك
فكيف يملكه الحكمان وانما الحكمان وكيلان لهما احدهما وكيل المرأة والآخر
وكيل الزوج في الخلع او في التفريق بغير جعل ان كان الزوج قد جعل اليه ذلك (احكام
القرآن ص ۱۹۱ ج ۲) وقال ايضا فكيف يجوز للحكمين ان يوقعا خلعا او طلاقا من غير
رضاهما وقد نص الله على انه لا يحل له اخذ شيء مما اعطى الا بطيبة من نفسها ولا
ان تفتدي به فالقائل بان للحكمين ان يخلعا بغير توكيل من الزوج مخالف لنص
الكتاب وقال الله تعالى يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان
تكون تجارة عن تراض منكم فمنع كل احد ان ياكل مال غيره الا برضاه وقال الله تعالى
ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها الى الحكام فاخبر تعالى ان الحاكم وغيره
سواء في انه لا يملك اخذ مال احد ودفعه الى غيره وقال النبي صلى الله عليه وسلم
لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيبة من نفسه وقال صلى الله تعالى عليه وسلم فمن
قضيت له من حق اخيه بشيء فانما اقطع له قطعة من النار فثبت بذلك ان الحاكم
لا يملك اخذ مالها ودفعه الى زوجها ولا يملك ايقاع طلاق على الزوج بغير توكيله
ولا رضاه وهذا حكم الكتاب والسنة واجماع الامة في انه لا يجوز للحاكم في غير
ذلك من الحقوق اسقاطه ونقله عنه الى غيره من غير رضا من هو له (احكام القرآن ص ۱۹۲ ج ۲)
وقال ايضا فاذا جعل كل واحد منهما الى الحكم الذي من قبله ماله من التفريق
والخلع كانا مع ما ذكرنا من امرهما وكيلين جائز لهما ان يخلعا ان رأيا وان يجمعا
ان رأيا ذلك صلاحا لهما في حال شاهدان وفي حال مصلحان وفي حال آمران
بمعروف وناهيان عن منكر ووكيلان في حال اذا فوض اليهما الجمع والتفريق واما
قول من قال انهما يفرقان ويخلعان من غير توكيل من الزوجين فهو تعسف خارج
من حكم الكتاب والسنة والله اعلم بالصواب (احكام القرآن ص ۱۹۳ ج ۲)

وقال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه الله تعالیٰ: ولیس للحکمین فی الشقاق ان یفرقا الا ان یجعل ذلک الیهما الزوج (مختصر الطحاوی ص ۱۹۰)

وقال الامام مالک رحمه الله تعالیٰ: وذلک احسن ما سمعت من اهل العلم ان الحکمین یجوز قولهما بین الرجل وامرأته فی الفرقة والاجتماع (موطا امام مالک ص ۵۲۲)

وقال العلامة ابن رشد رحمه الله تعالیٰ: اتفق العلماء علی جواز بعث الحکمین اذا وقع التشاجر بین الزوجین وجهلت احوالهما فی التشاجر اعنی المحق من المبطل لقوله تعالیٰ (وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها) الآیة، واجمعوا علی ان الحکمین لا یکونان الا من اهل الزوجین احدهما من قبل الزوج، والآخر من قبل المرأة الا ان لا یوجد فی اهلهما من یصلح لذلک فیرسل من غیرهما واجمعوا علی ان الحکمین اذا اختلفا لم ینفذ قولهما، واجمعوا علی ان قولهما فی الجمع بینهما نافذ بغیر توکیل من الزوجین واختلفوا فی تفریق الحکمین بینهما اذا اتفقا علی ذلک هل یحتاج الی اذن من الزوج، او لا یحتاج الی ذلک فقال مالک واصحابه رحمهم الله تعالیٰ یجوز قولهما فی الفرقة والاجتماع بغیر توکیل الزوجین ولا اذن منهما فی ذلک، وقال الشافعی وابو حنیفة واصحابهما رحمهم الله تعالیٰ لیس لهما ان یفرقا الا ان یجعل الزوج الیهما التفریق، وحجة مالک رحمه الله تعالیٰ ما رواه من ذلک عن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه انه قال فی الحکمین الیهما التفرقة بین الزوجین والجمع، وحجة الشافعی وابی حنیفة رحمهما الله تعالیٰ ان الاصل ان الطلاق لیس بید احد سوی الزوج او من یوکله الزوج (الی قوله) واختلف اصحاب مالک رحمهم الله تعالیٰ فی الحکمین یطلقان ثلثا، فقال ابن القاسم تکون واحدة، وقال اشهب والمغیرة تکون ثلثا ان طلقاها ثلثا، والاصل ان الطلاق بید الرجل الا ان یقوم دلیل علی غیر ذلک وقد احتج الشافعی وابو حنیفة رحمهما الله تعالیٰ بما روی فی حدیث علی رضی الله تعالیٰ عنه هذا انه قال للحکمین هل تدریان ما علیکما ان رأیتما ان تجمعا جمعتما وان رأیتما ان تفرقا فرقتما، فقالت المرأة رضیت بکتاب الله وبما فیه لی وعلی فقال الرجل اما الفرقة فلا، فقال علی رضی الله تعالیٰ عنه لا والله لا تنقلب حتی تقر بمثل ما اقرت به المرأة، قالوا فاعتبر فی ذلک اذنه. ومالک رحمه الله تعالیٰ یشبه الحکمین

بالسلطان والسلطان يطلق بالضرر عنده وذلك اذ تبين (بداية المجتهد ص ۹۹ ج ۲)

وقال العلامة الأبي رحمه الله تعالى ومن صفة الحكمين التي هي شرط في صحة كونهما حكمين الاسلام والبلوغ والحرية والذكورة فان عدم شيء من ذلك لم يجز تحكيمهما برضا الزوجين ولا ببعثة السلطان قاله مالك رحمه الله تعالى وكذلك العدالة ولهما صفات اخرى من صفة كمالهما ان يكونا من اهلهما وان يكونا فقيهين، نعم قال ابن القاسم ان جعل ذلك الزوجان ووليا اليتيمين الى من لا يجوز ان يكون حكما لم يجز لان ذلك من باب الغرر

ولو جعل الزوجان ذلك الى رجل واحد جاز اذا كان من اهل الحكم قاله ابن القاسم في المدونة قال القاضي ابو الوليد رضي الله تعالى عنه ووجه ذلك عندي ان يكون من جهة الزوجين لان الحق في ذلك لا يخرج عنهما ولا يجوز للسلطان ولا لولي اليتيمين لان ذلك اسقاط لحق الزوجين ولا يجوز ذلك في جزاء الصيد لانه حق الله تعالى ولم يأمر فيه الا بحكمين،

وسبب تحكيم الحكمين ان يشتبه ما بين الزوجين ويظهر الشقاق بينهما قال القاضي ابو محمد ولو ان كان ذلك من احدهما امر بازالته وان جهل ذلك بعث الحاكم حكمين وسواء بنى بها الزوج او لم يبن بها قاله ابن المواز لان التشاجر قد يقع بينهما قبل البناء،

واذا نزع احد الزوجين او نزعا جميعا قبل حكم الحكمين فلا يخلو ان يبعث الحكمين السلطان او غيره فان بعثهما السلطان لم يكن لهما نزوع لان تحكيمهما حكم من السلطان فليس لهما نقضه فان بعثهما غير السلطان جاز لهما النزوع ما لم يستوعب الكشف عن امرهما فلا نزوع لواحد منهما ويلزم حكمهما قاله ابن المواز ووجه ذلك ما احتج به من ان رجلين لو حكما بينهما رجلا فلما ظهر وجه الحق وعلم احدهما انه يحكم عليه واراد النزوع لم يكن له ذلك،

وما يحكم به الحكمان نافذ على وجه الحكم لا على وجه الوكالة والنيابة فينفذ حكمهما وان خالف مذهب الحاكم الذي انفذ سواء جمعا او فرقا وبه قال النخعي والشافعي وغيرهم رحمهم الله تعالى خلافا لابي حنيفة رحمه الله تعالى واحد قولي الشافعي انهما ان جمعا جاز ذلك وان فرقا لم يلزم ذلك الزوج والدليل على ذلك قوله تعالى

فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها فسماهما حكمين والحكم لا يحتاج فيما يوقعه من الطلاق الى اذن الزوج كالوالى)

ومن حكم الحكمين ان يكونا فقيهين ليعلما موقع الحق ليحكما به ويكون احدهما من اهله والثانى من اهلها لان الاهل اعلم بباطن امرهما واعرف بوجوه منافعهما ويكونان عدلين ليؤمن جورهما فان لم يكن من اهلهما من فيه صفته جاز ان يكونا اجنبيين والله اعلم (المنتقى شرح موطا مالك ص ۱۱۳ ج ۴)

وقال العلامة الخرشى رحمه الله تعالى (ص) من اهلهما ان امكن (ش) اى ويشترط وجوبا كون الحكمين من اهل الزوجين مع الامكان ولا يجوز للحاكم ان يبعث اجنبيين مع وجود الاهل ولو واحدا وهل ينقض الحكم اذا بعث القاضى اجنبيين مع وجودهما من اهل ام لا تردد فى ذلك اللخمى قال فى التوضيح ظاهر الآية ان كونهما من الاهلين مع الوجود واجب شرطا فلو امكن اقامة الاهل من احد الزوجين دون الآخر فهل يتعين كونهما اجنبيين او يقام الذى من الاهل واجنبى من الجانب الآخر على الاول ابن الحاجب وعلى الثانى اللخمى وهو موافق لكلام المؤلف لان مفهوم ان امكن عدم الامكان من الجانبين او احدهما. (الخرشى على مختصر خليل ص ۸ ج ۴)

وقال العلامة الدسوقى رحمه الله تعالى (قوله تردد) اى تحير اللخمى والظاهر نقض الحكم لان ظاهر الآية ان كونهما من اهلهما مع الوجود واجب شرط كما فى التوضيح ولا يقال ان ظاهر المصنف عدم البطلان حيث لم يعد ذلك من مبطلات حكمهما الآتية لانا نقول المصنف لم يدع حصر البطلان فى الامور الآتية نحكم بالبطلان بها لا ينافى البطلان بغيرها كما اذا كانا اجنبيين مع وجود الاهل (حاشية الدسوقى على الشرح الكبير ص ۳۴۴ ج ۲)

وقال العلامة الصاوى رحمه الله تعالى (وان لم يكن فاجنبيين) فان بعث اجنبيين مع الامكان ففى نقض حكمهما تردد والظاهر نقضه لان ظاهر الآية ان كونهما من اهلهما واجب شرط كما فى التوضيح (حاشية الصاوى على شرح الدردير ص ۵۱۳ ج ۲)

وقال الامام الشافعی رحمه الله تعالی (ولیس له ان یأمرهما یفرقان ان رأیا الا بامر الزوج ولا یعطیا من مال المرأة الا باذنها) وقال (فان اصطلح الزوجان والا کان علی الحاکم ان یحکم لکل واحد منهما علی صاحبه بما یلزمه من حق فی نفس و مال و ادب) وقال (وذلک ان الله عز وجل انما ذکر انهما "ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما" ولم یذکر تفریقا) وقال (واختار للامام ان یسأل الزوجین ان یتراضیا بالحکمین ویوکلاهما معا فیوکلهما الزوج ان رأیا ان یفرقا بینهما فرقا علی ما رأیا من اخذ شیء او غیر اخذه) (کتاب الام ص ۱۹۴ ج ۵) وقال ایضا (ولا یجبر الزوجان علی توکیلهما ان لم یوکلا) (کتاب الام ص ۱۹۵ ج ۵)

وقال الحافظ ابن کثیر رحمه الله تعالی وقد اجمع العلماء علی ان الحکمین لهما الجمع والتفرقة حتی قال ابراهیم النخعی ان شاء الحکمان ان یفرقا بینهما بطلقة او بطلقتین او ثلاث فعلا وهو روایة عن مالک وقال الحسن البصری الحکمان یحکمان فی الجمع لا فی التفرقة وکذا قال قتادة وزید بن اسلم وبه قال احمد بن حنبل وابو ثور وداود ومأخذهم قوله تعالی (ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما) ولم یذکر التفریق واما اذا کانا وکیلین من جهة الزوجین فانه ینفذ حکمهما فی الجمع والتفرقة بلا خلاف وقد اختلف الائمة فی الحکمین هل هما منصوبان من جهة الحاکم فیحکمان وان لم یرض الزوجان او هما وکیلان من جهة الزوجین علی قولین والجمهور علی الاول لقوله تعالی (فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها) فسماهما حکمین ومن شأن الحکم ان یحکم بغیر رضا المحکوم علیه وهذا ظاهر الآیة والجدید من مذهب الشافعی وهو قول ابی حنیفة واصحابه الثانی منهما لقول علی رضی الله تعالی عنه للزوج حین قال اما الفرقة فلا قال کذبت حتی تقر بما اقرت به قالوا فلو کانا حکمین لما افتقر الی اقرار الزوج والله اعلم (تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۱)

وقال الامام الفخر الرازی رحمه الله تعالی قال الشافعی رحمه الله تعالی المستحب ان یبعث الحاکم عدلین ویجعلهما حکمین والاولی ان یکون واحد من اهله وواحد من اهلها لان اقاربهما اعرف بحالهما من الاجانب واشد طلبا للصلاح فان کانا اجنبیین جاز (تفسیر کبیر ص ۹۲ ج ۱۰)

وقال العلامة ابن قدامة رحمه الله تعالى قال: "والزوجان اذا وقعت بينهما العداوة وخشي عليهما ان يخرجهما ذلك الى العصيان بعث الحاكم حكما من اهله و حكما من اهلها مأمونين برضا الزوجين وتوكيلهما بان يجمعا اذا رأيا او يفرقا فما فعلا من ذلك لزمهما. وجملة ذلك ان الزوجين اذا وقع بينهما شقاق نظر الحاكم فان بان له انه من المرأة فهو نشوز وقد مضى حكمه وان بان انه من الرجل اسكنهما الى جانب ثقة يمنعه من الاضرار بها والتعدي عليها، وكذلك ان بان من كل واحد منهما تعد او ادعى كل واحد منهما ان الآخر ظلمه اسكنهما الى جانب من يشرف عليهما و يلزمهما الانصاف، فان لم يتهيأ ذلك وتمادى الشر بينهما وخيف الشقاق عليهما والعصيان بعث الحاكم حكما من اهله وحكما من اهلها فنظرا بينهما وفعلا ما يريان المصلحة فيه من جمع او تفريق لقول الله تعالى "وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما". واختلفت الرواية عن احمد رحمه الله تعالى في الحكمين ففي احدى الروايتين عنه انهما وكيلان لهما لا يملكان التفريق الا باذنهما، وهذا مذهب عطاء واحد قولي الشافعي، وحكي ذلك عن الحسن وابي حنيفة لان البضع حقه والمال حقها وهما رشيدان فلا يجوز لغيرهما التصرف فيه الا بوكالة منهما او ولاية عليهما، والثانية انهما حاكمان ولهما ان يفعلا ما يريان من جمع وتفريق بعوض وغير عوض ولا يحتاجان الى توكيل الزوجين ولا رضاهما، وروي نحو ذلك عن علي وابن عباس وابي سلمة بن عبد الرحمن والشعبي والنخعي وسعيد بن جبير ومالك والاوزاعي واسحق وابن المنذر لقول الله تعالى "فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها" فسماهما حكمين ولم يعتبر رضا الزوجين ثم قال "ان يريدا اصلاحا" فخاطب الحكمين بذلك. وروى ابو بكر باسناده عن عبيدة السلماني ان رجلا وامرأة اتيا عليا رضي الله تعالى عنه مع كل واحد منهما فئام من الناس فقال علي رضي الله تعالى عنه ابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها، فبعثوا حكمين ثم قال علي رضي الله تعالى عنه للحكمين هل تدريان ما عليكما من الحق عليكما من الحق ان رأيتما ان تجمعا جمعتما وان رأيتما ان تفرقا فرقتما، فقالت المرأة رضيت بكتاب الله علي ولي، فقال الرجل اما الفرقة، فقال علي رضي الله تعالى

منه كن بنت حتى ترضى بما رضيت به وهذا يدل على انه اجبره على ذلك، ويروى ان
عقيلا تزوج فاطمة بنت عتبة فتخاصما فجمعت ثيابها ومضت الى عثمان رضي الله تعالى
عنه فبعث حكما من اهله عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما وحكما من اهلها
معاوية رضي الله تعالى عنه، فقال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما لافرقن بينهما
وقال معاوية رضي الله تعالى عنه ما كنت لافرق بين شيخين من بني عبد مناف
فلما بلغا الباب كانا قد اغلقا الباب واصطلحا، ولا يمتنع ان تثبت الولاية على الرشيد
عند امتناعه من اداء الحق كما يقضي الدين منه من ماله اذا امتنع ويطلق الحاكم
على المولي اذا امتنع (المغنى ص ٣٢٠ ج ٧) وقال ايضا والاولى ان يكونا من اهلهما لامر
الله تعالى بذلك ولانهما اشفق واعلم بالحال فان كانا من غير اهلهما جاز لان القرابة
ليست شرطا في الحكم ولا الوكالة فكان الامر بذلك ارشادا واستحبابا (المغنى ص ٣٢١ ج ٧)

وقال الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالى وقد اختلف السلف والخلف في الحكمين
هل هما حاكمان او وكيلان على قولين احدهما انهما وكيلان وهو قول ابي حنيفة رحمه الله
تعالى والشافعي رحمه الله تعالى في قول واحمد رحمه الله تعالى في رواية والثاني انهما
حاكمان وهذا قول اهل المدينة ومالك رحمه الله تعالى واحمد رحمه الله تعالى
في الرواية الاخرى والشافعي رحمه الله تعالى في القول الآخر (زاد المعاد ص ۳۲ ج ۴)
وقال العلامة ابن حزم رحمه الله تعالى ليس في الآية ولا في شيء من السنن ان للحكمين
ان يفرقا ولا ان ذلك للحاكم (المحلى ص ٨٨ ج ١٠)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور اہل ظاہر رحمہم اللہ تعالیٰ
سب اس پر متفق ہیں کہ زوجین میں تفریق بلاعوض یا خلع کے لئے اُن کو توکیلِ حکمین پر مجبور کرنا
یا حکمین کو اُن پر جبراً مسلط کرنا جائز نہیں، حکمین نے زوجین کی رضا کے بغیر خلع کا فیصلہ کردیا یا
بدون رضائے زوج تفریق بلاعوض کردی تو ان کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا، خلع میں رضائے زوجین
ضروری ہے اور تفریق بلاعوض میں صرف رضائے زوج شرط ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول اول میں حکمین کو تفریق کا اختیار ہے مگر آخری قول یہی ہے
کہ ان کو اختیارِ تفریق نہیں، یہی قول ان کا مختار ہے چنانچہ انھوں نے خود کتاب الأم میں صرف یہی
قول تحریر فرمایا ہے

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے دونوں روایتیں ہیں، المغنی میں علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے اختیارِ فسخ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر متن میں رضائے زوجین کی شرط تحریر ہے، اصولِ ترجیح کے مطابق روایتِ متن راجح ہے،

صرف امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے قائل ہیں کہ حاکم کی طرف سے متعین حکمین کو بدون رضائے زوجین بھی خلع، تفریق بلا عوض کا اختیار ہے، البتہ زوجین نے خود حکمین کو وکیل بنایا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کو جزم واضح و ثابت ہو جانے کے بعد اس کو فسخِ توکیل کا اختیار نہیں، بلکہ حکمین کا فیصلہ واجب القبول ہوگا، البتہ وضوحِ حق سے قبل جانبین کو فسخِ توکیل کا اختیار ہے،

مذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں حکمین کے حکمِ خلع یا تفریق بلا عوض کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

① حکمین میں سے ایک کا اہلِ زوج سے ہونا اور دوسرے کا اہلِ زوجہ سے ہونا، البتہ ان کے اہل میں ایسے افراد نہ ہوں تو اجانب بھی ہو سکتے ہیں،

امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ امر استحبابی ہے، لازم نہیں، مگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں واجب ہے، البتہ اس کی شرطیت میں مالکیہ میں اختلاف ہے، علامہ باجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المنتقیٰ شرح الموطا میں اس کو صفاتِ کمال میں شمار فرمایا ہے، اس سے نفیِ وجوب مراد نہیں بلکہ نفیِ شرطیت مقصود ہے، جیسا کہ پوری عبارت سے واضح ہے، اور آگے فان لم یکن من اھلھما من فیہ صفۃ جاز ان یکونا اجنبیین میں وجوب کی تصریح ہے، غرضیکہ عند المالکیہ وجوب متفق علیہ ہے کما صرح بہ العلامۃ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ، البتہ عند البعض شرط نہیں، اکثر شرطیت کے قائل ہیں وھو الصحیح،

اگر زوجین کسی فردِ واحد کی تحکیم پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے، مگر حاکم کی طرف سے فردِ واحد کی تحکیم جائز نہیں، تعدد شرط ہے،

② فیصلہ پر حکمین دونوں متفق ہوں،

③ ضرورتِ شدیدہ ہو، مثلاً باہمی نزاع و شقاق کا فتنہ بہت خطرناک صورت اختیار کر گیا ہو اور حکمین کی طرف سے ان کو فہمائش اور ذرائعِ حکومت سے دفعِ ظلم کی ہر ممکن کوشش اس مقصد کے لئے ان پر کسی نگران کی تعیین وغیرہ سب تدابیر ناکام ہو گئی ہوں، شوہر کی صورت یا سیرت کی وجہ سے بیوی

کو نفرت یا شوہر کی بد اخلاقی وغیرہ کی بنا پر حکم تفریق موثر نہیں۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، علاوہ ازیں بیوی کو ان کی شکل و صورت سے بھی بے حد نفرت تھی، اس کے باوجود ان کے قصے سے متعلق علامہ باجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وقولها لا انا ولا ثابت بن قيس ظاهره الامتناع منه و حكمه حكم النشوز وتعبير عن الرجوع اليه ان لم يرد فراقها بخلع او غيره. (المنتقى شرح موطا امام مالك ص ٦١ ج ٤)

ہاتھ ٹوٹنے کی روایت ابوداؤد ص ۳۲۱ ج ۱، نسائی ص ۱۰۳ ج ۲، مصنف عبدالرزاق ص ۴۸۲ ج ۶ میں اور شکل و صورت سے متعلق روایات سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸، مصنف عبدالرزاق ص ۴۸۳ ج ۶ میں ہیں، وقال الحافظ رحمه الله تعالى: وقوله في خلق ولا دين بضم الخاء المعجمة واللام ويجوز اسكانها اى لا اريد مفارقته لسوء خلقه ولا لنقصان دينه، زاد في رواية ايوب المذكورة ولكني لا اطيقه كذا فيه لم يذكر متعلق عدم الاطاقة وبينه الاسماعيلي في روايته ثم البيهقي بلفظ لا اطيقه بغضا وهذا ظاهره انه لم يصبها بما يقتضي الشكوى منه بسببه لكن تقدم من رواية النسائي انه كسر يدها فيحمل على انها ارادت انه سيء الخلق لكنها ما تعيبه بذلك بل بشيء آخر وكذا وقع في قصة حبيبة بنت سهل عند ابي داود انه ضربها فكسر بعضها لكن لم تشكه واحدة منهما بسبب ذلك بل وقع التصريح بسبب آخر وهو انه كان دميم الخلقة ففي حديث عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عند ابن ماجة كانت حبيبة بنت سهل عند ثابت بن قيس وكان رجلا دميما فقالت والله لولا مخافة الله اذا دخل علي لبصقت في وجهه واخرج عبد الرزاق عن معمر قال بلغني انها قالت يا رسول الله بي من الجمال ما ترى وثابت رجل دميم وفي رواية معتمر بن سليمان عن فضيل عن ابي جرير عن عكرمة عن ابن عباس اول خلع كان في الاسلام امرأة ثابت بن قيس اتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله لا يجمع رأسي ورأس ثابت ابدا اني رفعت جانب الخباء فرأيته اقبل في عدة فاذا هو اشدهم سوادا واقصرهم قامة واقبحهم وجها فقال اتردين عليه حديقته قالت نعم وان شاء زدته ففرق بينهما.

(فتح الباری ص ۳۵۰ ج ۹)

۲۶

تنبیہات :

① حکم تفریق کے لئے بیوی کی طرف سے طلب یا رضا شرط نہیں، جس طرح رضائے زوج ضروری نہیں، اسی طرح رضائے زوجہ بھی ضروری نہیں، اگر حکمین کی نظر میں بدون تفریق رفع فساد کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ بدون رضائے زوجین تفریق کر سکتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ تفریق بیوی کا حق نہیں بلکہ رفع فتنہ و فساد کی ایک صورت ہے، لہٰذا مفقود الزوج کی صورت کو اس کے حقوق نسواں میں داخل کرنا سراسر جہالت ہے۔

② حاکم کو بذات خود بلا نصب حکمین یہ اختیار نہیں، علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت وما الشئ خشیہ الحکمین بالسلطان والسلطان یطلق بالضرر عندہ ذلک اذا تبین، سے ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاکم کو بھی یہ اختیار ہے، مگر درحقیقت یہاں تفصیل حکم کا بیان نہیں بلکہ ماخذ حکم کا بیان ہے، جس کے لئے علت میں اشتراک کافی ہے، جو یہاں تحقیق ضرر ہے، زوجہ مفقود و معسر وغیرہ سے ضرر کا تحقق حاکم کو بلا نصب حکمین بھی ہو سکتا ہے مگر ضرر نزاع و شقاق کا تحقق بدون نصب حکمین نہیں ہو سکتا، اگر دفع ضرر نزاع و شقاق کے لئے بلا نصب حکمین حاکم کو اختیار تفریق ہوتا تو نصب حکمین پھر ان کی قیود و شرائط کے تکلفات و طول عمل کی کیا ضرورت تھی، ذرا ان تکلفات کی تفصیل پر نظر ڈالیے:

① نصب حکمین۔

② عدد حکمین۔

③ ان کا اقارب زوجین سے ہونا۔

④ ایک کا اہل زوج سے ہونا اور دوسرے کا اہل زوجہ سے۔

⑤ ان میں شرائط حکم کا وجود۔

⑥ حکم تفریق سے قبل رفع ضرر کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنا، حتی کہ اس مقصد کے لئے زوجین کو کسی نگران کے پاس رہنے کا حکم کرنا۔

⑦ حکم تفریق پر حکمین کا اتفاق۔

ظاہر ہے کہ ان سب تکلفات کا تحمل صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ بدونِ اس کے ضرر شقاق کا تعین و تحقق نہیں ہو سکتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شوہر کو توکیل حکمین پر مجبور کرنا بھی اس پر دلیل ہے ورنہ وہ خود ہی تفریق کا حکم فرماتے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۹۱ھ

باب الظہار

تجھے طلاق، تو میری ماں بہن جیسی ہے :

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق، تو میرے لئے ماں بہن جیسی ہے، اس عورت کو کتنی طلاقیں ہوئیں؟ لفظ "مجھ پر" اور "میرے لئے" میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

"تو میرے لئے ماں بہن جیسی ہے" یہ جملہ ظہار کے لئے صریح نہیں، بلکہ کنایہ ہے، اور اس میں تین احتمال ہیں :

① کرامت ② ظہار ③ طلاق

قال فی شرح التنویر وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی خانیۃ برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع ما نواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ (الی قولہ) ولو قال انت علی حرام کظہر امی ثبت الظہار لا غیر لانہ صریح وفی الشامیۃ (قولہ وان نوی) بیان لکنایات الظہار واشار الی ان صریحہ لا بد فیہ من ذکر العضو (قولہ لانہ کنایۃ) ای من کنایات الظہار والطلاق قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا کلفظۃ الحرام ولیشابہا قبل ما مر بورقۃ (قولہ کانت علی) قال فی البحر ومعنی وعندی فی ومعی کعلی (رد المحتار ج ۲)

خلاصہ یہ کہ اس جملہ میں فی نفسہ تین احتمال ہیں، مگر صورت سوال میں مذاکرۂ طلاق کی وجہ سے طلاق بائن متعین ہے، عورت اگر مدخول بہا ہے تو دو طلاق بائن ہوں گی، البتہ غیر مدخول بہا کو صرف پہلی طلاق ہوگی اور اس کے لئے بھی بائن ہے۔

لفظ "میرے لئے" اگرچہ بظاہر کرامت اور محبت پر دلالت کرتا ہے مگر مذاکرۂ طلاق کے وقت

اسے کراہت پر محمول نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں لفظ "عند" بھی عظمت کے لئے متبادر ہے، حرمت کے لئے مستعمل نہیں، ایسے ہی لفظ "مثل" اور "نحو" بھی، اس کے باوجود شامیہ میں ان سب کو مثل تشبیہ قرار دیا ہے، بہرحال مذاکرۂ طلاق کے وقت یہ الفاظ طلاق ہی کے لئے متعین ہیں، کوئی اور احتمال ان میں نہیں لیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ صفر سنہ ۹۳ھ

بیوی کو ماں بہن کہنا:

سوال: اگرچہ تمام شروح و متون میں صراحۃً مذکور و مشروح ہو کہ اپنی بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے کسی قسم کی طلاق نہیں ہوتی اگرچہ ایسا کہنا مکروہ ہے، مگر یہ قاعدہ بھی مسلم ہے کہ طلاق کا مدار عرف پر ہے، ہمارے بلوچستان میں بالخصوص ہمارے اطراف میں طلاق کے لئے یہ الفاظ اس قدر استعمال کئے جاتے ہیں کہ صریح الفاظ طلاق بھی اتنا استعمال نہیں کرتے، قاعدہ مسلّمہ کی بناء پر مشتبہ ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں اس علاقہ میں ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ متون و شروح میں مذکور حکم اس زمانہ اور ان دیار سے متعلق ہے جہاں یہ لفظ طلاق کیلئے معروف نہ ہو، اس بارہ میں اپنی رائے صائب سے ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ الفاظ بحکم عرف صرف طلاق کے لئے متعین ہیں، اس لئے ان سے طلاق کی نیت نہ ہو جب بھی ایک طلاق صریح بائن واقع ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ذیقعدہ سنہ ۹۳ھ

(اس کی تفصیل کتاب الطلاق میں زیر عنوان "بیوی کو ماں کہنا" ہے۔ مرتب)

تمہیں رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں، اس کا کیا حکم ہے؟ عالمگیریہ میں ہے لو قال ان وطئتك وطئت امي فلا شيء عليه، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق یا ظہار کچھ بھی نہیں ہوتا، آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمگیریہ میں اس کو ظہار اس لئے نہیں قرار دیا کہ اس میں حرف تشبیہ صراحۃً نہیں، مگر اب یہ الفاظ عرف عام میں صرف طلاق ہی کے لئے مستعمل ہیں، اس لئے ایک طلاق صریح بائن ہو گئی اگرچہ طلاق کی نیت نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

(اس کی تفصیل کتاب الطلاق میں ہے بعنوان "بیوی کو ماں کہنا"۔ مرتب)

باب خیار الفسخ

خیار بلوغ کے مسائل "باب ولایۃ النکاح" و خیار ... میں بیان ہو چکے ہیں، اب "باب خیار الفسخ" میں وہ مسائل بیان ہوں گے جن میں کسی عذر کی وجہ سے عورت کو قاضی سے نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے، اس باب سے متعلقہ مسائل کی اہمیت کے پیش نظر ان کو مستقل رسالہ "الافصاح عن خیار فسخ النکاح" کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (القرآن)

الافصاح

عن

خیار فسخ النکاح

اس رسالہ میں مفقود، مجنون، عنین، متعنت، معسر (وغیرہ) کی بیویوں کے لئے نکاح سے خلاصی حاصل کرنے کی صورتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

الافصاح عن خیار فسخ النکاح

اشاریہ :-

- حکم زوجہ عنین
- زوجہ عنین کے سکوت سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا
- حکم زوجہ مجبوب
- حکم زوجہ متعنت
- حکم زوجہ معسر
- حکم غائب غیر مفقود
- سوال مثل بالا
- شوہر زمانہ انقلاب میں گم ہو گیا
- حکم زوجہ مفقود
- زوجہ مفقود سے متعلق ترمیم
- شوہر بحری سفر میں گم ہو گیا
- مجنون نفقہ پر قادر نہ ہو تو صورت تفریق
- حکم زوجہ مجنون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکم زوجۂ عنین:

سوال: زید نے ہندہ کے ساتھ شادی کی اور ہندہ نے شادی کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اظہار کیا کہ میرا شوہر نامرد ہے، اور اپنے باپ کے گھر چلی گئی، زید کے باپ نے ایک عالم کی طرف رجوع کیا، انہوں نے ہندہ کو شوہر کے سپرد کیا، اور زید کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دی، سال گزر گیا مگر عورت کو وہی شکایت رہی، پھر اپنے باپ کے گھر چلی گئی، پھر دوسرے عالم کے پاس خود زید نے ہندہ کا مطالبہ کیا، اس پر انہوں نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ ہندہ کو فی الحال زید کے پاس واپس کر دو، بعد میں ان شاء اللہ تعالیٰ چند ہی دنوں میں تسلی بخش تحریری صورت میں شرعی فیصلہ دوں گا، اس پر انہوں نے اپنی بیٹی ہندہ زید کے سپرد کیا، لیکن چند دنوں کے بجائے چھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اب تک وہ عالم صاحب فیصلہ نہ دے سکے، اور ہندہ برابر چیختی اور پکارتی رہی ہے اور زید انکار کرتا رہا اور کہتا رہا کہ یہ جھوٹی ہے، میں مرد ہوں، باوجود اس دعویٰ کے وہ علاج بھی ظاہری طور پر کرتا رہا، لیکن ہندہ شکایت کرتی رہی، اور اس کو کہتا رہا کہ صبر کرو مولوی صاحب سے شرعی فیصلہ ملے گا تو پھر میں اپنے پاس سے جانے دوں گا، آخر ہندہ تنگ ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی، ایک سال کا عرصہ ہوا باپ کے گھر رہ چکی ہے، مگر اس درمیان میں خود زید نے اپنی طرف سے ہندہ کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی، مگر لوگوں کے شرمانے پر ایک مرتبہ معمولی مطالبہ کیا تو اس کو کہا گیا کہ تو نامرد ہے وہ تیرے پاس رہنا نہیں چاہتی اور ہندہ کہتی ہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو اس کے گھر میں ضائع کروں، چھ سال کا عرصہ تو اس کے گھر میں ضائع کر چکی ہوں تمام زندگی تو اس کے گھر میں ضائع نہ کروں گی، زید کو بعض مخالف لوگ ابھارتے ہیں کہ تو نکاح نہ چھوڑ، اس پر وہ اپنی نامردی کا اقرار بھی نہیں کرتا، اور ہندہ کی جوانی کی عمر ہے جس میں سخت دشواری پیش رہی ہے، زید اور ہندہ دونوں کے رشتہ داروں کا اندازہ ہے کہ واقعی زید نامرد ہے، اب اس عورت کی گلو خلاصی کی شرع شریف میں کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی ——————

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عورت اپنا معاملہ حاکم کی عدالت میں پیش کرے، حاکم اول خاوند سے دریافت کرے اگر وہ اقرار کرے کہ وہ ایک دفعہ بھی ہمبستری پر قادر نہیں ہوا تو اسے حاکم علاج کے لئے ایک سال شمسی کی مہلت دے، اور اگر خاوند ہمبستری کا مدعی ہو تو دیکھا جائے گا کہ عورت بکارت کا دعویٰ کرتی ہے یا نہیں، اگر بکارت کا دعویٰ نہیں کرتی تو مرد سے حلف لیا جائے گا، اگر اس نے قسم اٹھالی تو عورت کو تفریق کا حق نہ رہے گا، اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کر دیا تو اسے بغرض علاج ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اور اگر عورت بکارت کی مدعیہ ہے تو حاکم تجربہ کار اور معتبر عورت سے اس کا معاینہ کرائے، حاکم کی بجائے پنچایت فیصلہ کرے تو دو عورتوں کا معاینہ ضروری ہے، اگر معاینہ سے ثابت ہو کہ باکرہ نہیں تو شوہر سے جماع پر حلف لیا جائے، قسم اٹھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور عورت کو حق تفریق نہ ہوگا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کرے تو ایک سال کی مہلت برائے علاج دی جائے گی، اور اگر معاینہ سے بکارت ثابت ہو تو قاضی بدون حلف کے شوہر کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیگا، اگر اس مدت میں ایک مرتبہ شوہر ہمبستری پر قادر ہو گیا تو عورت کو حق فسخ نہ رہے گا، اور اگر ایک مرتبہ بھی قادر نہ ہو سکا تو ایک سال کے بعد عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے، اگر شوہر نے عدم قدرت کا اقرار کر لیا تو عورت کو قاضی اختیار دیدے، اس پر اگر عورت اسی مجلس میں علیحدگی کا مطالبہ کرے تو شوہر سے طلاق دلوادی جائے، اگر وہ طلاق سے انکار کرے تو قاضی خود تفریق کردے، اور خاوند مدعی جماع ہو، اگر عورت کا بوقت مہلت ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا یا اب زوال بکارت کا اقرار کرلے مگر ہمبستری کا انکار کرے تو خاوند سے حلف لیا جائے گا، وہ حلف کرلے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور تفریق نہ کی جائے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کر دیا تو عورت کو حق فرقت ہوگا،

اور اگر بوقت مہلت معاینہ سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور دوبارہ معاینہ میں بھی باکرہ ہی ثابت ہوئی تو بدون کسی حلف کے عورت کو تفریق کا اختیار دیا جائے گا، پس اگر عورت نے اسی مجلس میں کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے الگ ہونا چاہتی ہوں، تو حاکم اس کے شوہر کو طلاق کا حکم دے، اگر وہ انکار کرے تو قاضی خود تفریق کر دے، یہ تفریق شرعاً طلاق بائن کے حکم میں ہوگی،

شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی،

الفقہ ج ۔۔۔ ۔۔۔ ۴

شرائط تفریق

① نکاح سے قبل عورت کو شوہر کے عنین ہونے کا علم نہ ہو۔

② نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی ہمبستری پر قدرت نہ ہوئی ہو۔

③ جب سے عورت کو عنین ہونے کا علم ہوا عورت نے اس وقت سے ایک مرتبہ بھی رضا کی تصریح نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہہ دیا ہو کہ میں بہرحال اس کے ساتھ رہوں گی، محض سکوت سے رضا نہ سمجھی جائے گی۔

④ سال گزرنے کے بعد جب قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے، اگر قاضی اٹھ گیا یا عورت اٹھ گئی یا دوسری بات کرنے لگی یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئی تو اسے اختیار نہ رہے گا۔

⑤ شوہر کو ایک سال گزرنے کی مہلت دینا اور دیگر جملہ امور جن کی تفصیل اوپر گزری حکم حاکم کے محتاج ہیں، بدون حکم حاکم تفریق کا کوئی اختیار نہیں۔

تنبیہ: اگر خصی کا آلہ تناسل منتشر ہوتا ہو تو وہ بحکم عنین ہے، البتہ آلہ تناسل قطع کر دیا گیا ہو یا خلقۃً بہت ہی چھوٹا یعنی کالعدم ہو تو یہ بمنزلہ مجبوب ہے، لہٰذا حاکم فوراً نکاح فسخ کر دے گا، علاج کے لئے مہلت کی ضرورت نہیں۔

فائدہ: مفقود اور غائب کی بیوی کو ایک بار ہمبستری کے بعد بھی خشیتِ زنا کی بناء پر خیار تفریق ہے مگر عنین کی بیوی کو نہیں، وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنین کی بیوی پر اس کی نگرانی کی وجہ سے اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جس امر کی حقیقت میں خفا ہو اس کے اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا عنین کا قیام مع الزوجہ ہی بمنزلہ وطی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

زوجۂ عنین کے سکوت سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا:

سوال: زوجۂ عنین نے اگر اس کے ساتھ رہنے پر رضا کا اظہار نہ کیا مگر کچھ مدت سکوت اختیار کیا تو اسے فسخ نکاح کے دعوی کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت جب تک زبان سے صراحۃً رضا کا اظہار نہ کرے اس وقت تک وہ فسخ نکاح کا دعوی کر سکتی ہے، سکوت سے حق فسخ ساقط نہیں ہوتا، خواہ کتنی ہی طویل مدت تک شوہر کے پاس رہے، اور اس کے ساتھ بیوی کی طرح لیٹے اور بوس وکنار کا معاملہ رکھے، بلکہ اگر ایک بار فسخ نکاح کا دعوی

کرنے کے بعد چھوڑ دیا مگر زبان سے صراحۃً رضا ظاہر نہیں کی تو بھی اس کا حق باطل نہیں ہوا، دوبارہ دعویٰ کر سکتی ہے۔ قال فی شرح التنویر وهو (ای الخیار) علی التراخی لا الفور فلو وجدته عنینا او مجبوبا ثم تخاصمت لم یبطل حقها وکذا لو خاصمته ثم ترکته مدة فلها المطالبة ولو ضاجعته تلک الایام خانیة کما لو رفعته الی قاض فاجله سنة ومضت السنة وثم تخاصمه مدة فلها المطالبة ولو ضاجعته وفی الشامیة قوله لم یبطل حقها ای ما لم تقل رضیت بالمقام معه کذا فی البحر عن الخانیة عن المحیط وفی قوله الثانی کما لو رفعته الخ (رد المحتار ص ۹۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ربیع الاول ۸۵ھ

حکم زوجۂ مجبوب:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ ایک شخص اپنا آلۂ تناسل قطع کر کے ہیجڑوں کے ساتھ شامل ہو گیا اب اس کی بیوی کے لئے اس نکاح سے نکلنے کی کیا صورت ہے، یہ شخص طلاق بھی نہیں دیتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس کی بیوی حاکم مسلم کے پاس دعویٰ پیش کرے، اس پر حاکم مسلم اس شخص کو طلب کر کے اس کی تحقیق کروائے، اگر حاکم کے پاس شوہر خود اقرار کر لے کہ اس نے ایک دفعہ بھی اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کی اور آلۂ تناسل قطع کرنے کا بھی اقرار کر لے تو حاکم اسی وقت اس کی بیوی کو طلاق کا اختیار دیدے گا، اگر عورت اسی مجلس میں طلاق طلب کرے گی تو حاکم شوہر کو طلاق کا حکم دے گا، اگر اس نے طلاق دیدی تو بائن طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر طلاق سے انکار کرے تو حاکم خود فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے گا، حاکم کا یہ فیصلہ بھی شرعاً طلاق بائن کے حکم میں ہے، اگر شوہر نے خلوت صحیحہ کی ہے تو اس پر کامل مہر اور بیوی پر عدت واجب ہے، ورنہ شوہر پر نصف مہر ہو گا اور بیوی پر عدت نہ ہو گی۔

اگر شوہر ایک بار وطی کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، اور اس کی بیوی باکرہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی، تو حاکم شوہر کو قسم دے گا، اگر اس نے قسم اٹھالی تو عورت کو طلاق کا اختیار نہ رہے گا، اور اگر قسم سے انکار کیا تو عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے گا۔

اور اگر بیوی باکرہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو حاکم کسی تجربہ کار معتبر عورت سے اس کا معاینہ کروائے گا، اگر حاکم کی بجائے کسی پنچایت سے فیصلہ کروایا جائے تو دو عورتوں کا معاینہ ضروری ہے، اگر معاینہ کرنے والی عورت نے باکرہ ہونے کی تصدیق کر دی تو شوہر کو قسم دئیے بغیر ہی عورت

کو طلاق کا اختیار ہوگا،

اگر شوہر قطع آلۂ تناسل کا اقرار نہیں کرتا تو ایک معتبر شخص اس کا معاینہ کرے گا، اور اس کی تحقیق کے مطابق حاکم فیصلہ دے گا۔

تنبیہات ضروریہ:

① اگر نکاح سے قبل ہی شوہر نے آلۂ تناسل قطع کیا ہو تو یہ شرط ہے کہ بوقتِ نکاح عورت کو اس قطع کا علم نہ ہو، ورنہ بعد میں اسے کوئی اختیار نہ ہوگا۔

② اگر نکاح کے بعد قطع کیا ہو تو یہ شرط ہے کہ شوہر نے ایک بار بھی وطی نہ کی ہو، اگر قطع سے قبل ایک بار بھی ہمبستری ہو گئی تو بیوی کو اختیار نہ رہے گا۔

③ جب سے عورت کو قطع کا علم ہوا اس وقت سے لے کر وقت لے کبھی بھی اس شوہر کے پاس رہنے پر رضامندی کی صراحت نہ کی ہو، یعنی زبان سے صراحۃً کبھی یوں نہ کہا ہو کہ میں بہرحال اسی شوہر کے پاس ہی رہوں گی، اگر زبان سے کوئی ایسی تصریح کر دی تو بعد میں اختیار نہ ہوگا۔

④ حاکم نے جب عورت کو اختیار دیدیا تو اسی مجلس میں عورت طلاق کو اختیار کرے، اگر عورت کے طلاق اختیار کرنے سے قبل حاکم اٹھ گیا یا عورت خود اٹھ گئی یا کسی اور کام میں یا کسی دوسری گفتگو میں مشغول ہو گئی تو اسے اختیار نہ رہے گا۔

⑤ فسخِ نکاح یا عورت کو اختیار دینا وغیرہ امور جن کی تفصیل اوپر گذری ہے سب امور حکمِ حاکم کے محتاج ہیں، بدون حکمِ حاکم کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

⑥ جس شخص کا آلۂ تناسل خلقۃً اتنا چھوٹا ہو کہ مثل نہ ہونے کے ہو وہ بھی بحکم مجبوب ہے، البتہ خصی مجبوب کے حکم میں نہیں، اگر اسے انتشار ہوتا ہو تو بحکم عنین ہوگا اور اس کے فسخِ نکاح کے احکام مثل عنین کے ہوں گے، ہذا ملخص ما هو مشروح فی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ صفر ۱۳۸۳ھ

حکم زوجۂ متعنت:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو خرچ بالکل نہیں دیتا، نہ ہی اپنے پاس رکھتا ہے، اور طلاق بھی نہیں دیتا، اس کے بارہ میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اولاً اس عورت پر لازم ہے کہ شوہر کو کسی نہ کسی طرح سے خلع پر راضی کرے، اگر وہ کسی

صورت میں بھی خلع پر راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری بھی ہو یعنی کوئی شخص اس کے مصارف کا کفیل نہیں بنتا اور نہ خود یہ اپنی عزت کو محفوظ رکھ کر کوئی صورت کسب معاش کی اختیار کرسکتی ہو تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق عورت حاکم مسلم کے پاس دعویٰ پیش کرے کہ اس کا شوہر وسعت کے باوجود خرچ نہیں دیتا، حاکم شرعی شہادت سے پوری تحقیق کرے گا، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو گیا تو حاکم شوہر کو حکم دے گا کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو ورنہ نکاح فسخ کردوں گا، اگر شوہر کوئی صورت قبول نہ کرے تو بلا انتظار مدت فوراً ہی حاکم نکاح فسخ کردیگا۔ اس بارہ میں مذہب مالکی میں یہ تصریح نہیں کہ یہ طلاق بائن ہے یا رجعی، فتاوی مالکیہ میں رجعی ہونے کو ترجیح دی گئی ہے، لہٰذا فیصلہ کے بعد عدت گذرنے سے قبل اگر شوہر نفقہ دینے پر تیار ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے، البتہ تجدید نکاح بہتر ہے، اگر عورت تجدید نکاح پر راضی نہ ہو تو بلا تجدید جبراً بھی اسے رکھ سکتا ہے، تفصیل فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة۔

تنبیہات:

(۱) الحیلة الناجزة میں متعنت کی بیوی کو خشیت زنا کی صورت میں بھی حق تفریق دیا ہے، یہ عجیب ہے کہ متعنت غائب ہو اگر متعنت بیوی کے پاس ہی رہتا ہو تو اس کی بیوی کو خشیت زنا کی بناء پر خیار نہیں کما یتعین الذی قدر موقوفا علی الوطء، وجہ یہ ہے کہ زوج موجود ہونے کی صورت میں بیوی پر اس کی نگرانی کی وجہ سے اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جب کسی امر کی حقیقت پر اطلاع مشکل ہو تو اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیدیا جاتا ہے، لہٰذا قیام زوج ہی کو بمنزلہ وطء سمجھا جائے گا۔

(۲) متعنت وہ ہے کہ قدرت کے باوجود نفقہ نہ دے، اگر نفقہ پر قدرت ہی نہیں تو وہ معسر ہے اس کا حکم الگ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رشوال سنہ ۸۳ھ

تنسیخ زوجۂ معسر:

سوال: ایک شخص ناداری کی وجہ سے بیوی کے مصارف پر قدرت نہیں رکھتا اور طلاق بھی نہیں دیتا، بیوی بہت پریشان ہے، اس صورت میں شوہر سے نجات حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شوہر کو خلع پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ راضی نہ ہو اور عورت کو سخت

مجبوری ہو، یعنی عورت خود بھی کسب معاش کی کوئی صورت اختیار نہیں کر سکتی، اور کوئی دوسرا شخص بھی اس کے مصارف کا کفیل نہیں بنتا، تو اس قسم کی ضرورت شدیدہ میں مذہب مالکی کے مطابق تفریق کی گنجائش ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے، قاضی کے نزدیک شرعی شہادت کی بناء پر اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو گیا تو قاضی شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے، اگر اس مدت میں شوہر نفقہ پر قادر نہ ہوا تو عورت کے طلب کرنے پر قاضی تفریق کر دے، یہ تفریق طلاق رجعی ہو گی، اگر عدت کے اندر شوہر نفقہ پر قادر ہو گیا تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔

فتاویٰ مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معسر کو ایک ماہ کی مہلت دینا صحت قضاء کے لئے شرط نہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ بیوی کو بوقت عقد شوہر کے اعسار کا علم نہ ہو، یا بوقت عقد کسی کی کفالت نفقہ کی بناء پر نکاح کر لیا ہو اور بعد میں وہ کفالت باقی نہ رہی ہو، اگر عورت کو بوقت عقد شوہر کی ناداری کا علم تھا اور کوئی نفقہ کا کفیل بھی نہ تھا تو اب اسے خیار تفریق نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الآخر ۹۱ھ

حکم غائب غیر مفقود:

سوال: ایک عورت کا خاوند اسے خرچ وغیرہ نہیں دیتا، عورت نے جج کے پاس مقدمہ پیش کیا، جج نے وارنٹ جاری کئے، مگر یہ شخص باوجود کوشش کے حاضر نہیں ہوتا، اب اس سے رستگاری کی شرعاً کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر عورت کے لئے خرچ وغیرہ کی کفالت کوئی نہ کرتا ہو، یا معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور حاکم کی کوشش بلیغ کے باوجود شوہر کو حاضر کرنا متعذر ہو چکا ہو تو ایسی شدید ضرورت میں قضاء علی الغائب درست ہے، بہتر یہ ہے کہ حاکم غائب کی طرف سے وکیل قائم کر کے اس پر فیصلہ کرے، مگر اولاً ضروری ہے کہ عورت حاکم مسلم کے پاس اس غائب کے ساتھ اپنا قیام نکاح شاہدوں سے ثابت کرے، پھر اس کا غائب ہونا ثابت کرے، اور یہ بھی ثابت کرے کہ وہ نفقہ دے کر نہیں گیا اور نہ وہاں سے بھیجتا ہے، اور نہ یہاں کوئی انتظام ہے، اور نہ ہی میں نے نفقہ معاف کیا ہے، اور اس پر حلف بھی کرے، اگر نفقہ کا انتظام تو ہے مگر عورت کو گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو وہ اس پر قسم کھائے، پھر حاکم اس غائب کے پاس حکم بھیجے کہ خود حاضر ہو کر بیوی کے حقوق

حوالہ کردیا اسے اپنے پاس بلالو یا اس سے کوئی انتظام کردو ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اب بھی اگر شوہر کوئی صورت تسلیم نہ کرے تو حاکم تفریق کردے، اگر پتہ نہیں یا وہ ایسی جگہ پر غائب ہو کہ وہاں حکم بھیجنا مشکل ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر حکم بھیجے حاکم تحقیق حسب قاعدہ کرکے تفریق کردے، مگر ثبوت نان کے دعویٰ میں یہ شرط ہے کہ ایک سال تک مدت گذر چکی ہو، یہ تفریق بحکم طلاق رجعی ہوگی لہٰذا عدت کے اندر غائب اگر حقوق زوجیت ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے اور اگر عدت گذرنے کے بعد آیا اور فسخ نکاح بعلت عدم نفقہ کی بنا پر کیا گیا تھا مگر اس نے شہادت سے ثابت کردیا کہ وہ نفقہ دیتا رہا ہے تو بھی یہ عورت اسی کو ملے گی اگرچہ اس عورت نے دوسری جگہ نکاح بھی کرلیا اور اس سے بچے بھی پیدا ہوگئے ہوں، البتہ یہ بچے دوسرے شوہر کے ہوں گے، اور عورت دوسرے شوہر سے الگ ہو کر پہلے شوہر کے پاس عدت گذارے گی، عدت گذرنے سے قبل پہلے شوہر کے لئے ہمبستری حلال نہیں، غرضیکہ اس کے وہی احکام ہیں جو مفقود کی واپسی کے ہیں (تفصیل مفقود کے بیان میں ملاحظہ ہو۔ مرتب) کذا فی الحیلۃ الناجزۃ وقال فی الشامیۃ تحت قولہ لو قضی علی غائب الخ وقال فی جامع الفصولین قد اضطربت آراؤهم وبیانهم فی مسائل الحکم للغائب وعلیه ولم یصف ولم ینقل عنهم اصل قوی ظاهر یبنی علیه الفروع بلا اضطراب ولا اشکال فالظاهر عندی ان یتأمل فی الوقائع ویحتاط ویلاحظ الحرج والضرورات فیفتی بحسبها جوازا او فسادا مثلا لو طلق امرأته عند العدل فغاب عن البلد ولا یعرف مکانه او یعرف ولکن یعجز عن احضاره او عن ان تسافر الیه هی او وکیلها لبعده او لمانع آخر وکذا المدیون لو غاب وله نقد فی البلد او نحو ذلک ففی مثل هذا لو برهن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی انه حق لا تزویر ولا حیلة فیه فینبغی ان یحکم علیه وله وکذا للمفتی ان یفتی بجوازه دفعا للحرج والضرورات وصیانة للحقوق عن الضیاع مع انه مجتهد فیه ذهب الیه الائمة الثلاثة وفیه روایتان عن اصحابنا وینبغی ان ینصب عن الغائب وکیل یعرف انه یراعی جانب الغائب ولا یفرط فی حقه اهـ واقره فی نور العین قلت ویؤیده ما یأتی قریبا فی المسخر وکذا ما فی الفتح من باب المفقود لا یجوز القضاء علی الغائب الا اذا رأی القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیه فحکم فانه ینفذ لانه مجتهد فیه اهـ قلت وظاهره ولو کان القاضی حنفیا ولو فی زماننا ولا ینافی ما مر لان تجویز هذا للمصلحة والضرورة (رد المحتار ج ۴ ص ۴۰۴)

الاصباح ــــــــــــ ۱۰

تنبیہات:

① حیلۂ ناجزہ میں عبارت یوں ہے: "عورت ان سب باتوں پر حلف بھی کرے" اس سے مقصود یہ ہو کہ نفقہ سے متعلق جتنی باتیں ہیں ان سب پر حلف کرے، اثبات زوجیت وغیبوبت پر حلف نہیں، اولاً اس لئے کہ فتاوی مالکیہ میں کہیں اس کی تصریح نہیں بلکہ علامہ سعید بن صدیق الفلانی کے جواب میں اس کے خلاف کی تصریح ہے ونصہ فاما مالم یمکن له مال ینفقها التطلیق علیه باذا عسار من غیر تاجیل لکن بعد اثبات ما تقدم وتزید اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البینة الشاهدة لها انها لم تقبض منه نفقة هذه المدة الخ، ثانیاً اس لئے کہ مسئلہ مفقود میں وجود نفقہ کی صورت میں حلف کا کسی نے ذکر نہیں کیا، اور ما ہم بحضرت کوئی امر نہیں، ثالثاً عدم نفقہ کے امر عدمی ہونے کی وجہ سے اس پر اطلاع شہود مشکل ہے، اس لئے اس کے ساتھ حلف کی شرط معقول ہے، اس کے برعکس زوجیت وغیبوبت پر حلف غیر معقول بلکہ خلاف اصول ہے،

② حیلۂ ناجزہ میں غائب غیر مفقود کے بیان میں ثبوت دعوی کے بعد تاجیل شہر کا بھی ذکر ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ غائب متعسر ہو، اگر غائب قدرت کے باوجود نفقہ نہیں دیتا تو وہ متعنت ہے جس میں تاجیل شہر کی کوئی حاجت نہیں، البتہ انقطاع نفقہ کے وقت سے ایک ماہ گزرنے کے بعد فیصلہ کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ر محرم [illegible]

سوال مثل بالا:

سوال: محمد شریف ولد خان محمد، تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمبل پور ایک قتل کے مقدمہ میں بیس سالہ قیدی ہو چکا ہے، مسماۃ غلام زہرہ اس کی زوجہ منکوحہ نے بوجہ خرچہ نہ دینے کے مسمی محمد شریف قیدی بیس سالہ کے خلاف دعوی تنسیخ نکاح بعدالت جناب سول جج صاحب تلہ گنگ دائر کر دیا، عدالت نے مدعی علیہ کو بذریعہ نوٹس رجسٹری مطلع کیا اور حاضر ہونے کا حکم صادر کیا، اور بذریعہ اخبارات روزنامہ مشرق لاہور وکوہستان راولپنڈی حاضر ہونے کا حکم صادر کیا گیا، لیکن مدعی علیہ عدالت میں نہ خود حاضر ہوا اور نہ کوئی اپنا مختار پیروی کرنے کے لئے بھیجا، عدالت نے مدعیہ کے حق میں ڈگری دیدی ہے، اندریں حالات علماء دین سے عرض کی جاتی ہے کہ کیا محمد شریف بیس سالہ قیدی کی منکوحہ مسماۃ غلام زہرہ عدالت کے فیصلہ کے مطابق دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب (از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)

اصل بات یہ ہے کہ غائب غیر مفقود کے فسخ نکاح کا مسئلہ مذہب مالکیہ سے لیا گیا ہے، مگر

یعنی قیود و شرائط احتیاطاً بڑھائے گئے ہیں۔ اسی لئے ارسال الی الغائب کے لئے شہادت شرط ہوئی کتاب القاضی الی القاضی پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے، حالانکہ یہاں کوئی فیصلہ قضاء ایک طرف سے دوسری طرف منتقل نہیں ہو رہا ہے بلکہ صرف اتنی بات کی تحقیق اور تثبت مطلوب ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر ہونے کی اطلاع اس کو ایسی صورت سے ہو جائے جس پر یقین یا ظن غالب ہو سکے، اسی لئے جس صورت میں ارسال الی الغائب متعذر اور دشوار ہو وہاں بغیر ارسال کے بھی فیصلہ فریقین کا صادر کر دینا مذہب مالکیہ میں مصرح ہے، اور حیلۂ ناجزہ میں اس کو تفصیل سے لکھا گیا ہے، اس میں مفتی مالکیہ شیخ الفا ہاشم کے فتوی کا حوالہ بھی درج ہے۔
شیخ الفا ہاشم کے الفاظ یہ ہیں:

"طریق تطلیق زوجۃ المفقود والغائب الذی تعذر الارسال الیہ او ارسل فتعاسر الخ۔"

اگر ارسال الی الغائب اور پھر غائب کی طرف سے نفاذ کا ثبوت شہادت شرعیہ پر موقوف ہوتا اور اس کے بغیر نفاذ قضاء ممکن نہ ہوتی تو اس صورت متعسرہ میں بھی نفاذ قضاء کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاذ قضاء کا مدار اس پر نہیں ہے، اس کے علاوہ شہادت کی شرط جو کتاب القاضی الی القاضی پر قیاس کر کے لگائی گئی ہے خود کتاب القاضی الی القاضی میں شہادت کی شرط مختلف فیہ ہے، بہت سے علماء امت اور فقہاء سلف کے نزدیک اس میں شہادت شرط نہیں، جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اختلاف فقہاء کی مفصل تحقیق موجود ہے، اس لئے شرط شہادت اول تو خود مقیس علیہ میں بھی مجتہد فیہ ہے جو قضاء قاضی کے نفاذ کے لئے مانع نہیں۔

ثانیاً اس جگہ مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بین ہے، اگر کتاب القاضی الی القاضی میں شرط شہادت متفق علیہ بھی فرض کر لی جائے تو بھی اس سے لازم نہیں آتا کہ مدعی یا مدعی علیہ کے احضار کے لئے بھی شاہد ہی بھیجا جائے بلکہ ایک آدمی کا بھیجنا اور اس کے قول پر اعتماد کر کے قاضی کو فیصلہ کا حق ہونا خود کتب حنفیہ میں مصرح موجود ہے، معین الحکام کے الفاظ اس مسئلہ کے متعلق یہ ہیں: وقال فی الاقضیۃ المشتری بعیب اراد الرد فاختفی البائع (الی قولہ) فیبعث منادیا ینادی علی باب البائع ان القاضی یقول ان خصمک فلانا یرید الرد علیک فان حضرت والا نقضت البیع فلا ینقضہ القاضی بلا اعذار (معین الحکام ص ۱۰۱ فصل فی من تخلف عن حضور مجلس الحکم)

اس صورت میں مدعیٰ علیہ پر اعذار یعنی حجت تمام کرنے کے لئے احتیاطاً یہی کافی ہے کہ قاضی کی طرف سے کوئی منادی جاکر مدعیٰ علیہ کے دروازہ پر ندا دے اور اعلان کر دے، لہٰذا اس میں شہادت ضروری ہو اور نہ شہادت کا نصاب، اس کے علاوہ جبکہ عدالتوں کے معاملات مدعی و مدعیٰ علیہ کے اختیار میں نہیں اور موجودہ عدالتیں مدعیٰ علیہ کے پاس سمن یا شہادت بھیجنے کی پابند نہیں تو اس معاملہ کے لئے یہ صورت بھی ایک گونہ تعذر ارسال میں داخل ہو جاتی ہے، جس میں بغیر ارسال کے بھی تفریق قاضی کا نافذ ہونا مسلّم ہے، بنا بریں غالب یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں فسخ نکاح شرعاً صحیح و درست اور نافذ ہو گیا، واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع

دار العلوم کراچی ۱۴ ۹ [illegible] ھ

بندہ کو اس تحریر سے اتفاق نہیں، اس لئے کہ اس میں جواز فسخ نکاح کی شرائط ذیل مفقود ہیں:

(۱) زوج سے قیام نکاح اور اس کی غیبوبت پر شہادت۔

(۲) عدم نفقہ اور اس سے متعلقہ امور پر حلف۔

(۳) عدالت کے حکم نامہ میں نہ تو تفصیل ہے اور نہ ہی اسکے شوہر تک پہنچنے کا یقین۔

بحث ارسال صحیح ہے، اگرچہ معین الحکام میں فسخ بیع سے متعلق جزو صحت مذکور ہے اس سے فسخ نکاح میں درست معلوم نہیں ہوتی، نکاح کا معاملہ بنسبت بیع کے زیادہ اہم ہے لہٰذا فسخ نکاح کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ زوج تک قاضی کا حکم نامہ پہنچے اور پھر حاضری سے کوئی عذر نہ ہونے کا قاضی کو ظن غالب ہو جائے، الا ان تعذر الارسال الیہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

رشید احمد

۱۱ ربیع الآخر [illegible] ھ

شوہر ایام انقلاب میں گم ہو گیا:

سوال: ایک عورت کا خاوند لاپتہ ہے، خبر نہیں مر گیا یا زندہ ہے؟ اب یہ عورت جوان عمر ہو اور کہاں تک انتظار کرے؟ یہ واقعہ بھی اس انقلاب کی صورت میں ہوا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شوہر کے لاپتہ ہونے میں دو احتمال ہیں:

① پاکستان میں پہنچ کر لاپتہ ہوا ہو۔

② ہندوستان ہی میں کسی ایسی جگہ پر لاپتہ ہو گیا ہو جہاں عام بدامنی اور فسادات پھیلے ہوئے تھے،

پہلی صورت چونکہ زیادہ تفصیل طلب ہے، نیز سوال سے بھی دوسری صورت ظاہر ہو رہی ہے اس لئے صرف اسی دوسری صورت کا حکم لکھا جاتا ہے، پس اگر ہندوستان ہی میں فسادات کے مواقع پر کہیں لاپتہ ہوا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کسی مسلم حاکم یا اگر حاکم شرعی فیصلہ نہ کرتا ہو تو کسی مجلس علماء میں دعویٰ پیش کرے اور شرعی شہادت سے ثابت کرے کہ یہ شخص اس کا شوہر ہے اور وہ لاپتہ ہے، حاکم اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، جب کسی صورت میں بھی اس مرد کا پتہ نہ چل سکے اور حاکم کو یہ گمان غالب ہو جائے کہ یہ شخص فسادات میں مر گیا ہے اس وقت فسخ نکاح کا حکم صادر کرے، اس کے بعد عورت عدت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے،

قال فی الشامیة (قوله واختار الزیلعی تفویضه الی الامام) قال فی الفتح فای وقت رأی المصلحة حکم بموته (الی ان قال) ومقتضاه انه یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یبتنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال واذا فقد فی المهلکة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقد فی وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر وما اشبه ذلك حکم بموته لانه الغالب فی هذه الحالات وان کان بین احتمالین واحتمال موته ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاته لان هذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقداره ونقل عن القنیة اهـ ما فی جامع الفتاوی وافتی به بعض مشایخنا وقال انه افتی به قاضی زاده صاحب بحر الفتاوی لکن لا یخفی انه لا بد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو او سفر البحر ونحوه (رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۲)

البتہ اگر جدید نکاح کرنے کے بعد پہلا شوہر واپس آ گیا تو اس کے احکام یہ ہیں:

① یہ عورت پہلے شوہر کو ملے گی اور اس کا پہلا نکاح ہی باقی ہے، جدید نکاح کی ضرورت نہیں،

② اگر دوسرے شوہر نے خلوت صحیحہ کی ہو تو کل مہر دے گا اور عورت پر عدت طلاق واجب ہوگی۔

اگر خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو نہ مہر واجب ہوگا نہ عدت،

(۳) بصورت خلوت صحیحہ دوسرے شوہر سے علیحدہ ہوکر عدت گذار کر پہلے شوہر سے ہمبستر ہوسکے گی،

(۴) عدت پہلے شوہر کے پاس گذارے، مگر عدت گذرنے تک اس کے لئے ہمبستری جائز نہیں،

(۵) اگر دوسرے شوہر سے حالت نکاح میں یا فسخ نکاح کے بعد زمانۂ عدت میں کوئی اولاد پیدا ہوگئی تو وہ دوسرے شوہر کی ہوگی۔

"قال فی المبسوط (بعد ذکر رجوعہ (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) الی قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانہ (علیا) کان یقول ترد الی زوجہا الاول ویفرق بینہما وبین الآخر ولہا المہر بما استحل من فرجہا ولا یقربہا الاول حتی تنقضی عدتہا من الآخر وبہٰذا کان یأخذ ابراہیم فیقول قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احب الیّ من قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وبہ نأخذ ایضاً (مبسوط ج ۱۱)"

وایضاً فیہ نعرف ان الصحیح انہا زوجۃ الاول ولکن لا یقربہا لکونہا معتدۃ الغیر کالمنکوحۃ اذا وطئت بشبہۃ (مبسوط ج ۱۱)

ای المطلوبۃ بالشبہۃ تعتد عند الزوج الاول فتکمل العدۃ، قال فی الشامیۃ وللموطوءۃ بشبہۃ ان تقیم مع زوجہا الاول وتخرج باذنہ فی العدۃ لقیام النکاح بینہما وانما حرم الوطء الخ (رد المحتار ج ۲)

ولفظ المبسوط بما استحل من فرجہا یشیر الی ان مجرد النکاح لا یوجب المہر وایضاً رفع النکاح الثانی کالفسخ وفی الفسخ قبل الخلوۃ لا یجب شیٔ من المہر لما فی البحر ثم فسخ العقد رفعہ من الاصل وجعلہ کان لم یکن ولو لم یکن حقیقۃ لم یکن لہا مہر لکنا الحقناہ بالعدم من الاصل (الی ان قال) وان کان قد دخل بہا لا یسقط المہر لان المہر قد تأکد بالدخول فلا یحتمل السقوط بالفرقۃ (وبعد اسطر) ان المراد من المہر المہر المسمیٰ (بحر الرائق ج ۳ فصل فی بیان ما یرفع النکاح) وفی الشامیۃ من ط ای زوجیتہ لہ ولا الاولاد للثانی اھ فتأمل (رد المحتار ج ۲)

تنبیہ:

اگر پنچایت سے فیصلہ کرایا گیا تو یہ ضروری ہے کہ کم از کم یہ پنچایت تین ارکان پر شامل ہو اور پنچایت کے سب ارکان نیک ہوں اور عالم ہوں یا عالم سے پوچھ کر فیصلہ کریں، عالم بھی ایسا ہو

جو شہادت وقضاء کے احکام سے بخوبی واقف ہو اور فسخ نکاح کا فیصلہ سب کے اتفاق سے ہو کوئی اختلاف نہ کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ ذی قعدہ ۸۲ھ

حکم زوجۂ مفقود:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے؟ کہ ایک شخص عرصہ سے غائب ہو گیا ہے اس کی موت یا زندگی کی کوئی خبر نہیں، ایسی حالت میں اس کی بیوی کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مفقود کی بیوی کے لئے بہتر ہے کہ شوہر کی عمر نوے برس ہونے تک صبر کرے، اگر صبر نہ کر سکے تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق یہ عورت کسی حاکم مسلم کے ہاں دعویٰ پیش کرے، اور گواہوں سے مفقود کے ساتھ تا حال قیام نکاح حاکم کے پاس ثابت کرے، نکاح کے اصل شاہد ضروری نہیں بلکہ شہادت بالتسامع کافی ہے، یعنی نکاح کی عام شہرت سن کر نکاح پر شہادت دی جا سکتی ہے، اس کے بعد شوہر کے مفقود ہونے کی شہادت شرعیہ پیش کرے، پھر حاکم اس شخص کی بقدر ممکن تلاش کرے، جہاں اس کے جانے کا ظن غالب ہو وہاں آدمی بھیجے، اور جہاں صرف احتمال ہو خط وغیرہ سے تحقیق کرے، اخبار میں اشتہار دینا مفید معلوم ہو تو یہ بھی کرے، بہرکیف ہر ممکن صورت سے اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، حاکم کے پاس دعویٰ پیش ہونے سے قبل عورت کی طرف سے یا کسی دوسرے شخص کی طرف سے تلاش کی کوشش کافی نہیں، بلکہ دعویٰ پیش ہونے کے بعد ضروری ہے کہ حاکم خود پوری کوشش کرے، دوسروں کے کہنے پر ہرگز اعتماد نہ کرے، جب حاکم شوہر کے ملنے سے بالکل ناامید ہو جائے تو عورت کو چار سال کی مہلت دے، اگر ان چار سالوں میں بھی اس کی کوئی خبر نہ آئی تو عورت حاکم کے پاس دوبارہ درخواست پیش کر کے نکاح فسخ کروا لے، اور شوہر کو مردہ تصور کر کے عدت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اگر کہیں حاکم مسلم موجود نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو جماعۃ المسلمین بطریق مذکور فسخ نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

(۱) جماعت کے ارکان کم از کم تین ہوں۔

(۲) سب ارکان عادل یعنی پکے دیندار ہوں۔

(۳) سب ارکان یا کم از کم ایک رکن ایسا عالم ہو جو شہادت وقضاء کے احکام شرعیہ میں ماہر ہو۔

④ فسخ نکاح کا فیصلہ سب ارکان اتفاق رائے سے کریں۔

⑤ شوہر کی تلاش کے وقت مصارف عورت خود برداشت کرے، اگر یہ نا ممکن ہو تو حکومت برداشت کرے۔

اگر دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد پہلا شوہر واپس آگیا تو اس کے احکام یہ ہیں:

① عورت اسی پہلے شوہر کو ملے گی، جدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں، پہلا نکاح ہی کافی ہے۔

② اگر دوسرے شوہر نے خلوت صحیحہ کی ہو تو کل مہر دے گا، اور عورت پر عدت طلاق واجب ہوگی، اگر خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو نہ مہر واجب ہوگا نہ عدت۔

③ عدت پہلے شوہر کے پاس گذارے گی، مگر عدت گذارنے تک پہلے شوہر کے لئے جماع کرنا جائز نہیں۔

④ اگر دوسرے شوہر سے حالت نکاح میں یا فسخ نکاح کے بعد عدت گذرنے سے قبل اولاد پیدا ہوگئی تو یہ دوسرے شوہر کی ہوگی۔ (ہذا ملخص ما فی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ)

تنبیہ:

حیلۂ ناجزہ میں جہاں [illegible] کا ذکر ہے اس سے صرف انعقاد نکاح مراد نہیں بلکہ تمام نکاح پر شہادت ضروری ہے، لما فی الروایۃ الاولیٰ من العلامۃ محمد بن صدیق القلاتی ما نصہ یعنی ان تثبت الزوجیۃ وغیبۃ الزوج والبقاء فی العصمۃ الی الآن اھ وفی الالحاق من العلامۃ ابی ہاشم فی الزوجیۃ تثبت بشاہدین ان ذلک زوجہا وغاب عنہا اھ وفی الروایۃ الثانیۃ والعشرین من العلامۃ الغزالی کذا اثبت الزوجیۃ اھ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ محرم سنہ ۷۳ھ

زوجۂ مفقود سے متعلق ترمیم جو مشورہ کے بعد طے ہوئی:

"ہم دستخط کنندگان ذیل کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ حیلۂ ناجزہ ص ۷۱ میں بعنوان "تنقیح" جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تبدیل کر دیا جائے:

فی مسئلۃ ۱۰۔ زوجۂ مفقود کے لئے قاضی کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کے بعد جو چار سال کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے جب کہ عورت کے لئے نفقہ اور گذارہ کا بھی کچھ انتظام ہو اور عصمت وعفت کے ساتھ یہ مدت گذارنے پر قدرت بھی ہو اور اگر اس کی

نفقہ اور گذارہ کا کوئی انتظام نہ ہو نہ شوہر کے مال سے نہ کسی عزیز و قریب یا حکومت کے تکفل سے اور خود بھی محنت مزدوری پردہ اور عفت کے ساتھ کر کے اپنا گذران نہیں کر سکتی، تو جب تک صبر کر سکے شوہر کا انتظار کرے جس کی مدت ایک ماہ سے کم نہ ہو، اس کے بعد قاضی یا کسی مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے،

اور اگر نفقہ اور گذران کا تو انتظام ہو مگر بغیر شوہر کے رہنے میں اپنی عفت و عصمت کا اندیشہ قوی ہو تو سال بھر صبر کرنے کے بعد قاضی کی طرف مرافعہ کرے اور دونوں صورتوں میں گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کرے کہ اس کا شوہر فلاں اتنی مدت سے غائب ہے اور اس نے اس کے لئے کوئی نان نفقہ نہیں چھوڑا اور نہ کسی کو نفقہ کا ضامن بنایا اور اس نے اپنا نفقہ اس کو معاف بھی نہیں کیا، اور اس پر عورت حلف بھی کرے اور دوسری صورت یعنی عفت کے خطرہ کی حالت میں قسم کھائے کہ میں بغیر شوہر کے اپنی عفت قائم نہیں رکھ سکتی، قاضی کے پاس جب یہ ثبوت مکمل ہو جائے تو قاضی اس کو کہہ دے کہ میں نے تمہارا نکاح فسخ کر دیا یا شوہر کی طرف سے طلاق دیدی یا خود عورت کو اختیار دیدے کہ وہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور جب عورت طلاق اپنے نفس پر واقع کرے تو قاضی اس طلاق کو نافذ کر دے۔ (کما فی فتاویٰ العلامۃ الفقہاء ثم من الالحاق بحیلۃ ناجزہ ص ۱۱۰) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شوہر بحری سفر میں گم ہو گیا:

سوال: ایک شخص بحری سفر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ لانچ پر سوار ہو کر گئے واپس

ملحقہ: یہ مذہب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے ثابت ہوا، ذکر عدم نفقہ کی صورت میں ایک ماہ اور خشیت زنا کی صورت میں ایک سال کا انتظار حاکم کے فیصلہ سے پہلے کا ہو خواہ مرافعہ سے پہلے اتنی مدت گذری ہو یا نہیں، مگر مذہب مالکی اختیار کرنے کے لئے جس ضرورت کا تحقق شرط ہے اس کو متحقق کرنے کے لئے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس مدت میں کچھ اضافہ کر دینا زیادہ احتیاط ہے چنانچہ یہاں ہر ایک ماہ یا ایک سال کی مدت قبل المرافعہ ضروری کہی ہے تاکہ مقدمہ کی کارروائی کی مدت اس کے علاوہ ہو البتہ اگر حاکم کے فیصلہ تک بھی اتنی مدت گذر گئی تو فتویٰ جواز کا دیا جائے گا۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ	رشید احمد	محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ
خادم دار العلوم کراچی ۱۴	محمد رفیع عثمانی	محمد تقی عثمانی
۲۵ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ		

عـه یعنی اس کا شوہر ہونا بھی ثابت کرے اور غائب ہونا بھی ۱۲ عـه یعنی صورت اولیٰ میں ۱۲ عـه یہ طلاق رجعی ہوگی اگر عدت کے اندر اس کے عدم مفقود ہو جانے تو اس کے احکام وہ ہوں گے جو غائب غیر مفقود کے ہیں ۱۲ رشید احمد

آرہا تھا رات کو لانچ کے ایک طرف تختہ پر جو تقریباً ڈیڑھ فٹ چوڑا تھا اس پر سویا ہوا تھا، ساتھیوں نے اور ناخدا نے بھی منع کیا مگر باز نہ آیا، صبح اٹھے تو یہ شخص مفقود تھا، اب اس کے مال اور بیوی کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قرائن سے اس کی موت متیقن ہے، لہٰذا اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے، اور اس کی بیوی عدتِ موت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، قرائن مفیدۃ لیقین بحکم شہادت ہیں، کما فی کتاب الشہادات من شرح التنویر ونصه: وانسلم قرینة قاطعة کان ظهر من دار خالیة انسان خائف بسکین متلوث بدم فدخلوها فوراً فرأوا مذبوحاً لعینه اُخذ به اذ لا یمتری احد انه قاتله (رد المحتار ج ۴ ص ۴۰۸) وفی الشامیة فی اول کتاب القضاء فی بیان طرق القضاء الی الحکم او القرائن الواضحة التی تصیر الامر فی حیز المقطوع به فقدنا واذا ظهر انسان من دار بیده سکین وهو متلوث بالدم سریع الحرکة علیه اثر الخوف فدخلوا الدار علی الفور فوجدوا فیها انساناً مذبوحاً بذلک الوقت ولم یوجد احد غیر ذلک الخارج فانه یؤخذ به وهو ظاهر اذ لا یمتری احد فی انه قاتله والقول بانه ذبحه آخر ثم تسور الحائط او انه ذبح نفسه احتمال بعید لا یلتفت الیه اذ لم ینشأ عن دلیل (رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۱)

شامیہ کتاب المفقود میں جو مذکور ہے کہ سمندر بحر میں گم ہونے والے کا مدت طویلہ تک انتظار کر کے حاکم اس کی موت کا حکم کرے، اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے ساحل پر پہنچنے کا علم نہ ہو، صورتِ سوال میں تو وسط بحر ہی میں فقدان کا علم ہو گیا ہے جو موجبِ یقین ہے، اور احتمالِ بعید ناشی بلا دلیل کا اعتبار نہیں کما صرح به شارح التنویر وابن عابدین رحمهما الله تعالیٰ فیما ذکرنا من نصهما۔ ایسا بعید احتمال تو بلاشبہ میت کے دیکھنے کے بعد بھی موجود ہوتا ہے کہ شاید موت نہ ہوئی ہو، لہٰذا اس صورت میں نہ مدت طویلہ تک انتظار کی ضرورت ہے اور نہ حکمِ حاکم کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ صفر سنہ ۹۶ھ

مجنون نفقہ دینے پر قادر نہ ہو تو صورتِ تفریق:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ ایک شخص جو مجنون اور دماغی خلل کی وجہ سے اپنی بیوی کو سنبھالنے اور خرچ وغیرہ برداشت کرنے پر قادر نہیں اور نہ ہی بیوی کے مصارف کا اور کوئی انتظام ہو سکتا ہے، بیوی اس حالت میں اس کے نکاح میں رہنے پر راضی نہیں، اور یہ شخص جنون

کی وجہ سے طلاق دینے پر قادر نہیں کیونکہ شرعاً اس کی طلاق غیر معتبر ہے، اور جنون بھی اس حد تک پہنچا ہوا نہیں کہ عورت کو خیارِ فسخ مل سکے یعنی شوہر سے تکلیف پہنچنے یا قتل وغیرہ کا خوف نہیں تو اس صورت میں بیوی کی نجات کی کیا شرعی صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایسے حالات میں مذہب حنفی میں کوئی صورت ممکن نہیں، لہٰذا بوقتِ اضطرار مذہب مالکی پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم کے پاس درخواست پیش کرے، اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے، اور وہ مجنون ہے، اور وہ نفقہ پر قادر نہیں، اور نہ ہی کوئی اس کے نفقہ کا کفیل ہے، اور اس نے نفقہ معاف بھی نہیں کیا، اور نہ ہی اسے نکاح سے قبل اس کی نادری کا علم تھا یا نادری کا علم تو تھا مگر کسی نے نفقہ کی کفالت قبول کی تھی اور اب اس نے انکار کر دیا، پھر نفقہ سے متعلق ان سب باتوں پر قسم بھی کھائے اس پر حاکم شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے، اگر اس مدت میں بھی نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو حاکم تفریق کر دے، یہ فیصلہ طلاق رجعی کے حکم میں ہوگا، اگر عدت کے اندر قدرت ثابت ہو جائے تو مجنون کا ولی رجوع کر سکتا ہے، والتفصیل فی الحیلة الناجزة لحکیم الامة قدس سرہ۔

تنبیہات:

① مجنون کے ساتھ زوجیت پر شہادت کا لزوم کہیں نظر سے نہیں گذرا، مگر چونکہ مجنون کا وجود کالعدم ہے اس لئے قیاساً علی الغائب یہ شرط ضروری معلوم ہوتی ہے وهو الأحوط، نیز مجنون کا اقرار زوجیت اس لئے معتبر نہیں ہونا چاہئے کہ اس میں مجنون کا ضرر ہے۔

② حیلۂ ناجزہ میں اس صورت میں شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دینے کی تصریح نہیں، مگر چونکہ یہ اعسار کی صورت ہے جس میں مالکیہ کے ہاں تاجیل مہر کی صراحت ہے اس لئے شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دینا چاہئے، اگر اس میں بھی نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو تفریق کی جائے، البتہ عبارات مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاجیل صحتِ قضاء کے لئے شرط نہیں۔

③ حاکم تاجیل شہر اور اس کے بعد فسخ نکاح کا حکم مجنون کے ولی کو سنائے، اگر اس کا کوئی ولی نہ ہو تو حاکم مجنون کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کر کے اس کو حکم سنائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۹۳ھ

حکم زوجۂ مجنون:

سوال: آپ نے احسن الفتاویٰ میں ایسے مجنون کے فسخ نکاح کی صورت تحریر فرمائی ہے جو نفقہ پر قادر نہ ہو، اگر نفقہ کا انتظام تو ہو مگر بیوی کو مجنون سے سخت تکلیف پہنچتی ہو یا مجنون ہمبستری پر قادر نہ ہو یا ہمیشہ غائب رہے ان دونوں صورتوں میں اس سے نجات حاصل کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بوقت نکاح جنون موجود تھا اور بے خبری میں نکاح ہوگیا تو مالکیہ کے علاوہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی عورت کو خیار فسخ ہے خواہ جنون مستوعب ہو یا غیر مستوعب، یعنی کبھی کبھی دورہ پڑتا ہو، اور اگر نکاح کے بعد جنون مستوعب یا غیر مستوعب لاحق ہوا تو حنفیہ کے ہاں فسخ نکاح کی کوئی صورت نہیں، بوقت مجبوری مالکیہ کے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے، دونوں صورتوں میں تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے، اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے اور وہ ایسا خطرناک مجنون ہے کہ اس سے سخت اندیشہ ہے اور نا قابل برداشت ایذاء پہنچتی ہے اس پر قاضی مجنون کے ولی کو اس کے علاج کے لئے ایک شمسی سال کی مہلت کا حکم سنائے، اگر مجنون کا ولی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو اس کا وکیل مقرر کرکے اسے حکم سنائے، ایک سال گذرنے پر اگر شوہر کو افاقہ نہ ہوا اور عورت پھر درخواست کرے تو قاضی عورت کو اختیار دے دے اگر عورت اسی مجلس میں تفریق طلب کرے تو قاضی تفریق کردے، ایک سال کی مہلت کے حکم کی طرح تفریق کا حکم بھی قاضی مجنون کے ولی کو اور وہ نہ ہو تو مقرر کردہ وکیل کو سنائے، اگر یہ جنون بوقت عقد موجود تھا تو یہ تفریق فسخ ہے، اور اگر بعد میں لاحق ہوا تو اس بارہ میں کتب مالکیہ کی عبارات مختلف ہیں کہ یہ فسخ ہے یا طلاق بائن؟ مالکیہ سے اس کی تحقیق کرلی جائے، اگر تحقیق نہ ہوسکے تو احتیاط اس میں ہے کہ اسے طلاق بائن قرار دیا جائے، لہٰذا اگر اس طلاق کی عدت کے اندر دو طلاقیں مزید دے دیں یا اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرکے پھر دو طلاقیں دے دیں تو طلاق مغلظہ ہوجائے گی۔

اگر خلوت صحیحہ سے قبل نکاح فسخ ہوگیا تو مہر بالکل ساقط ہوجائے گا اور عورت پر عدت بھی نہیں، اور اگر خلوت صحیحہ ہوچکی تھی تو مہر کامل بھی واجب ہوا اور عدت بھی۔

شرائط تفریق:

(۱) جنون خطرناک حد تک ہو، جو ضرر یا ایذاء کا باعث ہو، معمولی جنون میں خیار تفریق نہیں،

(۲) نکاح سے قبل جنون کا علم نہ ہو،

(۳) جنون کا علم ہونے کے بعد عورت نے اس کے نکاح میں رہنے پر کبھی اظہار رضا نہ کیا ہو، اگر ایک بار رضا ظاہر ہو چکی ہو تو خیار نہ رہے گا،

(۴) علم جنون کے بعد عورت نے بالاختیار جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو، اگر مجنون نے جبراً ہمبستری کر لی تو اس سے خیار باطل نہ ہوگا، اسی طرح اگر معمولی جنون میں ہمبستری کا موقع دیا یا اس کے نکاح میں رہنے پر رضا کا اظہار کیا مگر بعد میں جنون خطرناک حد تک پہنچ گیا تو خیار تفریق باطل نہ ہوگا،

(۵) مجنون سے تفریق کے لئے قضاء قاضی شرط ہے،

(۶) مہلت کی میعاد ایک شمسی سال گذر جانے کے بعد عورت کی دوبارہ درخواست پر جب قاضی عورت کو اختیار دے تو اسی مجلس میں عورت فسخ نکاح کو قبول کرے، اگر مجلس برخاست ہو گئی یا عورت کسی دوسری گفتگو یا کسی کام میں مشغول ہو گئی تو اسے خیار نہ رہے گا،

اگر مجنون جماع پر قادر نہیں تو وہ عنین ہے، اور اگر ہمیشہ غائب رہتا ہے تو وہ غائب غیر مفقود ہے، عنین اور غائب غیر مفقود سے تفریق کی صورت احسن الفتاوی میں موجود ہے،

غور طلب :

غائب اور مفقود کی بیوی کو بحالت خشیت زنا خیار تفریق ہے، اگرچہ غائب ہونے سے قبل ہمبستری ہو چکی ہو مگر عنین نے ایک دفعہ بھی ہمبستری کر لی تو اس کی بیوی کو خشیت زنا کے باوجود خیار نہیں، دونوں میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنین کی بیوی اس کی نگرانی میں ہے اس لئے اس پر معصیت میں ابتلاء کا اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جہاں کسی امر کی حقیقت میں خفاء ہو وہاں اس کے اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا عنین کا قیام مع الزوجہ ہی بمنزلہ وطی ہے، لیکن اگر مجنون کو ایک بار ہمبستری کے بعد قدرت نہ رہی اور جنون خطرناک بھی نہیں، نفقہ بھی موجود ہے تو اس کی بیوی کو محض خشیت زنا کی وجہ سے خیار تفریق ہے یا نہیں؟ غائب و عنین میں فرق مذکور کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر مجنون بیوی کی نگرانی پر قادر نہیں اور اس کا وجود و عدم برابر ہے تو اسے بحکم غائب سمجھ کر اس کی بیوی کو خیار ہونا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر ۹۶ھ

بابُ العِدّۃ

زنا سے حاملہ کو طلاق دی تو عدت واجب ہے:

سوال: کسی شخص نے لاعلمی سے ایسی عورت سے نکاح کر لیا جس کو زنا سے حمل تھا پھر علم ہونے پر وضعِ حمل سے قبل ہی اسے طلاق دیدی تو اس عورت پر عدت واجب ہو گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس عورت سے اگر خلوتِ صحیحہ یا ہمبستری کی ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، خواہ نکاح زانی سے ہو یا غیر زانی سے، بہر کیف عدت واجب ہے، قال فی شرح التنویر وفی حق الحامل مطلقا ولو امۃ او کتابیۃ او من زنا بان تزوج حبلی من زنا ودخل بہا ثم مات او طلقہا تعتد بالوضع، وفی الشامیۃ (قولہ بان تزوج حبلی من زنا) الخ اذ لیست من اجل الزنا لما تقدم انہ لا عدۃ علی الحامل من الزنا اصلا وانما العدۃ لموت الزوج او طلاقہ، قال الرحمتی ولیعلم کون الحمل من زنا بولادتہا قبل ستۃ اشہر من حین العقد (قولہ ودخل بہا) ہو قید لتقریر المتون منہا لما مر ان عدۃ الوفاۃ لا یشترط لہا الدخول ودخولہ بہا بالخلوۃ او بوطئہا مع حرمتہ لانہ وان جاز نکاح الحبلی من زنا لا یحل وطؤہا حتی ونقل المسألۃ فی البحر عن البدائع بدون قیدا لدخول (رد المحتار ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ذی الحجہ ۶۲ھ

مطلقہ مغلظہ سے صحبت کی تو استیناف عدت نہیں:

سوال: ایک شخص نے مغلظہ طلاق دے کر اپنی بیوی سے صحبت کی تو عدت وقتِ طلاق سے شمار ہو گی یا صحبت کے بعد دوسری عدت ہو گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

وقتِ طلاق سے عدت کا اعتبار ضروری ہے اور دوسری عدت واجب نہ ہوگی، قال فی
الشامیة لو وطئها بعد الثلاث فی العدة بلا نکاح عالما بحرمتها لا تجب عدة اخری
لانه زنا وفی البزازیة طلقها ثلاثا ووطئها فی العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف
العدة بثلاث حیض ویرجمان اذا علما بالحرمة ووجد شرائط الاحصان ولو کان
منکرا طلاقها لا تنقضی العدة ولو ادعی الشبهة تستقبل الخ (رد المحتار ج ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ صفر سنہ ۸۵ھ

طلاق بالکنایہ بائن کے بعد صحبت سے عدت مستأنفہ واجب ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے کر اس سے ہمبستری کر لی تو عدت
کس وقت سے شمار ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

اگر طلاق بائن بلفظ کنایہ دی ہے تو ہمبستری کے وقت سے دوسری عدت واجب ہوگی
اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا، قال فی التنویر اذا وطئت المعتدة بشبهة وجبت
عدة اخری وتداخلتا. وفی الشامیة تحت (قوله بشبهة) وذلک کالموطوءة للزوج
فی العدة بعد الثلاث بنکاح وکذا بدونه اذا قال ظننت انها تحل لی او بعد ما
ابانها بالفاظ الکنایة وتمامه فی الفتح (الی ان قال) والحاصل لم یجعل الطلاق
علی مال والخلع کالثلاث وذکر انه لو خالعها ولو بمال ثم وطئها فی العدة عالما
بالحرمة تستأنف العدة لکل وطأة وتتداخل العدد الی ان تنقضی الاولی و
بعده تکون الثانیة والثالثة عدة الوطء لا الطلاق حتی لا یقع فیها طلاق آخر
ولا تجب فیها نفقة اھ وما قاله الصدر هو ظاهر ما قدمناه آنفا عن الفتح حیث
جعل الوطء بعد الابانة بالفاظ الکنایة من الوطء بشبهة ای لقول بعض الائمة
بانه لا یقع بها البائن فاورث الخلاف فیه شبهة (رد المحتار ج ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ صفر سنہ ۸۵ھ

عدت حاملہ:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ حمل میں طلاق دی، اب یہ عورت دوسرا نکاح کب کرسکے گی؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

اس کی عدت وضع حمل ہے، اس کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے، قال اللہ تعالیٰ: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. وفی شرح التنویر: وفی حق الحامل مطلقا ولو أمة أو كتابية أو من زنا بأن تزوج حبلى من زنا ودخل بها ثم مات أو طلقها تعتد بالوضع جواهر الفتاوی، وضع جميع حملها (رد المحتار باب العدة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ ذیقعدہ سنہ ۷۴ھ

بچہ پیٹ میں مرگیا تو حکم عدت:

سوال: مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا کے پیٹ میں اگر بچہ سوکھ گیا ہو تو عدم وضع حمل کی صورت میں اس کی عدت کتنی مدت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دوا یا آپریشن کے ذریعہ رحم کی صفائی کرائی جائے، اگر حمل چار ماہ یا زیادہ مدت کا تھا تو بطریق مذکور اسقاط سے عدت ختم ہوگئی ورنہ تین حیض گزرنے پر عدت ختم ہوگی۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وضع حملها) أي بلا تقدير بمدة سواء ولدت بعد الطلاق أو الموت بيوم أو أقل جوهرة. والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله، فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبانة بعض الخلق بحر عن المحيط. وفيه عنه أيضا أنه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوما (رد المحتار ص ۱۵۲ ج ۳) اگر کسی طرح بھی رحم کی صفائی ممکن نہ ہو تو رفع ضرر کیلئے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کہ اکثر مدت حمل دو سال پورے کرلے کے بعد تین ماہ عدت گزارے، قال فی العلائیة: ولو مات فی بطنها ينبغي بقاء عدتها إلى أن ينزل أو تبلغ حد الإياس نهر. وفی الشامية: (قوله أو تبلغ حد الإياس) يعني فتعتد بالأشهر بحر، وفيه أنه مناف لقوله تعالى ﴿وأولات الأحمال﴾ الآية فتأمل. قلت وفي حاشية البحر للشيخ خير الدين: لا معنى للقول بالانقضاء مع وجوده

لاشتغال الرحم به كذا في كتب الشافعية، قال الرملي في شرح المنهاج ولو مات زوجها اكثر من اربع سنين لم تنقض الا بوضعه لعموم الآية كما افتى به الوالد رحمه الله تعالى لاحتمال علوقها منه بوطء شبهة بعد بينونتها منه، وقال ابن قاسم في حاشية شرح المنهج، قال شيخنا الطبلاوي افتى جماعة عصرنا بالتوقف على خروجه والذي اقول عدم التوقف اذا امكن خروجه لخصي زمان بينونتها من التزوج اهـ ولا يخفى من قواعدنا يدفع ما قالوه اذا علم ذلك لم ما لنا ويظهر ان المراد من قوله او تبلغ سن الاياس هو الاياس من خروجه وهل المراد منه نهاية سن الحمل وهو اربع سنين عند الشافعية وسنتان عندنا او اعم من ذلك محتمل والذي ينبغي العمل بما قاله الجماعة لموافقته صريح الآية (رد المحتار ص ۸۰۴ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲ رجب سنہ ۸۱ھ

معتدہ کرایہ مکان پر قادر نہ ہو تو اسے چھوڑ سکتی ہے:

سوال: زید اپنی زوجہ کو لے کر ایک دوسرے شہر میں بغرض روزگار کرایہ کے مکان میں قیام پذیر ہوا، کچھ عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، اب زید کی زوجہ اس کرایہ کے مکان میں عدت وفات پوری کر رہی ہے، مگر اس میں اتنا کرایہ دینے کی استطاعت نہیں، تو کیا اس کم کرایہ کے مکان یا مفت کے مکان میں منتقل ہونا اور اس کرایہ کے مکان کو چھوڑ کر جانا جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اتنے کرایہ کی استطاعت نہ ہو تو قریب تر مکان میں جا سکتی ہے، قال في التنوير وتعتدان اي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه الا ان تخرج او يتهدم المنزل او تخاف تلف مالها او لا تجد كراء البيت، وفي العلائية فتخرج لاقرب موضع اليه (رد المحتار ص ۸۳۰ ج ۲)

فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۲ ذی قعدہ سنہ ۸۱ھ

معتدہ موت شوہر کا منہ دیکھنے کے لئے گھر سے نہیں نکل سکتی:

سوال: بکر کا انتقال اس کے بھائی کے گھر دوسرے محلہ میں ہوا، تو زوجہ بکر شوہر متوفی کا منہ دیکھنے کے لئے دوسرے محلہ میں از روئے شرع جا سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ تجہیز و

تکفین کے بعد واپس شوہر کے مکان میں آکر عدت وفات پوری کرے، جبکہ زوجۂ بکر کو بکر کے مکان پر وفات کی خبر ہو چکی ہو، تو کیا وفات کی خبر سنکر بھی نکلنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

معتدہ موت کے پاس اگر نفقہ نہ ہو تو کسب معاش کی ضرورت سے گھر سے نکل سکتی ہے، اسی طرح اس کے مال کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے لئے بقدر حاجت گھر سے نکل سکتی ہے، رات کا اکثر حصہ بہرکیف گھر میں گذارنا ضروری ہے، ضرورت مذکورہ کے سوا دن میں بھی گھر سے نہیں نکل سکتی، لہٰذا شوہر کا منہ دیکھنے کے لئے نکلنا جائز نہیں، قال فی شرح التنویر ومعتدة موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلها لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج حتی لو کان عندها کفایتها صارت کالمطلقة فلا یحل لها الخروج فتح وجوز فی القنیة خروجها لاصلاح ما لا بد لها منه کزراعة ولا وکیل لها اھ والتفصیل فی الشامیة (رد المحتار ص ... ج ...) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

سفر میں وجوب عدت:

سوال: عمر اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر دوسرے شہر میں ہمشیرہ کے گھر بطور مہمان کے یا بغرض کاروبار کے آیا ہوا تھا، وہیں عمر کا انتقال ہو گیا، تو کیا عمر کی زوجہ عمر کی ہمشیرہ کے مکان پر عدت وفات پوری کرے یا تجہیز و تکفین کے بعد فوراً اس شہر میں چلی جائے جہاں پر خاوند کا مکان ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر شوہر کا گھر جائے اقامت سے مسافت سفر سے کم ہو تو بیوی وہاں آکر عدت گذارے اور مسافت سفر سے زیادہ ہو تو جائے اقامت ہی میں عدت پوری کرے، قال فی شرح التنویر ابانها او مات عنها فی سفر ولو فی مصر ولیس بینها وبین مصرها مدة سفر رجعت ولو بین مصرها مدة (الی قوله) تعتد ثمة ان لم تجد محرما اتفاقا وکذا ان وجدت عند الامام رحمه الله تعالی (رد المحتار ص ... ج ...) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک عورت ہندوستان گئی ہوئی ہے، بعد میں اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اب یہ عدت وہیں گذارے یا واپس آکر شوہر کے مکان پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر واپسی سفر میں اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں تو وہیں عدت گذارے اور اگر محرم ہے تو قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق وہیں عدت گذارنا لازم ہے، مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس آکر شوہر کے مکان پر عدت گذارے، بوقت ضرورت شدیدہ اس قول پر عمل کی گنجائش ہے، یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ وہاں قیام ممکن ہو، اگر وہاں کی حکومت مدت عدت تک قیام کی اجازت نہ دے تو بہر حال واپس آجائے، قال فی شرح التنویر ان مرت بما یصلح للاقامة کما فی البحر وغیرہ زاد فی النہر وبینہ وبین مقصدہ سفر او کانت فی مصر او قریة تصلح للاقامة تعتد ثمة ان لم تجد محرما اتفاقا وکذا ان وجدت عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۶۲۱ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۸۲ھ

اسقاطِ حمل سے عدت ختم ہوجاتی ہے:

سوال: عدت والی عورت اگر اپنا حمل بذریعہ دوا ساقط کردے جس سے عدت جلدی ختم ہوجائے تو عدت ختم ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حمل چار ماہ یا اس سے زائد مدت کا ہو تو اس کے اسقاط سے عدت ختم ہوجائے گی، ورنہ اس کے بعد تین حیض گذرنے سے عدت ختم ہوگی، اس صورت میں اسقاط کے بعد اگر کم از کم تین روز خون آئے تو وہ بھی حیض شمار ہوگا، اس کے بعد مزید دو حیض پورے کرے، اور اگر تین روز سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں، لہٰذا اس کے بعد تین حیض گذرنے سے عدت پوری ہوگی۔

فی حیض العلائیة وسقط مثلث السین ای مسقوط ظہر بعض خلقہ کید او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولا یستبین خلقہ الا بعد مائة وعشرین یوما (الی قولہ) ولد تنقضی بہ العدة فان لم یظہر لہ شیٔ فلیس بشیٔ، وفی الشامیة (قولہ مسقوط

الذی فی البحر التعبیر بالاسقاط وهو احسن لفظاً ومعنیً اما لفظاً فلان سقط لازم لایبنی منه اسم المفعول واما معنی فلان المقصود سقوط الولد سواء سقط بنفسه او اسقطه غیره (رد المحتار ص ۸۲۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رمضان ۸۴ھ

عدت ختم کرنے کے لئے اسقاطِ حمل:

سوال: جناب کا تحریر فرمودہ فتویٰ موصول ہوا، شکریہ! اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دوا کے ذریعہ حمل ساقط کردیا تو عدت ختم ہے، مگر اس حمل کا اسقاط کرنا تاکہ عدت ختم ہوجائے جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور کسی قسم کا گناہ بھی ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حمل پر چار ماہ گزرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز نہیں، اس سے قبل جواز میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ بدون سخت مجبوری کے یہ بھی جائز نہیں، ولادت تک عدت میں کوئی ضرر نہیں، اگر اس میں ضرر ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسا مشکل حکم کیوں نازل فرماتے؟ ان کا تو ارشاد ہے کہ انہوں نے کوئی حکم ایسا نہیں اتارا جس میں حرج ہو، وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ، لہٰذا اس غرض سے اسقاط جائز نہیں۔ فی بعض الشامیة معزیا لعقد الفرائد قالوا یباح لها ان تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغة او علقة ولم یخلق له عضو وقدروا تلک المدة بمائة وعشرین یوما وانما اباحوا ذلک لانه لیس بآدمی اھ (رد المحتار ص ۴۲۰ ج ۲) وفی نهر العلائیة وقالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر ولو بلا اذن الزوج اھ وفی الشامیة قال فی النهر بقی هل یباح الاسقاط بعد الحمل نعم یباح ما لم یتخلق منه شیء ولن یکون ذلک الا بعد مائة وعشرین یوما وهذا یقتضی انهم ارادوا بالتخلیق نفخ الروح والا فهو غلط لان التخلیق یتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة کذا فی الفتح واطلاقهم یفید عدم توقف جواز اسقاطها قبل المدة المذکورة علی اذن الزوج وفی کراهة الخانیة ولا اقول بالحل اذ المحرم لو کسر بیض الصید ضمنه لانه اصل الصید فلما کان یؤاخذ بالجزاء فلا اقل من ان یلحقها اثم هنا اذا اسقطت بغیر عذر اھ قال ابن وهبان ومن الاعذار ان ینقطع لبنها بعد ظهور الحمل ولیس لابی الصبی ما یستأجر به الظئر ویخاف هلاکه ونقل عن الذخیرة

لو ارادت الالقاء قبل مضی زمن ینفخ فیه الروح هل یباح لها ذلك ام لا اختلفوا فیه
وکان الفقیه علی بن موسی یقول انه یکره فان الماء بعد ما وقع فی الرحم مآله الحیاة
فیکون له حکم الحیاة کما فی بیضة صید الحرم ونحوه فی الظهیریة قال ابن وهبان
فاباحة الاسقاط محمولة علی حالة العذر او انها لا تأثم اثم القتل اھ وبما فی الذخیرة
تبین انهم ما ارادوا بالتخلیق الا نفخ الروح وان قاضی خان مسبوق بما مر من
التفقه والله تعالی الموفق اھ کلام النهر (رد المحتار ص ۲۱۳ ج ۲) وفی الحظر
منها قبیل باب الاستبراء وفی الذخیرة لو ارادت القاء الماء بعد وصوله الی
الرحم قالوا ان مضت مدة ینفخ فیه الروح لا یباح لها وقبله اختلف المشایخ فیه
والنفخ مقدر بمائة وعشرین یوما بالحدیث اھ قال فی الخانیة ولا اقول به
لضمان المحرم بیض الصید لانه اصل الصید فلا اقل من ان یلحقها اثم وهذا
لو بلا عذر اھ ویأتی تمامه قبیل احیاء الموات والله تعالی اعلم (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۲)
وفی العلائیة قبیل احیاء الموات ویکره ان تسقی لاسقاط حملها وجاز لعذر حیث
لا یتصور وفی الشامیة (قوله ویکره الخ) ای مطلقا قبل التصور وبعده علی ما اختاره
فی الخانیة کما قدمناه قبیل الاستبراء وقال الا انها لا تأثم اثم القتل
(قوله وجاز لعذر) کالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها ولیس لابی الصبی
ما یستأجر به الظئر ویخاف هلاك الولد قالوا یباح لها ان تعالج فی استنزال
الدم مادام الحمل مضغة او علقة ولم یخلق له عضو وقدروا تلك المدة
بمائة وعشرین یوما وجاز لانه لیس بآدمی وفیه صیانة الآدمی خانیة
(قوله حیث لا یتصور) قید لقوله وجاز لعذر والتصور کما فی القنیة ان یظهر
له شعر او اصبع او رجل او نحو ذلك (رد المحتار ص ۲۲۰ ج ۵) فقط والله تعالی اعلم

۱۲ شوال [illegible]ھ

عدتِ ممتدۃ الطہر

سوال: اگر کسی جوان عورت کو ماہواری بالکل نہ آتی ہو یا بہت طویل عرصہ کے
بعد آتی ہو اور اس کو طلاق ہو جائے تو وہ عدت کیسے گزارے؟ کیا تین مہینے پورے کرنے
سے عدت ختم ہو جائے گی یا شرعاً کوئی دوسرا طریقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس عورت کو شروع ہی سے حیض بالکل نہ آیا ہو اس کی عمر تیس سال ہو جانے پر وہ آئسہ شمار ہوگی، اور اگر حیض آنے کے بعد بالکل بند ہوگیا یا بہت مدت کے بعد آتا ہو تو پچپن سال کی عمر ہونے پر آئسہ ہوگی، دونوں قسم کی آئسہ کی عدت تین مہینے ہے، مگر صورت ثانیہ میں یہ شرط ہے کہ کم از کم چھ ماہ سے حیض بند ہو، یہ چھ ماہ کی مدت پچپن سال کی عمر پوری ہونے سے قبل گزر چکی ہو تو وہ بھی معتبر ہے، یعنی اس صورت میں پچپن سال پورے ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی، دونوں قسم کے ایاس میں اگر عدت کے تین ماہ پورے ہونے سے قبل حیض جاری ہوگیا تو از سر نو عدت تین حیض پوری کرے، اگر سن ایاس سے قبل عدت کی نوبت آجائے تو بذریعہ علاج حیض جاری کرکے تین حیض عدت پوری کرے، اگر کسی علاج سے بھی حیض جاری نہ ہو تو بوقت ضرورت کسی مالکی قاضی سے ایک سال کی عدت کا فیصلہ کرایا جائے اگر مالکی قاضی میسر نہ ہو اور ضرورت شدیدہ ہو تو بدون قضاء بھی ایک سال کی عدت کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے، قال فی العلائیۃ آیسۃ اعتدت بالاشہر ثم عاد دمہا علی جاری عادتہا او حبلت من زوج آخر بطلت عدتہا وفسد نکاحہا واستأنفت بالحیض لان شرط الخلفیۃ تحقق الایاس عن الاصل وذلک بالعجز الدائم الی الموت وہذا ظاہر الروایۃ کما فی الغایۃ واختارہ فی الہدایۃ فتعین المصیر الیہ قال فی البحر بعد حکایۃ ستۃ اقوال مصححۃ واقرہ المصنف لکن اختار البہنسی ما اختارہ الشہید انہا ان رأتہ قبل تمام الاشہر استأنفت لا بعدہا قلت وہو ما اختارہ صدر الشریعۃ ومنلا خسرو والباقانی واقرہ المصنف فی باب الحیض وعلیہ فالنکاح جائز وتعتد فی المستقبل بالحیض کما صحح فی الخلاصۃ وغیرہا وفی الجوہرۃ والمجتبی انہ الصحیح المختار وعلیہ الفتوی وفی تصحیح القدوری وہذا التصحیح اولی من تصحیح الہدایۃ وفی النہر انہ اعدل الروایات وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی والصغیرۃ لو حاضت بعد تمام الاشہر لا تستأنف الا اذا حاضت فی اثنائہا فتستأنف بالحیض کما تستأنف العدۃ بالشہور من حاضت حیضۃ او ثنتین ثم أیست تحرزا عن الجمع بین الاصل والبدل والایاس سنہ للرومیۃ وغیرہا خمس وخمسون عند الجمہور وعلیہ الفتوی وقیل الفتوی علی خمسین نہر وفی البحر عن الجامع صغیرۃ بلغت ثلاثین سنۃ ولم تحض حکم

بآيسة في الشامية (قوله وفي البحر عن الجامع الخ) يحتمل ان يكون مبنيا على القول
بتقديره بثلاثين لكن ظاهر قوله ولم تحض انها لم يسبق لها حيض اصلا وهي
الشابة التي بلغت بالسن ومر حكمها ويؤيده ما في التاترخانية عن الينابيع
امرأة ما رأت الدم وهي بنت ثلاثين سنة مثلا رأت يوما دما لا غير ثم طلقها
زوجها قال ليست هي بآيسة وقال ابو جعفر تعتد بالشهور لانها من اللائي لم يحضن
وبه نأخذ اهـ (تنبيه) هل يؤخذ بقولها انها بلغت سن الاياس كما يقبل قولها
بالبلوغ بعد الصغر ام لابد من بينة لم ار من صرح به من علمائنا وينبغي الاول
على رواية التقدير بسن اما على رواية عدمه فالمعتبر اجتهاد الرأي كما مر تأمل
(تتمة) وذكر في الحقائق شرح المنظومة النسفية في باب الامام مالك انه
وعندنا ما لم تبلغ حد الاياس لا تعتد بالاشهر وحده خمس وخمسون
سنة هو المختار لكنه يشترط للحكم بالاياس في هذه المدة ان ينقطع الدم
عنها مدة طويلة وهي ستة اشهر في الاصح ثم هل يشترط ان يكون انقطاع
ستة اشهر بعد مدة الاياس الاصح انه ليس بشرط حتى لو كان منقطعا قبل
مدة الاياس ثم تمت مدة الاياس وطلقها زوجها يحكم باياسها وتعتد بثلاثة
اشهر هذا هو المنصوص في الشفاء في الحيض وهذه دقيقة تحفظ اهـ ونقل هذه
العبارة العلامة الشهاب احمد بن يونس الشلبي في شرحه على الكنز من خط العلامة
الاكمل شارح الكنز غير معزية لاحد ونقلها عن السيد الحموي (رد المحتار ص ٦٢٢ ج ٢)

وقال في العلائية والعدة في حق من لم تحض حرة ام ام ولد لصغر
بان لم تبلغ تسعا او كبر بان بلغت سن الاياس او بلغت بالسن وخرج بقوله
ولم تحض الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض
الى ان تبلغ سن الاياس جوهرة وغيرها وما في شرح الوهبانية من انقضائها
بتسعة اشهر غريب مخالف لجميع الروايات فلا يفتى به كيف وفي نكاح الخلاصة
لو قيل لحنفي ما مذهب الامام الشافعي رحمه الله تعالى في كذا وجب ان يقول
قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى كذا نعم لو قضى مالكي بذلك نفذ كما في البحر
والنهر وقد نظمه شيخنا الخير الرملي سائلا من المتن فقال ـــه

لممتدة طهر بتسعة اشهر ؛ وما عدة ان مالكي يقتدي

ومن بعده لا وجه للنقض هكذا ؛ يقال بلا نقض عليه يعطر

وفي الشامية (قوله او بلغت بالسن) أي خمس عشرة سنة ط عن العناية ومثله لو بلغت بالانزال قبل هذه المدة (قوله ولم تحض) شامل لما اذا لم تر دما اصلا او رأت وانقطع قبل التمام قال في البحر عن التاترخانية بلغت فرأت يوما دما ثم انقطع حتى مضت سنة ثم طلقها فعدتها بالاشهر اهـ وسيذكر الشارح عن البحر انها اذا بلغت ثلاثين سنة ولم تحض حكم بإياسها أي في بيانه (قوله بان حاضت) اى ثلاثة ايام مثلا (قوله ثم امتد طهرها) اى سنة او اكثر بحر (قوله من انقضائها بتسعة اشهر) ستة منها مدة الاياس وثلاثة منها العدة ورأيت بخط شيخ مشايخنا السائحاني ان المعتمد عند المالكية انه لابد لوفاء العدة من سنة كاملة تسعة اشهر لمدة الاياس وثلاثة اشهر لانقضاء العدة قلت ولنا الامر في الجميع بالحول (قوله فلا يفتى به) اعترض بانه قول مالك رحمه الله تعالى والتقليد جائز بشرط عدم التلفيق كما ذكره الشيخ حسن الشرنبلالي في رسالته بل ومع التلفيق كما ذكره العلامة ابن فروخ في رسالة قلت ما ذكره ابن فروخ رده سيدي عبد الغني في رسالة خاصة والتقليد وان جاز بشرطه فهو للعامل لنفسه لا للمفتي لغيره فلا يفتي بغير الراجح في مذهبه لما قدمه الشارح في رسم المفتي بقوله وحاصل ما ذكره الشيخ قاسم في تصحيحه انه لا فرق بين المفتي والقاضي الا ان المفتي مخبر عن الحكم والقاضي ملزم به وان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع وان الحكم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقا اهـ وقدمنا الكلام عليه هناك فافهم (قوله وجب ان يقول الخ) هذا مبني على قول بعض الاصوليين لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الفاضل وبنى على ذلك وجوب اعتقاد ان مذهبه صواب يحتمل الخطأ وان مذهب غيره خطأ يحتمل الصواب فاذا سئل عن حكم لا يجيب الا بما هو صواب عنده فلا يجوز ان يجيب بمذهب الغير وقدمنا في ديباجة الكتاب تمام الكلام على ذلك (قوله نعم لو قضى مالكي بذلك نفذ) لانه مجتهد فيه

وهذا كله رد على ما في البزازية قال العلامة والفتوى في زماننا على قول مالك رحمه
الله تعالى وعلى ما في جامع الفصولين لو قضى قاض بانقضاء عدتها بعد مضي تسعة
أشهر نفذ اهـ لأن المعتمد أن القاضي لا يصح قضاؤه بغير مذهبه خصوصا قضاة
زماننا (قوله لممتدة) بالتنوين ونصب طهرا على التمييز ط (قوله وقاعدة) بتفسير
وفا الضرورة وهو مبتدأ خبره قوله بتسعة أشهر والجملة دليل جواب الشرط
الذي هو أن مالكي يقضي ويعني أن حكم القاضي المالكي بتقدير التسعة أشهر لممتدة
الطهر كأن هذا المتن زعم تمامه من بعده أي من بعد قضاء القاضي المالكي بهذا
المقدار لا وجه لنقض القاضي الحنفي حكمه لأنه نص مجتهد فيه فقضاؤه رافع
الخلاف اهـ ح وفي بعض النسخ أن مالكي يقرر بالواو لكن قد علمت أن المعتمد
عند المالكية تقدير المدة بحول ونقله أيضا في البحر عن المجمع معزيا لمالك
رحمه الله تعالى (قوله هكذا أيضا) حتى ينبغي أن يقال مثل هذا القول الخالي عن
نقل واعتراض ينظر به عليه لا كما قال بعضهم من أنه يفتى به للضرورة اهـ ح قلت
لكن هذا ظاهر إذا أمكن قضاء مالكي به أو تحكيمه أما في بلاد لا يوجد فيها مالكي
يحكم به فالضرورة متحققة وكأن هذا وجه ما مر عن البزازية والفصولين
فلا يرد قوله في النهر إنه لا داعي إلى الإفتاء بقول الغير لإمكان الترافع إلى مالكي يحكم به اهـ فتأمل ولهذا قال الزاهدي وقد كان
بعض أصحابنا يفتون بقول مالك رحمه الله تعالى في هذه المسألة للضرورة اهـ
ثم رأيت ما بحثته بعينه ذكره محشي مسكين عن السيد الحموي وسيأتي
لنظير هذه المسألة في زوجة المفقود حيث قيل إنه يفتى بقول مالك رحمه
الله تعالى إنها تعتد عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين (رد المحتار ص ۱۵۲ ج ۲)

فقط والله تعالى أعلم

۲۳ رجب ۸۴ھ

نامرد سے خلوت صحیحہ کے بعد عدت اور مہر کامل واجب ہے:

سوال: شاکرہ کا نکاح زید سے ہوا، میاں بیوی دونوں ایک جگہ تنہائی میں جمع بھی ہوئے
مگر زید کے نامرد ہونے کی وجہ سے مباشرت کی نوبت نہیں آئی، طلاق کے بعد شاکرہ پر عدت

ہو گئی ہیں، اور زید کے ذمہ مہر کی رقم کل ہے یا کچھ کم؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید پر کل مہر واجب ہے اور طلاق کے بعد شاکرہ پر عدت واجب ہوگی، قال فی التنویر والخلوة بلا مانع حسی وشرعی وطبعی کالوطء ولو مجبوبا او عنینا او خصیا فی ثبوت النسب وفی تأکد المهر والنفقة والسکنی والعدة (رد المحتار ص ۳۳۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ذی الحجہ ۹۳ھ

عورت اپنے رہائشی مکان میں عدت گزارے:

سوال: زید اپنے گھر سے دوسرے شہر میں بغرض کاروبار مع اہل وعیال کے کرایہ کے عارضی مکان میں رہنے لگا، یہاں زید کا انتقال ہو گیا، تو عورت اپنے خاوند کے مکان پر جو دوسرے شہر میں ہے جہاں سے زید آیا تھا وہیں جا کر عدت پوری کرے یا یہاں پر ہی خود اسی مکان میں یا یہاں سے دوسرے محلہ میں اپنے والدین یا رشتہ دار کے مکان میں عدت وفات پوری کرے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسی عارضی مکان میں عدت گزارنا واجب ہے، قال فی العلائیة وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه، وفی الشامیة هو ما یضاف الیهما بالسکنی قبل الفرقة ولو غیر بیت الزوج (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ محرم ۹۳ھ

عدت میں سفر جائز نہیں:

سوال: ایک بزرگ جن کا حلقۂ متوسلین دور دراز پھیلا ہوا ہے ان کے دو حرم محترم تھیں، ایک لاولد اور دوسری سے دو صاحبزادے ہیں اور وہ ساتھ کے باقی صاحبزادیاں ہیں ہر دو اہلیہ مختلف شہروں میں سکونت پذیر ہیں، اب وہ بزرگ صاحب کی وفات کے بعد عدت بھی اپنے گھروں میں بسر کر رہی ہیں، حضرت صاحب کے خدام نے مختلف امور انتخاب جانشین، انتظام وانصرام جائداد، پسماندگان کے بارے میں مستقبل کا بندوبست اور اسی قسم کے دوسرے مسائل طے کرنے کے لئے ایک اجتماع مقرر کیا ہے جس کی اطلاع حلقۂ مریدین میں کر دی گئی ہے، یہ اجتماع اسی شہر میں رکھا گیا ہے جہاں حضرت صاحب کی لاولد

اہلیہ رہتی ہیں اور حضرت صاحب کے مزار کے علاوہ ان کی زیر تعمیر مسجد اور جاری کردہ مدرسہ واقع ہیں،
تو متوسلین کی خواہش ہے کہ بڑی اہلیہ صاحبہ بھی اس مقام پر تشریف لے آئیں، تاکہ زیر غور امور
کے متعلق ان سے مشاورت کی جاسکے، ایسا نہ ہو کہ کسی امر کا ان کی مرضی کے خلاف فیصلہ ہو جائے
جس سے ان کا نقصان ہو یا بعد میں تنازعات کھڑے ہو جائیں، کیا ایسی صورت میں بڑی اہلیہ صاحبہ
دوران عدت اس مقام پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟ جبکہ یہ مقام گھر سے ڈیڑھ سو میل دور ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معتدۂ موت اپنے معاشی انتظام کے لئے دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں اپنے گھر سے
نکل سکتی ہے، رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارنا واجب ہے، مگر اس کے لئے بقدر سفر شرعی
= ۸۸،۵ کلو میٹر مسافت طے کرنا جائز نہیں، مسافت سفر شرعی کی تحقیق میرے رسالہ
"القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر" میں ہے، یہ رسالہ الگ بھی شائع ہوا ہے اور احسن الفتاوی
جلد ۴ میں بھی، صورت سوال میں مقام فیصلہ تک سفر شرعی ہے، اس لئے وہاں جانا جائز نہیں،
سفر شرعی سے کم فاصلہ پر اجتماع رکھیں تو وہاں جاسکتی ہیں، اور وہ بھی اس شرط سے کہ نہ جانے کی
صورت میں ان کو مالی نقصان کا خطرہ ہو اور کوئی ایسا قابل اعتماد شخص بھی موجود نہ ہو جو وہاں جا کر
ان کی نمائندگی کرسکے، اس لئے خود جانے کی ضرورت ہو اور دن میں جائیں، رات کا اکثر حصہ اپنے
گھر میں گزاریں، قال فی شرح التنویر ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر
اللیل فی منزلہا لان نفقتہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لو کان عندہا کفایتہا صارت
کالمطلقۃ فلا یحل لہا الخروج فتح، وجوّز فی القنیۃ خروجہا لاصلاح ما لا بد لہا منہ
کزراعۃ ولا وکیل لہا (رد المحتار ص ۶۲۳ ج ۲) وفیہ او کانت فی مصر او قریۃ تصلح
للاقامۃ تعتد ثمۃ ان لم تجد محرما اتفاقا وکذا ان وجدت عند الامام رحمہ
اللہ تعالی (رد المحتار ص ۶۲۶ ج ۲) وفی الخانیۃ المعتدۃ لا تسافر لحج ولا لغیرہ
ولا یسافر بہا زوجہا (الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۵۵۴ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم
۲ر شوال سنہ ۹۳ھ

معتدۂ موت کو تنہائی سے سخت وحشت ہو تو مکان بدل سکتی ہے:

سوال: معتدۂ موت اپنے شوہر کے مکان میں عدت گزارنے سے معذور ہے، اکیلی ہے اور
کوئی اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا، آیا کسی اور مکان میں عدت گزار سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر تنہائی کی وجہ سے جان یا عزت یا مال پر خطرہ ہو یا اکیلی ہونے کی وجہ سے سخت وحشت ہوتی ہو تو دوسرے کسی قریبی مکان میں عدت گزار سکتی ہے، قال فی شرح التنویر وتعتد ای معتدۃ طلاق وموت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او یتہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج، وفی الشامیۃ (قولہ ونحو ذلک) منہ ما فی الظہیریۃ لو خافت باللیل من امر المیت والموت ولا احد معہا لہا التحول والخوف شدید والا فلا (رد المحتار ص ۶۲۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۲ھ

معتدہ کا علاج کے لئے نکلنا:

سوال: معتدہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جا کر دوا لانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ڈاکٹر کو گھر پر نہ بلایا جا سکتا ہو اور مرض شدید ہو تو ایسی مجبوری میں ڈاکٹر کے پاس جانا جائز ہے، قال فی شرح التنویر وتعتد ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او یتہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات۔ وفی الشامیۃ (قولہ ونحو ذلک) منہ ما فی الظہیریۃ لو خافت باللیل من امر المیت والموت ولا احد معہا لہا التحول والخوف شدید والا فلا (رد المحتار ص ۶۲۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۳ھ

متعدد مکانوں کے مشترک صحن میں جانا:

سوال: ایک جگہ دس بارہ مکان ملے ہوئے ہیں، پھر ان سب کے لئے نکلنے کا ایک بڑا دروازہ ہے، یعنی مکانات سے الگ سب کا ایک دروازہ ہے، اس محلہ کی قطع نا شکل ہے، اگر ان میں سے کسی مکان میں موت ہو جائے تو کیا عدت والی عورت دوسرے مکان میں یا اور باہر مشترک صحن میں جا سکتی ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دوسرے مکان میں اور مشترک صحن میں جانا جائز نہیں، البتہ یہ سب مکان اسی عورت کے شوہر کی ملک ہوں تو ان میں سے جس مکان میں چاہے جا سکتی ہے اور صحن میں جانا بھی جائز ہے، قال فی التنویر ولا تخرج معتدۃ رجعی وبائن زوجۃ مکلفۃ من بیتہا اصلاً وفی الشرح لا لیلاً ولا نہاراً ولا الی صحن دار فیہا منازل لغیرہ ولو باذنہ لانہ حق اللہ تعالیٰ، وفی الشامیۃ (قولہ وفیہا منازل لغیرہ) ای غیر الزوج بخلاف ما اذا کانت لہ فان لہا ان تخرج الیہا وتبیت فی ای منزل شاءت لانہا تضاف الیہا بالسکنی زیلعی (رد المحتار ص ۶۲۶ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۵ھ

عدت میں بضرورت کنگھی کرنا جائز ہے:

سوال: معتدہ کے سر میں جوئیں پڑ جائیں تو بالوں میں تیل لگا کر باریک دندانوں کی کنگھی کے سوا جوئیں نہیں نکلیں گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی ضرورت کے موقع میں معتدہ کو بالوں میں تیل لگا کر باریک دندانے کی کنگھی استعمال کرنا جائز ہے، بلا ضرورت کشادہ دندانوں والی کنگھی بھی جائز نہیں، قال فی شرح التنویر تحت (الی قولہ) بترک الزینۃ بحلی او حریر او امتشاط بضیق الاسنان (الی قولہ) الا بعذر راجع للجمیع اذ الضرورات تبیح المحظورات، وفی الشامیۃ (قولہ بضیق الاسنان) فلہا الامتشاط باسنان المشط الواسعۃ ذکرہ فی المبسوط وبحث فیہ فی الفتح لکن یاتی عن الجوہرۃ تقییدہ بالعذر ثم قال تحت (قولہ راجع للجمیع) اذ تشتکی رأسہا فتدھن وتمتشط بالاسنان الغلیظۃ المتباعدۃ من غیر ارادۃ الزینۃ لان ہذا تداو لا زینۃ (رد المحتار ص ۶۲۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ رمضان سنہ ۹۵ھ

نکاح باطل میں عدت نہیں:

سوال: مسماۃ محسنی کی شادی لور بشیر سے ہوئی، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، ایک سال کے بعد لور بشیر معاشی ضرورت کے پیش نظر پردیس چلا گیا، اور گھر والوں کو خط و کتابت سے

سے محروم رہتا، الحسنی ساس سسر کے پاس رہ کر زندگی کے دن کاٹ رہی تھی، کہ لڑکا مرض جنون میں مبتلا ہوگیا (جنون کی مخصوص بیماری کا نام ہے) واضح ہو کہ حسنی کے والدین، بہن بھائی یا دیگر خاص رشتہ دار کوئی بھی نہیں، صرف ایک پھوپھی ہے، لڑکے کے علاج کی غرض سے حسنی پھوپھی کے پاس گئی، ہفتہ عشرہ رہی، پھوپھی نے ورغلایا کہ تمہارا خاوند سال بھر سے غائب ہے اور ساس سسر کے پاس کب تک زندگی گزاری ہوگی، مناسب ہے کہ میرے لڑکے سے عقد کرلو، وہ مانی جب کام نہیں چلا تو تشدد سے کام لیا، اور دیگر حربے استعمال کئے، بالآخر اپنے لڑکے سے حسنی کا عقد کرادیا، چند روز بعد نور بشر کا خط آیا، پھر چند مہینے کے بعد وہ خود بھی آگیا، تو حسنی اپنی مرضی سے بچہ کو لے کر نور بشر کے ہاں آگئی، پس از روئے شرع حسنی نور بشر کی بیوی ٹھہرے گی یا نہیں؟ اور نور بشر کے لئے کیا لازم ہوگا؟ نور بشر کے سفر کی مدت تقریباً دو سال ہوگی، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حسنی کا نکاح نور بشر سے بدستور قائم ہے، دوسرا نکاح باطل ہے، لہٰذا حسنی پر عدت واجب نہیں، اور اگر دوسرے نکاح سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ بھی پہلے شوہر کا شمار ہوگا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

۵ صفر سنہ ۹۸ھ

بحالتِ عدت ہسپتال میں رہنا:

ہندہ نے ڈاکٹر سے پیٹ کا آپریشن کرایا جبکہ آپریشن اشد ضروری تھا، اب ہندہ کا شوہر مرگیا، ہندہ ہسپتال میں زیرِ علاج ہے، تو وہ عدتِ وفات کس طرح پوری کرے؟ اور کہاں پوری کرے؟ اور اگر ہندہ گھر آجائے اور زخموں میں پیپ پڑ جائے تو ایسی حالت میں دورانِ عدت پھر ڈاکٹر کے پاس جاکر مرض بتانا اور دکھانا ہندہ کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب تک ہسپتال میں رہنا اشد ضروری ہو وہاں رہے، اس کے بعد شوہر کے مکان میں آجائے، پھر ہسپتال میں جاکر ڈاکٹر کو دکھلانے کی سخت ضرورت پیش آئے تو ایسی مجبوری میں ہسپتال جاسکتی ہے، قال فی العلائیۃ وتعتدان أی معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او یتہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف

مالها ولا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات، وفی الشامیة (قوله ونحو ذلک) منه ما فی الظهیریة لو خافت باللیل من امر المیت والموت ولا احد معها لها التحول والخوف شدید والا فلا (رد المحتار ص ۶۲۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ربیع الاول ۸۹ھ

صغیرہ کو عدت میں حیض آگیا:

سوال: ایک نابالغہ مطلقہ لڑکی کی عدت بالاشہر شروع ہوئی، مگر تین ماہ مکمل ہونے سے قبل اسے حیض آنا شروع ہوگیا، کیا اب یہ عدت بالاشہر مکمل کرے یا نئے سرے سے تین حیض پورے ہونے تک عدت رہے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تیسرا مہینہ پورا ہونے سے خواہ ایک ہی منٹ پہلے حیض آگیا تو نئے سرے سے حیض سے عدت شمار کرے اور تین حیض پورے کرے، قال فی العلائیة والصغیرة لو حاضت بعد تمام الاشهر لا تستأنف الا اذا حاضت فی اثنائها فتستأنف بالحیض، وفی الشامیة (قوله فی اثنائها) ای قبل تمامها ولو بساعة (رد المحتار ص ۸۲۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر ۸۹ھ

اثناء عدت میں حیض بند ہوگیا:

سوال: ایک مطلقہ عورت کی عدت بالحیض شروع ہوئی، مگر تین حیض مکمل ہونے سے پہلے اس کا دم حیض بند ہوگیا، اب یہ عورت عدت کیسے پوری کرے؟ اگر دو حیض آنے کے بعد حیض بند ہوگیا تو کیا اب صرف ایک مہینہ گزر جانے سے اس کی عدت ختم ہوجائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ عورت سن ایاس کو پہنچ چکی ہے تو نئے سرے سے عدت بالاشہر پوری کرے، مگر چونکہ انقطاع حیض کے بعد چھ ماہ گزرنے کے بعد حکم ایاس ہوتا ہے، اس لئے چھ ماہ کے بعد مزید تین ماہ عدت کے ہوں گے، اگر سن ایاس کو نہیں پہنچی تو تیسرے حیض کا انتظار کرے، سن ایاس پچپن سال ہے، بشرطیکہ انقطاع دم کے بعد چھ ماہ گزر جائیں، یعنی حکم ایاس کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک پچپن سال کی عمر ہونا اور دوسری انقطاع حیض پر چھ ماہ گزرنا، یہ چھ ماہ پچپن سال

کے بعد گذرنا ضروری نہیں بلکہ اگر پچپن سال کی عمر سے قبل انقطاع حیض پر چھ ماہ گذر گئے تو پچپن سال کی عمر ہونے پر حکم ایاس لگایا جائے گا، قال فی شرح التنویر والصغیرۃ لو حاضت بعد تمام الاشهر لا تستأنف الا اذا حاضت فی اثنائها فتستأنف بالحیض کما تستأنف العدۃ بالشهور من حاضت حیضۃ او ثنتین ثم أیست تحرزا عن الجمع بین الاصل والبدل والایاس سنه للرومیة وغیرها خمس وخمسون عند الجمهور وعلیه الفتوی وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی (تتمة) ذکر فی الحقائق شرح المنظومة النسفیة فی باب الامام الشافعی رحمه الله تعالی ما نصه وعندنا ما لم تبلغ حد الایاس لا تعتد بالاشهر وحده خمس وخمسون سنة هو المختار لکنه یشترط للحکم بالایاس فی هذه المدۃ ان ینقطع الدم عنها مدۃ طویلة وهی ستة اشهر فی الاصح ثم هل یشترط ان یکون انقطاع ستة اشهر بعد مدۃ الایاس الاصح انه لیس بشرط حتی لو کان منقطعا قبل مدۃ الایاس ثم تمت مدۃ الایاس وطلقها زوجها یحکم بایاسها وتعتد بثلاثة اشهر هذا هو المنصوص فی الشفاء فی الحیض وهذه دقیقة تحفظ اهـ ونقل هذه العبارة واقرها الشهاب احمد بن یونس الشلبی فی شرحه علی الکنز من خط العلامة باکیر شارح الکنز غیر معزیة لاحد ونقلها عنه السید الحموی (رد المحتار ص ۸۱۵ ج ۲) فقط والله تعالی اعلم۔

غرہ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

بعد البلوغ حیض نہ آئے تو عدت تین ماہ ہے:

سوال: ایک عورت کو سن بلوغ سے لے کر وقت طلاق حیض نہیں آیا، بوقت طلاق تقریباً چالیس سال عمر ہے، اب یہ عورت عدت کیسے گذارے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی عدت تین ماہ ہے، قال فی التنویر والعدۃ فی من لم تحض لصغر او کبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة اشهر وفی الشامیة (قوله او بلغت بالسن) ای خمس عشرۃ سنة وهی الغایة ومثلها لو بلغت بالانزال قبل هذه المدۃ (قوله ولم تحض) شامل لما اذا لم تر دما اصلا او رأت وانقطع قبل التمام، قال فی البحر عن التاتارخانیة بلغت فرأت یوما دما ثم انقطع حتی مضت سنة ثم طلقها

فعدتها بالاشهر اھ (رد المحتار ص ۸۵۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الآخر سنہ ۹۸ھ

کسی سے ذہنی اذیت کی وجہ سے مکان بدلنا جائز نہیں:

سوال: شوہر کے مر جانے کے بعد بیوہ عورت جو کہ حاملہ ہے سسرال میں اپنے گھر عدت گزارنا چاہتی ہے اور اس کے ساتھ دشنام طرازی وایذا رسانی ہوتی ہے، تو کیا وہ اپنے والدین کے ہاں جا کر عدت کے بقیہ دن پورے کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سسرال وغیرہ کی طرف سے اس قسم کی اذیت کی بنا پر عدت ختم ہونے سے قبل شوہر کے مکان سے نکلنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ جمادی الآخرہ سنہ ۹۹ھ

خلوتِ فاسدہ میں عدت واجب ہے:

سوال: اگر کسی نے خلوتِ فاسدہ کے بعد طلاق دیدی تو بیوی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عدت واجب ہے، کما فی عدۃ الطلاق ثلاث ان وطئت ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ (رد المحتار ص ۸۳۰ ج ۲) وفی المعرفۃ وتجب العدۃ فی الکل ای کل الانواع الخلوۃ ولو فاسدۃ، وفی الشامیۃ هذا فی النکاح الصحیح اما النکاح الفاسد فلا تجب العدۃ فی الخلوۃ فیہ بل بحقیقۃ الدخول فتح (رد المحتار ص ۸۳۲ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ جمادی الآخرہ سنہ ۹۹ھ

عدت میں پان کھانا:

سوال: عدت کے اندر عورت پان کھا سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ پان کھانے کی عادی ہو بغیر کھائے مشکل سے رہا جائے، خواہ عدت طلاق کی ہو یا موت کی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق رجعی کی عدت میں جائز ہے، طلاق بائن اور موت کی عدت میں جائز نہیں، البتہ

بدون کھٹہ والا بچی وارنگ وغیرہ کے کھا سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ رجمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۲ھ

بائنہ شوہر کے ساتھ عدت کیسے گذارے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ میں تین طلاق یعنی بائن طلاق دے دیتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اپنے خاوند کا مکان اسی وقت چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلی جانا ضروری ہے یا اسی مکان میں رہ کر عدت کے دن گذارنا ضروری ہے؟

مثلاً یہ کہ قرآن پاک کا حکم ہے کہ مطلقہ عورت کو اسی مکان میں عدت کے دن گذارنا ضروری ہو مگر ایسی صورت میں جبکہ اس گھر میں مذکورہ دونوں میاں بیوی ہی رہتے تھے، اور بعد طلاق کے بھی یہ دونوں ہی مکان میں رہیں گے، تو کیا یہ دونوں اکیلے گھر میں رہ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت اسی مکان میں عدت گذارے مگر میاں بیوی کے درمیان کوئی حائل یعنی پردہ وغیرہ کرنا ضروری ہے، تاکہ خلوت میں دونوں کا اجتماع نہ ہو، اگر ایک مکان میں رہنے سے گناہ میں ابتلاء کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسی عورت ساتھ رہے جو دونوں کو الگ رکھنے پر قادر ہو، اگر ایسا نہ ہو سکے تو شوہر پر واجب ہے کہ عدت ختم ہونے تک اس مکان کو چھوڑ دے، کسی دوسرے مکان میں رہے، اگر اس کو اس پر مجبور نہ کیا جا سکتا ہو تو بیوی یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں عدت گذارے، قال فی شرح التنویر ولا بد من سترۃ بینہما فی البائن لئلا یختلی بالاجنبیۃ ومفادہ ان الحائل یمنع الخلوۃ المحرمۃ وان ضاق المنزل علیہما او کان الزوج فاسقا فخروجہ اولیٰ لان مکثہا واجب لا مکثہ ومفادہ وجوب الحکم بہ ذکرہ الکمال وحسن ان یجعل القاضی بینہما امرأۃ ثقۃ ترزق من بیت المال بحر عن تلخیص الجامع قادرۃ علی الحیلولۃ بینہما وفی المجتبی الافضل الحیلولۃ بستر ولو فاسقا فبامرأۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ومفادہ) ای مفاد التعلیل بوجوب مکثہا وجوب الحکم بہ ای بخروجہ عنہا وقولہم وخروجہ اولیٰ لعل المراد انہ ارجح کما یقال اذا تعارض محرم ومبیح فالمحرم اولیٰ ای ارجح فانہ یراد الوجوب نہر (قولہ وفی المجتبی الخ) حیث قال والافضل ان یحال بینہما فی البیتوتۃ بستر الا ان یکون فاسقا فیحال بامرأۃ ثقۃ وان تعذر فلتخرج ہی وخروجہ اولیٰ [illegible]

المسلمین تبعا للمسلم ابیہ وهو الظاهر لحرمۃ الخلوۃ بالاجنبیۃ (رد المحتار ص ۹۰۴ ج ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱ رجب سنہ ۱۳ھ

عدت میں مہینے شمار ہوں گے یا دن؟

سوال: عدۃ الموت دنوں سے شمار ہوگی یا مہینوں سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ میں فوت ہوا ہے تو مہینوں سے شمار ہوگی ورنہ دنوں کے حساب سے ایک سو تیس دن شمار ہوگی۔ قال فی الہندیۃ ولو طلق امرأتہ وقت العصر من اول یوم من الشہر وہی ممن تعتد بالاشہر تعتبر عدتہا بالاہلۃ ومضی بعض الیوم لا یوجب تکملۃ بالایام بخلاف الیوم الثانی والثالث کذا فی الفتاوی الصغری (عالمگیریۃ ص ۲ ج ۲) وفی العلائیۃ (ثلاثۃ اشہر بالاہلۃ لو فی الغرۃ والا فبالایام بحر وغیرہ) وفی الشامیۃ (قولہ والا فبالایام) فی المحیط اذا اتفق عدۃ الطلاق والموت فی غرۃ الشہر اعتبرت الشہور بالاہلۃ وان نقصت عن العدد وان اتفق فی وسط الشہر فعند الامام یعتبر بالایام فتعتد فی الطلاق بتسعین یوما وفی الوفاۃ بمائۃ وثلاثین وعندہما یکمل الاول من الاخیر وما بینہما بالاہلۃ (رد المحتار ص ۸۳۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ صفر سنہ ۸۱ھ

بوجہ خلاف بیوی میکہ چلی گئی تو عدت کہاں گزارے؟

سوال: زینب اپنے خاوند سے جھگڑا کرکے اپنے والد کے مکان پر چلی گئی، عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا مگر زینب کا والد اپنے داماد کے ہمراہ زینب کو روانہ نہیں کرتا، اگر زینب کا شوہر طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے تو عدت خاوند کے مکان پر گزارنا واجب ہے یا اپنے والد کے مکان پر؟ اگر والد کے مکان پر عدت گزارنا واجب ہے تو طلاق کی عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں کوئی عذر صحیح نظر نہیں آتا، لہٰذا عدت شوہر کے مکان پر گزارنا لازم ہے کہ بوقت موت یا طلاق

جس مکان میں بیوی کی مستقل سکونت ہو اسی میں عدت گزارنا واجب ہے، اگر میکہ وغیرہ میں کہیں ملنے گئی اور اس حال میں عدت واجب ہو گئی تو وہاں سے واپس آکر اپنے مکان میں عدت گزارے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیوی کا میکہ میں قیام عارضی تھا یعنی حالات درست ہونے پر شوہر کے پاس آنے کا ارادہ تھا تو عدت شوہر کے مکان میں گزارے، اور اگر اس کا شوہر کے پاس جانے کا قطعی فیصلہ تھا تو میکہ ہی میں عدت گزارے، اس صورت میں عدت طلاق کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، اس لئے کہ بیوی نے طلاق سے پہلے نشوز کر کے خود ہی نفقہ ساقط کر دیا ہے اور طلاق کے بعد اس نشوز کو مرتفع کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ شوہر کے مکان کی طرف انتقال جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۴ محرم ۸۶ھ

رخصتی سے پہلے شوہر مر گیا تو عدت میکہ میں گزارے،

سوال: بکر کا نکاح ہندہ سے ہوا، بکر نے عرصہ دس سال سے نہ جماع کیا نہ تنہائی ہوئی، یعنی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، اب بکر کی وفات کے بعد عدت پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟ عورت اپنے باپ کے گھر ہے، اگر عدت واجب ہو تو کہاں گزارے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عدت چار ماہ دس دن واجب ہے، چونکہ شوہر کی موت کے وقت بیوی کی سکونت اپنے والد کے پاس تھی اس لئے عدت وہیں گزارے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ ذی قعدہ ۹۷ھ

عدت موت میں آخری دن کا حساب:

سوال: ہندہ کا خاوند دن کے دس بجے فوت ہوا، تو اب اس کی عدت جب چار ماہ دس دن پورے ہوں گے تو دن کے دس بجے عدت پوری ہوگی یا شام تک عدت پوری ہوگی؟ کیا آخری دن پورا لگے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

دن کے دس بجے عدت پوری ہو جائے گی، اگر قمری ماہ کی پہلی تاریخ میں انتقال ہوا تو چار ماہ چاند کے حساب سے لئے جائیں گے ورنہ ایک سو تیس دن کی تکمیل ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ شوال ۱۴۰۳ھ

مسخ شدہ کی بیوی کی عدت:

سوال: عابد اپنی بیوی رابعہ کے ہمراہ سفر کر رہا تھا یا گھر میں تھا کہ اچانک عابد کی شکل بدل گئی یعنی مسخ ہو گیا، تو کیا اس کی بیوی رابعہ کو طلاق کی عدت پوری کرنا ہوگی یا وفات کی عدت پوری کرنا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی انسان کی صورت اس طرح مسخ ہو گئی کہ بالکل غیر جنس میں تبدیل ہو گئی تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا، اس لئے اس کی بیوی پر عدت طلاق واجب ہوگی، کما لو ارتد والعیاذ باللہ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم ۱۴۰۳ھ

نکاح فاسد کے بعد شوہر مر گیا تو عدت تین حیض ہے:

سوال: بالغہ نے غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کر لیا تھا جبکہ اس کے والدین اس نکاح سے سخت ناراض ہیں، اب ایک بچہ بھی ہندہ کے ہوا، اب ہندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تو ہندہ کو عدت وفات پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتا ہے کہ جو لڑکی بالغہ بغیر والدین کی مرضی کے غیر کفو میں نکاح کرے وہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا، جب نکاح ہی نہیں ہوا تو عدت بھی واجب نہیں، اس عالم دین کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر عدت واجب ہے تو عدت مہینے کے اعتبار سے پوری ہوگی یا حیض کے؟ ایک حیض یا تین حیض؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح فاسد ہے، اس میں موت زوج کی صورت میں بھی طلاق والی عدت واجب ہے یعنی تین حیض، اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل، اگر بڑی عمر کی وجہ سے حیض بند ہو گیا ہے تو تین مہینے۔ قال فی التنویر: وعدة المنکوحة نکاحا فاسدا او الموطوءة بشبهة وام الولد غیر الآیسة والحامل الحیض للموت وغیره۔ وفی الشرح: غیر الآیسة والحامل فان عدتهما بالاشهر والوضع، للموت وغیره کفرقة او متارکة لان عدة هؤلاء لتعرف براءة الرحم وهو بالحیض ولم یکتف بحیضة احتیاطا۔ (رد المحتار ص ۵۹۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

عدت میں بلا ضرورت تیل لگانا جائز نہیں:

سوال: عدت والی عورت کو سر میں سر سوں کا تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت جائز نہیں، درد وغیرہ کی وجہ سے جائز ہے، قال فی التنویر تحد بترک الزینۃ والطیب والدھن (الی قولہ) الا بعذر و فی الشرح راجع للجمیع اذ الضرورات تبیح المحظورات، وفی الحاشیۃ او اشتکی رأسہا فتدھن (الی قولہ) من غیر ارادۃ الزینۃ لان ھذا تداو لا زینۃ جوھرۃ (رد المحتار ص ۸۳۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ شعبان ۹۵ھ

خلوۃ قبل البلوغ بھی موجب عدت ہے:

سوال: نابالغ لڑکے کا نکاح اس کے والد نے نابالغ لڑکی سے کیا، بلوغ سے پہلے دونوں کی آپس میں ملاقات بھی ہوتی رہی، لڑکے نے بالغ ہونے کے بعد طلاق دیدی، اس لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نکاح کے بعد کبھی ایسی خلوت میں ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہو جہاں کسی دوسرے کے جانے کا اندیشہ نہ ہو تو لڑکی پر عدت واجب ہے، اگرچہ ایسی ملاقات بلوغ سے پہلے ہوئی ہو، لڑکی کو حیض آنا شروع ہو گیا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے ورنہ تین ماہ۔

فی شرح العلائیۃ وصغر ولو بزوج، وفی الشامیۃ الباء للمصاحبۃ ای ولو کان الصغر مصاحب الزوج یعنی لا فرق بین ان یکون الزوج او الزوجۃ او کل منہما صغیرا اھ ج قال فی البحر وفی خلوۃ الصغیر الذی لا یقدر علی الجماع قولان وجزم قاضی خان بعدم الصحۃ فکان ھو المعتمد ولکن اقید فی الذخیرۃ بالمراھق اھ وتجب العدۃ بخلوتہ وان کانت فاسدۃ لان تصریحھم بوجوبہا بالخلوۃ الفاسدۃ شامل لخلوۃ الصبی کذا فی البحر من باب العدۃ (رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

فصل فی ثبوت النسب

صغیر سے ثبوت نسب کی تحقیق:

سوال: صغیر کی عورت کو حمل ہو گیا یہ ثابت النسب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر صغیر کی عمر کم از کم بارہ برس کی ہے تو حمل ثابت النسب ہے ورنہ نہیں، قال فی شرح التنویر ولا نسب فی حالیہ اذ لا ماء للصبی نعم ینبغی ثبوتہ من المراھق احتیاطا، وفی الشامیۃ (قولہ اذ لا ماء للصبی) ای فلا یتصور منہ العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیۃ اقامۃ للعقد مقام العلوق لتصورہ حقیقۃ بخلاف الصبی کما فی البحر (قولہ نعم ینبغی الخ) عبارۃ الفتح ثم یجب کون ذلک الصبی غیر مراھق اما المراھق فیجب ان یثبت النسب منہ الا اذا لم یکن بان جاءت بہ لاقل من ستۃ اشھر من العقد اھ وایدہ فی البحر بقولہ ولھذا صور المسألۃ الحاکم الشھید فی الکافی بما اذا کان رضیعا اھ ولا یخفی ان مفھوم الروایۃ معتبر فافھم (رد المحتار باب العدۃ ج ۲ ص ۸۴۲)

وقال فی شرح التنویر وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین فان راھقا بان بلغا ھذا السن الخ (رد المحتار فصل فی بلوغ الغلام ج ۵ ص ۱۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ ذیقعدہ سنہ ۷۳ھ

ولد منکوحہ شوہر سے ثابت النسب ہے:

سوال: زید کا زینب نابالغہ سے نکاح ہو تھا بالغ ہونے کے بعد زینب کے والد نے رخصتی کر دی، اور زید نے صحبت بھی کی ہے، زینب کا والد کچھ دن بعد زینب کو زید کے مکان سے پھر لے آیا، کچھ نااتفاقی کی وجہ سے چار پانچ سال تک زینب کو اس کے والد نے زید کے مکان پر روانہ نہیں کیا، زینب نے کسی سے زنا کر لیا جس سے زینب کو

پانچ چھ ماہ کا حمل ہے باپ کو معلوم ہوتے ہی اس نے داماد سے صلح کر کے اس کے مکان پر روانہ کر دیا اب سوال یہ ہے کہ زید کو حالتِ حمل میں اپنی منکوحہ زینب سے وطی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جبکہ حمل زید کا نہیں ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

زید کے لئے حالتِ حمل میں ہمبستری جائز ہے، منکوحہ عورت کا حمل شرعاً بہر کیف شوہر ہی کا ہوگا، اگرچہ حقیقۃً زنا سے ہوا ہے، مگر شرعاً یہ بچہ شوہر ہی کا کہلائے گا، بشرطیکہ وقتِ نکاح سے کم از کم چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر، اس لئے یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہے، فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رشوال ۸۶ھ

شوہر کا بچے کے نسب سے انکار:

سوال: ایک شخص ولد منکوحہ کے ثبوتِ نسب سے انکار کرتا ہے، یوں کہتا ہے کہ یہ لڑکا میرے نطفہ سے نہیں ہے، یا اس کی منکوحہ ناشزہ ہو کر دوسری جگہ میں رہتی ہے، شوہر کے گھر نہیں آتی اور وہاں پر بچے بھی جنتی رہتی ہے، اور شوہر ساکت ہے نہ تو ثبوتِ نسب کا اقرار کرتا ہے اور نہ انکار، ان دونوں صورتوں میں نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور میراث ملے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بدون لعان ولد منکوحہ کے نسب سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا سوال میں مذکورہ دونوں صورتوں میں اولاد شوہر سے ثابت النسب ہے، اس لئے وارث بھی ہوگی، قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى في تشريح قول الشارح ان الفراش على اربع مراتب ضعيف وهو فراش الامة لا يثبت النسب فيه الا بالدعوة، ومتوسط وهو فراش ام الولد فانه يثبت فيه بلا دعوة لكنه ينتفي بالنفي، وقوي وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فانه لا ينتفي الا باللعان، واقوى كفراش معتدة البائن فان الولد لا ينتفي فيه اصلا لان نفيه متوقف على اللعان وشرط اللعان الزوجية ـ (رد المحتار ص ۹۶۴ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۵ رصفر ۸۷ھ

نکاح فاسد سے ثبوت نسب :

سوال : زید کے کافی عرصہ تک ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات رہے، اور اسی عورت کی لڑکی سے زید نے شادی کرلی جس سے تین بچے بھی پیدا ہوئے اور زندہ موجود ہیں اب چند علماء سے یہ مسئلہ سنا کہ کسی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات ہوں تو اس عورت کی لڑکی زید کے عقد میں جائز نہیں، اب زید سخت پریشان ہے اور اقرار بھی کرچکا ہے کہ جس عورت کی لڑکی میرے نکاح میں ہے اس کے ساتھ میرے کافی عرصہ تک ناجائز تعلقات رہے اب شریعت کی رو سے میرا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز نہیں تو میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ نکاح فاسد ہے، زید پر فرض ہے کہ اس بیوی کو فوراً طلاق دیدے، اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے وہ زید سے ثابت النسب ہیں، قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی تحت قول الشارح (وعدة المنکوحة نکاحا فاسدا) هی المنکوحة بغیر شهود و نکاح امرأة الغیر بلا علم بانها متزوجة ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح (رد المحتار ص ۱۹۵ ج ۲) وفی نسب العلائية عن القهستانی ويكفی النكاح فی ذلك كصحيحه (رد المحتار ص ۷۷۷ ج ۲) وفی الشامية قبيل الحضانة (قوله لانه نكاح باطل) ای فالوطء فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشا لا بالباطل رحمتی والله سبحانه اعلم (رد المحتار ص ۸۶۰ ج ۲) ومن شاء التفصيل فليراجع رسالتی "القول الفاصل بين النكاح الفاسد والباطل". فقط والله تعالی اعلم۔

غرہ جمادی الاولی سنہ ۹۲ھ

سوال مثل بالا :

سوال : دو بھائی ہیں رشید احمد و بشیر احمد، رشید احمد کی ایک بیوی ہے مسماۃ آمنہ، بشیر احمد کی دو بیویاں ہیں، ایک مسماۃ زینب دوسری عائشہ، رشید احمد کو اپنی بیوی مسماۃ آمنہ سے ایک لڑکا ہے جس کو بشیر احمد کی بیوی مسماۃ زینب نے دودھ پلایا ہے، اب رشید احمد کے لڑکے کا عقد نکاح بشیر احمد کی دوسری بیوی مسماۃ عائشہ کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ عدم جواز کی صورت میں اگر یہ عقد لاعلمی کی وجہ سے ہوگیا ہو تو اس جماع سے جو بچے

پیدا ہوئے ان کا کیا حکم ہے؟ اور بیوی کو ویسے ہی الگ کر دے یا طلاق وغیرہ کی ضرورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عائشہ کی لڑکی اور سید احمد کے لڑکے کی رضاعی علاتی بہن ہونے کی وجہ سے اس پر حرام ہے اور نکاح بالمحارم فاسد ہے، کما صرحت فی رسالتی "القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" اس لئے شوہر سے بچوں کا نسب ثابت ہے، میاں بیوی پر فرض ہے کہ فوراً علیحدہ ہو جائیں، شوہر زبان سے یوں کہہ دے کہ اس نے اس بیوی کو چھوڑ دیا، اس کے بعد یہ عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول الشارح "وعدۃ المنکوحۃ نکاحا فاسدا" ای المنکوحۃ بغیر شهود ونکاح امرأۃ الغیر بلا علم بانہا متزوجۃ ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عندہ خلافا لهما الخ (رد المحتار ص ۱۵۹ ج ۲) وفی نسب العلاتیۃ معزیا للقہستانی وفاسد النکاح فی ذلک کصحیحہ (رد المحتار ص ۶۷۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

نکاح سے چھ ماہ کے اندر ولادت سے نسب ثابت نہیں ہوتا:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے ناجائز تعلقات کئے اور حمل کی علامت محسوس ہونے پر حسب دستور ورواج حکومت وشرع ان دونوں میں شادی ہوئی جس پر بعبارت عالمگیریہ وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی هو بها وظہر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأها عند الکل وتستحق النفقۃ عند الکل کذا فی الذخیرۃ، مقامی علماء نے جواز نکاح اور جواز وطی کا حکم دیدیا، اب تقریبا پونے پانچ ماہ پر بچہ تولد ہوا، علماء کرام سے دریافت طلب ہے کہ یہ نکاح اور مقامی علماء کا حکم حسب شرع صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نکاح صحیح ہے، اگر یہ بچہ ثابت النسب نہیں ہے، ولد الزنا شمار ہوگا، اس لئے وراثت کا حقدار نہ ہوگا، قال فی شرح التنویر "واکثر مدۃ الحمل سنتان لخبر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کما مر فی الرضاع وعند الائمۃ الثلاثۃ رحمہم اللہ تعالیٰ اربع سنین واقلها ستۃ اشہر

(الجبائی کذا فی رد المحتار ص ۶۷۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ رجب ۹۳ھ

نکاح سے چھ ماہ بعد کا بچہ ثابت النسب ہے:

سوال: کوئی آدمی اپنی بیوی سے نکاح سے قبل ہی ملنا شروع کر دیتا ہے اور اس بیوی کو پہلے ہی سے حمل ٹھہر جاتا ہے، پھر نکاح کے بعد چھ مہینے پورے ہونے سے پہلے ہی بچی پیدا ہوئی، اس بچی کا کیا حکم ہے؟ حرام کی ہے یا حلال کی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وقت نکاح سے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد بچی پیدا ہوئی تو یہ شوہر سے ثابت النسب ہے، اس کو حرامی کہنا جائز نہیں، البتہ نکاح پر چھ ماہ گزرنے سے پہلے پیدا ہوئی تو ولد الزنا ہوگی، شوہر سے نسب ثابت نہ ہوگا، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر مدۃ الحمل سنتان لخبر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کما مر فی الرضاع وعند الائمۃ الثلاثۃ رحمہم اللہ تعالیٰ اربع سنین واقلہا ستۃ اشہر اجماعا (رد المحتار ص ۶۲۶ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ
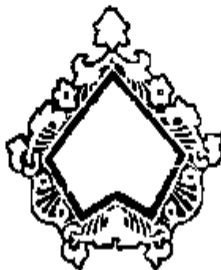
باب الحضانۃ

والدہ فاجرہ و ابن العم کو حق حضانت نہیں :

سوال : ایک لڑکی کی عمر نو برس سے کچھ زیادہ ہے اس کی والدہ فاجرہ ہے، اس کے پاس لڑکی کے رہنے سے اس پر بھی فجور کا اندیشہ ہے، تو کیا لڑکی کا ابن العم اس امر کا شرعاً مختار ہے کہ اس کو اپنی تحویل میں رکھے؟ بینوا بحوالۃ الکتاب توجروا عند اللہ الوہاب۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ابن العم کو لڑکی کی حضانت کا حق نہیں، کما فی الشامیۃ تحت (قولہ ثم العم ثم بنوہ) واما اولاد العم فیدفع الیہم الغلام لا الصغیرۃ لانہم غیر محارم وایضا فیہا (قولہ وابن عم لمشتہاۃ) اما اذا کانت لا تشتہی کبنت سنتین مثلا فلا منع لانہ لا فتنۃ ولکن اذا کانت تشتہی وکان مأمونا یحرر حکمہ، نعم فی التحفۃ وان لم یکن للجاریۃ غیر ابن العم فالاختیار للقاضی ان رآہ اصلح ضمہا الیہ والا توضع عند امینۃ اھ قلت ما فی التحفۃ علّلہ فی شرحہا البدائع بقولہ لان الولایۃ فی ہذہ الحالۃ الیہ فیراعی الاصلح اھ وہو ظاہر فی انہ لا حق لابن العم فی الجاریۃ مطلقا وان للقاضی دفعہا لاجنبیۃ ولو مأمونا حیث رأی المصلحۃ فی ذلک ولو کان الحق لہ لم یکن للقاضی الاختیار وقد رد الرملی ما بحثہ فی البحر بعموم ما قلنا و بتعلیلہم بان ابن العم غیر محرم وانہ لا حق لغیر المحرم قال ولعل وجہہ انہ لو ثبت لہ حضانتہا کانت عندہ الی ان تشتہی فتقع الفتنۃ فحسم من اصلہ (رد المحتار ج ۲)

اور والدہ فاجرہ کو بھی حق حضانت نہیں، قال فی التنویر فی باب الحضانۃ تثبت للام ولو بعد الفرقۃ الا ان تکون مرتدۃ او فاجرۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ما لم یعقل ذلک) ای ما لم یعقل الولد حالہا وحینئذ یجب تقیید الفجور بان لا یلزم منہ ضیاع الولد

کما لا یخفی وفی النھر مالم تعقل ذلک رفی ۔ وبقولہ ای مالم یخش فعلہ عنہا وھو صحیح ایضا اھ (رد ۲)، وفیہ ان قول القنیۃ معروفۃ بالفجور یقتضی تعطیلہ فالمناسب الاول وتکون الفاجرۃ بمنزلۃ الکتابیۃ فان الولد یبقی عندھا الی ان یعقل الادیان کما سیاتی خوفا علیہ من تعلمہ منہا ما تفعلہ فکذا الفاجرۃ وقد جزم الرملی بان ما فی النھر تصحیف والحاصل ان الحاضنۃ ان کانت فاسقۃ فسقا یلزم منہ ضیاع الولد عندھا سقط حقہا والا فھی احق بہ الی ان یعقل فینزع منہا کالکتابیۃ (رد المحتار ج ۲)

لڑکی کی عمر جب نو برس کی ہو چکی ہے تو اس وقت ویسے ہی اس کی مدت حضانت ختم ہو گئی، خواہ والدہ فاجرہ ہو یا نہ ہو، لہٰذا اہل صلاح جس شخص کو اصلح سمجھیں اسی کی تحویل میں لڑکی دیدیں، قال فی شرح التنویر والام والجدۃ لام او لاب احق بہا حتی تحیض ای تبلغ فی ظاہر الروایۃ (الی قولہ) وغیرھما احق بہا حتی تشتہی وقدر بتسع وبہ یفتی وبنت احدی عشرۃ مشتہاۃ اتفاقا زیلعی، وعن محمد رحمہ اللہ تعالی ان الحکم فی الام والجدۃ کذلک وبہ یفتی لکثرۃ الفساد زیلعی، وفی الشامیۃ (قولہ مشتہاۃ اتفاقا) فی معرومات المنح بنت تسع فصاعدا مشتہاۃ اتفاقا اسماعیل (قولہ کذلک) ای فی کونہا احق بہا حتی تشتہی (قولہ وبہ یفتی) قال فی البحر بعد نقل تصحیحہ والحاصل ان الفتوی علی خلاف ظاہر الروایۃ (رد المحتار ج ۲) وایضا فیما تحت (قولہ ولو جبرا) وفی الخلاصۃ وغیرہا واذا استغنی الغلام وبلغت الجاریۃ فالعصبۃ اولی یقدم الاقرب فالاقرب ولا حق لابن العم فی حضانۃ الجاریۃ (وقلت) بقی ما اذا انتہت الحضانۃ ولم یوجد لہ عصبۃ ولا وصی فالظاہر انہ یترک عند الحاضنۃ الا ان یری القاضی غیرہا اولی لہ واللہ اعلم (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم۔

۲۴ جمادی الاولی ۹۲ھ

تفصیل حق حضانت:

سوال: میاں بیوی میں جدائی ہو گئی، دو ان کی دو چھوٹی بچیاں ہیں، مطلقہ نے غیر خاندان میں نکاح کر لیا۔ اس صورت میں ان دونوں بچیوں کی پرورش کا حق کس کو ہے؟ حق پرورش والے رشتوں کی تفصیل و ترتیب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ماں نے دوسری جگہ، ولد کے کسی غیر ذی رحم محرم سے شادی کرلی تو اس کا حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے اور مندرجہ ذیل لوگوں کو بالترتیب حق پرورش ہوگا، نانی اگرچہ بہت بعید ہو، یعنی پرنانی وغیرہ، پھر دادی، پردادی وغیرہ اوپر تک، پھر بہن عینی، پھر خیفی، پھر علّی، پھر عینی بھانجی، پھر خیفی بھانجی، پھر خالہ عینی، پھر خیفی، پھر نانا کی ماں، پھر علّی بھانجی، پھر عینی بھتیجی، پھر خیفی بھتیجی، پھر علّی بھتیجی، پھر پھوپھی عینی، پھر خیفی، پھر علّی، پھر ماں کی خالہ اسی ترتیب سے یعنی پہلے عینی، پھر خیفی، پھر علّی، پھر باپ کی خالہ اسی ترتیب سے، پھر ماں کی پھوپھی اسی ترتیب سے پھر باپ کی پھوپھی اسی ترتیب سے، پھر عصبات بترتیب ارث، یعنی باپ، پھر دادا، پردادا، اوپر تک، پھر بھائی عینی، پھر علّی، پھر بھتیجہ عینی، پھر علّی، پھر چچا عینی، پھر علّی، پھر عینی چچا کا بیٹا، پھر علّی چچا کا بیٹا، عینی وعلّی چچا کے بیٹے کو صرف لڑکے کی پرورش کا حق ہے، لڑکی کی پرورش کا حق نہیں، پھر ذوی الارحام محارم یعنی نانا، پرنانا، اوپر تک، پھر خیفی بھائی، پھر اس کا بیٹا، پھر خیفی چچا، پھر عینی ماموں، پھر علّی، پھر خیفی۔

عینی وعلّی چچا کی بیٹی اور پھوپھی، ماموں، خالہ، خیفی چچا کی اولاد مذکر و مؤنث کو حق حضانت نہیں ہے۔

اگر ساوی درجہ کے کئی حقدار ہوں تو ان میں سے جس میں بچے کی پرورش کی زیادہ صلاحیت ہو وہ مقدم ہے، پھر جو زیادہ متقی ہو، پھر جو عمر میں زیادہ ہو۔

حق حضانت لڑکے کے لئے سات سال اور لڑکی کے لئے نو سال ہے۔

وجوہ ذیل سے حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے:۔

① بچے کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلے۔

② بچے کی پرورش پر اجرت طلب کرے، جبکہ بچے کے ذی رحم محارم میں سے کوئی دوسری عورت بلا اجرت پرورش پر راضی ہو۔

③ کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو جس سے بچے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

④ ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچے کے ضیاع کا خطرہ ہو۔

⑤ اگر فاسقہ کے پاس بچے کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو تو اس کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا جس میں بُرے اخلاق سے متأثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۶) کافرہ کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا جس میں اس کے دین سے متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہو۔
(۷) مرتدہ، یعنی خدانخواستہ کوئی مسلمان عورت شیعہ یا قادیانی ہو جائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے یا کوئی ایسا کلام یا کام کرے جس سے اسلام جاتا رہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک یہ دوبارہ اسلام قبول نہ کرے اس وقت تک حکومت اس کو قید میں رکھے اور قید میں اسکی پٹائی بھی ہوتی رہے، ظاہر ہے کہ اس حال میں یہ بچے کی دیکھ بھال نہیں کرسکتی، اس لئے بچہ اس سے لے لیا جائے گا، اگر دوبارہ اسلام قبول کرلے تو قید سے رہا کردی جائے گی اور بچہ اس کے سپرد کردیا جائے گا، ھذا الخلاصۃ ماخوذ مما فی شرح التنویر وحاشیتہ للعلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار باب الحضانۃ ص۶۳۹ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرہ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

والدہ علاج کا ضروری انتظام نہ کرسکے تو اس کا حق ساقط ہوجاتا ہے:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس کا تین سال کا بچہ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہے، اس کی والدہ مرض کے علاج کا ضروری انتظام نہیں کرسکتی، اس لئے اس کے پاس بچہ چھوڑنے میں سخت خطرہ ہے، اس صورت میں زید بچہ کو اپنے پاس رکھنے کا حقدار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر زید کے پاس بچہ نہ رہنے کی صورت میں بچے کے ضیاع کا خطرہ ہو تو زید اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے: قال فی التنویر مع شرحہ: للام ولو بعد الفرقۃ الا ان تکون مرتدۃ او فاجرۃ او غیر مامونۃ، وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قولہ (فاجرۃ) فجورا یضیع الولد بہ، وفی شرح قولہ (غیر مامونۃ) ذکرہ فی المجتبیٰ بان تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعا، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: المراد کثرۃ الخروج لان المدار علی ترک الولد ضائعا والولد فی حکم الامانۃ عندھا ومضیع الامانۃ لا یستأمن (رد المحتار ص۸۸۰ ج۲) قلت ھذہ العبارات صریحۃ فی ان مدار الحکم ھو الضیاع، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ محرم ۱۳۹۷ھ

بابُ النفقۃ

بالغ طالب العلم کا نفقہ والد پر ہے:

سوال: طالب علم اگر فقیر ہو تو اس کا نفقہ اس کے والد کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ طالب العلم بالغ ہے، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

طالب علم دین اگرچہ بالغ ہو اس کا نفقہ اس کے والد پر ہے، بشرطیکہ فقیر ہو اور طلب علم میں کوتاہی نہ کرتا ہو جیسا کہ عموماً آجکل طلبہ کی حالت ہے، تضییع الوقت کے سوا کوئی کام نہیں۔

قال فی شرح التنویر وکذا تجب (النفقۃ) لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب (الی ان قال) وطالب علم لا یتفرغ لذلک کذا فی الزیلعی والعینی وافتی ابو حامد بعدمہا لطلبۃ زماننا کما بسطہ فی القنیۃ ولذا قیدہ فی الخلاصۃ بذی رشد۔ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی اقول الحق الذی تقبلہ الطباع المستقیمۃ ولا تنفر منہ الاذواق السلیمۃ القول بوجوبہا لذی الرشد لا غیرہ (رد المحتار ص ۶۹۲ ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم

۶ ذیقعدہ سنہ [illegible]ھ

ایام عدت کا نفقہ شوہر پر ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور وہ حاملہ تھی جب زمانہ پورے ہوئے تو بچہ پیدا ہوگیا، لہٰذا یہ بیان فرمائیں کہ باپ پر پورا خرچہ ماں کا واجب ہے یا نہیں؟ اور بچہ کی ولادت کے مصارف باپ پر ضروری ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے، اور معتدۂ طلاق کا نفقہ وسکنی شوہر پر واجب ہے، لہٰذا ان ایام کا نفقہ اور بیوی کی رہائش کے لئے مکان اور بچہ کی ولادت کے مصارف بھی شوہر

کے ذمہ ہیں کما فی نفقۃ شرح التنویر تجب لمطلقۃ الرجعی والبائن (رد المحتار ص ۶۲۶ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذی قعدہ سنہ ۸۳ھ

مطلقہ کی اجرتِ ارضاع:

سوال: کیا مطلقہ عورت اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت شوہر سے طلب کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایام عدت میں دودھ پلانے کی اجرت نہیں لے سکتی، البتہ بچہ مالدار ہو تو اس کے مال سے اجرت طلب کر سکتی ہے، اور عدت گزرنے کے بعد بہر حال اجرت لے سکتی ہے، مگر اجرت اجنبیہ سے زیادہ نہیں لے سکتی، اگر کوئی اجنبیہ بلا اجرت دودھ پلانے پر راضی ہو تو ماں اجرت نہیں لے سکتی، قال فی شرح التنویر لا یستأجر الاب امہ لو منکوحۃ ولو من مال الصغیر خلافا للذخیرۃ والمجتبی او معتدۃ رجعی وجاز فی البائن فی الاصح جوہرۃ کاستئجار منکوحتہ لولدہ من غیرہا وہی احق بارضاعہ ولو بعد العدۃ اذا لم تطلب زیادۃ علی ما تأخذہ الاجنبیۃ ولو دون اجر المثل بل الاجنبیۃ المتبرعۃ احق منہا زیلعی وفی الشامیۃ تحت (قولہ خلافا للذخیرۃ والمجتبی) قد نقل البرجندی عن الصغری معزیا للتتمۃ ان الفتوی علی الجواز ای الذی مشی علیہ فی الذخیرۃ والمجتبی، (قولہ فی الاصح) وذکر فی الفتح عن بعضہم انہ ظاہر الروایۃ ولکن ذکر ایضا ان الاوجہ عدم الفرق بین عدۃ الرجعی والبائن وان فی کلام الہدایۃ ایماء الی انہ المختار بعد ما ذکر من عادتہ تأخیر وجہ القول المختار وکذا ہو ظاہر اطلاق القدوری المعتدۃ وفی النہر انہ روایۃ الحسن عن الامام وہی الاولی اھ وفی حاشیۃ الرملی عن المنح عن التتارخانیۃ وعلیہ الفتوی (رد المحتار ص ۶۳۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ذی قعدہ سنہ ۸۳ھ

گزشتہ وقت کا نفقہ نہیں:

سوال: ایک شخص دس پندرہ سال ہوئے اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں چلا گیا، اس کی بیوی کو اور سب لوگوں کو معلوم ہے کہ فلاں وطن میں ہے، اپنی بیوی

کے واسطے کچھ نفقہ نہ خود مقرر کیا نہ حکومت نے مقرر کیا نہ کسی نے مقرر کیا، دس پندرہ سال کے بعد واپس آیا، اب بیوی یا اس کے والدین شوہر سے دس پندرہ سال کا خرچ شریعت کے حکم سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گزشتہ وقت کا نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں، مدت ایک ماہ یا زیادہ گزر جانے سے بیوی کا نفقہ اس گزشتہ مدت کا ساقط ہو جاتا ہے، البتہ حاکم نے نفقہ کی مقدار متعین کر دی ہو یا زوجین نے باتفاق کوئی مقدار متعین کر لی ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا، قال فی العلائیۃ والنفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضا ای اصطلاحہما علی قدر معین اصنافا او دراھم فقبل ذلک لا یلزم شیء، وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسہا بلا امر قاض (رد المحتار ص ۔۔ ج ۲) وفیہا واما ما دون شہر فنفقۃ الزوجۃ والصغیر تصیر دینا بالقضاء۔ وفی الشامیۃ اما الصغیر ففیہ ما علمت واما الزوجۃ فانما تصیر دینا بالقضاء ولا تسقط بمضی المدۃ لان نفقتہا لم تشرع لحاجتہا کالاقارب بل لاحتباسہا، وقد علم من ہذا انہا بعد القضاء لا تسقط بمضی المدۃ سواء کانت شہرا او اکثر او اقل، نعم تسقط نفقتہا بمضی المدۃ قبل القضاء ان کانت شہرا فاکثر کما قدمناہ عند قول المصنف والنفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء، والحاصل ان نفقۃ الزوجۃ قبل القضاء کنفقۃ الاقارب بعد القضاء فی انہا تسقط بمضی المدۃ الطویلۃ (رد المحتار ص ۶۳۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ذیقعدہ سنہ ۸۳ھ

بالغ اولاد کا نفقہ:

سوال: اولاد جب بالغ ہو جائے تو اس کا نفقہ اور اس کی شادی کے مصارف والد کے ذمہ ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لڑکی کا نفقہ شادی تک والد پر ہے، البتہ اگر لڑکی خود مالدار ہو یا کوئی ذریعہ معاش رکھتی ہو تو اس کا نفقہ والد پر نہیں، بالغ لڑکے کا نفقہ والد پر نہیں، البتہ اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو یا طالب علم دین ہو اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے، اولاد کی شادی کے مصارف والد پر نہیں، لڑکی کی شادی پر تو کوئی خرچ ہے ہی نہیں؛

اس پر شادی کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے مصارف بھی شوہر کے ذمہ ہوجاتے ہیں، لوگوں نے نام ونمود کے لئے لڑکیوں کے شادی کے مصارف کا عذاب اپنے سر لے رکھا ہے، البتہ لڑکے کی شادی کے مصارف ہیں جن میں سے مہر اور بیوی کا نفقہ واجب ہے اور ولیمہ سنت ہے، ان میں سے کوئی خرچ بھی والد کے ذمہ نہیں۔ (قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ وتجب النفقۃ بانواعہا علی الحر لطفلہ یعم الانثی والجمع الفقیر (الی ان قال) وکذا تجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب کانثی مطلقا وزمن ومن یلحقہ العار بالتکسب وطالب علم لا یتفرغ لذلک کذا فی الزیلعی والعینی. وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ومن یلحقہ العار بالتکسب) کذا فی البحر والزیلعی واعترضہ الرحمتی بان الکسب لمؤنتہ ومؤنۃ عیالہ فرض فکیف یکون عارا والاولی ما فی المنح عن الخلاصۃ اذا کان من ابناء الکرام ولا یستأجرہ الناس فہو عاجز اھ ومثلہ فی الفتح وسیأتی تمامہ (رد المحتار ص ۶۷۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۸۸ھ

عدت شوہر کے مکان میں نہ گذارے تو نفقہ نہیں:

سوال: زید نے زینب کو طلاق دیدی، زینب اپنے والدین کے مکان پر چلی گئی، تو کیا زینب کو عدت کا نان نفقہ پوشاک ومکان کا خرچہ زید سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زینب اپنے والدین کے پاس رہے، نان نفقہ اور تمام خرچہ جات والدین ہی برداشت کریں، مگر پھر بھی زینب کو زید سے خرچہ لینے کا حق ہوگا یا نہیں؟ اگر لیتی ہے تو گنہگار ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زینب پر واجب تھا کہ طلاق کے بعد فوراً زید کے مکان میں چلی جائے اور وہاں عدت گذارے، چونکہ وہ زوج کے مکان میں عدت نہیں گذار رہی، اس لئے اس کو نفقہ وسکنی کا حق نہیں رہا، نہ دینے سے زید گنہگار نہیں، قال فی شرح التنویر طلقت او مات وہی زائرۃ فی غیر مسکنہا عادت الیہ فورا لوجوبہ علیہا (رد المحتار ص ۸۴۲ ج ۲) وفیہ لا نفقۃ لاحد عشر (الی قولہ) وخارجۃ من بیتہ بغیر حق وہی الناشزۃ حتی تعود (رد المحتار [illegible]) وفی الشامیۃ (قولہ بخلاف حرۃ نشزت الخ) ای ان المعتدۃ اذا نشزت فطلقہا زوجہا فلہا النفقۃ والسکنی

اذا عادت الی بیت الزوج (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی الحجہ ۸۸ھ

خلع میں نفقۂ عدت واجب ہے:

سوال: ایک عورت اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرتی رہی کہ وہ اس کو طلاق دیدے، جب شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہوا تو بالآخر عورت نے خلع لے لیا، اور شوہر کا مہر معاف کر دیا، اب وہ عورت عدت کے زمانہ کا نفقہ مبلغ تین سو روپیہ ماہانہ کے حساب سے طلب کرتی ہے، کیا ان حالات میں عورت کے لئے زمانۂ عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت پر واجب ہے کہ عدت شوہر کے مکان میں گذارے، اگر شوہر کے مکان میں عدت نہیں گذارتی تو اس کے لئے نفقہ نہیں، خلع میں عدت شوہر کے مکان میں گذارنے کی صورت میں شوہر پر نفقہ واجب ہے، البتہ اگر عقد خلع میں اسقاط نفقہ کی شرط لگائی گئی ہو تو ساقط ہو جائے گا، قال فی التنویر ویسقط الخلع والمباراۃ کل حق لکل منہما علی الآخر مما یتعلق بذلک النکاح الا نفقۃ العدۃ الا اذا نص علیہا (رد المحتار ص ۷۷۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ صفر ۸۱ھ

خلع میں سکنیٰ سے براءۃ:

سوال: خلع کے بعد عدت کا نفقہ وسکنیٰ شوہر پر واجب ہے، لیکن عقد خلع میں اگر ابراء کی تصریح ہو تو نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، سکنیٰ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وہ حق شرع ہے، اس بارے میں درمختار میں ہے "واذا ابرأتہ عن مؤنۃ السکنیٰ فیصح فتح" اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بان کانت ساکنۃ فی بیت نفسہا او تعطی الاجرۃ من مالہا فیصح التزامہا ذلک فتح. لکن مقتضی ھذا انہ لابد من التصریح بمؤنۃ السکنیٰ مع انہ ذکر فی الفتح وغیرہ فی فصل الاحداد لو اختلعت علی ان لا سکنیٰ لہا ان مؤنۃ السکنیٰ تسقط عن الزوج ویلزمہا ان تکتری بیت الزوج ولا یحل لہا ان تخرج منہ اھ تامل (رد المحتار ص ۶۰۹ ج ۲) اس میں دو طرح کہا ہے، کیا سقوط مؤنۃ سکنیٰ کے لئے لفظ "مؤنۃ" کی تصریح شرط ہے یا لفظ "مؤنۃ" کی تصریح کے بغیر بھی عدم سکنیٰ پر خلع سے مؤنۃ سکنیٰ ساقط ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سقوطِ مؤنۂ سکنیٰ کے لئے لفظ "مؤنۃ" کی تصریح شرط نہیں، اس کی تصریح کے بغیر بھی عدمِ سکنیٰ پر خلع سے مؤنۂ سکنیٰ ساقط ہو جاتی ہے، سوال میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو تحقیق نقل کی گئی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہے، اور مزید کتاب الحوالہ میں بھی ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی تائید فرمائی ہے، بلکہ خود شرح التنویر میں بھی اسی کے موافق ہے، ونصہ:

ولا تخرج معتدۃ رجعی وبائن بای فرقۃ کانت علی ما فی الظہیریۃ ولو مختلعۃ علی نفقۃ عدتہا فی الاصح اختیار او علی السکنی فیلزمہا ان تکتری بیت الزوج معراج

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ او علی السکنی) قال الزیلعی فان کانت اختلعت علی ان لا سکنی لہا فان مؤنۃ السکنی تسقط عن الزوج ویلزمہا ان تکتری بیت الزوج ولا یحل لہا ان تخرج منہ اھ ومثلہ فی الفتح ای لان سکناہا فی بیتہ واجبۃ علیہا شرعا فلا تملک اسقاطہا بل تسقط مؤنتہا وظاہرہ انہ لا یلزم التصریح بمؤنۃ السکنی بل مجرد الخلع علی السکنی مسقط لمؤنتہا کما نبہنا علیہ فی باب الخلع فتأمل (رد المحتار ص ۶۲۰ ج ۲) علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح التنویر کے باب الخلع میں الا اذا ابرأتہ عن مؤنۃ السکنی فیصح فتح القدیر سے نقل کیا ہے، اور خود امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الحوالہ میں بدون تصریح "مؤنۃ" سقوطِ مؤنۃ تحریر فرما رہے ہیں، اسی طرح علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کتاب الحوالہ میں یہ شرط نہیں لگائی، اس سے ثابت ہوا کہ اس جملہ کے قائل اور ناقل دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں مفہوم مخالف مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد زوجین کی تشریح مقصود ہے کہ بدون تصریح "مؤنۃ" بھی ان کا مقصد اسقاطِ مؤنۃ ہی ہے، لحمل عقد المسلم علی الجواز یا اولیٰ وافضل صورت کا بیان مقصود ہے، اس لئے کہ ترکِ تصریح میں یہ احتمال ہے کہ شاید زوجین یا ان میں سے کوئی ایک نفسِ سکنیٰ ہی کو بدلِ خلع سمجھ لے جو کہ ناجائز ہے، اس صورت میں ایک ضرر تو ارتکابِ معصیت کا ہوا، دوسرا ضرر خسرِ زوجہ ہے، اس عقد سے اس کا مقصد یہ تھا کہ سکونت میں آزاد رہے اس کا یہ مقصد پورا نہ ہوا، بلکہ مزید تیسرا ضرر یہ ہوا کہ مکان کا کرایہ دینا پڑا، اگر اس کو سکونت میں آزادی مل جاتی تو شاید والدین کے پاس یا کسی دوسری جگہ بلا کرایہ کے رہ سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ صفر سنہ ۸۹ھ

ناشزہ کا نفقہ واجب نہیں:

سوال: کیا ایسی عورت کا نفقہ تعلق زوجیت کے زمانہ میں اور بزمانۂ عدت مرد کے ذمہ واجب ہے جو کہ نافرمان ہو، اس کے کہنے اور ہدایت کرنے کے باوجود پردہ نہ کرے، نامحرم لوگوں سے ربط ضبط اور اختلاط و ملاقات ترک نہ کرے، اس کے اصرار کے باوجود اس کے ساتھ رہنے کے لئے تیار نہ ہو بلکہ والد کے مقام پر بیٹھی رہے، وظیفۂ زوجیت پورا کرنے کا موقع نہ دے۔
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں، نہ حالت ازدواج کا اور نہ ایام عدت کا، قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالى: لا نفقة لاحد عشر (الى قوله) وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود (رد المحتار ص ۶۰۲ ج ۲) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: وقوله بخلاف حرة نشزت الخ اي ان الحرة اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسكنى اذا عادت الى بيت الزوج (رد المحتار ص ۶۷۱ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم
۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

غائب کے مال سے نفقہ:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو کافی عرصے کراچی چھوڑ کر باہر چلا گیا ہے، اس کے تین بچے بھی ہیں، اور وہ اُن کے اخراجات نہیں بھیجتا، اس صورت میں اس کی بیوی اس کی جائیداد وغیرہ بیچ کر اپنے بچوں کے مصارف پر خرچ کر سکتی ہے؟ اگر جائز ہے تو ماہانہ خرچ کتنا لے؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر غائب شوہر کی ملکیت میں ایسی چیز موجود ہے جس کو فروخت کئے بغیر صرف کیا جا سکتا ہے جیسے نقد روپیہ اور اناج، کپڑا وغیرہ تو بیوی کو اس سے خرچ کرنے کی اجازت ہے، اور اگر ایسی چیزیں ہیں جن کو بدون فروخت خرچ نہیں کیا جا سکتا، جیسے زمین، مکان یا دیگر سامان تو بیوی اپنے مصارف کے لئے ان کو نہیں بیچ سکتی، اس صورت میں بیوی حاکم کے پاس درخواست پیش کرے، اور غائب کے ساتھ اپنا نکاح شہادت شرعیہ سے ثابت کرے، اور اس پر قسم اٹھائے کہ اس کے شوہر نے اس کے نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا، پھر حاکم اس سے ضامن لے

تاکہ اگر شوہر کا تعنت ثابت ہو گیا تو شوہر مذکور پر رجوع کر سکے، اس کے بعد حاکم بیوی کو حکم دے کہ قرض لے کر مصارف کا انتظام کرے، اس قرض کی واپسی شوہر کے ذمہ ہوگی، مصارف کی مقدار کی تعیین بھی حاکم کرے گا، روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی صحیحہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ہند بنت عتبۃ قالت یا رسول اللہ ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منہ وھو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (بخاری ص ۸۰۸ ج ۲) وقال فی التنویر وتفرض لزوجۃ الغائب وطفلہ وابویہ فی مال لہ من جنس حقہم عند من یقر بہ وبالزوجیۃ والولاد وکذا اذا علم قاض بذلک ویکفلہا ویحلفہا ان الغائب لم یعطہا النفقۃ لا باقامۃ بینۃ علی النکاح ولا ان لم یخلف مالا فاقامت بینۃ لیفرض علیہ ویأمرھا بالاستدانۃ لا یقضی بہ، وقال زفر رحمہ اللہ تعالیٰ یقضی بہا لا بہ وعمل القضاۃ الیوم علی ھذا للحاجۃ فیفتی بہ، وقال العلامۃ العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرحہ قولہ فی مال لہ من جنس حقہم کتبر او طعام اما خلافہ فیفتقر للبیع ولا یباع مال الغائب اتفاقا، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولا تفرض لمملوکہ واخیہ) المراد بہ کل ذی رحم محرم سوی قرابۃ الولاد لان نفقتہم لا تجب قبل القضاء ولہذا لیس لہم ان یأخذوا من مالہ شیئا قبل القضاء اذا ظفروا بہ فکان القضاء فی حقہم ابتداء ایجاب ولا یجوز ذلک علی الغائب بخلاف الزوجۃ وقرابۃ الولاد لان لہم الاخذ قبل القضاء بلا رضاہ فیکون القضاء فی حقہم اعانۃ وفتوی من القاضی کما فی الدرر وقال بعد (قولہ عند من اقر الخ) وقید بکون المال عند شخص اذ لو کان فی بیتہ وعلم القاضی بالنکاح فرض لہا فیہ لانہ ایفاء لحقہا لا قضاء علی الزوج بالنفقۃ کما لو اقر بدین ثم غاب ولہ من جنسہ مال فی بیتہ یقضی لصاحب الدین فیہ بحر (رد المحتار ص ۶۲۲ ج ۲)

اگر حاکم سے اجازت لینا مشکل ہو تو پنچایت حاکم کے قائم مقام ہو سکتی ہے، اگر کوئی صورت بھی نہ بن سکے مثلاً کوئی قرض دینے پر راضی نہ ہو تو کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے شوہر کا مال اور جائیداد فروخت کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، کما فی حظر شرح التنویر لیس لذی الحق ان یأخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وھو الاوسع،

وفی الشامیۃ (قولہ وجوزہ الشافعی) فہذا مما فی کتاب العجز ان عدم الجواز کان فی زمانہم اما الیوم فالفتوی علی الجواز (رد المحتار ص ۳۰۰ ج ۲) وفیہا تحت (قولہ ولا یقضی علی غائب الخ) (قال فی جامع الفصولین قد اضطرب آراؤہم وبیانہم فی مسائل الحکم للغائب وعلیہ ولم یصف ولم ینقل عنہم اصل قوی ظاہر یبنی علیہ الفروع بلا اضطراب ولا اشکال فالظاہر عندی ان یتأمل فی الوقائع ویحتاط ویلاحظ الحرج والضرورات فیفتی بحسبہا جوازا او فسادا مثلا لو طلق امرأتہ عند العدل فغاب عن البلد ولا یعرف مکانہ او یعرف ولکن یعجز عن احضارہ او عن ان تسافر الیہ ہی او وکیلہا لبعدہ او لمانع آخر وکذا المدیون لو غاب ولہ نقد فی البلد او نحو ذلک ففی مثل ہذا لو برہن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی انہ حق لا تزویر ولا حیلۃ فیہ فینبغی ان یحکم علیہ ولہ وکذا للمفتی ان یفتی بجوازہ دفعا للحرج والضرورات وصیانۃ للحقوق عن الضیاع مع انہ مجتہد فیہ ذہب الیہ الائمۃ الثلاثۃ رحمہم اللہ تعالی وفیہ روایتان عن اصحابنا رحمہم اللہ تعالی وینبغی ان ینصب عن الغائب وکیل یعرف انہ یراعی جانب الغائب ولا یفرط فی حقہ اھ واقرہ فی نور العین قلت ویؤیدہ ما یأتی قریبا فی المسخر وکذا ما فی الفتح من باب المفقود لا یجوز القضاء علی الغائب الا اذا رای القاضی مصلحۃ فی الحکم لہ وعلیہ فحکم فانہ ینفذ لانہ مجتہد فیہ اھ قلت وظاہرہ ولو کان القاضی حنفیا ولو فی زماننا ولا ینافی ما مر لان تجویز ہذا للمصلحۃ والضرورۃ (رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۴) فقط واللہ تعالی اعلم

۳ محرم سنہ ۹۲ھ

نکاح فاسد کی عدت میں نفقہ نہیں:

سوال: زید کے کافی عرصہ تک ایک عورت سے ناجائز تعلقات رہے، اس کے بعد اس عورت کی لڑکی سے زید کی شادی ہوئی، اور کئی بچے بھی پیدا ہوئے، اب مسئلہ دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کی تفریق کی صورت کیسے ہوگی؟ کیا عورت پر عدت واجب ہوگی؟ اور مرد پر عدت کا نفقہ واجب ہوگا؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس عورت کی تعزیر کے لئے صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ تم نے برا کیا اس کو چھوڑ دیا، عورت پر شوہر کے مکان ہی میں عدت گزارنا واجب ہے، شوہر پر عدت کا نفقہ واجب نہیں، سکنیٰ یعنی ایام عدت میں اپنے مکان میں رہائش کا انتظام واجب ہے، قال فی شرح التنویر تجب للزوجة بنکاح صحیح، وفی الشامیة ولا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وهو حق الحبس الثابت للزوج علیها بالنکاح وکذا فی عدته لان حق الحبس وان ثبت لکنه لم یثبت بالنکاح بل لتحصین الماء ولان حال العدة لا یکون اقوی من حال النکاح فافهم (رد المحتار ص ۶۹۹ ج ۲)

زید پر توبہ و استغفار لازم ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الآخرة سنہ ۹۳ھ

کسب سے عاجز کا نفقہ:

سوال: جو لوگ کمانے کی قدرت نہیں رکھتے جیسے بیوہ عورتیں، یتیم بچے، آنکھوں یا ہاتھ پاؤں سے معذور یا کسی شدید مرض میں مبتلا لوگ، کیا ان کے مصارف حکومت کے ذمہ فرض ہیں؟ اگر نہیں تو اسلام میں ان کے معاش کا کیا انتظام ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند اللہ الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسب سے عاجز لوگوں کا نفقہ ان کے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے ذمہ ہے، وجوب نفقہ کے لحاظ سے ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نفقۂ فروع: الاقرب فالاقرب، یعنی پہلے اولاد، وہ نہ ہو تو اولاد کی اولاد، مذکر و مؤنث برابر۔

(۲) فروع مع حواشی: اس میں نفقہ فقط فروع پر ہے اور اس کا ضابطہ قسم اول کی طرح ہے۔

(۳) فروع مع اصول: اس میں والدین پر ولد بلا واسطہ مقدم ہے، یعنی والدین کے ساتھ بیٹی یا بیٹا ہو تو نفقہ والدین پر نہیں بلکہ بیٹے یا بیٹی پر ہے، اس کے بعد الاقرب فالاقرب، اس لئے باپ کے ساتھ پوتا یا پوتی ہو تو نفقہ باپ پر ہے، قرب و بُعد میں برابر ہوں تو ہر ایک پر بقدر وراثت، اس لئے دادا اور پوتا ہوں تو دادا پر ⅙ اور پوتے پر ⅚۔

④ فروع مع اصول و حواشی، اس کا حکم قسم ثالث کی طرح ہے،

⑤ فقط اصول، باپ سب سے مقدم ہے، ورنہ ہو تو یا بعض اصول وارث ہوں گے اور بعض غیر وارث اور یا سب وارث ہوں گے، نوع اول میں الاقرب فالاقرب، اس لئے ماں اور نانا ہوں تو نفقہ ماں پر ہے، قرب و بُعد میں برابر ہوں تو ان میں سے جو وارث ہو اس پر نفقہ ہوگا اس لئے نانا اور دادا ہوں تو نفقہ دادا پر ہے، اور نوع ثانی یعنی سب وارث ہوں تو بقدر ارث،

اس لئے ماں اور دادا ہوں تو ماں پر $\frac{1}{3}$ اور دادا پر $\frac{2}{3}$،

⑥ اصول مع حواشی، اگر فریقین میں سے کوئی فریق غیر وارث ہو تو نفقہ اصول پر ہے، اس لئے دادا اور بھائی ہوں تو نفقہ دادا پر ہے، اور نانا اور چچا ہوں تو نانا پر ہے، اور اگر دونوں فریق وارث ہوں تو نفقہ بقدر ارث ہے، اس لئے ماں کے ساتھ عینی یا علّی بھائی یا بھتیجا یا چچا وغیرہ کوئی عصبہ ہو تو ماں پر $\frac{1}{3}$ اور عصبہ پر $\frac{2}{3}$،

اس قسم میں اگر اصول متعدد ہوں تو ان میں قسم خامس والا ضابطہ جاری ہوگا، جب جد حاجب ہونے میں بمنزلۂ اب ہو تو وجوب نفقہ میں بھی بمنزلۂ اب شمار ہوگا، مثلاً ماں، دادا اور بھائی ہوں تو چونکہ جد بھائی کے لئے حاجب ہو اس لئے بمنزلۂ اب ہو جانے کی وجہ سے پورا نفقہ اسی پر ہوگا، ماں پر کچھ نہیں، اور اگر بھائی نہ ہوتا صرف ماں اور دادا ہوتے تو جد بمنزلۂ اب نہ ہوتا، اس لئے نفقہ بقدر ارث ماں پر $\frac{1}{3}$ اور دادا پر $\frac{2}{3}$ ہوتا، جیسا کہ قسم ثالث میں گزرا،

⑦ فقط حواشی، اس میں نفقہ بقدر ارث ہے، بشرطیکہ ذی رحم محرم ہوں، غیر ذی رحم محرم جیسے چچازاد وغیرہ پر نفقہ نہیں،

تفصیل مذکور اس وقت ہے جب کہ سب موجود رشتہ دار غنی ہوں، اگر ان میں سے کوئی مسکین ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ دوسرے وارثوں کو محروم کر رہا ہو تو اس کو بمنزلۂ میت قرار دینے سے جو رشتہ دار وارث بنتے ہوں نفقہ ان پر بقدر ارث ہوگا، اور اگر یہ دوسروں کو محروم نہیں کرتا تو اس کو زندہ شمار کرنے سے دوسرے وارثوں کو جس مناسبت سے حصۂ وراثت ملتا ہے اس کے مطابق ان پر نفقہ ہوگا، مثلاً بیٹا مسکین، اخیافی بھائی اور علّاتی بھائی ہوں تو چونکہ بیٹا ہر قسم کے بھائی کو محروم کر رہا ہے اس لئے اس کو مُردہ تصور کریں گے، اس کے بعد حصۂ وراثت اخیافی بھائی کا $\frac{1}{6}$ اور عینی کا $\frac{5}{6}$ ہے اس لئے ان پر نفقہ بھی اسی مناسبت سے

واجب ہوگا، اور اگر صورت مذکورہ میں مسکین بیٹے کی بجائے مسکین بیٹی ہو تو چونکہ وہ صرف حقیقی بھائی کو محروم کرتی ہے علاتی کو نہیں، اس لئے اس بیٹی کو زندہ شمار کریں گے تو علاتی بھائی کو ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اس لئے اس پر نفقہ بھی نہیں، کل نفقہ عینی بھائی پر واجب ہوگا۔

اگر مذکورہ رشتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو یا سب مسکین ہوں تو سرکاری بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا، اس میں بھی گنجائش نہ ہو تو عامۃ المسلمین پر فرض ہے، وهذا تلخیص تحریر العلامة ابن عابدین فی رد المحتار (ص ۷۳۰ ج ۲) رحمه الله تعالیٰ ونفعنا بعلومه وجزاه عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

مکان نہ ملنے کی وجہ سے بیوی چلی گئی:

سوال: زید اپنی زوجہ کو ایک شہر میں لے گیا وہاں زید کی ماں تھی، زید نے زوجہ کو کہا کہ میری ماں کے پاس رہو تو نفقہ پورا دیدوں گا، پھر زید سفر میں چلا گیا جاتے وقت زوجہ کو کہا کہ اور کسی جگہ نہیں جانا، مگر زید کے جانے کے بعد زوجہ اپنے میکہ میں چلی گئی، اس کے باپ نے قاضی کے پاس جا کر اس سے لڑکی کا نفقہ مقرر کروایا، ایک مہینہ میں ۲۰ کلو آٹا اور ۲ کلو گوشت، چار کلو گھی، اتنی کھجور، اتنا مصالحہ وغیرہ، یعنی قاضی نے سب چیزوں کی تفصیل لکھ دی، دو سال کے بعد زید آگیا تو زوجہ نے اس پر نفقہ کا دعویٰ کیا، زید نے انکار کیا اور کہا کہ تم نے میرے حکم کے خلاف کیا ہے اس لئے گزشتہ نفقہ نہیں دوں گا، آیا اس صورت میں گزشتہ دو سال کا نفقہ زوجہ کو ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیوی کی الگ رہائش کے لئے ایک ایسے کمرہ کا انتظام کرنا شوہر پر فرض ہے، جس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہ ہو، شوہر کی طرف سے ایسی رہائش کا انتظام ہونے کے باوجود بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے تو وہ ناشزہ ہے، اس کا نفقہ شوہر پر نہیں، اگر شوہر ایسی رہائش کا انتظام نہ کرے تو بیوی بلا اجازت دوسری جگہ جانے سے ناشزہ نہیں بنتی، اس لئے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، چونکہ زید نے بیوی کی الگ رہائش کا ایسا انتظام نہیں کیا اس لئے اس پر بیوی کا نفقہ واجب تھا، قاضی کے فیصلہ کے بعد جتنی مدت گزری اس کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے، اس سے پہلے جو ایام گزرے ان کا نفقہ نہیں لے سکتی، لأن النفقة تسقط بمضی

المسئلة بدون القضاء او الرضا ای تراضی الزوجین علی قدر معین، فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب ۸۹ھ

معتدۂ موت کے لئے نفقہ و سکنی نہیں:

سوال: زید کا انتقال ہوگیا، اس کی بیوی معتدہ عدت میں ہے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:-

(۱) کیا معتدہ کے ایام عدت کا نفقہ مشترکہ ترکہ میں سے دیا جائے گا اس کے بعد باقی ترکہ وارثوں پر تقسیم ہوگا؟

(۲) اگر زید کا انتقال کرایہ کے مکان میں ہوا ہو اور معتدہ اسی کرایہ کے مکان میں عدت گذار رہی ہو تو کیا مکان کا کرایہ مشترکہ ترکہ سے نکالنے کے بعد باقی ترکہ وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا؟

(۳) اگر زید اپنے ذاتی مکان میں رہتا تھا تو کیا دوسرے ورثہ پر فرض ہے کہ معتدہ کو اس مکان میں عدت گذارنے دیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

معتدۂ موت کو چونکہ شوہر کے مال سے حصۂ وراثت ملتا ہے اس لئے اس کو مشترکہ ترکہ سے لینے کا حق نہیں، بلکہ ترکہ سے اس کو جو حصہ ملے گا اس سے خرچ کرے۔

اگر زید مکان کی استطاعت نہ ہو تو یہ مکان چھوڑ کر حسب استطاعت کسی دوسرے قریب تر مکان میں جا سکتی ہے۔

اگر زید کے ذاتی مکان سے جو حصہ اس کی بیوی کو ملا وہ اس کے لئے ناکافی ہو تو دوسرے وارثوں پر واجب نہیں کہ وہ ایام عدت اپنے حصہ میں گذارنے دیں، بلکہ بطیب خاطر اجازت دیں تو بہتر ورنہ دوسرے قریب تر مکان میں عدت گذارے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۶ھ

نابالغ کی بیوی کا نفقہ:

سوال: اگر والد نے اپنے نابالغ لڑکے کی شادی کردی اور بہو کو اپنے گھر لے آیا خواہ بہو بالغ ہو یا نابالغ، تو جس طرح نابالغ لڑکے کے مصارف والد پر ہیں کیا اسکی بیوی کے مصارف بھی والد پر واجب ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نابالغ کی بیوی کا نفقہ نابالغ کے اپنے مال میں ہوگا اس کے والد پر واجب نہیں، البتہ اگر والد ضامن ہو تو اس پر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۶ھ

مطلقہ کی اجرتِ حضانہ:

سوال: مطلقہ عورت دودھ پلانے کی اجرت کے علاوہ بچہ کو سنبھالنے کی اجرت الگ لے سکتی ہے یا نہیں؟ یعنی اجرتِ ارضاع و اجرتِ حضانہ الگ الگ طلب کرے، اس طرح دو اجرتیں طلب کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سنبھالنے کی اجرت الگ لے سکتی ہے، مگر یہ دونوں قسم کی اجرت مدت گزرنے کے بعد جائز ہے، ایام عدت کی اجرت جائز نہیں، البتہ بچہ کا اپنا مال ہو تو اس سے اجرت طلب کرنا جائز ہے، ان سب امور میں اجرتِ ارضاع و اجرتِ حضانہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ کوئی دوسری عورت بلا اجرت ارضاع و حضانہ پر راضی نہ ہو، اگر بلا اجرت کوئی دوسری عورت راضی ہے تو ماں اجرتِ ارضاع نہیں لے سکتی، اجرتِ حضانہ لے سکتی ہے، بچہ ماں کے پاس رہے گا اور مرضعہ اس کے پاس آکر دودھ پلائے گی، البتہ اگر بچہ کے اقارب میں سے کوئی عورت بلا اجرت حضانہ پر راضی ہو اور بچہ کا والد تنگ دست ہو تو ماں اجرتِ حضانہ نہیں لے سکتی،

في حضانته شرح التنوير وهي غير اجرة ارضاعه ونفقته كما في البحر عن السراجية وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى قال في البحر فعلى هذا يجب على الاب ثلاثة اجرة الرضاع واجرة الحضانة ونفقة الولد ومثله في الشرنبلالية (قوله ثم حرر) اي الخير الرملي ان الحضانة كالرضاع اي في انها لا اجر للام فيها لو منكوحة او معتدة والا فلها الاجرة من مال الصغير ان كان له مال والا فمن مال ابيه او من تلزمه نفقته، هذا خلاصة ما حط عليه رأيه بعد كلام طويل وقد علمت تأييده بما نقلناه عن خط الشلبي قلت وهذا كله حيث لم يوجد متبرع بالحضانة فان وجد فاما ان يكون اجنبيا من الصغير او لا وعلى كل فاما ان يكون الاب معسرا او لا وعلى كل فاما ان يكون للصغير مال او لا فان كان اجنبية يدفع للاهل الحضانة باجرة المثل ولو من مال الصغير وان كان المتبرع غير اجنبي فان كان الاب معسرا والصغير له مال او لا يقال للام اما ان تمسكيه مجانا او تدفعيه للعمة مثلا المتبرعة صونا لماله لو له مال وان كان الاب موسرا والصغير له مال فكذلك لان الاجرة حينئذ على الصغير وان كان الاب موسرا

ولا مال للصغير فالام مقدمة وان طلبت الاجرة نظر للصغير بلا ضرر له فى ماله
هذا حاصل ما تحرر لعبد الضعيف بناء على ان الحضانة كالرضاع وتمام ذلك فى
رسالتنا الابانة عن اخذ الاجرة على الحضانة (رد المحتار ص ۶۳۹ ج ۲) وفى نفقة
العلائية لا يستاجر الاب امه لو منكوحة ولو من مال الصغير خلافا للذخيرة و
المجتبى او معتدة رجعى وجاز فى البائن فى الاصح جوهرة كاستئجار منكوحته لولده
من غيرها وهى احق بارضاع ولدها بعد العدة اذا لم تطلب زيادة على ما تاخذه
الاجنبية ولو دون اجر المثل بل الاجنبية المتبرعة احق منها زيلعى اى فى الارضاع
اما اجرة الحضانة فللام كما مر وفى الشامية تحت (قوله خلافا للذخيرة و
المجتبى) قد نقل الحموى عن البرجندى معزيا للمنصورية ان الفتوى على
الجواز اى الذى مشى عليه فى الذخيرة والمجتبى (قوله فى الاصح) وذكر فى الفتح
عن بعضهم انه ظاهر الرواية ولكن ذكر ايضا ان الاوجه عدم الفرق بين مدة الرجعى
والبائن وان فى كلام الهداية ايماء الى انه المختار عنده اذ من عادته تاخير
وجه القول المختار كذا هو ظاهر اطلاق القدورى المعتدة وفى النهر انه رواية
الحسن عن الامام وهى الاولى اه وفى حاشية الرملى على المنح عن التاتارخانية
وعليه الفتوى (قوله اما اجرة الحضانة الخ) افاد ان الحضانة تبقى للام فترضعه
الاجنبية المتبرعة بالارضاع عند الام كما صرح به فى البحر الخ ونحوه ما مر فى
المتن وان للام اخذ اجرة المثل على الحضانة ولا تكون الاجنبية المتبرعة
بها اولى نعم لو تبرعت العمة بحضانته من غير ان تمنع الام عنه والاب معسر
فالصحيح انه يقال للام اما ان تمسكى الولد بلا اجر واما ان تدفعيه اليها كما
مر فى الحضانة وبه ظهر الفرق بين الحضانة والارضاع هنا وهو ان انتقال
الارضاع الى غير الام لا يتقيد بطلب الام اكثر من اجر المثل ولا باعسار الاب
ولا بكون المتبرعة عمة او نحوها من الاقارب فافهم (رد المحتار ص ۶۲۲ ج ۲)
فقط والله تعالى اعلم
۲۳ شوال ۱۳۹۰ھ

بیوی کے لئے مکان کی تفصیل:

سوال: بیوی اگر شوہر کے والدین سے الگ مکان طلب کرے تو اسے بالکل الگ مکان میں رکھنا ضروری ہے یا کہ والدین کے مکان میں ایک مستقل کمرہ دے دینا بھی کافی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضایقہ نہیں۔ قال فی التنویر وکذا تجب لها السکنی فی بیت خال عن اهله واهلها بقدر حالهما او بیت منفرد من دار له غلق کفاها وفی الشرح زاد فی الاختیار والعینی ومرافق ومفاده لزوم کنیف ومطبخ وینبغی الافتاء به بحر (الی قوله) وفی البحر عن الخانیة بشرط ان لا یکون فی الدار احد من احماء الزوج یؤذیها ونقل المصنف عن الملتقط کفایته مع الاحماء لا مع الضرائر وفی الشامیة (قوله ومفاده لزوم کنیف ومطبخ) ای بیت الخلاء وموضع الطبخ بان یکونا داخل البیت او فی الدار لا یشارکها فیهما احد من اهل الدار قلت وینبغی ان یکون هذا فی غیر الفقراء الذین یسکنون فی الربوع والاحواش بحیث یکون لکل واحد بیت یخصه وبعض المرافق مشترکة کالخلاء والتنور وبئر الماء ویأتی تمامه قریبا، وفیها تحت (قوله وفی البحر عن الخانیة الخ) وعلی ما نقله عن ملتقط ابی القاسم وتجنیسه للاستروشنی ان ذلک یختلف باختلاف الناس ففی الشریفة ذات الیسار لابد من افرادها فی دار ومتوسطة الحال یکفیها بیت واحد من دار ومفهومه ان من کانت من ذوات الاعسار یکفیها بیت ولو مع احمائها وضرتها کاکثر الاعراب واهل القری وفقراء المدن الذین یسکنون فی الاحواش والربوع، وهذا التفصیل هو الموافق لما مر من ان المسکن یعتبر بقدر حالهما ولقوله تعالی اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم وینبغی اعتماده فی زماننا هذا فقد مر ان الطعام والکسوة یختلفان باختلاف الزمان والمکان (الی قوله) وهذا الموافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتبارا فی السکنی بالمعروف اذ لا شک ان المعروف یختلف باختلاف الزمان والمکان، فعلی المفتی ان ینظر الی حال اهل زمانه وبلده اذ بدون ذلک لا تحصل المعاشرة بالمعروف، وقد قال تعالی ولا تضاروهن لتضیقوا علیهن (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم

۲ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

کتاب الایمان

دائمی روزہ کی نذر میں بوقتِ عجز فدیہ ہے :

سوال : ایک شخص نے نذر کی کہ میں مرتے دم تک ہمیشہ روزہ رکھوں گا، اب یہ شخص مرض اور کبر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فدیہ دینا ہے، فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے، قال فی شرح التنویر فی آخر کتاب الصوم نذر صوم رجب (الی قولہ) او صوم الابد فضعف لاشتغالہ بالمعیشۃ افطر وکفر کما مر، وفی الشامیۃ (قولہ وکفر) ای فدی (قولہ کما مر) ای فی الشیخ الفانی من انہ یطعم کالفطرۃ (رد المحتار ج۲) وفی ایمان شرح التنویر ولو نذر صوم الابد فاکل لعذر فدی، وفی الشامیۃ (قولہ فاکل لعذر) وکذا الدونہ (قولہ فدی) ای لکل یوم نصف صاع من بر او صاعا من شعیر وان لم یقدر استغفر اللہ تعالیٰ کما مر (رد المحتار ج۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الآخرہ سنہ ۹۳ھ

بناءِ مسجد کی نذر صحیح نہیں :

سوال : ایک شخص نے نذر کی کہ اگر میرا مریض تندرست ہو جائے تو میں مسجد تعمیر کرواؤں گا، اب مریض تندرست ہو گیا ہے، تو اس پر مسجد تعمیر کرنا ہی لازم ہے یا کہ مساکین پر بھی صرف کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

لزومِ نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور عبادتِ مقصودہ ہو اور اس کی جنس سے کوئی فرد فرض یا واجب ہو، تعمیرِ مسجد اگرچہ واجب ہو مگر عبادتِ مقصودہ نہیں، لہٰذا یہ نذر واجب الاداء

نہیں، قال فی التنویر ومن نذر نذرًا مطلقًا او معلقًا بشرط وکان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط لزم الناذر وفی الشامیة (قوله وهو عبادة مقصودة) الضمیر راجع للنذر بمعنی المنذور لا للواجب خلافًا لما فی البحر قال فی الفتح مما هو طاعة مقصودة لنفسها ومن جنسها واجب الخ وفی البدائع ومن شروطه ان یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بعیادة المریض وتشییع الجنازة والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغیر ذلک وان کانت قربًا لانها غیر مقصودة اهـ فهذا صریح فی ان الشرط کون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما کان من جنسه ولذا صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وهو بناء مسجد للمسلمین کما یأتی مع انه یصدق علیه ان بناء المسجد غیر مقصود لذاته وفی شرح الملتقی ووقف مسجد للمسلمین واجب علی الامام من بیت المال والا فعلی المسلمین وفی الشامیة (قوله وقف مسجد) ای فی کل بلدة علی الناظر (رد المحتار ص ۲۶۹ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: آپ نے ”احسن الفتاوی“ میں فرمایا ہے کہ بناء مسجد کی نذر واجب الایفاء نہیں، مگر ”احسن الفتاوی“ دیکھنے سے قبل میں نے مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے سوال کیا تھا کہ اگر کوئی یہ نذر کرے کہ مسجد میں تیل دوں گا یا لوٹے یا جھاڑو یا صف ڈلواؤں گا تو کیا مجھ پر اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور نذر عبادت مقصودہ ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے جواب دیا تھا کہ بعض فقہاء نے بناء مساجد کو قربت مقصودہ میں داخل قرار دیا ہے، در مختار میں قربت مقصودہ کی مثالیں بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کصوم وصلوٰۃ وصدقۃ واعتکاف (الی قولہ) وبناء مسجد للمسلمین واجب علی الامام من بیت المال والا فعلی المسلمین (شامی ج ۳) اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ بحر میں لکھا ہے وهذا یدل علی ان المراد بالواجب حقیقته الاصطلاحیة عندهم وما قول صاحب الدرر المنذور اذا کان له اصل فی الفروض لزم الناذر فیراد به ما یعم الواجب بان یراد بالفرض فی کلامه اللازم وبه یندفع التنافی الواقع فی عبارتهم اھ (ص ۲۹۶ ج ۴) بندہ کو دونوں حضرات کی عبارت سے خلجان ہو گیا ہے، لہذا مہربانی فرما کر بندہ کے خلجان کو دور کیا جائے، عین کرم ہوگا۔ اور تیل، جھاڑو، صف، لوٹے

وغیرہ، یہ بھی بناء میں داخل ہیں یا صرف تعمیر درست ہی کو بناء مسجد کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

درمختار کی پوری عبارت یوں ہے: ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وكان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة خرج الوضوء وتكفين الميت ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى كصوم وصلوة وصدقة ووقف واعتكاف واعتاق رقبة وحج ولو ماشيا فانها عبادات مقصودة ومن جنسها واجب لوجوب العتق في الكفارة والمشي للحج على القادر من اهل مكة والقعدة الاخيرة في الصلوة وهي لبث كالاعتكاف ووقف مسجد للمسلمين واجب على الامام من بيت المال والا فعلى المسلمين. (رد المحتار)

اس میں قربت مقصودہ کی مثالیں صوم سے شروع ہو کر حج پر ختم ہو گئی ہیں، چنانچہ اس کے بعد فرمایا فانها عبادات مقصودة، اس کے بعد ومن جنسها واجب صحت نذر کی دوسری شرط کا ثبوت شروع ہوا ہے، لوجوب العتق في الكفارة سے اس کی مثالیں بیان فرمائیں، جو ووقف مسجد للمسلمين پر ختم ہوئیں، غرضیکہ وقف مسجد قربت مقصودہ کی مثال نہیں بلکہ جنس منذور سے واجب کی مثال ہے، وقف مسجد واجب تو ہے مگر قربت مقصودہ نہیں، قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله وهو عبادة مقصودة) الضمير راجع للنذر بمعنى المنذور …… علا أن الذي في البحر قال في الفتح ما هو طاعة مقصودة لنفسها ومن جنسها واجب اهـ وفي البدائع ومن شروطه ان يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض وتشييع الجنازة والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وان كان قربا الا انها غير مقصودة اهـ فهذا صريح في ان الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه ولذا صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وهو بناء مسجد للمسلمين كما يأتي مع انك علمت ان بناء المساجد غير مقصودة لذاته (رد المحتار ص ۶۸ ج ۳)

وقال في منحة الخالق انهم صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وهو وقف مسجد للمسلمين وقد علمت ان بناء المسجد غير مقصود (البحر الرائق ص ۲۹۶ ج ۴)

حاصل یہ کہ وقف مطلقاً قربت مقصودہ ہے مگر واجب نہیں اور وقف مسجد واجب ہے مگر قربت مقصودہ نہیں، اور صحت نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور خود عبادت مقصودہ ہو،

اور اس کی جنس سے کوئی فرد واجب ہو، یہ شرط وقف للفقراء میں موجود ہے، اس لئے کہ خود عبادت مقصودہ ہے اور اس کی جنس سے وقف مسجد واجب ہے، اس لئے اس وقف کی نذر صحیح ہے، مگر وقف مسجد میں یہ شرط مفقود ہے، اس لئے کہ اگرچہ یہ واجب ہے مگر عبادت مقصودہ نہیں، لہٰذا اس کی نذر صحیح نہیں۔

چٹائیاں، لوٹے اور جھاڑو وغیرہ بناء مسجد میں داخل نہیں، یہ اشیاء متعلقات مسجد ہیں جن کو آلات مسجد کہا جاتا ہے، ان کی نذر بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۃ ذی الحجہ سنہ ۸۹ھ

نذر میں زمان و مکان وغیرہ کی تعیین صحیح نہیں :

سوال : اگر کسی نے نذر کی کہ فلاں چیز فقراء مکہ کو دے گا، پھر اس نے یہ چیز فقراء مدینہ یا دوسرے کسی شہر کے فقراء کو دیدی تو نذر ادا ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نذر میں کسی زمان یا مکان یا فقیر کی تعیین کی تو یہ تعیین ناذر پر لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت میں یا دوسرے مکان میں یا دوسرے فقیر کو دینے سے بھی نذر ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر نذر میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہٖ یہی چیز دینا لازم نہیں بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے، قال فی العلائیۃ والنذر لا یختص بزمان و مکان و درہم و فقیر فلو نذر التصدق یوم الجمعۃ بمکۃ بہذا الدرہم علی فلان فخالف جاز (رد المحتار ص ۷۴ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

قرآن خوانی کرنے کی نذر جائز نہیں :

سوال : زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو قرآن خوانی کراؤں گا، اب کام ہونے پر قرآن خوانی کرانا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن خوانی کی مروّج رسم بدعت اور ناجائز ہے، اس لئے اس کی نذر ناجائز نہیں۔

قال فی شرح التنویر وفی البحر وشرائطہ خمس فزاد ان لا یکون معصیۃ لذاتہ فصح نذر صوم العید لانہ لغیرہ، وفی الشامیۃ قال فی الفتح واما کون المنذور معصیۃ

یمنع انعقاد النذر فیجب ان یکون معناہ اذا کان حراما لعینہ او لیس فیہ جہۃ قربۃ فان المذہب ان نذر صوم یوم العید ینعقد ویجب الوفاء بصوم یوم غیرہ ولو صامہ خرج عن العہدۃ الی ان قال ان ما کان فیہ جہۃ العبادۃ یصح النذر بہ لما مر من انہ یلزم الوفاء بالنذر من حیث ہو قربۃ لا بکل وصف التزمہ بہ فصح التزام الصوم من حیث ہو صوم مع الغاء کونہ فی یوم العید الخ (رد المحتار ص ج ۳)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حرام چیز کی نذر منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا ایفاء بطریق مباح ہوگا۔
مجلس قرآن خوانی خواہ بطریق مباح ہی کیوں نہ ہو اس کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کی جنس سے کوئی فرد فرض یا واجب نہیں، البتہ خود قراءۃ قرآن کی جنس سے نماز میں تلاوت فرض ہے مگر قراءۃ قرآن عبادۃ مقصودہ نہیں، قال فی العلائیۃ ولو نذر التسبیحات دبر الصلوۃ لم یلزمہ، وفی الشامیۃ وکذا لو نذر قراءۃ القرآن وعللہ القہستانی فی باب الاعتکاف بانہا للصلوۃ وفی الخانیۃ ولو قال علی الطواف بالبیت والسعی بین الصفا والمروۃ او علی ان اقرأ القرآن ان فعلت کذا لا یلزمہ شیء اھ قلت وہو مشکل فان القراءۃ عبادۃ مقصودۃ ومن جنسہا واجب وکذا الطواف فانہ عبادۃ مقصودۃ ایضا ثم رأیت فی لباب المناسک قال فی باب انواع الاطوفۃ السابع طواف النذر وہو واجب لا یختص بوقت فہذا اصریح فی صحۃ النذر بہ (رد المحتار ص ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رشوال سنہ

نذر تسبیحات بعد نماز صحیح ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز کے بعد جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اگر کوئی تسبیحات پڑھنے کی نذر کی تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں، اور اگر درود شریف کی نذر کی تو واجب ہو جاتی ہے، حوالہ شامی کا دیتے ہیں، کیا ان کا یہ قول صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو تسبیحات اور درود شریف میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تسبیحات اور درود شریف میں یہ فرق شامیہ میں نہیں، درمختار میں ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نذر تسبیحات کو بھی واجب الاداء قرار دیا ہے، صحت نذر کے لئے منذور کا عبادۃ مقصودہ ہونا اور اس کی جنس سے کسی فرد کا فرض یا واجب ہونا شرط ہے، نماز کے بعد

والی تسبیحات عبادۃ مقصودہ ہیں اور یہاں لفظ تسبیحات تغلیباً تحمید و تکبیر کو بھی شامل ہے، اور تحمید نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں فرض ہے اور تکبیر ابتداء نماز میں فرض ہے اور تکبیرات عیدین و تکبیرات تشریق واجب ہیں، اس لئے ان تسبیحات کی نذر صحیح ہے، اسی طرح درود شریف عبادۃ مقصودہ ہے اور عمر بھر میں ایک بار فرض ہے، اس لئے اس کی نذر بھی صحیح ہے، البتہ نذر تسبیحات میں اگر نماز کے بعد کی قید نہیں لگائی تو یہ نذر واجب نہیں، اس لئے کہ اس موقع میں لفظ تسبیحات تحمید و تکبیر کو شامل نہیں بلکہ صرف تسبیح ہی مراد ہے اور جنس تسبیح میں کوئی فرد فرض یا واجب نہیں۔ قال في شرح التنوير عن القنية لو نذر التسبيحات دبر الصلوة لم يلزمه ولو نذر ان يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم كذا لزمه وقيل لا، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله ولو نذر التسبيحات) لعل مراده التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثا وثلاثين في كل واطلق على الجميع تسبيحا تغليبا لكونه سابقا وفيه اشارة الى انه ليس من جنسه واجب ولا فرض وفيه ان تكبير التشريق واجب على المفتى به وكذا تكبيرة الاحرام وتكبيرات العيدين فينبغي صحة النذر به بناء على ان المراد من الواجب هو المصطلح، قلت لكن ما ذكره الشارح ليس عبارة القنية وعبارتها كما في البحر ولو نذر ان يقول دعاء كذا في دبر كل صلوة عشر مرات لم يصح (قوله لزمه) لان من جنسه فرضا وهو الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم مرة واحدة في العمر وتجب كلما ذكر وانما هو فرض عملي ط ومنه يعلم انه لا يشترط كون الفرض قطعيا (قوله وقيل لا) لعل وجهه اشتراط كون الفرض قطعيا (رد المحتار ص ۲۷۰ ج ۳)

فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۲ شوال ۸۶ھ

نذر ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے:

سوال: ہندہ نے نذر مانی کہ یہ بکرا جو گھر پر پرورش ہے اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت فقراء کو تقسیم کر دوں گی، اب کام ہونے پر ہندہ نے اس کی قیمت فقراء کو تقسیم کر دی تو نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ یا بکرا ذبح کرکے گوشت ہی تقسیم کرنا واجب ہے؟ ایک عالم دین فرماتے ہیں کہ ذبح کرنا واجب ہے، قیمت دینے سے نذر ادا نہ ہوگی، اپنے دعویٰ میں شامی سے دلیل پیش کرتے ہیں، ان کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اضحیہ کے سوا نذر بذبح سے نذر تصدق لحم مقصود ہے، ورنہ نفس ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ اضحیہ کے سوا ذبح حیوان عبادت مقصودہ نہیں، اس کی تفصیل کتاب الاضحیہ میں عنوان "اضحیہ منذورہ سے جواز اکل کی تحقیق" میں ہے، مرتب) جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدق لحم مقصود ہو تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبح حیوان واجب نہیں، بلکہ اختیار ہے چاہے بکرا ذبح کرکے گوشت صدقہ کرے یا بکرا زندہ صدقہ کردے، اس کی قیمت صدقہ کرے یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز

قال فی شرح التنویر نذران یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ (رد المحتار ص ۷۶ ج ۳)

سوال میں شامیہ کے جس جزئیہ کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی پوری عبارت تحریر کریں تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے،

فائدہ: بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نذر میں زمان، مکان اور درہم وفقیر وغیرہ کی تعیین سے نذر ان قیود سے مختص نہیں ہوتی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو بحکم نذر ہونے کی وجہ سے بعینہ اسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے، تبدیل کرنا جائز نہیں، اس صورت میں اختصاص بالنذر کیوں ہوا؟

وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ نذر تضحیہ میں فعل منذور یعنی ذبح کا اثر حسی حیوان میں پایا جاتا ہے، اور نذر بتصدق میں مسمی میں فعل منذور یعنی تصدق کا کوئی اثر حسی نہیں پایا جاتا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ شوال سنہ ۸۱ھ

شیرینی تقسیم کرنے کی نذر:

سوال: ہندہ نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو بچوں کو شیرینی تقسیم کروں گی، تو کام ہونے پر ایسی نذر کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور یہ نذر صحیح ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ عبادت غیر مقصودہ سے ہے، اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں، آپ کی اس میں کیا رائے شریف ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

الفاظ نذر میں بچوں میں سے اغنیاء کی تخصیص نہیں، اس لئے یہ اغنیاء وفقراء

سبب کرنا باطل ہے اور تصدق علی الفقیر عبادت مقصودہ ہے، لہٰذا یہ نذر صحیح ہے اور واجب الاداء ہے، اور الفاظ نذر میں نہ تو چیز کی کوئی مقدار یا قیمت متعین کی گئی ہے اور نہ ہی بچوں کی تعداد بیان کی گئی ہے، اس صورت میں اطعام عشرۃ مساکین واجب ہے، یعنی مقدار صدقۃ الفطر سے دس گنا زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے، خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو، بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال علی نذر ولم یزد علیہ ولا نیۃ لہ فعلیہ کفارۃ یمین ولو نوی صیاما بلا عدد لزمہ ثلاثۃ ایام ولو صدقۃ فاطعام عشرۃ مساکین کالفطرۃ. وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ لزمہ ثلاثۃ ایام) لان ایجاب العبد معتبر بایجاب اللہ تعالیٰ وادنی ذلک فی الصیام ثلاثۃ ایام فی کفارۃ الیمین بحر عن الولوالجیۃ (قولہ ولو صدقۃ) ای بلا عدد (قولہ کالفطرۃ) ای لکل مسکین نصف صاع بر وکذا لو قال للہ علی اطعام مسکین لزمہ نصف صاع بر استحسانا ولو قال للہ علی ان اطعم المساکین علی عشرۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح (رد المحتار ص ۳ ج ۳) وفی شرح التنویر: نذر لفقراء مکۃ جاز الصرف لفقراء غیرہا لما تقرر فی کتاب الصوم ان النذر غیر المعلق لا یختص بشیء، نذر ان یتصدق بعشرۃ دراہم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ، وفی الشامیۃ تحت (قولہ لما تقرر فی کتاب الصوم) قلت وکما لا یتعین الفقیر لا یتعین عددہ ففی الخانیۃ ان دخلت بیتی فالف درہم من مالی صدقۃ لکل مسکین درہم فدخل ودفع الالف الی مسکین جملۃ جاز (رد المحتار ص ۱۲۲ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

نذر معلق میں صیغۂ التزام ضروری نہیں:

سوال: زید کی بھینس کا پاؤں زمین میں پھنس گیا، نکل نہ سکا، زید نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری بھینس کا پاؤں صحیح سلامت نکل جائے تو دس روپے خدا واسطے دوں گا، صرف خدا واسطے کا لفظ کہا، منت یا نذر وغیرہ کچھ نہیں کہا تو شریعت کے حکم میں یہ نفلی صدقات کے حکم میں ہوگا یا نذر؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے الفاظ عرفاً نذر کے لئے مستعمل ہیں، اس لئے یہ نذر لازم اور واجب التصدق ہے،

فان الأيمان مبنية على العرف وقال في العلائية فان الأيمان مبنية على العرف فاذا تعورف
الحلف به فيمين والا فلا (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳)

والنذر في حكم اليمين كما في الشامية تحت (قوله ومن نذر نذرا مطلقا) و
انما ذكروا النذر في الأيمان لما يأتي من انه لو قال علي نذر ولا نية له لزمه كفارة و
مر في آخر كتاب الصيام انه لو نذر صوما فان لم ينو شيئا او نوى النذر فقط او نوى
النذر وان لا يكون يمينا كان نذرا فقط وان نوى اليمين وان لا يكون نذرا كان يمينا
وعليه كفارة ان افطر وان نواهما او نوى اليمين كان نذرا ويمينا حتى لو افطر قضى وكفر
وموضع ذلك الكلام فيه (رد المحتار ص ۸۹ ج ۳) وايضا فيها (قوله لان الذبح ليس من
جنسه فرض الخ) هذا التعليل لصاحب البحر ونافيه ما في الهداية قال ان برئت
من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء الا ان يقول فلله علي ان اذبح شاة
وهي عبارة متن الدرر وعللها في شرحه بقوله لان اللزوم لا يكون الا بالنذر والدال
عليه الثاني لا الاول اهـ فافاد ان عدم الصحة لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر
اي لان قوله ذبحت شاة وعد لا نذر ويؤيده ما في البزازية لو قال ان سلم ولدي
اصوم ما عشت فهذا وعد لكن في البزازية ايضا ان عوفيت صمت كذا لم يجب
ما لم يقل لله علي وفي الاستحسان يجب ولو قال ان فعلت كذا فانا احج
ففعل يجب عليه الحج اهـ فعلم ان تعليل الدرر مبني على القياس والاستحسان
خلافه وينافيه ايضا قول المصنف عن شاة اذبحها وعبارة الفتح فعلي بالفاء في
جواب الشرط اذ لا شك ان هذا ليس وعد ولا يقال انما لم يلزمه لعدم
قوله لله علي لان المصرح به صحة النذر بقوله لله علي حجة او علي حجة (رد المحتار ص ۹۳ ج ۳)
فقط والله تعالی اعلم
۱۰ ربیع الاول سنہ ۸۰ھ

سوالِ مثلِ بالا:

یہاں دار العلوم میں نذرِ معلق کی ایک صورت کے بارے میں استفتاء آیا تھا، میں نے
اس کا جواب لکھا ہے، مگر مولانا محمد تقی صاحب کو اس پر چند اشکالات ہیں، جواب مع اشکالات
پیشِ خدمت ہے، اگر جواب صحیح ہے تو اشکالات کا حل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں اور جواب میں

کوئی نقص ہے تو صحیح جواب کی ہدایت سے نوازیں۔ الحق اللہ بقاءکم ونفعنا وجمیع المسلمین بفیوضکم۔

سوال: میں نے اللہ پاک سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اگر کراچی میں کامیاب تجارت ہاتھ آگئی تو ہر سال نفلی حج کے لئے جاؤں گا۔ یہ وعدہ تھا، جذبہ تھا، خواہش تھی، نذر نہیں تھی، اب بحمد اللہ مجھے اللہ پاک نے کراچی میں کامیاب دکان، تجارت عطاء فرمائی ہے، اب نفلی حج پر تقریباً بیس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں، اگر میں اس رقم سے مقتدیوں کے لئے اسلامی فتاویٰ خرید لوں جس سے وہ مسلمانوں کو فتوے دیتے رہیں گے، میرا صدقہ جاریہ ہوگا، شریعت کے لحاظ سے میرے لئے کس میں ثواب زیادہ ہے یا نفلی حج میں؟ ان شاء اللہ آپ حضرات جو حکم مجھے کتب فقہ سے بتائیں گے میں اسی پر عمل کروں گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب من دار العلوم کراتشی

(۱) فی الشامیة نقلا عن الخانیة قال إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا یلزمه شیء إلا أن یقول لله علی أن أذبح شاة اهـ وهی عبارة متن الدرر وعللها فی شرحه بقوله لأن اللزوم لا یکون إلا بالنذر والدال علیه الثانی لا الأول اهـ فأفاد أن عدم الصحة لکون الصیغة المذکورة لا تدل علی النذر أی لأن قوله ذبحت شاة وعد لا نذر ویؤیده ما فی البزازیة أیضاً لو قال إن سلم ولدی أصوم ما عشت فهذا وعد لکن فی البزازیة أیضاً إن عوفیت صمت کذا لم یجب ما لم یقل لله علی وفی الاستحسان یجب ولو قال إن فعلت کذا فأنا أحج ففعل یجب علیه الحج اهـ فعلم أن تعلیل الدرر مبنی علی القیاس دون الاستحسان خلافه (شامیة ص ۷۰ ج ۳)

(۲) وفی البزازیة علی الهندیة إن عوفیت صمت کذا لم یجب ما لم یقل لله علی وفی الاستحسان یجب وإن لم یکن تعلیقا لا یجب شیء استحسانا أما إذا قال لو فعلت کذا فأنا أحج ففعل یجب علیه الحج (ص ۲۱۳ ج ۴)

(۳) وکذا فی البحر نقلا عن البزازیة (بحر ص ۳۱۱ ج ۴)

(۴) وفی آخر الأشباه والنظائر أما الصیغة فلله علی أو نذرت لله أو إن فعلت کان معلقا کأنا أحج إن دخلت الدار بخلاف أنا أحج منجزا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں سائل نے جو یہ کہا ہے کہ "اگر کراچی میں کامیاب تجارت ہاتھ آگئی تو بہرحال نفلی حج کے لئے جاؤں گا" یہ صیغۂ نذر ہے اور نذر معلق ہے اور یہ سمجھنا صحیح ہے۔ سائل کا یہ کہنا کہ اس سے میری نیت نذر کی نہیں تھی صرف جذبہ اور وعدہ تھا معتبر نہ ہوگا، لہٰذا سائل پر ہر سال حج نفل کرنا واجب ہے، حج نفل کی بجائے اتنی رقم کسی دوسرے کار خیر میں لگانا جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبد اللہ، دار الافتاء، دار العلوم کراچی

اشکالات جو مولانا محمد تقی صاحب کو پیش آئے

① قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ حج واجب نہ ہو، استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ حج واجب ہو تو اس قیاس اور استحسان کے درمیان مابہ الامتیاز کیا ہے؟ اگر ایسا امتیاز یہی ہو کہ یہ نذر معلق ہے جو کہ بزازیہ کی تصریح کے مطابق ہو تو اس قسم کے کلمات عرف میں عام طور پر بولے جاتے ہیں، مثلاً اگر حکومت اجازت دے گی تو میں حج کو جاؤں گا، میرا لڑکا سفر سے آگیا تو میں حج کو جاؤں گا یا میری لڑکی کی شادی ہو گئی تو حج کو جاؤں گا وغیرہ۔

② اور اگر نذر معلق کو الفاظ نذر میں داخل کر لیا جائے جیسے شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو نذر کرنے والا جب اس بات کی تصریح کر دے کہ میری نیت اس سے نذر کی نہیں تھی فقط ایک عزم تھا تو کیا اس کی نیت معتبر نہ ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب

انعقاد نذر کے لئے لفظ نذر یا کوئی دوسرا صیغۂ التزام ضروری ہے، مگر نذر معلق میں استعمال صیغۂ التزام ضروری نہیں، کیونکہ عرف عام میں اسے بہرحال نذر ہی سمجھا جاتا ہے، اس عرف کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ تعلیق میں دلالۃً التزام موجود ہے۔

جواب اشکالات: ① "اگر حکومت اجازت دے گی تو حج کو جاؤں گا" اور اس کے ساتھ مذکورہ دوسری مثالوں میں نذر اس لئے نہیں ہوتی کہ عرفاً ان تعلیقات سے نذر مقصود نہیں ہوتی، بلکہ شفاء امراض و دفع بلیات و حصول مقاصد وغیرہ کے ساتھ تعلیق ہو اور شکرانہ کے طور پر کوئی عبادت متعلق کرے تو اس سے نذر مراد ہوتی ہے۔

② نذر کی نیت نہ کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک عدم نیت نذر، دوسری نیت عدم نذر، پہلی صورت میں نذر منعقد ہو جائے گی، اس لئے کہ الفاظ سے لغۃً عرفی معنی کا ثبوت نیت پر موقوف نہیں، اسی لئے عبارات فقہ میں انعقاد نذر کے لئے نیت کی قید نہیں، اور دوسری صورت یعنی نیت عدم نذر میں عدم انعقاد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ لانہ نوی حقیقۃ کلامہ وھو الوعد وتحقیقہ فی کتب اصول الفقہ فلیراجع، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۲ھ

حاشا للہ سے قسم:

سوال: حاشا للہ قسم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حاشا للہ بمعنی سبحان اللہ ہے، اس سے قسم کا عرف ہو تو بلانیت بھی قسم ہوجائے گی، قسم متعارف نہ ہو تو بنیت قسم کہنے سے قسم ہوگی ورنہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا یہی حکم ہے، قال فی شرح التنویر ولا یقسم بصفۃ لم یتعارف الحلف بہا من صفاتہ تعالیٰ کرحمتہ وعلمہ الی قولہ) وسبحان اللہ ونحو ذلک، وفی الشامیۃ (قولہ سبحان اللہ الخ) قال فی البحر ولو قال لا الٰہ الا اللہ لا افعل کذا لا یکون یمینا الا ان ینوی وکذا قولہ سبحان اللہ واللہ اکبر لا افعل کذا لعدم العادۃ ام وقلت ولو قال باللہ الوکیل لا افعل کذا ینبغی ان یکون یمینا فی زماننا لانہ مثل اللہ اکبر لکنہ متعارف (رد المحتار ص۴۹ ج۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ رمضان سنہ ۸۶ھ

گناہ پر قسم کا توڑنا اور کفارہ واجب ہے:

سوال: زید نے قسم کھائی کہ آج سینما دیکھے گا، اگر اس دن سینما نہ دیکھا تو قسم کا کفارہ واجب ہوا یا نہیں؟ اور ایسی قسم کا توڑنا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گناہ پر قسم کو توڑ کر کفارہ دینا واجب ہے، قال فی التنویر ومن حلف علی معصیۃ کعدم الکلام مع ابویہ او قتل فلان الیوم وجب الحنث والتکفیر (رد المحتار ص۶۳ ج۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال سنہ ۸۶ھ

قرآن کی قسم:

سوال: قرآن ہاتھ میں اٹھانے سے قسم ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے توڑنے پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ قرآن ہاتھ میں اٹھانے کو بعض جگہ قسم ہی سمجھتے ہوں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قرآن مجید ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی لیکن قسم نہیں کھائی، یا یوں کہا "اس قرآن کی قسم" تو قسم نہیں ہوئی، البتہ اگر قرآن کی طرف اشارہ کئے بغیر کہا

قرآن کی قسم، یا کلام اللہ کی قسم، یا قرآن کی طرف اشارہ کرکے کہا اس میں جو کلام اللہ ہے اس کی قسم تو قسم ہوجائے گی، توڑنے پر کفارہ واجب ہوگا، قال فی شرح التنویر قال الکمال ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا واما الحلف بکلام اللہ فیدور مع العرف وقال العینی ای المصحف یمین لا سیما فی زماننا، وفی الشامیۃ (قولہ وقال الکمال الخ) مبنی علی ان القرآن بمعنی کلام اللہ فیکون من صفاتہ تعالیٰ کما یفیدہ کلام الہدایۃ (الی قولہ) ونقل فی الہندیۃ عن المضمرات وقد قیل ہذا فی زمانہم واما فی زماننا فیمین وبہ نأخذ ونأمر ونعتقد وقال محمد بن مقاتل الرازی انہ یمین وبہ اخذ جمہور مشایخنا اھ فہذا مؤید لکونہ صفۃ تعورف الحلف بہا کعزۃ اللہ وجلالہ وفیہا تحت (قولہ وقال العینی الخ) واقرہ فی النہر وفیہ نظر ظاہر اذ المصحف لیس صفۃ للہ تعالیٰ حتی یعتبر فیہ العرف (الی قولہ) نعم لو قال اقسم بما فی ہذا المصحف من کلام اللہ تعالیٰ ینبغی ان یکون یمینا (رد المحتار ص۵۳ ج۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال ۸۶ھ

طعام نذر سید پر حرام ہے:

سوال: نذر کا کھانا غریب سید کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، قال فی العلائیۃ وجازت التطوعات من الصدقات وغلۃ الاوقاف لہم ای لبنی ہاشم، وفی الشامیۃ (قولہ وجازت التطوعات الخ) قید بہا لیخرج بقیۃ الواجبات کالنذر والعشر والکفارات وجزاء الصید الا خمس الرکاز فانہ یجوز صرفہ الیہم کما فی النہر عن السراج (رد المحتار ص۴۲ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی الحجہ ۸۶ھ

نمازیوں کو کھلانے کی نذر:

سوال: زید نے منت مانی کہ فلاں کام ہوگیا تو بیس مصلی کو کھانا کھلاؤں گا، اب کام ہوچکا ہے بیس مصلی کو کھلانا خواہ مصلی امیر ہو یا غریب درست ہے یا نہیں؟ اور نذر کا کھانا امیروں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ ص ۳۹ ج ۲ پر مرقوم ہے کہ نذر کا کھانا امیروں کو کھانا جائز ہے اگرچہ حقیقی مقدار امیروں نے کھائی ہے نذر صحیح نہ ہوگی، اور فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۲ پر مرقوم ہے کہ

نذر کا کھانا اغنیاء کو کھلانا حرام ہے، دونوں فتووں کی عبارت میں اختلاف ہے، لہٰذا بندہ کا شبہ رفع فرما کر ممنون فرمائیں جبکہ ناذر نے امیر و غریب دونوں کو کھلانے کی نذر مانی ہو تو امیروں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقدر حصہ اغنیاء نذر منعقد ہی نہیں ہوئی اس لئے اس کا ایفاء واجب نہیں، اور اگر اغنیاء کو کھلایا تو یہ اس لئے جائز ہے کہ ان کے حق میں یہ طعام نذر کا نہیں۔ قال فی شرح التنویر نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح ما لم ینو ابناء السبیل (رد المحتار ص ۷۰ ج ۳) بقدر حصہ فقراء نذر صحیح ہے اور اس کا ایفاء واجب ہے، اس سے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں، صورت سوال میں اغنیاء و فقراء کا مجموعہ بھی ہے ان میں سے عدد فقراء مجہول ہے، اور جہالت عدد کی صورت میں دس فقراء کا طعام واجب ہوتا ہے، ایک فقیر کا طعام بقدر صدقۃ الفطر ہے، لہٰذا بقدر صدقۃ الفطر دس گنا زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے، خواہ ایک ہی مسکین کو سب دیدے یا متعدد مساکین میں تقسیم کرے، ہر طرح اختیار ہے۔ قال فی شرح التنویر قال علی نذر ولم یزد علیه ولا نیة له فعلیه کفارة یمین ولو نوی صیاما بلا عدد لزمه ثلاثة ایام ولو صدقة فاطعام عشرة مساکین کالفطرة۔ وفی الشامیة (قوله لزمه ثلاثة ایام) لان ایجاب العبد معتبر بایجاب الله تعالی وادنی ذلک فی الصیام ثلاثة ایام فی کفارة الیمین بحر عن الولوالجیة (قوله ولو صدقة) ای بلا عدد (قوله کالفطرة) ای لکل مسکین صاع بر وکذا لو قال لله علی اطعام مسکین لزمه نصف صاع بر استحسانا وان قال لله علی ان اطعم المساکین علی عشرة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی فتح (رد المحتار ص ۷۳ ج ۳) وفی شرح التنویر نذر لفقراء مکة جاز الصرف لفقراء غیرها لما تقرر فی کتاب الصوم ان النذر غیر المعلق لا یختص بشیء، ونذر ان یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغیره جاز ان ساوی العشرة کتصدقه بثمنه۔ وفی الشامیة تحت (قوله لما تقرر فی کتاب الصوم) قلت وکذا لا یتعین الفقیر ولا یتعین عدده ففی الخانیة ان زوجت بنتی فالف درهم من مالی صدقة لکل مسکین درهم فزوج ودفع الالف الی مسکین جملة جاز (رد المحتار ص ۷۴ ج ۳)

فتاوی رشیدیہ اور امداد الفتاوی کے جواب میں تعارض نہیں، اس لئے کہ فتاوی رشیدیہ میں اس نذر کا حکم ہے جو فقراء کے لئے مخصوص ہو اس سے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں، اور امداد الفتاوی میں ایسی نذر کا بیان ہے جس میں نذر نے اغنیاء و فقراء دونوں کی نیت کی ہو اس میں بقدر حصۂ اغنیاء نذر منعقد ہی نہیں ہوئی، اس لئے اس کا ایفاء واجب نہیں، محض اگر اغنیاء کو کھلائے گا تو چونکہ یہ صدقہ واجبہ نہیں بلکہ تطوع ہے اس لئے اغنیاء کے لئے حلال ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۸۳ھ

تبلیغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں:

سوال: زید نے نذر مانی کہ میرا ہاتھ صحیح ہو گیا تو چالیس دن تبلیغی جماعت میں جاؤں گا تو یہ نذر صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صحت نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور عبادت مقصودہ ہو، تبلیغ عبادت مقصودہ نہیں اس لئے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے، قال فی التنویر ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وکان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط لزم الناذر (رد المحتار ص ۷۰ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ رجب سنہ ۸۹ھ

منذور لغیر اللہ سے استفادہ حرام ہے:

سوال: اگر کسی نے قرآن کریم یا کوئی کتاب نذر غیر اللہ کے طور پر دی تو اس کی خرید و فروخت اور مطالعہ و درس وغیرہ کا استفادہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسی کتاب سے کسی قسم کا استفادہ جائز نہیں، منذور لغیر اللہ غیر حیوان بھی بعلت تقرب الی غیر اللہ ما اهل به لغیر اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، یعنی حرمت حیوان بطلاً دلیل نص ہے، اور حرمت غیر حیوان مدلول نص بواسطہ قیاس ہے، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل فرمایا ہے، ونصہ قبیل باب الاعتکاف قال الشیخ قاسم فی شرح الدرر واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما هو مشاهد کأن یکون للانسان

غائب أو مريض أو لي حاجة ضرورية فيأتي بعض الصلحاء فيجعل سترة على رأسه فيقول يا سيدي فلان إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي فلك من الذهب كذا أو من الفضة كذا أو من الطعام كذا أو من الماء كذا أو من الشمع كذا أو من الزيت كذا فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه منها أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك ومنها أنه ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر إلى قوله: فالإجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به ولأنه حرام بل سحت ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه إلا أن يكون فقيرا أو له عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة فأخذه أيضا مكروه ما لم يقصد به الناذر التقرب إلى الله تعالى وصرفه إلى الفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ فإذا علمت هذا فما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها وينقل إلى ضرائح الأولياء تقربا إليهم فحرام بإجماع المسلمين ما لم يقصدوا بصرفها للفقراء الأحياء قولا واحدا (البحر الرائق ص ۲۹۸ ج ۲)

اگر ناذر اس عقیدۂ شرکیہ سے تائب ہو جائے تو منذور لغیر اللہ حلال ہو جاتا ہے اور اس سے استفادہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب [illegible]

قسم میں اعتبارِ عرف کی تحقیق:

سوال: ہمارے ملک میں یہ عرف ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ غیر کے گھر میں نہیں جائے گا اور اس کے ہاں کھانا وغیرہ نہیں کھائے گا تو بطور قسم کہتا ہے: "مجھ پر اس کے گھر کا پانی حرام ہے"، آیا یہ قسم صرف مسمّٰی یعنی پانی کے ساتھ مختص ہوگی یا عرف کے مطابق ہر قسم کے طعام وغیرہ کو شامل ہوگی؟ بندہ کے خیالِ ناقص میں یہ قسم صرف پانی کے ساتھ مختص ہوگی، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "الأیمان مبنیۃ علی الالفاظ" اور فرماتے "الایمان مبنیۃ علی العرف"، نیز فرماتے ہیں بالعرف یخص ولا یزاد، ودلالۃ العرف لا تأثیر لها فی جعل غیر الملفوظ ملفوظا، ولا یحنث بالغرض بلا مسمی لان الغرض یصلح مخصصا لا مزیدا (رد المحتار ص ۸۳ ج ۳) بصورتِ سوال میں جملہ "مجھ پر اس کے گھر کا پانی حرام ہے" میں

اگرچہ پانی کا لفظ ہر قسم کے طعام کو عام ہے مگر چونکہ یہ لفظ معنی معین و مخصوص ہے اور مستعمل ہے، مہجور نہیں، نیز یہ بھی بات ہے کہ عرف میں ہر دو معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک اصل پانی اور دوسرا معنی مطلق طعام، معنی ثانی میں مجاز اور معنی اول متروک نہیں، لہٰذا بندہ کے ناقص خیال میں پانی کے معنی میں اور زیادہ اس کی تخصیص نہیں، کیونکہ یہاں عموم نہیں، اور یہ غیر ملفوظ کو ملفوظ بنانا ہے، اگر حالف کی غرض بھی عام ہو تاہم غرض مخصص ہوتی ہے نہ کہ مزید، یہاں چونکہ پانی کے لفظ میں عموم نہیں اس لئے تخصیص نہیں ہو سکتی، بلکہ مزید ہے اور وہ صحیح نہیں، احقر کے خیال ناقص میں اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے لا یشتری لانسان شیئا بفلس، براہ کرم اپنی رائے سامی سے مشرف فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپ کی رائے صحیح ہے، جب حقیقت غیر مہجورہ اور مجاز متعارف جمع ہو جائیں تو عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ حقیقت پر عمل کیا جائے گا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک عموم مجاز پر، فتویٰ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے، وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ قسم ما وقع مشترکا بین اللغة والعرف تعتبر فیه اللغة علی انها العرف (رد المحتار ص ۶۳ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ رجب سنہ ۹۰ھ

تزیین کلام کے لئے غیر اللہ کی قسم:

سوال: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حالت اعتکاف میں تھے کہ ایک شخص کو محزون مسجد میں بیٹھا دیکھا تو اعتکاف چھوڑ کر اس کے ساتھ اس کے کام کے لئے چل دیئے، اس قصہ میں فرماتے ہیں کہ بحرمۃ صاحب هذا القبر، تو کیا یہ قسم جائز ہے؟ ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا ایک شخص نے بکری کاٹی تو گوشت نہیں نکلا سوائے کھال اور ہڈی کے کچھ نہ تھا تو اس نے بیساختہ کہا "وا محمداہ" تو اس پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ یہ کہنا جائز نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نہیں، بلکہ اس شخص کا ہے جو محزون بیٹھا تھا، بسا اوقات الفاظ قسم صرف تزیین کلام کے لئے لائے جاتے ہیں حقیقت قسم مراد نہیں ہوتی اس صورت میں غیر اللہ کی قسم کے الفاظ کہنا جائز ہے، کما قالوا فی قولہم ولعمری، یہ بھی

ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے، ای ورب عزۃ صاحب بغیۃ القاری

ندا ءِ غائب اگر بعقیدہ سماع نہ ہو اور اسماع مقصود نہ ہو بلکہ علی سبیل الاستلذاذ والاشتیاق

او التحسر والتحزن وغیرہ ہو تو جائز ہے، کما یخاطبون الاودیۃ والانہار والجبال والاشجار۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب سنہ ۹۰ھ

قرآن میں مخلوق کی قسم کیوں ہے؟

سوال: مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ بار بار اپنی

مخلوق کی قسم اٹھائی ہے، مثلاً والذٰریٰت ضبحاً الآیۃ، اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی مختلف توجیہات ہیں:

① احکام شرع مکلفین کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ احکام کے مکلف نہیں، لا یسئل عما

یفعل وھم یسئلون۔

② ایسے مواضع میں مضاف لفظ "رب" ہے، والذٰریٰت اصل میں ورب الذٰریٰت ہے۔

③ کبھی قسم سے مقسم بہ کی تعظیم مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کی کسی عجیب حالت کا بیان اور

اس سے استشہاد مقصود ہوتا ہے، مخلوق کی قسم اس صورت میں ناجائز ہے جبکہ اس کی تعظیم

مقصود ہو۔

④ کبھی قسم سے صرف تزیین کلام مقصود ہوتی ہے قسم مقصود نہیں ہوتی، کما فی قولہم

"لعمری"۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

عمرہ کی نذر صحیح ہے

سوال: اگر کوئی عمرہ کرنے کی نذر مانے تو نذر منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عمرہ کی نذر منعقد ہو جاتی ہے اور اس کا ایفاء واجب ہے، نقل فی الہندیۃ عن المبسوط

ولو جعل علیہ حجۃ او عمرۃ او صوماً او صلاۃ او صدقۃ او ما اشبہ ذلک مما ھو طاعۃ

ان فعل کذا ففعل لزمہ ذلک الذی جعل علی نفسہ الخ (عالمگیریۃ ص ۲ ج ۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رجب سنہ ۹۱ھ

کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے:

سوال: ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میرا بھائی اپنی بیٹی کا رشتہ فلاں شخص کو دیدے تو میرا اس جگہ رہنا مجھ پر حرام ہے، اگر رشتہ ہوگیا اور وہ اسی جگہ رہتا ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ الفاظ قسم کے ہیں، اس لئے اس شخص پر قسم کا کفارہ واجب ہے، قال فی التنویر ومن حرم شیئا ثم فعله کفر، وفی الشرح لما تقرر ان تحریم الحلال یمین (رد المحتار ص ۵۸ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ محرم سنہ ۹۲ھ

حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے:

سوال: ایک شخص نے یوں کہا کہ آئندہ مجھ پر سینما دیکھنا حرام ہے، اگر اس نے آئندہ کبھی سینما دیکھا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے، خواہ وہ چیز پہلے ہی سے حرام ہو، جیسے شراب، خنزیر وغیرہ، اسی طرح سینما دیکھنا اگرچہ پہلے ہی حرام ہے مگر اس کو اپنے اوپر حرام کرنے سے قسم ہوگئی، اگر خدانخواستہ اس نے آئندہ کبھی سینما دیکھا تو سخت گناہ کے علاوہ قسم کا کفارہ بھی واجب ہوگا، قال فی التنویر ومن حرم شیئا ثم فعله کفر، وفی الشرح ولو حراما او ملک غیره کقوله الخمر او مال فلان علی حرام فیمین ما لم یرد الاخبار خانیة (رد المحتار ص ۷۲ ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

تعدد الکفارة لتعدد الیمین:

سوال: اگر کسی نے آئندہ کوئی کام کرنے یا نہ کرنے پر ایک ہی مجلس میں بلکہ ایک ہی کلام میں کئی بار قسم اٹھائی تو اس کو توڑنے پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا یا کہ جتنی بار قسم اٹھائی ہر ایک پر مستقل کفارہ واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تعدد یمین پر کفارہ کا تعدد و عدم تعدد دونوں قول ہیں، ثانی اوسع و ایسر اور اول احوط و اشہر

ہونے کے علاوہ جواب بھی ہے، قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ وفی البحر عن الخلاصۃ والتجرید وتتعدد الکفارۃ لتعدد الیمین والمجلس والمجالس سواء، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفی البغیۃ کفارات الایمان اذا کثرت تداخلت ویخرج بالکفارۃ الواحدۃ عن عہدۃ الجمیع وقال شہاب الائمۃ ہذا قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال صاحب الاصل ہو المختار عندی اھ مقدسی ومثلہ فی القہستانی عن المنیۃ (رد المحتار ص ۶۳ ج ۳) وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ قال صاحب الاصل ہو المختار عندی الخ) لا یخفی ان کلا من البغیۃ والمنیۃ للزاہدی و معلوم ان ما انفرد بہ لا یعول علیہ فلا یعتمد علی القول بالتداخل بل یعتمد علی ما ذکرہ غیرہ من عدم التداخل حتی یوجد تصحیح لعلامۃ ممن یعتمد علیہ فی نقلہ ومما یؤیدہا ما ذکرہ فی الفتح اول الصوم ان کفارۃ الافطار المغلب فیہا جہۃ العقوبۃ حتی تداخلت وان کفارۃ الایمان المغلب فیہا جہۃ العبادۃ اھ وفی الہندیۃ اذا قال الرجل واللہ والرحمن لا افعل کذا کانا یمینین حتی اذا حنث کان علیہ کفارتان فی ظاہر الروایۃ اھ فعلم ان التعدد ہو ظاہر الروایۃ (التحریر المختار ص ۴۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم ۹۱ھ

صوم نذر معین سے عاجز پر قضاء واجب ہے:

سوال: ایک عورت نے ایک معین مدت کے روزوں کی نذر کی، پھر اسی معین وقت میں بیمار ہوگئی، تو کیا ان فوت شدہ روزوں کی قضاء کرے گی یا فدیہ دے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد میں قضاء کرے، خواہ مسلسل اتنے روزے رکھے یا متفرق، اختیار ہے، کما فی صوم الثلاثیۃ قبیل باب الاعتکاف نذر صوم رجب فدخل وہو مریض افطر وقضی کرمضان، وفی الشامیۃ (قولہ کرمضان) ای بوصل او فصل (رد المحتار ص ۱۲۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول ۹۶ھ

کفارہ میں ایک کھانا ایک دن اور دوسرا دوسرے دن کھلانا:

سوال: اگر کسی نے قسم کے کفارہ کی نیت سے دس مساکین کو ایک دن میں ایک وقت کھانا کھلایا مثلاً صرف صبح میں یا صرف شام میں کھلایا، پھر دوسرے دن میں بھی ایک وقت

کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا؟ یا دس مساکین کو ایک ہی دن میں صبح و شام کھلانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک روایت کے مطابق ایک ہی دن میں صبح و شام کھلانا شرط ہے، مگر راجح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں، اگر ایک کھانا ایک دن اور دوسرا کھانا دوسرے دن کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو جائیگا، بشرطیکہ دوسرے دن انہی مساکین کو کھلائے جن کو پہلے دن کھلایا تھا، قال فی ظہار شرح التنویر وان اراد الاباحة فغداهم وعشاهم او غداهم واعطاهم قيمة العشاء او عكسه او اطعمهم غداءين او عشاءين او عشاء وسحورا واشبعهم جاز (وفی الشامية) (قوله او اطعمهم غداءين) ای اشبعهم بطعام قبل نصف النهار مرتين (وقوله او عشاءين) ای اشبعهم بطعام بعد نصف النهار مرتين كذا فی الدرر وظاهره ان ذلك فی يوم واحد فلا تكفی فی يوم اكلة وفی اخرى اخرى لكن صريح ما يأتی فی الفروع آخر الباب بخلافه (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۲) وقال الشارح رحمه الله تعالى فی الفروع آخر الباب اطعم مائة وعشرين لم يجز الا عن نصف الاطعام فيعيد على ستين منهم غداء او عشاء ولو فی يوم آخر للزوم العدد مع المقدار (وفی الشامية) وهو الستون مع المقدار وهو الاكلتان المشبعتان فی الاباحة والصاع او نصفه فی التمليك (رد المحتار ص ۴۲۵ ج ۲)

وقال العلامة الرافعی رحمه الله تعالى (قوله كذا فی الدرر) المتعين حمل ما فی الدرر على ما اذا فعل ما ذكره فی يومين لا فی يوم واحد لعدم كفاية غداءين او عشاءين فی يوم واحد قبل نصف النهار او بعده فلا يخالف ما يأتی فی الفروع (التحرير المختار ص ۳۲۸ ج ۱) وفی ايمان الشامية معزيا الى الجوهرة ولو غدى مسكينا وعشى غيره عشرة ايام لم يجزه لانه فرق طعام العشرة على عشرين كما لو فرق حصة المسكين على مسكينين ولو غدى مسكينا واعطاه قيمة العشاء اجزأه وكذا اذا فعله فی عشرة مساكين ولو عشاهم فی رمضان عشرين ليلة اجزأه ام تكن فی البزازية اذا غداهم فی يوم وعشاهم فی يوم آخر فعن الثانی فيه روايتان فی رواية شرط وجودهما فی يوم واحد وفی رواية المعلى لم يشترط (رد المحتار ص ۶۹ ج ۳) وفی الجمع ولو غداهم يوما وعشاهم

یہ مناجائز (مجمع الانہر ص ۲۹۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ رجب سنہ ۹۸ھ

"تجھے قسم ہے" سے قسم نہیں ہوتی:

سوال: اگر کسی نے دوسرے کو قسم دے کر کہا کہ "فلاں کام کرو" یا قسم دے کر کہا کہ "فلاں کام مت کرو" یا یوں کہا کہ "واللہ فلاں کام کرو" یا "واللہ فلاں کام نہ کرو" تو کیا اس شخص پر اس قسم کے مطابق عمل کرنا واجب ہوجاتا ہے؟ اور کیا اس کے خلاف کرنے سے اس پر کفارہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان صورتوں میں متکلم و مخاطب دونوں میں سے کسی پر قسم واقع نہیں ہوتی، مخاطب پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں، اور نہ ہی اس کے خلاف کرنے سے متکلم و مخاطب میں سے کسی پر کفارہ ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کے لئے مخاطب اس کی تعمیل کرے۔

قال فی شرح التنویر ولو قال علیک عہد اللہ ان فعلت کذ افقال نعم فالحالف المجیب (رد المحتار ص ۴۳ ج ۳) قلت فان لم یقل المخاطب نعم فلا یکون احدھما حالفا، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ فان لم یفعلہ المخاطب حنث) وفی الصیرفیۃ مر علی رجل فارادان یقوم فقال واللہ لا تقم فقام لا یلزم المار شیئ ولکن علیہ تعظیم اسم اللہ تعالیٰ اھ (رد المحتار ص ۴۲ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ رمضان سنہ ۹۸ھ

کلمہ پڑھکر اقرار کرنا قسم ہے:

سوال: ہمارے علاقہ میں عام دستور ہے کہ یقین دلانے کے لئے کلمہ پڑھکر بات کرتے ہیں اور اس کو قسم سمجھتے ہیں، کیا اس سے قسم ہوجاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قسم کی نیت سے کلمہ پڑھنے سے قسم ہوجاتی ہے، اور جہاں اس کا عرف ہو جیسا کہ آپکے علاقہ میں ہے وہاں بدون نیت بھی قسم ہوجائے گی، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وسبحان اللہ الخ) قال فی البحر ولو قال لا الٰہ الا اللہ لا افعل کذا لا یکون یمینا الا ان ینوی وکذا قولہ سبحان اللہ واللہ اکبر لا افعل کذا لعدم

تعلیق ام قلت ولو قال اللہ او کیل لا افعل کذا ینبغی ان یکون یمیناً فی زماننا لانہ مثل اللہ اکبر لکنہ متعارف (رد المحتار ص ۵۵ ج ۳) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۱۲ جمادی الاولی سنہ ۹۱ھ

خدا شاہد ہے کہنا قسم ہے :

سوال : اگر کسی نے کہا "خدا گواہ ہے" یا "خدا شاہد ہے" تو قسم ہوئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان الفاظ سے قسم متعارف ہے اس لئے قسم ہو گئی ، قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۲-۲۰۴) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۱۳ جمادی الاولی سنہ ۹۹ھ

زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی :

سوال : اگر کسی نے دل ہی دل میں کوئی نذر مانی ، زبان سے کچھ نہیں کہا تو یہ نذر واجب ہو جائے گی یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

انعقاد نذر کے لئے زبان سے کہنا شرط ہے ، صرف دل میں نیت کرنے سے نذر نہیں ہوتی ۔ فی اعتکاف الہندیۃ واجب بالنذر بلسانہ ، وفی التتارخانیۃ فلا یکفی لا یجابہ النیۃ منح عن شمس الائمۃ (رد المحتار ص ۱۲۱ ج ۲) ، وفی صوم الشامیۃ تحت (قولہ وکونہ الخ) قال فی الملتقی والنذر عمل اللسان (رد المحتار ص ۱۲۳ ج ۲) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۱۴ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۱ھ

فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں :

سوال : ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں ، پھر اس نے وہ کام کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس کلام کے بعد فلاں کام کرنے سے واقعۃً کافر ہو جائے گا اس کے باوجود وہ کام کر لیا تو یہ شخص کافر ہو گیا ، اور اگر یہ عقیدہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے قسم سمجھتا تھا تو کافر نہیں ہوا ، اس صورت میں اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے ، قال فی العلائیۃ والقسم

ایضا. قوله او تعلیق کفر ای بان قال ان فعل کذا فهو یهودی او نصرانی او فاشهدوا علی بالنصرانیة او شریك للکفار او کافر فیکفر بحنثه لو فی المستقبل اما الماضی عالما بخلافه فغموس واختلف فی کفره والاصح ان الحالف لم یکفر سواء علقه بماض او آت ان کان عنده فی اعتقاده انه یمین وان کان جاهلا او عنده انه یکفر فی الحلف بالغموس وبمباشرة الشرط فی المستقبل یکفر فیهما لرضاه بالکفر (رد المحتار)

فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم

۲۹ شوال ۱۴۰۲ھ

نذر تسبیحات، تلاوت قرآن:

سوال: کسی شخص نے قرآن ختم کرنے کی منت مانی، ایک روز ایک پارہ یا پانچ چھ سورت یا دس بیس آیتیں پڑھنے کی، بعد چندے وہ وفات پا گیا اور وفاء نذر کی وصیت کر گیا، ثلث مال میں وصیت کی گنجائش ہے، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں بحوالہ تفسیر شہاب لکھا ہے: قرآن شریف کی کل آیات ۶۶۶۶ ہیں، تو کیا ہر آیت شریفہ کا کفارہ الگ واجب ہے؟ جیسا کہ سجدۂ تلاوت میں ہے، یا کل قرآن شریف کا ایک ہی کفارہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تلاوت قرآن کی نذر صحیح نہیں، لہٰذا وصیت واجب الاداء نہیں۔ قال فی شرح التنویر معزیا للقنیة ولو نذر التسبیحات دبر الصلوة لم یلزمه. وفی الشامیة: وقوله نذر التسبیحات: لعل مراده التسبیح والتحمید والتکبیر ثلاثا وثلاثین فی کل واطلق علی الجمیع تسبیحا تغلیبا لکونه سابقا وفیه اشارة الی انه لیس من جنسها واجب ولا فرض وفیه ان تکبیر التشریق واجب علی المفتی به وکذا تکبیرة الاحرام وتکبیرات العیدین فینبغی صحة النذر به بناء علی ان المراد بالواجب هو المصطلح قلت لکن ما ذکره الشارح لیس عبارة القنیة وعبارتها کما فی البحر ولو نذر ان یقول دعاء کذا فی دبر کل صلوة عشر مرات لم یصح (قوله لم یلزمه) وکذا الوضوء وقراءة القرآن وعلله القهستانی فی باب الاعتکاف بأن الصلوة وفی الخانیة ولو قال علی الطواف بالبیت والسعی بین الصفا والمروة او علی ان اقرأ القرآن ان فعلت کذا لا یلزمه شیء اهـ قلت وهو مشکل فان القراءة

عبادة مقصودة ومن جنسها واجب وكذا الطواف فانه عبادة مقصودة ايضا ثم
رأيت في لباب المناسك قال في باب انواع الاطوفة الخامس طواف النذر وهو
واجب ولا يختص بوقت فهذا صريح في صحة النذر به (رد المحتار ص ج ۳)
وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى (قوله او على ان اقرأ القرآن ان فعلت
كذا لا يلزمه شيء) لعل وجهه ان هذه الاشياء وان كانت عبادة الا انها ليست
مقصودة فان المقصود بالطواف تعظيم الكعبة وبالقراءة التدبر في معانيها
لا مجرد اجراء الحروف على اللسان وعلل في شرح الاشباه لعدم صحة نذر
التسبيحات وقراءة القرآن بانها ليست بقربة مقصودة (التحرير المختار ص۲۱۵ ج۱)
وفي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح (ولا قراءة القرآن) كذا في كبيرة
وفيه ان القراءة من جنسها فرض وواجب وتقصمن لكن انها ليست واجبة
قبل وعلل عدم الوجوب في القهستاني بعدم لزومها الصلوة لا عينها (طحطاوي على المراقي ص۲۴۸)

ان عبارات میں تین چیزوں کی نذر سے بحث ہے، تسبیحات، طواف، تلاوت، ان میں سے
ہر ایک کی تفصیل الگ الگ لکھی جاتی ہے:

① تسبیحات: ان کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ جنس تسبیح سے کوئی واجب نہیں،
علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الاشباہ سے یہ وجہ نقل فرمائی ہے کہ تسبیحات
قربت مقصودہ نہیں، یہ وجہ غیر وجیہ ہے،

تسبیحات دبر الصلوٰۃ کی نذر صحیح ہے، اس لئے کہ ان میں تحمید و تکبیر بھی ہے، اور تحمید
نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں ہے جو کہ واجب ہے اور تکبیر نماز کی ابتداء میں فرض ہے اور
تکبیر ایام تشریق و تکبیرات عیدین واجب ہیں،

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قنیہ سے ان تسبیحات کی نذر کا عدم لزوم نقل فرمایا ہے
مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قنیہ میں نذر دعاء بعد الصلوٰۃ کا عدم لزوم مذکور
ہے نہ کہ نذر تسبیحات بعد الصلوٰۃ کا،

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے
تسبیحات بعد الصلوٰۃ میں تحمید و تکبیر کو داخل فرما کر صحت نذر کا قول کیا ہے، اس لئے کہ
جنس تکبیر میں واجب موجود ہے،

قال العبد الضعیف علامہ طحطاوی و شامی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے کسی کی بھی نظر اس طرف نہیں گئی کہ جنس تحمید میں بھی واجب موجود ہے، حالانکہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں تحمید واجب موجود ہے کما لا یخفیٰ۔

③ طواف: اس کی نذر صحیح ہے، اس لئے کہ یہ عبادت مقصودہ ہے، اور اس کی جنس سے واجب موجود ہے،

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ سے اس کی نذر کا عدم لزوم نقل فرما کر اس پر اشکال وارد فرمایا ہے کہ یہ عبادت مقصودہ ہے اور اس کی جنس سے واجب موجود ہے، اس لئے اس کی نذر صحیح ہونا چاہئے، اس کے بعد لباب المناسک سے لزوم نذر نقل فرمایا ہے،

علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدم لزوم کی یہ توجیہ کی ہے کہ طواف خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ اس سے تعظیم کعبہ مقصود ہے، یہ توجیہ بھی غیر وجیہ ہے،

④ تلاوت: اس کی جنس سے اگرچہ واجب موجود ہے مگر یہ عبادت غیر مقصودہ ہے، اس لئے اس کی نذر لازم نہیں:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ سے اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح سے اس کا عدم لزوم نقل فرما کر اس پر اشکال وارد فرمایا ہے کہ قراءت عبادت مقصودہ ہے اور اس کی جنس سے واجب موجود ہے۔۔۔۔ ان دونوں حضرات نے قہستانی سے عدم لزوم کی یہ تعلیل نقل فرمائی ہے کہ قراءت کا وجوب لعینہ نہیں بلکہ صحت نماز کے لئے ہے، مگر یہ تعلیل بھی علیل ہے، اس لئے کہ وجوب لعینہ کی قید کہیں منقول نہیں، غالباً اسی لئے علامہ طحطاوی و شامی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے اس تعلیل کو پسند نہیں فرمایا، اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو تکبیرۂ احرام و تحمید الصلوٰۃ و تکبیرات العیدین کا وجوب بھی غیر معتبر ہونا چاہئے۔

علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الاشباہ سے عدم لزوم کی یہ تعلیل نقل فرمائی ہے کہ قراءت عبادت مقصودہ نہیں، اور عبادت مقصودہ نہ ہونے کی توجیہ خود یوں فرمائی ہے کہ قراءت سے تدبر فی المعانی مقصود ہے،

بندہ کے خیال میں بھی یہی تعلیل شرح الاشباہ و توجیہ رافعی صحیح ہے، اس لئے کہ نزول قرآن سے مقصد تصحیح اعتقاد و اعمال ہے، قرآن کریم کے مضامین چار قسم کے ہیں، اعتقادات، دلائل، اعمال، فکر پیدا کرنے اور ہمت بلند کرنے کے نسخے، قراءت قرآن سے یہ چاروں مقاصد حاصل ہوتے ہیں اور بار بار تکرار سے ان مقاصد میں مزید ترقی و رسوخ حاصل ہوتا ہے، رزقنا اللہ الحبیب بمنہ وکرمہ التدبر فی کلامہ الکریم و جعلنا لنورہ مستنیرین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ شوال سنہ ۱۴۰۳ھ

کتاب الحدود والتعزیر

حیوان سے بدفعلی کی سزا:

سوال: اگر کسی نے بھینس سے بدفعلی کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی رائے پر ہے، اور بھینس کو ذبح کرکے دفن کردینا یا جلا دینا مندوب ہے، بدفعلی کرنے والا شخص بھینس کی قیمت کا مالک کے لئے ضامن ہوگا، ذبح کرکے دفن کرنا ضروری اور واجب نہیں، صرف اس لئے مندوب ہے کہ گناہ کی یادگار ختم کرنے سے بدفعلی کرنے والے سے عار زائل ہوجائے، اس لئے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلاشبہ حلال ہے، اس زمانہ میں عوام ذبح کو ضروری اور واجب سمجھتے ہیں اور ایسے جانور کے گوشت اور دودھ کو حرام تصور کرتے ہیں، لہٰذا اس زمانہ میں ذبح کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ مندوب کو ضروری سمجھنا یا حلال کو حرام قرار دینا سخت گناہ ہے، ایسے موقع پر مندوب پر عمل کرنا بھی ناجائز ہوجاتا ہے، والدلیل علی کل ما ادعینا ما فی غسل الشامیة تحت (قوله ولا عند وطء بهیمة الخ) وفی القنیة برمز اجناس ان الطی فرج البهیمة لکنها لا غسل فیه بغیر انزال ویعزر وتذبح البهیمة وتحرق علی وجه الاستحباب ولا یحرم اکل لحمها به اھ وسیأتی فی الحدود (رد المحتار) وقال فی الحدود (قوله وتذبح ثم تحرق) ای لتقطع امتداد التحدث به کلما رؤیت ولیس بواجب کما فی الهدایة وغیرها وهذا اذا کانت مما لا یؤکل فان کانت تؤکل جاز اکلها عنده وقالا تحرق ایضا (قوله فالظاهر انه یطالب ندبا الخ) ای فی قولهم یطالب صاحبها ان یدفعها الی الواطئ لیس علی طریق الجبر وعبارة النهر فالظاهر انه یطالب علی وجه الندب ولذا قال فی الغایة کان لصاحبها أن یدفعها الیه بالقیمة اھ وعبارة البحر فالظاهر انه لا یجبر علی دفعها (رد المحتار ج۳

وقال في شرح التنوير وكل مباح يؤدي اليه (الى الحرج) فمكروه (من المدارج) اه. (آخر باب سجود التلاوة) وقال الطيبي في شرح المشكوة تحت حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه في التزام الانصراف عن اليمين بعد الصلوة ان من اصر على مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان اه. فقط والله تعالى اعلم۔ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۸۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال: آجکل عموماً رواج ہے کہ جس جانور سے کوئی شخص بدفعلی کرے اسے جلا دینا ضروری اور فرض سمجھا جاتا ہے، اور اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ حرام تصور کیا جاتا ہے، کیا شریعت مطہرہ کے اصول کے موجب یہ خیالات صحیح ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال في البدائع وكذا وطء البهيمة وان كان حراما لانعدام الوطء في قبل المرأة فلم يكن زنا ثم ان كانت البهيمة ملك الواطئ قيل انها تذبح ولا تؤكل ولا رواية فيه عن اصحابنا لكن روى محمد رحمه الله تعالى عن سيدنا عمر رضي الله تعالى عنه انه لم يحد واطئ البهيمة وامر بالبهيمة حتى احرقت بالنار (بدائع الصنائع كتاب الحدود ج ۷، ص ۳۴) وفي جواهر الفتاوى ويعلم ذكر في بعض المواضع انها اذا كانت للفاعل ذبحت فالوجه فيه ان البهيمة له وقد جنى فجاز اتلاف ماله بجنايته انكارا عليه وتقبيحا للفعل وان كانت لغيره لا يجوز اتلاف ملك انسان بجناية غيره (جواهر الفتاوى للمخدوم محمد هاشم التتوي كتاب الجنايات باب نهم)

عبارت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ جلانے کی روایت ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، قیل کے ساتھ بطریق مرجوح بیان کی جاتی ہے، اور عبارت ثانیہ میں اس کی تصریح ہے کہ جب بہیمہ غیر جانی کا ہو تو احراق جائز نہیں، جن عبارات میں احراق کا حکم ہے ان میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ حکم صرف استحبابی ہے، لتقطیع التحدث به، بعض احادیث جو جلانے کے متعلق پیش کی جاتی ہیں وہ ثابت نہیں، ان کی تفصیل فتح القدیر جلد خامس میں ہے، لہٰذا ایسے جانور کے احراق کو واجب اور اس کے گوشت اور دودھ کو حرام سمجھنا محض جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ رجب سنہ ۸۳ھ

مسلمان کو ابوجہل سے تشبیہ دینا:

سوال: ایک مولوی صاحب نے ایک صالح حافظ کو کہا کہ تجھ سے ابوجہل اچھا ہے، اس مولوی صاحب کے لئے شرعاً کیا سزا ہے؟ اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کا نکاح قائم ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرہان آجرکم الرحمن۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان مولوی صاحب نے کسی خاص صفت میں ابوجہل کو اچھا کہا ہوگا اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ امر واقعی ہے کہ بعض اوصاف میں بعض کفار بعض مسلمانوں سے اچھے ہیں، اگر مولوی صاحب کا یہ مطلب نہیں بلکہ ہر حیثیت سے ابوجہل کو اچھا کہا ہے تو اس میں دو احتمال ہیں:

① جس کو ابوجہل کہا اسے حقیقی کافر نہیں سمجھا صرف اسے رسوا کرنا اور گالی دینا مقصود ہے۔

② اسے واقعۃً کافر اور ابوجہل کی طرح مخلد فی النار سمجھے، صورت اولیٰ میں یہ لفظ کہنے والا فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور حاکم اسے مناسب تعزیر دے گا، اور دوسری صورت میں یہ شخص کافر ہے، اس لئے اس کا نکاح باطل ہوگیا، غرضیکہ کسی خاص صفت میں تشبیہ سے نہ فاسق اور نہ کافر، اور اگر گالی کی نیت سے کہا تو فاسق اور حقیقۃً کافر سمجھا تو خود کافر ہوجائے گا، ان احتمالات ثلاثہ کے بارے میں خود متکلم سے تحقیق کی جائے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ جو مراد وہ خود بیان کرے گا اسی کے مطابق اس پر حکم لگایا جائے گا، عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر (بخاری کتاب الادب ج ۲ ص ۸۹۳) وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (حوالۂ بالا)

وفی شرح التنویر وعزر الشاتم بیا کافر وھل یکفر ان اعتقد المسلم کافرا نعم والا لا بہ یفتی شرح وھبانیۃ ولو اجابہ لبیک کفر خلاصۃ، وفی الشامیۃ ای یکفر ان اعتقدہ کافرا لا بسبب مکفر قال فی النھر وفی الذخیرۃ المختار للفتوی انہ ان اراد الشتم ولا یعتقدہ کفرا لا یکفر وان اعتقدہ کفرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ انہ کافر یکفر لانہ لما اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد دین الاسلام کفرا اھ (رد المحتار ج ۳ التعزیر ص ۲۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ محرم سنہ ۹۶ھ

گالی پر تعزیر:

سوال: بلا وجہ کسی کو گالی دینے والے کو تعزیر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ یا اس کے بدلہ میں اس کو بھی گالی دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر گالی میں ایسے فعل اختیاری کی طرف نسبت کی جو شرعاً حرام ہو اور عرفاً عار سمجھا جاتا ہو، جیسے کافر، فاسق وغیرہ تو اس پر بالاتفاق تعزیر واجب ہے، اور اگر ایسا فعل نہیں، جیسے گدھا، کتا وغیرہ تو اس پر وجوب تعزیر میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ اگر مخاطب ایسا معزز ہو کہ اس کو ایسے الفاظ سے عار آتی ہو تو تعزیر واجب ہے، ورنہ نہیں، اگر موجب تعزیر الفاظ مزاحاً کہے جب بھی تعزیر واجب ہے۔

حقوق العباد میں تعزیر صرف حاکم یا حکم دے سکتا ہے، صاحب حق خود تعزیر نہیں دے سکتا۔

قال فی العلائیة وعزر الشاتم بیا کافر (الی قوله) لا یعزر بیا حمار یا خنزیر یا کلب یا تیس یا قرد یا ثور یا بقر یا حیة لظهور کذبه واستحسن فی الهدایة التعزیر لو المخاطب من الاشراف وتبعه الزیلعی وغیره (الی قوله) والضابط انه متی نسبه الی فعل اختیاری محرم شرعا ویعد عارا عرفا یعزر والا لا ابن کمال، وفی الشامیة (قوله واستحسن فی الهدایة) وکذا فی الکافی کما فی التاتارخانیة ونقل القهستانی تصحیحه عن الفتاوی وعبارة الهدایة وقیل فی عرفنا یعزر لانه یعد شینا وقیل ان کان المسبوب من الاشراف کالفقهاء والعلویة یعزر لانهم یلحقهم الوحشة بذلك وان کان من العامة لا یعزر وهذا احسن اه، والحاصل ان ظاهر الروایة انه لا یعزر مطلقا ومختار الهندوانی انه یعزر مطلقا والتفصیل المذکور کما فی الفتح وغیره، قال السید ابو السعود وقوی شیخنا ما اختاره الهندوانی بانه الموافق لضابط کل من ارتکب منکرا او آذی مسلما بغیر حق بقول او فعل او اشارة یلزمه التعزیر، تحت رؤیته ان هذه الالفاظ لا یقصد بها حقیقة التفاحش بل لظهور الکذب ولذا النظر الی ما فیها من الاذی لما قیل بالتعزیر بها فی حق الاشراف والا فظهور الکذب فیها موجود فی حق الکل فینبغی ان یعزر بها من کان فی سماعها منه یحصل له بذلك الاذی والوحشة، بل کثیر من اصحاب الانفس الابیة یحصل لهم من

الوحشة اكثر من الفقهاء والعلوية وقد يجاب بان المراد بالاشراف من كان كريم النفس حسن الطبع وذكر الفقهاء والعلوية لان الغالب فيهم ذلك فمن كان بهذه الصفة يلحقه الشين بهذه الالفاظ المراد لازمها من نحو البلادة وخبث الطباع والافلاس لانه هو الذي يلحق الشين بنفسه فلا يعتبر لحوق الوحشة به كما لو قيل لفاسق يا فاسق فيرجع الى ما استحسنه في الهداية وغيرها ثم رأيت الشارح في شرح الملتقى قال ولعل المراد بالعلوي كل متق والا فالتخصيص غير ظاهر بل قال الفقيه ابو جعفر انه في الاخسة واما في الاشراف فالتعزير اھ فافهم،

(تنبيه) ذكر في شرحه على الملتقى ايضا انه لو على وجه المزاح يعزر اھ (قوله الضابط الخ) قلت وهذا الضابط مبني على ظاهر الرواية وقد علمت تفصيل الهداية
(رد المحتار ص ۱۸۱ ج ۳)

قال في العلائية معزيا الى الفتح ما يجب حقا للعبد لا يقيمه الا الامام لتوقفه على الدعوى الا ان يكون فيه فليحفظ، وفي الشامية (قوله لا يقيمه الا الامام) وقيل لصاحب الحق كالقصاص ح والاوجه الاول ان صاحب الحق ضعيف فيه غالبا بخلاف القصاص لانه مقدر كما في البحر عن المجتبى (رد المحتار ص ۱۸۲ ج ۳)

گالی کے بدلہ میں بعینہ وہی گالی دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ گالی موجب حد نہ ہو جس گالی پر حد قذف واجب ہے، جیسے "زانی" وغیرہ، وہ جوابا دینا بھی جائز نہیں، قال فی العلائیۃ ضرب غیرہ بغیر حق وضربہ المضروب ایضا یعزران کما لو تشاتما بین یدی القاضی ولم یتکافئا کما مر ویبدأ باقامۃ التعزیر بالبادئ لانہ اظلم قنیۃ، وفی مجمع الفتاوی جاز المجازاۃ بمثلہ فی غیر موجب حد للاذن بہ ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیہم من سبیل والعفو افضل فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ، وفي الشامية (قوله ولم يتكافئا) عطف على يعزران وفيه اشارة الى الجواب عما يتوهم من اطلاق قول المجمع الآتي جاز المجازاة بمثله الخ، والجواب ان ذلك فيما تتمحض حقا لهما وامكن فيه التساوي كما لو قال له يا خبيث فقال بل انت بخلاف الضرب فانه يتفاوت وبخلاف التشاتم عند القاضي فان فيه هتك مجلس الشرع كما مر في الباب السابق وفيه مسئلة

تمامہ (رد المحتار ص ۱۸۰ ج ۳) وفی التنویر وقال لآخر یا زانی فقال الآخر بل انت حد بخلاف لو قال له مثلاً یا خبیث فقال بل انت، وفی الشامیۃ (قوله مثلاً) ای من کل لفظ غیر موجب للحد (رد المحتار ص ۱۸۰ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر جمادی الآخرۃ سنہ ۸۹ھ

بالغ اولاد کو تعزیر:

سوال: بالغ اولاد کو باپ تادیباً تعزیر دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جاسکتی ہے، بلکہ والد نہ ہو تو دوسرے اقارب بھی تعزیر دے سکتے ہیں، قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الحضانۃ والغلام اذا عقل واستغنی برأیہ لیس للاب ضمہ الی نفسہ الا اذا لم یکن مأمونا علی نفسہ فلہ ضمہ لدفع فتنۃ او عار وتأدیبہ اذا وقع منہ شیٔ، وفی الشامیۃ تحت (قولہ والغلام اذا عقل الخ) المراد الغلام البالغ لان الکلام فیما بعد البلوغ وعبارۃ الزیلعی ثم الغلام اذا بلغ رشیدًا فلہ ان ینفرد الا ان یکون مفسدًا مخوفًا علیہ الخ (قولہ فلہ ضمہ) ای للاب ولایۃ ضمہ الیہ والظاھر ان الجد کذلک بل غیرہ من العصبات کالاخ والعم ولم ار من صرح بذلک ولعلھم اعتمدوا علی ان الحاکم لا یمکنہ من المعاصی وھذا فی زماننا غیر واقع فیتعین الافتاء بولایۃ ضمہ لکل من یؤتمن علیہ من اقاربہ ویقدر علی حفظہ فان دفع المنکر واجب علی کل من قدر علیہ لاسیما من یلحقہ عارہ وذلک ایضًا من اعظم صلۃ الرحم والشرع امر بصلتھا وبدفع المنکر ما امکن قال تعالیٰ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ ثم رأیت فی حاشیۃ البحر للرملی ذکر ذلک بحثًا ایضًا اھ (رد المحتار ص ۶۶۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۸۹ھ

شاگرد کو تعزیر:

سوال: استاذ اپنے بالغ اور نابالغ شاگردوں کو تعزیر دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

استاذ اپنے شاگردوں کو تعزیر دے سکتا ہے، شاگرد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نابالغ کو اس لئے کہ اس کے ولی نے استاذ کو تادیب کا مالک بنا دیا ہے، اور بالغ کو اس لئے کہ اس نے خود استاذ کو اس کا اختیار دیا ہے۔

شیخ بھی اسی لئے مرید کو تعزیر دے سکتا ہے کہ مرید بیعت کے ضمن میں شیخ کو ہر قسم کا اختیار دیدیتا ہے۔ قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ وفی القنیۃ له اکراہ طفله علی تعلم قرآن وادب وعلم لفریضته علی الوالدین وله ضرب الیتیم فیما یضرب ولده۔ وفی الشامیۃ (قوله وفی القنیۃ الخ) وفیها عن الروضۃ ولو امر غیره بضرب ولده حل للمأمور ضربه بخلاف العود فهذا التنصیص علی عدم جواز ضرب بلا الامر وامره بخلاف المعلم لان المأمور یضربه نیابۃ عن الاب لمصلحته والمعلم یضربه بحکم الملك بتملیك ابیه لمصلحۃ الولد اهـ (رد المحتار ص ۱۹۵ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی الحجہ سنہ ۸۵ھ

حکم اقرار زنا:

سوال: محصن اور محصنہ زنا کرکے بھری مجلس میں اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں پاک کردیجئے، اب شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شادی شدہ مرد یا عورت کی شرعی سزا رجم ہے، مگر حد لگانا حاکم مسلم کا کام ہے، اس وقت اسلامی حکومت نہیں اس لئے صرف توبہ کی تلقین کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ محرم سنہ ۹۱ھ

دُبُر میں بدفعلی کی سزا:

سوال: اغلام بازی کی سزا شریعت میں کتنی متعین کی گئی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ خبیث فعل زنا سے بھی بدتر ہے، شریعت کے علاوہ عقلاً اور طبعاً بھی یہ فعل بہت ہی خبیث ہے، اس خبیث فعل کی ابتداء حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کی تھی، اسی لئے لوگ اس خباثت کو لواطت اور اس کے فاعل خبیث کو لوطی کہتے ہیں، ایسا نہیں کہنا چاہئے، ایسے خبیث فعل اور خبیث فاعل کو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کے نام کی

طرف منسوب کرنا خلاف ادب ہے، اس کی خباثت بیں ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی خبیث سے خبیث جانور بھی ایسی خباثت کی رغبت نہیں رکھتا، یہ ایسا گندہ اور گھناؤنا فعل ہے کہ گندے سے گندے جانوروں کو بھی اس سے نفرت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی خبیث قوم کو ایسا سخت عذاب دیا کہ ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دیا، اور پھر اس پر پتھروں کی بارش برسائی اور ان کے قصہ کو قرآن کریم میں بیان فرما کر رہتی دنیا تک ان کو رسوا کیا اور بتا دیا کہ ایسے خبیث لوگوں کی اصل سزا یہی ہے مگر کوئی حکومت یہ سزا دینے پر قادر نہیں، اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کے بعد بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے ملتی جلتی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ ایسے خبیث کو کسی بلند مقام سے سر کے بل گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس طرح ہلاک کر دیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اقتلوا الفاعل والمفعول به"، دوسری حدیث میں ہے: "فارجموا الاعلی والاسفل احصنا او لم یحصنا"۔

پہلی حدیث حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، یہ حدیث مطلق ہے، یعنی اس میں قید احصان مذکور نہیں۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، علاوہ ازیں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً ایسے مجرم کے لئے حد زنا مروی ہے۔

چونکہ یہ حکم غیر مدرک بالقیاس ہے، اس لئے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عدم رفع بھی بحکم رفع ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے خبیث شخص کا حال لکھ کر اس کی سزا دریافت کی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لیا، حضرت عمر، حضرت علی اور دوسرے سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بالاتفاق آگ میں جلا دینے کا مشورہ دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی فیصلہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا، انہوں نے اس حکم کے مطابق اس کو جلا دیا۔

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے دور خلافت میں ایسے شخص کو جلادیا،

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اور اس کی تائید میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سنکر حد زنا کے تحت غیر محصن کو سو کوڑے لگوائے،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کروایا،

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے محصن کو رجم کروایا اور غیر محصن کو سو کوڑے لگوائے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث قتل کے راوی ہیں، مگر آپ کے ہاں طریق قتل یہ ہے کہ کسی بہت بلند مقام سے سر کے بل گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس کی وجہ اوپر بیان کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کو جس عذاب سے ہلاک کیا اس کے ساتھ حتی الامکان مشابہت ہو جائے،

یہ سب تفصیل بذیہ، درایہ، نصب الرایہ اور محلی میں ہے،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر سخت عذاب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے ہلاک کرنے کے مختلف طریقوں کے بیان اور اُن کے مطابق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں کی بنا پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس خبیث فعل پر اسی قسم کی بہت ہی سخت سزائیں بیان فرمائی ہیں، اُن سزاؤں میں سے جن میں جان سے ماردینے کا حکم ہے یہ شرط ہے کہ کم از کم دوبار یہ فعل کیا ہو، البتہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اس پر حد زنا کے قائل ہیں، اس لئے ان کے ہاں رجم کے لئے تکرار فعل شرط نہیں، ایک بار ارتکاب سے بھی رجم کیا جائے گا، اور حد زنا کے سوا موت کی دوسری سزاؤں میں شادی شدہ ہونا شرط نہیں، غیر شادی شدہ کے لئے بھی موت کی سزا ہے، اس لحاظ سے اور اس کے علاوہ سزاؤں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی اس فعل خبیث کی سزا زنا کی سزا سے بھی بہت سخت ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی بیان فرمودہ سزاؤں کی تفصیل یہ ہے :

(۱) رجم، اگرچہ شادی شدہ نہ ہو،

(۲) حد زنا لگائی جائے، یعنی شادی شدہ ہو تو بذریعہ رجم ہلاک کردیا جائے ورنہ سو کوڑے

لگائے جائیں،

③ آگ میں جلایا جائے

④ اس پر دیوار وغیرہ گرا کر ہلاک کر دیا جائے،

⑤ کسی بلند مقام سے اسے سر کے بل گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائیں حتی کہ مر جائے،

⑥ قتل کیا جائے،

⑦ سخت سزا دے کر قید میں رکھا جائے حتی کہ توبہ کرے یا قید ہی میں مر جائے،

⑧ بہت بدبودار جگہ میں قید رکھا جائے،

قال فی العلائیة ولا یحد بوطء دبره وقالا ان فعل فی الاجانب حد وان فی عبده او امته او زوجته فلا حد اجماعاً بل یعزر قال فی الدرر بنحو الاحراق بالنار وهدم الجدار والتنکیس من محل مرتفع باتباع الاحجار وفی الحاوی والجلد اصح وفی الفتح یعزر ویسجن حتی یموت او یتوب ولو اعتاد اللواطة قتله الامام سیاسة (الی قوله) وفی البحر حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلاً وشرعاً وطبعاً والزنا لیس بحرام طبعاً وتزول حرمته بتزوج وشراء بخلافها وعدم الحد عنده لا لخفتها بل للتغلیظ لانه مطهر علی قول. وفی الشامیة (قوله حد) فهو عندهما کالزنا فی الحکم فیجلد ان لم یکن احصن ویرجم ان احصن (قوله بنحو الاحراق الخ) متعلق بقوله یعزر وعبارة الدرر فعند ابی حنیفة رحمه الله تعالی یعزر بامثال هذه الامور واعترضه فی النهر بان الذی ذکره غیره تقیید قتله بما اذا اعتاد ذلک (الی قوله) قال البیری والظاهر انه یقتل فی المرة الثانیة لصدق التکرار علیه اه وقال تحت (قوله وفی الحاوی) وجهه فی الفتح بقصة (رد المحتار ص ۲۷ ج ۳) فقط والله تعالیٰ اعلم — غرۂ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

پنچایت کی طرف سے تعزیر:

سوال: عرض ہے کہ برادری کی پنچایت جس کا مقصد متفقہ طور پر برادری کے مابین نزاعی امور کا تصفیہ، فیصلہ، معاشرتی اصلاح اور تحفظ اخلاق ہے، تعیین سزا میں شرعاً وقانوناً اس کا دائرہ اختیار محدود ہے، یعنی حدود وقصاص کا قیام اس کے اختیارات سے بالاتر ہے، وہ تعزیرات میں بھی زیادہ سے زیادہ معاشرتی مقاطعہ کی مجاز ہے، ایسی پنچایت کے سامنے اگر صریح الزام زنا یا حرمت مصاہرت، زنا یا لمس بالشہوۃ کی درخواست پیش ہو

تو ذو دوسرے طریق پنچایت کو مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

(۱) کیا الیسی ریخچہ ست بنے صدود مشتبہ سے بار قرار دے کر قابل سماعت نہ قرار دے اور واپس کر دے؟

(۲) کیا مدعی سے تکمیل شہادت کا مطالبہ کرے اور تکمیل نہ ہو سکے تو قاذف کا معاشرتی مقاطعہ کرے؟

(۳) یا اس بنا پر کہ پنچایت کو حد شرعی کا اجراء مطلوب ہے نہ اس کا اختیار، نامکمل شہادت، قرائن وشہرت، ملزم کو سابقہ ریکارڈ اور مدعی کے دلائل دیجئت کی بنا پر اصلاح معاشرہ کے لئے ملزم کا معاشرتی بائیکاٹ کرے؟

الدر المختار باب التعزیر میں ہے للقاضی تعزیر المتہم وان لم یثبت علیہ، اس کا مفہوم کیا ہے، شریعت اسلامیہ کی ہدایت سے سرفراز فرمائیں نہایت کرم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پنچایت کو صورت نہ تسیلم کرنا جائے اور محمد زکی عبارت کا یہی مطلب ہے کہ اگر جرم پر شرعی شہادت نہ ہو تو قاضی متہم کو حسب صوابدید تعزیر دے سکتا ہے، پنچایت کے لئے ضابطہ کے نفاذ یوں ہونے چاہئیں۔

"اگرچہ پنچایت کسی جرم کی شرعی سزا دینے پر قادر نہیں مع ہذا اس پر حسب قدرت تغیر المنکر فرض ہے، نیز تادیبی کارروائی کے لئے جرم پر شرعی نصاب شہادت ضروری نہیں، بلکہ قرائن قویہ کی بنا پر تادیب شرعاً جائز ہے، لہٰذا پنچایت تادیب وتنبیہ کے لئے ناتمام شہادت اور قرائن وآثار قویہ کی بنا پر بھی معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتی ہے اگرچہ شرعی نصاب شہادت موجود نہ ہو۔" فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

حد قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت قبول نہ کرو وہ خود ہی فاسق ہیں، کیا اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی؟

کیا اس صورت میں فردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے، اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی، اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے نہ خود صاحب معاملہ نہ کسی بالی تاوان پر معاملہ ختم ہو سکتا ہے، نہ توبہ کر کے اور نہ معافی مانگ کر سزا سے بچ سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور تفصیل صحیح ہے، فردوں کو بھی حد قذف طلب کرنے کا حق ہے، اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی، عفو مقذوف کا صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلب حد کا اختیار ہے، قال فی التنویر ولا ارث ولا رجوع ولا اعتیاض وفی الشرح ولا صلح ولا عفو نعم لو عفا المقذوف فلا حد لا لصحۃ العفو بل لترک الطلب حتی لو عاد وطلب حد شمنی، ولذا لا یتم الحد الا بحضرتہ (رد المحتار ص۱۸۸ ج۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ذی الحجہ ۹۴ھ

تعزیر بغیر حاکم کی تفصیل:

سوال: زید کی لڑکی کو تین ماہ کا حمل تھا کہ وہ رات کو عشاء کے وقت کسی اور گاؤں سے آنے والے غیر محرم مرد کے ساتھ اپنے گاؤں سے نکل کر اس غیر محرم کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں باہر چلی گئی، ان دونوں کو دیکھنے والی ایک عورت ہے جو زید کے سگے بھائی کی بیوی ہے، اور رشتہ میں بھی زید کی بھتیجی زاد بہن ہے، اس عورت نے صبح کو ان دونوں کے گاؤں سے باہر جانے کی اطلاع دی، اس وقت یہ غیر محرم اپنا وطن اس گاؤں میں چھوڑ کر فرار ہو گیا، اس وجہ سے زید کی مذکورہ لڑکی کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، پھر اس مطلقہ عورت کے بچے نے اس سے دریافت کیا کہ تم ایسی حالت میں کیوں گئی تھیں؟ تو اس نے جواباً کہا کہ میں ویسے ہی چلی گئی تھی، اس کے بارے میں سوالات ذیل کا جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں:

○ کیا یہ بھی قابل سزا جرم ہے یا نہیں؟

② کیا تعزیری سزا میں شادی شدہ وغیر شادی شدہ برابر ہیں یا نہیں؟
③ کیا حاکم وقاضی کے علاوہ باپ دادا بھی تعزیر دے سکتے ہیں یا نہیں؟
④ اگر باپ یا دادا کی تعزیری سزا سے مجرم مرجائے تو حاکم وقت ان سے پوچھ سکتا ہے یا نہیں؟
⑤ کیا مجرم کو تعزیر کے بعد قید میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① اگر قرائن سے ظن غالب ہو کہ یہ عورت اس مرد کے ساتھ گئی تھی تو یہ جرم قابل تعزیر ہے۔
② تعزیر میں شادی شدہ اور غیر شادی برابر ہیں۔
③ حالت معصیت میں ہر شخص تعزیر دے سکتا ہے، مگر معصیت کے بعد حاکم، والد اور شوہر کے سوا کسی کو تعزیر کا حق نہیں، البتہ اگر والد نہ ہو یا وہ برائی سے روکنے پر قادر نہ ہو یا عمداً روک رہا ہو اور حاکم بھی نہ ہو یا اس سے برائی سے روکنے کی توقع نہ ہو جیسا کہ اس زمانہ کے حکام ہیں تو برائی سے روکنے کے لئے ہر رشتہ دار کو تعزیر لگانے کا اختیار ہے، بلکہ اس پر فرض ہے، رشتہ داروں سے یہ کام نہ ہو سکے تو دوسرے مسلمانوں پر برائی سے روکنے کی کوشش کرنا فرض ہے، اگر بدون تعزیر مجرم کو راہ راست پر لانے کی کوئی صورت نہ ہو تو عوام پر فرض ہے کہ بذریعہ تعزیر اس کو آئندہ ارتکاب معصیت سے روکیں۔
④ تعزیر سے مجرم مرجائے تو حاکم کے سوا دوسروں پر مؤاخذہ ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حاکم وزوج میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ حاکم پر تعزیر واجب ہے زوج پر واجب نہیں، مگر جب امام سے تعزیر کی کوئی توقع نہ ہو اور بدون تعزیر عورت کے سدھرنے کی بھی کوئی امید نہ ہو تو اصول شریعت کے مطابق زوج پر تعزیر واجب ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان حالات میں مناسب تعزیر سے عورت مرجائے تو شوہر پر مؤاخذہ نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
⑤ قید میں رکھنا بھی تعزیر ہے، لہٰذا جائز ہے۔

قال فی شرح التنویر ویقیمه کل مسلم حال مباشرة المعصیة قنیة، واما بعده فلیس ذلك لغیر الحاکم والزوج والمولی کما سیجیء (الی قوله) وفیه یعزر المولی عبده والزوج زوجته (الی قوله) علی الخروج من المنزل بغیر حق (وبعد اسطر) او کلمة لیسمعها اجنبی

أو كشفت وجهها لغير محرم أو كلمته أو شتمته أو أعطت ما لم تجر العادة به بلا إذنه والضابط كل معصية لا حد فيها فللزوج والولي التعزير ثم قال) ومن حد أو عزر فهلك فدمه هدر إلا امرأة عزرها زوجها بمثل ما مر فماتت لأن تأديبه مباح فيتقيد بشرط السلامة، قال المصنف وبهذا ظهر أنه لا يجب على الزوج ضرب زوجته أصلا، وفي الشامية (قوله فدمه هدر) أي عندنا ومالك وأحمد خلافا للشافعي لأن الإمام مأمور بالحد والتعزير وفعل المأمور لا يتقيد بشرط السلامة وتمامه في الفتح والتبيين قلت ومقتضى التعليل بالأمر أن ذلك غير خاص بالإمام فقد مر أن لكل مسلم إقامة التعزير حال مباشرة المعصية لأنه مأمور بإزالة المنكر إلا أن يفرق بأنه يمكنه الرفع إلى الإمام فلم تتعين الإقامة عليه بخلاف الإمام فتأمل (رد المحتار ص ۱۹۵ ج ۳) وفي حضانة العلائية والغلام إذا عقل واستغنى برأيه ليس للأب ضمه إلى نفسه إلا إذا لم يكن مأمونا على نفسه فله ضمه لدفع فتنة أو عار وتأديبه إذا وقع منه شيء، وفي الشامية تحت (قوله والغلام إذا عقل الخ) المراد الغلام البالغ لأن الكلام فيما بعد البلوغ وعبارة الزيلعي ثم الغلام إذا بلغ رشيدا فله أن ينفرد إلا أن يكون مفسدا مخوفا عليه (قوله ضمه) أي للأب ولاية ضمه إليه والظاهر أن الجد كذلك بل غيره من العصبات كالأخ والعم ولم أر من صرح بذلك ولعلهم اعتمدوا على أن الحاكم لا يمكنه من المعاصي وهذا في زماننا غير واقع فيتعين الإفتاء بولاية ضمه لكل من يؤتمن عليه من أقاربه ويقدر على حفظه فإن دفع المنكر واجب على كل من قدر عليه لا سيما من يلحقه عاره وذلك أيضا من أعظم صلة الرحم والشرع أمر بصلتها وبدفع المنكر ما أمكن قال تعالى إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذي القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي يعظكم لعلكم تذكرون ثم رأيت في حاشية البحر للرملي ذكر ذلك بحثا أيضا الخ (رد المحتار ص [illegible] ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم سنہ ۹۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص کا کام یہ ہے کہ لوگوں میں فساد پیدا کرتا ہے، قتل بھی کر دیتا ہے، اسی طرح بے حیائی اور منکرات اور ایذاء کا مرتکب ہوتا ہے، اسے حکومت بھی منع کرنے کی کوشش نہیں کرتی، سب لوگ بہت پریشان ہیں، کیا اس صورت میں دوسرا کوئی شخص خفیۃً اس طرح سے کہ فساد کا اندیشہ نہ ہو اس کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟

اسی طرح ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ ڈکیتی اور چوری میں مشہور ہیں، اور حکومت سے فرار ہیں، جب بھی ان کو موقع مل جاتا ہے تو بے گناہ لوگوں کو مارتے ہیں، کسی کی عزت اور آبرو کا خیال نہیں کرتے، یہ بھی یقین ہے کہ حکومت ان کو گرفتار کرنے سے عاجز آگئی ہے، اس حال میں اگر کوئی دوسرا شخص ان اشخاص مذکورہ کو قتل کرے اور حکومت پتا چلا بھی لے تو حکومت اسے پناہ دے گی بلکہ خوش ہوگی۔

البتہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ یہ شخص شاید خود ہی مارا جائے اور ڈاکو لوگ بچ نکلیں، تو ایسی حالت میں کوئی شخص لوگوں کو ایذاء سے بچانے کی غرض سے ان ڈاکوؤں کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مباشرتِ فعل کے بعد حاکم، زوج اور مولیٰ کے سوا کسی کو تعزیر لگانے کی اجازت نہیں، البتہ ایسے لوگ جو ظلم اور فساد میں مشہور ہوں اور حکومت سے چھپے ہوئے ہوں انہیں قتل کرنا جائز بلکہ ثواب ہے۔ قال فی الدر المختار ویقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ قنیۃ واما بعدہ فلیس ذلک لغیر الحاکم والزوج والمولیٰ کما سیجیء (رد المحتار ص ۱۸۱ ج ۳) وفیہ ویکون التعزیر بالقتل کمن وجد رجلا مع امرأۃ لا تحل لہ ولو اکرھھا فلھا قتلہ ودمہ ھدر وکذا الغلام وھبانیۃ ان کان یعلم انہ لا ینزجر بصیاح وضرب بما دون السلاح والا بأن علم انہ ینزجر بما ذکر لا یکون بالقتل وان کانت المرأۃ مطاوعۃ قتلھما کذا عزاہ الزیلعی للھندوانی (رد المحتار ص ۱۸۲ ج ۳)

وفیہ معزیا الی المجتبیٰ الاصل کل شخص رأی مسلما یزنی ان یحل لہ قتلہ وانما یمتنع خوفا من ان لا یصدق انہ زنی وعلی ھذا القیاس المکابر

بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بأدنى شيء له قيمة وجميع الكبائر والأعونة والسعاة يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم انتهى، وأفتى الناصحي بوجوب قتل كل مؤذ. وفي رد المحتار (قوله وجميع الكبائر) أي أهلها والظاهر أن المراد بها المتعدي ضررها إلى الغير فيكون قوله (والأعونة والسعاة) عطف تفسير أو عطف خاص على العام فيشمل كل من كان من أهل الفساد كالساحر وقاطع الطريق واللص واللوطي والخناق ونحوهم ممن عم ضرره ولا ينزجر بغير القتل، (قوله والأعونة) كأنه جمع معين أو عوان بمعناه والمراد به الساعي إلى الحكام بالإفساد فعطف السعاة عليه عطف تفسير وفي رسالة أحكام السياسة عن جمع النسفي، سئل شيخ الإسلام عن قتل الأعونة والظلمة والسعاة في أيام الفترة قال يباح قتلهم لأنهم ساعون في الأرض بالفساد فقيل إنهم يمتنعون عن ذلك في أيام الفترة ويختفون قال ذلك امتناع ضرورة ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه قال وسألنا الشيخ أبا شجاع عنه فقال يباح قتله ويثاب قاتله اھ (قوله وأفتى الناصحي الخ) لعل الوجوب بالنظر للإمام ونوابه والإباحة بالنظر لغيرهم اھ (رد المحتار ص [illegible] ج ۳). فقط والله تعالى أعلم

۱۳ جمادی الآخرة سنہ ۱۴۰۲ھ

حد مسقطِ توبہ اور توبہ مسقطِ حد ہے یا نہیں؟

سوال: مسائل ذیل میں شریعت مطہرہ کا حکم تحریر فرمائیں۔

(۱) کسی شخص نے چوری یا زنا کا ارتکاب کیا تو کیا اسے شرعی حد لگنے سے گناہ معاف ہوجائے گا؟

(۲) اگر گناہ کے بعد توبہ کرلی تو کیا پھر بھی حد لگائی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) بدون توبہ صرف حد لگنے سے گناہ معاف نہیں ہوتا۔

(۲) حاکم کے پاس جرم ثابت ہوجانے کے بعد حد ساقط نہیں ہوتی، اس سے پہلے توبہ کرلے تو حد ساقط ہوجائے گی، یعنی توبہ کے بعد اس پر یہ فرض نہیں کہ حاکم کے ہاں اپنے جرم کا اقرار کرکے اپنے اوپر حد جاری کروائے، کذا فی الشامیۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

مدعی علیہ نیت حفاظت اٹھانے کا قائل ہو تو اس پر حد نہیں:

سوال: زید بکر کی انگوٹھی سونے کی چھپا کر لے جاتا ہے، بکر کو جب زید پر شبہ گزرتا ہے تو زید سے دریافت کئے بغیر قاضی کے پاس دعوی دائر کرتا ہے، زید قاضی کی عدالت میں بیان دیتا ہے کہ واقعی انگوٹھی میں نے لی ہے مگر میری نیت واپس کرنے کی ہے، اگر مجھ سے پہلے دریافت کرتا تو میں فوراً واپس کر دیتا ورنہ از خود اس کو دیتا، میں نے اس لئے لی ہے کہ وہ لاپرواہ آدمی ہے انگوٹھی کا خیال نہیں رکھتا، اس کو سبق دینے کے لئے لی ہے، الحدود تندرئ بالشبہات کی رو سے قاضی حد کو ساقط کرے یا اس عذر کو غیر معقول قرار دے کر قطع ید کی سزا نافذ کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید نے جو بکر کی انگوٹھی اٹھائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محفوظ جگہ میں نہیں تھی، اس لئے قطع ید کی سزا جاری نہیں ہو سکتی، اگر محفوظ جگہ سے اٹھائی ہو تب بھی صورت مسئولہ میں الحدود تندرئ بالشبہات کی بناء پر سزا ساقط ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ر جمادی الآخرہ سنہ ۰۰ھ

چور نے بھینس کو گھاس دکھا کر بلا لیا تو اس پر حد نہیں:

سوال: بھینس گھر کے اندر ہو، چور باہر سے اس کو گھاس دکھاتا ہے، اس لالچ میں وہ باہر آجاتی ہے پھر وہ اس کو پکڑ لیتا ہے، کیا یہ جرم قطع ید کے قابل ہو سکتا ہے؟ اگر دروازہ کھولنے پر وہ خود نکل آئی ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بھینس اگر گھاس کو دیکھ کر آئی یا دروازہ کھلنے پر خود بخود باہر آگئی تو ان دونوں صورتوں میں قطع ید نہ ہوگا، قال فی الشامیۃ (قولہ لان سیرہ یضاف الیہ) فلو خرج بلا سوق ولا زجر لم یقطع لان للدابۃ اختیارا فما لم یفسد اختیارہا بالحمل والسوق لا ینقطع نسبۃ الفعل الیہا کما فی البحر (رد المحتار ص ۲۱۰ ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر جمادی الآخرہ سنہ ۰۰ھ

گیس اور بجلی چرانے پر حد نہیں:

سوال: گیس اور برقی قوت کے سرقہ پر قطع ید کی سزا دی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قطع ید کے لئے شرط ہے کہ چوری مکان محرز سے ہو، اگر مکان محرز نہ ہو تو کوئی محافظ موجود ہو، صورت سوال میں چونکہ دونوں شرطیں مفقود ہیں، اس لئے قطع ید نہ ہوگا، قال فی شرح التنویر ویقطع لو سرق من السطح نصابا لانہ حرز شرح وھبانیۃ او من المسجد اراد بہ کل مکان لیس بحرز کمم الطریق والصحراء وربہ المتاع عندہ ای بحیث یراہ وہو الحافظ ماشمانی الاصح (رد المحتار ص ۲۰۹ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۵ھ

جادو کی سزا قتل ہے:

سوال: جادو اگر کوئی خود کرے یا دوسرے سے جلوائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے، اس کا نکاح باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے، نیز اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جادو میں کفریہ الفاظ ہوں یا کفریہ عقیدہ ہو یا جادو میں تو کوئی بات کفریہ نہ ہو مگر جادوگر اس کو حلال سمجھتا ہو تو یہ شخص کافر ہے، اس لئے اس کا نکاح ٹوٹ گیا، اور حاکم اس کے قتل کا حکم دے گا، اور اگر جادو میں کوئی کفریہ بات نہیں اور جادوگر اس کو حلال بھی نہیں سمجھتا مگر جادو سے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے تو کافر نہیں، فاسق ہے، مگر سزا اس کی بھی وہی قتل ہے، دوسرے سے جادو کروانے، لوگوں میں فساد پیدا کرنے والے اور نقصان پہنچانے والے کا بھی یہی حکم ہے کہ اس عمل کو حلال سمجھتا ہے تو کافر ہے ورنہ فاسق، دونوں صورتوں میں واجب القتل ہے، بلکہ کوئی عورت یہ کام کرے تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا، جب کہ مرتد ہونے والی عورت کی سزا قتل نہیں بلکہ قید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی سزا ارتداد سے بھی زیادہ سخت ہے، علاوہ ازیں ارتداد سے جادو کی سزا اس لحاظ سے بھی زیادہ سخت ہے کہ مرتد کی توبہ قبول ہے مگر جادوگر کی توبہ بھی قبول نہیں، یعنی گرفتار ہونے کے بعد اس نے توبہ کرلی تب بھی قتل کیا جائے گا، البتہ گرفتاری سے پہلے تائب ہوگیا تو حکم قتل ساقط ہو جائے گا، یہ تفصیل حکم قتل کے بارے میں ہے، عذاب آخرت کے بارے میں بہر صورت توبہ قبول ہے، ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کافر ہے تو اس کی اقتداء میں نماز صحیح نہیں، اور فاسق کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے مگر اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، بہر صورت اس کو امامت سے معزول کرنا فرض ہے، قال فی العلائیۃ والکافر بسبب

اعتقاد السحر لا توبة له ولو امرأة فی الاصح لسعیها فی الارض بالفساد ذکرہ الزیلعی ثم قال وکذا الکافر بسبب الزندقة لا توبة له وجعله فی الفتح ظاهر المذهب لکن فی حظر الخانیة الفتوی علی انه اذا اخذ الساحر او الزندیق المعروف الداعی قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته ویقتل ولو اخذ بعدها قبلت. (وفی الشامیة) (قوله والکافر بسبب اعتقاد السحر) فی الفتح السحر حرام بلا خلاف بین اهل العلم واعتقاد اباحته کفر وعن اصحابنا ومالک واحمد یکفر الساحر بتعلمه وفعله سواء اعتقد الحرمة اولا ویقتل وفیه حدیث مرفوع حد الساحر ضربة بالسیف یعنی القتل وعند الشافعی رحمه الله تعالی لا یقتل ولا یکفر الا اذا اعتقد اباحته (الی قوله) ویجب ان لا یعدل عن مذهب الشافعی رحمه الله تعالی فی کفر الساحر والعراف وعدمه واما قتله فیجب ولا یستتاب اذا عرفت مزاولته لعمل السحر لسعیه بالفساد فی الارض لا بمجرد علمه اذا لم یکن فی اعتقاده ما یوجب کفره اھ وحاصله انه اختار انه لا یکفر الا اذا اعتقد مکفرا وبه جزم فی النهر وتبعه الشارح وانه یقتل مطلقا ان عرف تعاطیه له الخ (قوله لسعیها الخ) ای لا بسبب اعتقادها الذی هو ردة لان المرتدة لا تقتل عندنا اھ (رد المحتار ص۳۰۰ ج۳) وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی فی خطبة حاشیته علی شرح التنویر بعد بحث طویل ثم انه لا یلزم من عدم کفره مطلقا عدم قتله لان قتله بسبب سعیه بالفساد کما مر فاذا ثبت اضراره بسحره ولو بغیر مکفر یقتل دفعا لشره کالخناق وقطاع الطریق (رد المحتار ص۳۱ ج۱) فقط والله تعالی اعلم۔

جمادی الآخرۃ ۹۵ھ

نابالغ پر حد نہیں:

سوال: ایک لڑکے نے چوری کی، اور مقدمہ صحیح ثابت ہوگیا، ابھی عمر نہیں بتائی گئی، اس لئے کہ لڑکے کے ثبوت میں شبہ پیدا ہوگیا، علامات بلوغ ظاہر نہیں ہیں، لڑکے میں چودہ سال معلوم ہوتے ہے، مگر والدین کہتے ہیں کہ چودہ سال آٹھ ماہ کا تو یقینی ہے کچھ ماہ اس سے زائد بھی ہیں مگر یاد نہیں کہتے ہیں، ڈاکٹر کی رپورٹ بھی مشتبہ قابل نہیں مانی، اب اس مقدمہ میں بالغ ہونا یقینی نہیں ہے کہ سقوط حد کا فیصلہ کیا جائے اور بلوغ بھی یقینی نہیں کہ حد جاری کی جائے اور یہ مقدمہ الحدود تندرئ بالشبہات

کے تحت میرے علم میں سقوط کے قابل نہیں ہے اس لئے درمیان شبہہ سے مراد وہ شبہہ ہے
جو جرم میں پیدا ہوا اور زیر بحث صورت میں شبہہ جرم کے ثبوت میں نہیں ہے بلکہ مجرم کی
اہلیت کے بارے میں ہے جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اگر بلوغ میں شبہہ
پیدا ہو تو حد کو مجرم کے ۱۵ برس کی عمر کو پہنچنے تک موقوف کیا جائے“ (کتاب الخراج
ج ۲ ص ۸۹، ۹۰، ترجمہ اردو مکتبہ چراغ راہ، نمبر ۱۰، ۸) آپ نے حد کو مجرم کے بلوغ میں شبہہ
کی وجہ سے ساقط نہیں کیا بلکہ موقوف کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسقط حد وہ شبہہ ہے جو جرم
کے اندر پیدا ہو، اس مسئلہ کے حل میں حضرت والا اپنی تحقیق سے بہرہ ور فرمائیں، اگر امام ابو یوسف
رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ بلوغ تک لڑکے کو قید رکھا جائے یا
ضمانت پر رہا کیا جائے، دوسری صورت صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ لا کفالۃ
فی حد کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور اگر پہلی صورت ہو تو اس کا ثبوت ہونا چاہئے،
بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نابالغ پر حد نہیں، بلوغ کے بعد جرم کرے تو حد واجب ہوگی، اگر حالت جرم میں بلوغ
مشتبہ ہو تب بھی حد نہیں لگائی جائے گی، بوقت جرم بلوغ کا یقین حد لگانے کے لئے شرط ہے،
کتاب الخراج میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کا یہی مطلب ہے، کتاب الخراج
کے اردو ترجمہ سے منقولہ عبارت کے نقل کرنے میں اگر کوئی فروگذاشت نہیں ہوئی تو ترجمہ کرنے
میں مترجم سے غلطی ہوئی ہے، اصل عربی عبارت یوں ہے: قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: ”و
یقام الحد علی غلام لم یبلغ الحلم فان شك فیه فلا یقام حد حتی یبلغ خمس عشرة
سنة وقد قالوا اکثر من ذلك وکذلك الجاریة لا یقام علیها شیء من الحدود
حتی تحیض او تبلغ خمس عشرة سنة، حدثنا عبید الله بن نافع عن ابن عمر
رضی الله تعالی عنهما قال عرضنی رسول الله صلی الله علیه وسلم للقتال یوم احد
فاستصغرنی فردنی وکنت ابن اربع عشرة سنة وعرضنی یوم الخندق وانا ابن خمس
عشرة سنة فاجازنی، قال نافع فحدثت بهذا الحدیث عمر بن عبد العزیز رحمه
الله تعالی وهو خلیفة فقال ان هذا الفرق بین الکبیر والصغیر، قال فکتب الی
عماله من بلغ خمس عشرة سنة فافرضوا له فی المقاتلة ومن کان دون ذلك فافرضوا

لہ فی الدرایۃ، فہذا احسن ما سمعناہ فی ذلک واللہ اعلم، حدثنا ابان عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتی بغلام قد سرق ولم یتبین احتلامہ فلم یقطعہ، قال وحدثنی بعض المشیخۃ عن مکحول قال اذا بلغ الغلام خمس عشرۃ سنۃ جازت شہادتہ ووجبت علیہ الحدود، قال وحدثنا المغیرۃ عن ابراہیم فی الجاریۃ تزوج فیدخل بہا ثم تصیب فاحشۃ، قال لیس علیہا حد حتی تحیض (کتاب الخراج ص ۱۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الآخرہ سنہ ۹۵ھ

حالتِ مرض میں حد نہ لگائی جائے:

سوال: امر کلی کے طور پر واضح فرمائیں کہ جرم موجبِ حد کے ثبوت کے بعد اگر مجرم کو کوئی ایسا عارضہ لاحق ہو، مثلاً بیمار ہو جائے جس کی موجودگی میں اگر حد جاری کی جائے تو ہلاکت کا یقین ہو تو کیا اس صورت میں سزا کو موقوف کیا جائے یا نافذ کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مجرم کو کوئی شدید عارضہ لاحق ہو جائے تو زوالِ عارضہ تک اسے قید رکھا جائے، اس کے بعد حد جاری کی جائے، قال فی التنویر: تقطع یمین السارق من الزند وتحسم الا فی حر وبرد شدیدین، وفی الشرح فلا تقطع لان الحد زاجر لا متلف ویحبس لیتوسط الامر، وفی الشامیۃ (قولہ الا فی حر وبرد شدیدین) وکذا فی حال مرض، فتح، وقیدہ فی البنایۃ بالمرض الشدید افادہ ط عن الحموی (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الآخرہ سنہ ۹۵ھ

کوڑے کی تفصیل:

سوال: کوڑے کا طول، عرض (موٹائی، چوڑائی) اور جنس کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی واضح اور متعین صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کتب مذاہب اربعہ میں مذکور تفصیل سے یہ قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ کوڑا انداز میں متوسط ہونا چاہئے خواہ وہ لکڑی کی نرم چھڑی ہو یا چمڑے کا ہو یا کسی دوسری چیز کا، ڈنڈے اور لاٹھی کا استعمال جائز نہیں، قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یضرب بسوط

ثمرة لان اتصال الثمرة بمنزلة ضربة اخرى فيصير كل ضربة ضربتين فيكون
زيادة على القدر المشروع (البدائع ص ۶۰ ج ۷) وقال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى
يأمر الامام بضربه بسوط لا ثمرة له ضربا متوسطا لان عليا رضي الله تعالى عنه لما
اراد ان يقيم الحد كسر ثمرته والمتوسط بين المبرح وغير المؤلم لافضاء الاول
الى الهلاك وخلو الثاني عن المقصود وهو الانزجار (هداية مع الفتح ص ۱۲۲ ج ۴)
وقال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى (قوله بسوط لا ثمرة له ضربا متوسطا)
قيل المراد بثمرة السوط عذبته وذنبه مستعار من واحدة ثمر الشجرة وفي الصحاح
وغيره عقدة اطرافه ورجح المطرزي ارادة الاول هنا لما ذكر الطحاوي رحمه الله تعالى
ان عليا رضي الله تعالى عنه جلد الوليد بسوط له طرفان اربعين جلدة فكانت
الضربة ضربتين وفي الايضاح ما يوافقه قال ينبغي ان لا يضرب بسوط له
ثمرة لان الثمرة اذا ضرب بها تصير كل ضربة ضربتين وفي الدراية لكن
المشهور في الكتب لا ثمرة له اي لا عقدة عليه، وقول المصنف في الاستدلال
عليه لان عليا رضي الله تعالى عنه لما اراد ان يقيم الحد كسر ثمرته لا يحتمل الوجه
الاول اصلا بل احد الامرين اما العقدة واما تليين طرفه بالدق اذا كان يابسا
وهو الظاهر وروى ابن ابي شيبة حدثنا عيسى بن يونس عن حنظلة السدوسي
عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال كان يؤمر بالسوط فتقطع ثمرته ثم يدق
بين حجرين حتى يلين ثم يضرب به قلنا لانس في زمن من كان هذا قال في زمن عمر
ابن الخطاب رضي الله تعالى عنه والحاصل ان المراد ان لا يضرب به وفي طرفه
يبس لانه حينئذ يجرح او يبرح فكيف اذا كان فيه عقدة ويفيد ذلك ما روى
عبد الرزاق عن يحيى بن ابي كثير ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال
يا رسول الله اني اصبت حدا فاقمه علي فدعا عليه الصلوة والسلام بسوط فاتي
بسوط شديد له ثمرة فقال سوط دون هذا فاتي بسوط مكسور لين فقال سوط
فوق هذا فاتي بسوط بين سوطين فقال هذا فامر به فجلد، ورواه ابن ابي شيبة
عن زيد بن اسلم ان النبي صلى الله عليه وسلم اتي بسوط فذكره وذكره مالك
رحمه الله تعالى في الموطا والحاصل ان يجتنب كل من الثمرة بمعنى العقدة

ومعنى الثمرة الذي يصير به فيما الشعرة في التقى لانه عين العقد و مائية
ولا تجوز بالثمرة فيما اشكل العقدة لعدم الحاجة ماهو ياتي الطرف على ماذكرنا
كان اولى بانه لا يضرب بمثله حتى يدق رأسه فيصير متوسطاً (فتح القدير ص ۲۶ ج ۵،
رد المحتار ص ۱۵۱ ج ۳، حاشية الطحطاوي على الدر ص ۳۴۹ ج ۲، البحر الرائق ص ۶ ج ۵،
تبيين الحقائق ص ۱۶۹ ج ۳، حاشية الشلبي على التبيين ص ۱۶۹ ج ۳، البناية
ص ۶۵۶ ج ۴، الاختيار لتعليل المختار ص ۸۵ ج ۴، الجوهرة ص ۲۴۰ ج ۲)

وقال العلامة شيخ زاده رحمه الله تعالى ولو كان الرجل الذي وجب
عليه الحد ضعيف الخلقة فخيف عليه الهلاك يجلد جلداً خفيفاً يحتملها
في التنعم لما روي ان رجلاً ضعيفاً زنى فامر رسول الله عليه الصلوة والسلام بان
يأخذ عثكالاً فيه مائة شمراخ فيضرب به ضربة كما في السراجية (مجمع الانهر
ص ۵۹۶ ج ۱، الدر المنتقى على هامش المجمع ص ۵۹۶ ج ۱، السراجية ص ۵۳۰، ۵۳۲)

وقال العلامة خليل المالكي رحمه الله تعالى والحد بسوط وضرب
معتدلين، وقال ابو عبد الله محمد المعروف بالحطاب المالكي رحمه الله تعالى
وقوله معتدلين قال في الموطأ انه عليه السلام اتى بسوط مكسور فقال فوق هذا
فاتي بسوط جديد فقال دون هذا فاتي بسوط قد ركب به ولان فامر به اي بالشخص
المحدود فجلد، قال الباجي رحمه الله تعالى في شرحه قال عيسى بن دينار الثمرة
الطرف يريد ان طرفه محدد ولم تنكسر حدته فقال دون هذا فاتي بسوط قد
ركب به ولان يريد انه قد انكسرت حدته ولم يخلق ولم يبلغ مبلغاً لا يالم
من ضرب به فاقتضى ذلك انه يحد بسوط بين سوطين والضرب في الحدود
كلها سواء انتهى وقال الجزولي وانما يضرب بالسوط وصفته ان يكون من جلد
واحد ولا يكون له رأسان وان يكون رأسه ليناً ويقبض عليه بالخنصر والبنصر
والوسطى ولا يقبض عليه بالسبابة والابهام ويعقد عليه عقدة التسعين و
يقدم رجله اليمنى ويؤخر اليسرى انتهى (مواهب الجليل ص ۳۱۸ ج ۶)

وقال العلامة الخرشي المالكي رحمه الله تعالى بعد نقل قول الجزولي و
صفة عقد التسعين ان يعطف السبابة حتى تلقى الكف ويضم الابهام

للحنفية: السوط فوق القضيب ودون العصا، وفي المختار: بسوط لا ثمرة له، فتعين ان يكون من غير الجلد لان الجلد يخلق، نص عليه بفتح اللام وهو البالي لخبر رواه مالك عن زيد بن اسلم مرسلا وروي عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه مسندا وروي عن علي رضي الله تعالى عنه ولان الغرض الايلام دون الجرح اذ الجديد يجرح والبالي لا يؤلم (المبدع في شرح المقنع ص ۱۲۳۶)

قلت المراد من ثمرة السوط العقدة او الذنب كما قدمنا من كتب الحنفية، فالاستدلال بهذه اللفظة على تعيين كون السوط من غير الجلد باطل،

وقال العلامة ابن قدامة الحنبلي رحمه الله تعالى وفي حديث جلد قدامة حين شرب، ان عمر رضي الله تعالى عنه قال: ايتوني بسوط فجاءه اسلم مولاه بسوط دقيق صغير فاخذه عمر رضي الله تعالى عنه فمسحه بيده ثم قال لاسلم انا احدثك انت ذكرت قرابته لاهله ايتني بسوط غير هذا فاتاه به تاما فامر عمر رضي الله تعالى عنه بقدامة فجلد، اذا ثبت هذا فان السوط يكون وسطا لا جديد فيجرح ولا خلقا فيقل المه لما روي ان رجلا اعترف عند رسول الله صلى الله عليه وسلم بالزنا فدعا له رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوط فاتي بسوط مكسور فقال فوق هذا فاتي بسوط جديد لم تكسر ثمرته فقال بين هذين رواه مالك عن زيد بن اسلم مرسلا وروي عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه مسندا وقد روي عن علي رضي الله تعالى عنه انه قال ضرب بين ضربين وسوط بين سوطين (المغني لابن قدامة ص ۱۶۸ ج ۹) فقط والله تعالى اعلم

۲۹ / جمادی الآخرة ۹۵ھ

تہمت زنا پر حد قذف ہے:

سوال: ایک بالغ لڑکی غیر شادی شدہ نے ایک مرد جو شادی شدہ ہے سے مطالبہ کیا کہ تم میرے ساتھ نکاح کر لو، مرد نے شادی کرنے سے انکار کر دیا، لڑکی نے دھمکی دی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تم پر زنا کی تہمت لگا دوں گی، مرد نے کہا تو جو کچھ کر سکتی ہے کر لے مگر میں تیرے ساتھ نکاح نہیں کرتا، چند ایام گذرنے کے بعد لڑکی نے تہمت لگائی کہ اس مرد نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، حالانکہ کوئی گواہ بھی نہیں ہے اور مرد کل اس

فعل قبیح سے انکار کرتا ہے اور حلف اٹھانے کے لئے بھی تیار ہے، تو کیا صرف عورت کے اقرار سے زنا ثابت ہوگا یا نہیں؟ شریعت مقدسہ کا حکم اس مسئلہ میں صادر فرمائیں کہ اس لڑکی کے لئے شریعت مطہرہ میں کیا فیصلہ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے کہنے سے زنا ثابت نہیں ہوا، اس عورت پر لازم ہے کہ فعل زنا پر چار عینی شاہد پیش کرے، اگر چار عینی شاہد پیش نہیں کرتی تو اس پر حد قذف (اسّی کوڑے) واجب ہے جس مرد پر تہمت لگائی ہے وہ عدالت میں دعویٰ پیش کرکے اس عورت کو اسّی کوڑے لگوائے، اس زمانہ کی کسی عدالت سے اس کی توقع نہیں، اس لئے اس عورت کے ولی پر اور وہ نہ ہو یا وہ غفلت کرے تو دوسرے رشتہ داروں پر واجب ہے کہ اس کو مناسب سزا دیں، تاکہ آئندہ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

بغرض تعزیر مقاطعہ جائز ہے:

سوال: کسی جرم پر تعزیر کی نیت سے برادری کا مجرم سے مقاطعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جواب سے تشفی فرمائیں:

اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت) سے جو مقاطعہ وقوع پذیر ہوا تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی خصوصیت مبارکہ تھی یا ہنوز مشروع ہے؟ اسلامی عدالت یا شرعی پنچایت بطور تعزیر شرعی اس نوع کا مقاطعہ نافذ کر سکتی ہے جس میں حقوق واجبہ تک شامل تھے، ملاحظہ فرمائیں بخاری ومسلم وریاض الصالحین باب التوبۃ، وقال المفتی علاء الدین الطرابلسی الحنفی فی کتابہ معین الحکام ص ۱۹۳ والتعزیر لا یختص بفعل معین ولا قول معین فقد عزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالھجر وذلک فی حق الثلاثۃ الذین ذکرھم اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم فھجروا خمسین یوما لا یکلمھم احد وقصتھم مشھورۃ فی الصحاح،

ہمارے سوال کا منشا یہ ہے کہ اگر یہ معاشرتی مقاطعہ مشروع ہے تو اس میں حقوق واجبہ مثلاً حقوق والدین، حقوق زوجین، جواب سلام اور کفن و دفن کو فرض کفایہ ہے اور

بچوں کے حقوق شرعاً ساقط ہو سکتے ہیں یا کہ اس میں شرعاً کوئی استثناء ہے ؟
اگر عہد نبوی کا یہ مقاطعہ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ جہاد کی نفیر عام کے متعلق بری یہ تعزیر روا ہے یا دیگر فرائض مثلاً حالتِ رجوب میں ارکانِ اسلام کو ادا نہ کرنا، یا سنگین شرعی و اخلاقی جرائم مثلاً قمار، سود خوری، ناحق طلاق، جھوٹی گواہی، نشہ بازی وغیرہ کے سلسلہ میں بھی اہلِ اسلام یا عدالت شرعیہ یا پنچایت کو بھی دائرۂ شریعت میں رہ کر اس نوع کے مقاطعہ کے فیصلہ کا حق ہوگا یا شرعاً کوئی تحدید ہے ؟ اور مقاطعہ کی مدت کی تعیین قاضی کی رائے پر موقوف ہوگی یا پچاس دن کی تحدید ہوگی ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

تعزیر کے لئے مقاطعہ جائز ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، جرم کی نوعیت کی بھی کوئی تخصیص نہیں، اسی طرح ایام کی تحدید اور مقاطعہ میں کسی قسم کی تخصیص بھی نہیں، بلکہ حاکم حسب صوابدید جس قسم کے مقاطعہ کا حکم جب تک چاہے دے سکتا ہے، حاکم سے ایسی توقع نہ ہو تو پنچایت بھی مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتی ہے، البتہ مقاطعہ کا فیصلہ خواہ حاکم کرے یا پنچایت دونوں صورتوں میں حقوقِ واجبہ سے متعلق حسب ذیل تفصیل ہے :

① مجرم کے ذمہ جو حقوق واجب ہیں ان کو ادا کرنے سے اس کو روکنا جائز نہیں، مثلاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور نماز جنازہ وغیرہ، اسی طرح اس کی بیوی کو اس سے چار ماہ سے زیادہ مدت تک جدا رکھنا یا بیوی کو چار ماہ سے زیادہ مدت تک ہمبستری سے روکنے کا حکم کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ چار ماہ میں ایک بار صحبت کرنا بیوی کا حق واجب ہے،

② مجرم کے دوسروں کے ذمہ جو حقوق واجبہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں،

① ایسے حقوق جن کے وجوب میں مجرم کو کوئی اختیار نہیں جیسے اس کی نماز جنازہ اور کفنانے دفنانے وغیرہ، ان سے روکنا جائز نہیں،

② وہ حقوق جن میں خود مجرم کی طرف سے دوسروں پر ایجاب بالاختیار ہے، جیسے مجرم کے سلام کا جواب اور بیوی سے طلب صحبت پر بیوی کی طرف سے اجازت، ان پر پابندی لگانا جائز ہے،

عقد الامام البخاری رحمه الله تعالی باب ما یجوز من الهجران لمن عصی، واستدل
علیه بقصة کعب رضی الله تعالی عنه، وقال الحافظ رحمه الله تعالی اراد بهذه
الترجمة بیان الهجران الجائز لان عموم النهی مخصوص بمن لم یکن لهجره
سبب مشروع فتبین هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصیة
فیسوغ لمن اطلع علیها منه هجره علیها لیکف عنها (فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۱۰)
وقال العلامة العینی رحمه الله تعالی وفیه جواز ترک السلام علی من اذنب وجواز
هجره ثلاثة ایام، وفیه جواز ترک رد السلام علی المهجور عمن سلم علیه اذ لو
کان واجبا لم یقل کعب هل حرک شفتیه برد السلام (عمدة القاری ص ۵۹ ج ۱۸)
وقال ابوبکر بن العربی رحمه الله تعالی وفیه دلیل علی ان للامام ان یعاقب المذنب
بتحریم کلامه علی الناس ادبا له، وهکذا فی الانجیل وفی المسألة الثالثة وعلی
تحریم اهله علیه وفی المسألة الرابعة (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۰۱۲ ج ۲)
فقط والله تعالی اعلم

۱۶ صفر سنه ۱۴۰۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

الحکم الحقانی

فی

قتل الزانی

--- غیر حاکم کے لئے

زانی کو کن حالات میں قتل کرنا جائز ہے؟

——— اس بارے میں ——— —

کتب فقہ میں بکثرت مختلف اقوال ملتے ہیں

اس مسئلہ کی تحقیق میں یہ رسالہ منفرد ہے

الحكم الحقاني في قتل الزاني

حكم من وجد شخصاً مع امرأة لا تحل له :

سؤال: ما قولكم رحمكم الله من وجد رجلاً مع امرأته في فراش واحد او في بيت واحد او وجد رجلاً يزني بامرأته او جاريته او محرمه هل يحل له او لاخيه او غيره من الورثة ان يقتله ام لا؟ وان حل يسقط القصاص عنه ام لا؟ وان سقط فعليه الدية ام لا؟ بينوا بياناً شافياً توجروا اجراً وافياً.

الجواب ومنه الصدق والصواب

قد اختلفت في هذه المسألة عبارات الفقهاء الحنفية رحمهم الله تعالى فنذكر العبارات المضطربة اولاً ونسطر صورة الترجيح ثانياً ونذكر وجه التوفيق ثالثاً.

العبارات المضطربة :

(۱) قال العلامة بدر الدين العيني رحمه الله تعالى في شرحه للجامع الصحيح للامام البخاري رحمه الله تعالى اختلف العلماء فيمن قتل رجلاً وزعم انه وجده قد زنى بامرأته فقال جمهورهم لا يقتل[عه] بل يلزمه القصاص الا ان تقوم بذلك بينة او تعترف به ورثة القتيل والبينة اربعة من عدول الرجال يشهدون على نفس الزنا ويكون القتيل محصناً واما فيما بينه وبين الله تعالى فان كان صادقاً فلا شيء عليه (عمدة القاري ص [illegible])

(۲) قال في الهندية سئل الهندواني عن رجل وجد مع امرأته[عه] رجلاً أيحل له قتله قال ان كان يعلم انه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بما دون السلاح لا يحل وان علم انه لا ينزجر الا بالقتل حل له القتل وان طاوعته المرأة حل له قتلها

عه هكذا في النسخة التي بين يدي والصواب لا يقتل قاتله ثم رأيت كذلك في شرح صحيح مسلم للنووي ۱۲

عه لعل الصواب امرأة بالتنكير كما سيظهر من البيان الآتي ۱۲ منه

ایضاً کذا فی النهایة (عالمگیریة ص ۱۶۹ ج ۲ فصل فی التعزیر)

(۳) قال فی منیة المفتی ولو کان مع امرأته وهو یزنی بها او مع محرمه وهما مطاوعتان قتلهما جمیعا (الدر المختار باب التعزیر)

(۴) قال فی البحر ومفاده الفرق بین الاجنبیة والزوجة والمحرم فمع الاجنبیة لا یحل القتل الا بالشرط المذکور من عدم الانزجار المزبور وفی غیرها یحل (الدر المختار باب التعزیر)

(۵) قال فی التنویر فی باب التعزیر یکون بالقتل کمن وجد رجلا مع امرأة لا تحل له ان کان یعلم انه لا ینزجر بصیاح وضرب بما دون السلاح والا لا وان کانت المرأة مطاوعة قتلهما وان کان مع امرأته وهو یزنی بها او مع محرمه وهما مطاوعتان قتلهما جمیعا مطلقا (تنویر الابصار)

وجه التوفیق:

اما قول صاحب البحر فمنشأه حمل مطلق القتل الذکور فی المنیة علی الحل المقید وحمل مطلق المرأة المذکور فی عبارة الهندیة علی الاجنبیة وهو کما تری، فان حمل مطلق المنیة علی ما فی المطلق والمقید بلا قرینة لا یصغی الیه لاسیما اذا قام الدلیل علی خلافه ولذا قال فی شرح التنویر وفیه (ای فی البحر) عن البزازیة وغیرها من التسویة بین الاجنبیة وغیرها ما یدل علیه تنکیر الهندیة وان المرأة کغیرها ما فی المنیة مطلق فیحمل علی المقید لیتفق الاعلام ولذا جزم فی الوهبانیة بالشرط المذکور مطلقا وهو الحق (الدر المختار)

واما عبارة التنویر فقد علمت حالها ایضاً مما ذکرنا ومنشأه اتباع شیخه صاحب البحر قال فی الشامیة (قوله مطلقا) زاده المصنف علی عبارة المنیة متابعة لشیخه صاحب البحر (رد المحتار ص ۳۲ ج ۳)

صورة الترجیح:

اما التوفیق بین عبارة منیة المفتی وقول الهندیة وان تظاهر مما مضی من تقریر شارح التنویر فی رد صاحب البحر والتنویر

ـــه ای الخانیة کما فی الشامیة ۱۲ منه

وأما وجه التوفيق الذي اختاره العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى حيث
قال "وقد ظهر لي في التوفيق وجه آخر وهو ان الشرط المذكور انما هو فيما اذا وجد رجلا
مع امرأة لا تحل له قبل ان يزني بها فهذا لا يحل قتله اذا علم انه ينزجر بغير القتل سواء
كانت اجنبية عن الواجد او زوجة له او محرما منه اما اذا وجده يزني بها فله قتله
مطلقا الى ان قال ثم رأيت في جنايات الحاوي الزاهدي ما يؤيده ايضا الخ" ففاسد
من وجهين:

① ان الاستدلال بعبارة الحاوي الزاهدي على التفرقة بين رؤية الزنا وعدم
رؤيته يدل على ان رؤية الدواعي مثل رؤية نفس الزنا وهو مخالف لما نقله عن
معراج الدراية قبيل باب الوطء فيما دون الفرج حيث قال "ولو دخل بيته و
نظر فيه او نال من امرأته ما دون الفرج لم يجز قلع عينه الخ" ثم قال "وقوله وكذا لو
دخل بيته الخ مخالف لما ذكره الشارح الا ان يحمل ما ذكره على ما اذا لم يمكن
تنحيته بغير ذلك وما هنا على ما اذا امكن فليتأمل والله اعلم" (رد المحتار ج ۳) و
مفاده الفرق بين نفس الزنا ودواعيه حيث يشترط في الدواعي عدم الانزجار بخلاف
نفس الزنا،

② قال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى في التحرير المختار لرد المحتار "قوله ولذا
قيد في المنية بقوله وهو يزني بها الخ قوله وقتلهما الخ في الفتح سئل ابو جعفر
الهندواني عمن وجد رجلا مع امرأة ايحل له قتله قال ان كان يعلم انه ينزجر
عن الزنا بالصياح والضرب بما دون السلاح لا يقتله وان علم انه لا ينزجر الا
بالقتل حل له قتله وان طاوعته المرأة حل قتلها ايضا اهـ وذكر هذه العبارة كذلك
العلامة المقدسي ونقلها في الفتاوى الهندية عن النهاية كما ذكرها في الفتح
وبهذا تعلم ان موضوع مسألة الهندواني فيمن رأى رجلا مع امرأة يزني بها كما
هو المتبادر ايضا من قوله وان طاوعته فالمتعين ما سلكه في النهر ولا يستقيم
التوفيق الذي ذكره المحشي تأمل" (التحرير المختار ج ۲)

اقول ولو سلمنا عدم دلالته على نفس الزنا فلا دلالة على الدواعي بتة
حيث لا بد من تسليمها وانها في حكم نفس الزنا على تقرير العلامة ابن عابدين رحمه الله

تعالی کما عرفت ذلک مع ما نقله فی الهندیة عن الهندوانی وان معزیاً للتعزیر وترجیحاً
النظراء اعتمادا علی ما فی البزازیة والخانیة والوهبانیة وحققه شارح التنویر والبحر
الرائق وعزاه الی الفتح والعلامة المقدسی وبحمل مطلق عبارة المنیة والمجتبی و
الحاوی الزاهدی من خزانة الفتاوی علی المقید یحصل التوفیق بین العبارات
والاتفاق،

واما عبارة عمدة القاری التی عزاها الحافظ العینی رحمه الله تعالی الی الجمهور
فهی محمولة علی ما اذا قتل مع علمه بانه ینزجر بدون القتل او قتل بعد الزنا
فی وقت آخر وهو المتبادر من قوله انه وجد رجلا قد زنی بامرأته فهذا القتل ما کان
له حلالا ولکن الزانی ان کان محصنا واتی القاتل باربعة شهداء عدول انه زنی
من نفس الزنا فلا ضمان علی القاتل لکون المقتول مباح الدم ویؤیده ما فی التنویر
یجب القود بقتل کل محقون الدم وفی الشامیة تحت (قوله محقون الدم) احترز
عن مباح الدم کالزانی المحصن والحربی والمرتد (رد المحتار ج۵) وایضا ثبت فی
موضعه ان من قتل مباح الدم لحق من حقوق الله تعالی کالزانی المحصن فالقاتل
لا یحرم من المیراث وان لم یحکم القاضی بقتله بخلاف ما لو قتله قصاصا غیر الولی
بدون اذن القاضی فانه یحرم (رد المحتار ج۵)

وما فی حدود التنویر من قوله فلو قتله شخص او فقأ عینیه بعد القضاء به فهدر
وقبله یجب القصاص فی العمد والدیة فی الخطأ انما یختص بغیر الزانی لانه لم یثبت
الزنا منه قبل القضاء،

واما ما قال الحافظ العینی رحمه الله تعالی من انه لا شیء علیه فیما بینه و
بین الله تعالی فالمراد منه انه لیس علیه اثم قتل النفس لکونه مباح الدم واما
مطلق الاثم فثابت لاقامته الحد بدون اذن الامام وهذا اذا کان الزانی
محصنا واما ان کان غیر محصن فعدم التأثم مقید بالقتل فی حالة لا یرجی ان
یعلم الانزجار بدون القتل،

وبما القینا علیک من التفصیل المذکور حصل للقتل قسمان فنذکر حکم کل
قسم علیحدة لتسهیل الامر

الحکم الثانی ـــــــ ۵

① من رجل شخصا مع امرأة لا تحل له سواء كانت زوجة للواجد او محرما له او اجنبية وسواء رأى الزنا او دواعيه ام لا بل رجل معها فى خلوة بلا مباشرة فعل رسوا وكان الزانى محصنا او غير محصن وظن الواجد انه لا ينزجر بالصياح عليه والضرب بما دون السلاح فيحل له ان يقتله فى هذه الحالة الراهنة لا بعدها وهذا القتل من قبيل تغيير المنكر باليد الثابت بالحديث المشهور واما عموم الوجدان وشموله للدواعى والخلوة المحضة فلما فى الشامية (قوله مع امرأة) ظاهره ان المراد الخلوة بها وان لم ير منه فعلا قبيحا كما يدل عليه ما يأتى عن منية المفتى كما تعرفه فافهم (رد المحتار ج ۳) وايضا فيها معزيا الى الحاوى الزاهدى رجل رأى رجلا مع امرأته يزنى بها او يقبلها او يضمها الى نفسه وهى مطاوعة فقتله او قتلهما لا ضمان عليه ولا يحرم من ميراثها ان اثبته بالبينة او باقرار ولو رأى رجلا مع امرأته فى مفازة خالية او رآه مع محارمه هكذا ولم ير منه الزنا ودواعيه قال بعض المشايخ حل قتلهما وقال بعضهم لا يحل حتى يرى منهما العمل اى الزنا ودواعيه ومثله فى خزانة الفتاوى اهـ (رد المحتار ج ۳)

والاطلاق من قيد الاحصان مصرح فى شرح التنوير حيث قال بلا شرط احصان لانه ليس من الحد بل من الامر بالمعروف، وفى الشامية (قوله بلا شرط الاحصان الخ) رد على ما فى التتارخانية من قوله وهو محصن كما فى منح، و جزم به الطرسوسى قال فى النهر ورده ابن وهبان بانه ليس من الحد بل من الامر بالمعروف والنهى عن المنكر وهو حسن فان هذا المنكر حيث تعين القتل طريقا فى ازالته فلا معنى لاشتراط الاحصان فيه ولذا اطلقه البزازى اهـ قلت ويدل عليه ان الحد لا يليه الا الامام (رد المحتار ج ۳)

وتقييد حل القتل بحالة الوجدان لا بعدها يدل عليه قولهم "من وجده مع امرأته" وايضا هو من قبيل تغيير المنكر كما عرفت والتغيير لا يكون الا حال المباشرة، وايضا هذا القتل من باب التعزير وقال فى الشامية ان الحد مختص بالامام والتعزير يفعله الزوج والمولى وكل من رأى احدا يباشر المعصية (رد المحتار ج ۳) وقال فى البحر لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية واما

بعد الفراغ منها فليس ذلك لغير الحاكم (البحر الرائق ج ۵)

وطلاق المرأة وتعيين القتل بعدم الانزجار ثبت مما تقدم،

والحاصل انه لا جناح على القاتل في الصورة المفصلة،

واما سقوط الضمان فمنوط باتيان البينة بعلمه او رجل وامرأتين على الوجدان مع المرأة على نفس الزنا او دواعيه، والخلوة الصريحة وعلى عدم الانزجار، والقرائن الظاهرة المفيدة للعلم القطعي تقوم مقام البينة كما في كتاب الدعوى من شرح التنوير والسابع قرينة قاطعة كأن ظهر من دار خالية انسان خائف بسكين متلوث بدم فدخلوها فوراً فرأوا مذبوحاً لحينه اخذ به اذ لا يمتري احد انه قاتله (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۴) وفي اول كتاب القضاء من الشامية في بيان طريق القضاء الى الحكم، او القرائن الواضحة التي تصير الامر في حيز المقطوع به فقد قالوا لو ظهر انسان من دار بيده سكين وهو متلوث بالدم سريع الحركة عليه اثر الخوف فدخلوا الدار على الفور فوجدوا فيها انساناً مذبوحاً بذلك الوقت ولم يوجد احد غير ذلك الخارج فانه يؤخذ به وهو ظاهر اذ لا يمتري احد في انه قاتله والقول بانه ذبحه آخر ثم تسور الحائط او انه ذبح نفسه احتمال بعيد لا يلتفت اليه اذ لم ينشأ عن دليل (رد المحتار ص ۳۳۱ ج ۴) ولكن وجود القرائن القاطعة على الزنا اي الايلاج كالميل في المكحلة مشكل جداً الا انه ليس له اثر ظاهر بخلاف القتل،

فان اقام البينة او وجدت القرائن القاطعة فلا قصاص عليه ولا دية والا فيقتص منه، الا ان يكون الزاني متهما بين الناس فيسقط القصاص وتؤخذ الدية كما في شرح التنوير وفي المجتبى الاصل ان كل شخص رأى مسلماً يزني ان يحل له قتله وانما يمتنع خوفاً من ان لا يصدق انه زنى، وفي الشامية (قوله وفي المجتبى الخ) عزاه بعضهم ايضاً الى جامع الفتاوى وحكى عن البزازية وحاصله انه يحل ديانة لا قضاء فلا يصدقه القاضي الا ببينة والظاهر انه يأتي هنا التفصيل المذكور في السرقة وهو ما في البزازية وغيرها ان لم يكن لصاحب الدار بينة فان لم يكن المقتول معروفاً بالشر والسرقة قتل صاحب الدار قصاصاً وان كان متهماً به فكذلك قياساً وفي الاستحسان تجب الدية في ماله لورثة المقتول لان دلالة الحال

اورثت شبهة فی القصاص لا فی المال (رد المحتار ص ۳۲۲ ج ۵)

اقول ولکن اینبغی ان یسقط القصاص وتؤخذ الدیة ممن اتی بالبینة علی الوطء مطلقا مع امرأة من محارمه اوعلی رؤیة الزنا بامرأة اجنبیة ولکنه لم یقدر علی اثبات عدم الانزجار الشبهة وقعت لاختلاف الفقهاء رحمهم الله تعالیٰ فان القتل فی الصورة الثانیة افتی بحله العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وبنیٰ علیه ظاهر ما قدمنا من عبارة معراج الدرایة التی اوردها العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ قبیل باب القود فیما دون النفس، وحل القتل فی الصورة الاولیٰ اختاره صاحب البحر وشارح التنویر رحمهما الله تعالیٰ، والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

(۲) وجد شخصا مع امرأة فقتله مع علمه بانه ینزجر بدون القتل او قتله فی غیر حالة الوجدان فیقتص منه الا ان یأتی باربعة شهداء او من عدول الرجال علی نفس الزنا ویکون الزانی محصنا فیسقط عنه الضمان ای لاقصاص علیه ولا دیة واما فیما بینه وبین الله تعالیٰ فان تحقق نفس الزنا عنده وکان الزانی محصنا فلیس علیه اثم قتل النفس بل یأثم لاقامة الحد بدون اذن الامام سواء اتی بالشهود اولا وان قتل بدون تحقق نفس الزنا عنده او کان الزانی غیر محصن فعلیه اثم قتل النفس الا ان یکون عالما بعدم الانزجار وقتله فی حالة الوجدان فلا اثم علیه، فقط والله تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد عفا الله عنه

۲۲ ربیع الاول سنه ۸۸ھ

الحاق:

قال العبد الضعیف قد یما کان یختلج فی قلبی کثیرا ان الحکومة اذا قصرت فی القیام بما علیها من اقامة التعزیر فالعامة تنوب عنها لکن لم اکن افتی به لعدم عثوری علی ثبوته فی کلام الفقهاء رحمهم الله تعالیٰ فلله الحمد والشکر کما ینبغی لجلال وجهه العظیم علی انی بعد الفراغ من تحریر هذه الرسالة بیرهة من الزمان ظفرت بما یطمئن به قلبی فی غرة ربیع عنفوان شبابی، حیث ادرکته

مصرحا فی کلام الفقهاء رحمهم الله تعالیٰ

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ والغلام اذا عقل واستغنی برأیه لیس للاب ضمه الی نفسه الا اذا لم یکن مأمونا علی نفسه فله ضمه لدفع فتنة او عار وتأدیبه اذا وقع منه شیء

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ (قوله فله ضمه) ای للاب ولایة ضمه الیه والظاهر ان الجد کذلک بل غیره من العصبات کالاخ والعم ولم ار من صرح بذلک ولعلهم اعتمدوا علی ان الحاکم لا یمکنه من المعاصی وهذا فی زماننا غیر واقع فیتعین الافتاء بولایة ضمه لکل من یؤتمن علیه من اقاربه ویقدر علی حفظه فان دفع المنکر واجب علی کل من قدر علیه لا سیما من یلحقه عاره وذلک ایضا من اعظم صلة الرحم والشرع امر بصلتها وبدفع المنکر ما امکن قال تعالیٰ ان الله یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (رد المحتار ص ۶۹۴ ج ۲)

وفی حدود البزازیة معزیا الی المجتبی الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی ان یحل له قتله وانما یمتنع خوفا من ان لا یصدق انه زنی وعلی هذا القیاس المکابر بالظلم وقطاع الطریق وصاحب المکس وجمیع الظلمة بادنی شیء له قیمة وجمیع الکبائر والاعونة والسعاة یباح قتل الکل ویثاب قاتلهم انتهی وافتی الناصحی رحمه الله تعالیٰ بوجوب قتل کل مؤذ

وفی الشامیة (قوله وعلی هذا القیاس الخ) هو من تتمة عبارة المجتبی واقره فی البحر والنهر وکذا مشی علیه المصنف (قوله المکابر) ای الآخذ علانیة بطریق الغلبة والقهر قال فی المصباح کابرته مکابرة غالبته مغالبة (قوله وقطاع الطریق) ای اذا کان مسافرا ورأی قاطع طریق له قتله وان لم یقطع علیه بل علی غیره لما فیه من تخلیص الناس من شره واذاه کما یفیده ما بعده (قوله وجمیع الکبائر) ای اهلها والظاهر ان المراد بها المتعدی ضررها الی الغیر فیکون قوله والاعونة والسعاة عطف تفسیر او عطف خاص علی عام فیشمل کل من کان من اهل الفساد کالساحر وقاطع الطریق واللص واللوطی والخناق ونحوهم ممن عم ضرره ولا ینزجر

بغير القتال (قوله والأعونة) كأنه جمع معين أو عوان بمعناه والمراد به الساعي إلى
الحكام بالإفساد فعطف السعاة عليه عطف تفسير وفي رسالة أحكام السياسة
عن جمع النسفي سئل شيخ الإسلام رحمه الله تعالى عن قتل الأعونة والظلمة
والسعاة في أيام الفترة قال يباح قتلهم لأنهم ساعون في الأرض بالفساد فقيل إنهم
يمتنعون عن ذلك في أيام الفترة ويختفون قال ذلك امتناع ضرورة ولو ردوا لعادوا
لما نهوا عنه كما شاهدنا قال وسألنا الشيخ أبا شجاع رحمه الله تعالى عنه
فقال يباح قتله ويثاب قاتله اهـ (قوله وأفتى الناصحي) أي بعمل الوجوب بالنظر
للإمام أو نوابه والإباحة بالنظر لغيرهم ط (رد المحتار ص ۱۸۱ ج ۳)

فعلى هذا لا تتم هذه الرسالة إلا بحسم هذين الأمرين:

(۱) حل القتل غير مقيد بحالة المباشرة لأنه تعزير وهو لا يختص بها۔

(۲) ركن إعدام الانزجار بالصياح والضرب بملحون السلاح غير مشروط لأن
التعزير عقوبة تمنع عن ارتكاب المعصية وفيها الحاكم لا يقدر على حمله على
تعزير يمنعه عن المعصية سوى القتل لأن التعزير اليسير لا يكفي لقلع مثل
هذه الفاحشة ولو عزر بالضرب الشديد بدون القتل فربما لا يمكن له
أن يعصم نفسه من شر المجرم فإنما يتعذر قلع جرثومة المعصية بدون
القتل يحل قتله، نعم لو لم يثبت المعصية عند الحاكم يقتص من القاتل۔

فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

رشید احمد

۳ شوال سنہ ۱۴۰۶ھ

ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام
لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون
تحریر المقال
فی
التعزیر بالمال
اس رسالہ میں قرآن، حدیث اور مذاہب اربعہ کی
نصوص سے ثابت کیا گیا ہے کہ مالی تعزیر جائز نہیں۔
تنقید و تنقیح، تدقیق و تحقیق، بسط و تفصیل میں اس سے
پہلے اس موضوع پر علمی ذخائر میں ایسی کوئی
مثال نہیں ملتی۔

تحریر المقال فی التعزیر بالمال

تعزیر مالی جائز نہیں:

سوال: مالی جرمانہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق مکمل بحث مع الدلائل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں۔ بینوا بالتفصیل آجرکم اللہ الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (۲-۱۸۸)

② فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ○ (۲-۱۹۴)

③ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○ (۴-۲۹)

④ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ○ (۱۶-۱۲۶)

⑤ عن عمرو بن یثربی الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شہدت خطبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنی فکان فیما خطب بہ ان قال ولا یحل لامرئ من مال اخیہ الا ما طابت بہ نفسہ قال فلما سمعت ذلک قلت یا رسول اللہ ارأیت لو لقیت غنم ابن عمی فاخذت منہا شاۃ فاجتزرتہا اعلیّ فی ذلک قال ان لقیتہا نعجۃ تحمل شفرۃ وزنادا فلا تمسہا (رواہ احمد)

⑥ عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتطع مال امرئ مسلم بغیر حق لقی اللہ عز وجل وہو علیہ غضبان (رواہ احمد)

⑦ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لامرئ ان یاخذ مال اخیہ بغیر حقہ وذلک لما حرم اللہ مال المسلم

علی المسلم (رواہ احمد)

⑧ وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل للرجل ان یأخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس وذلک لشدۃ ماحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال المسلم علی المسلم رواہ احمد (الفتح الربانی ص ۱۴۰ ج ۱۵)

⑨ عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبیٰ (مشکوٰۃ ص ۲۵۵)

⑩ روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لقد ہممت ان امر بحطب فیحطب ثم امر بالصلوٰۃ فیؤذن لھا ثم امر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق علیھم بیوتھم والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدھم انہ یجد عرقا سمینا اومرماتین حسنتین لشھد العشاء (عمدۃ القاری ص ۱۶۱ ج ۵)

⑪ قال العلامۃ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ وفیہ جواز العقوبۃ بالمال بحسب الظاھر واستدل بہ قوم من القائلین بذلک من المالکیۃ وعزی ذلک ایضا الی مالک رحمہ اللہ تعالیٰ واجاب الجمھور عنہ بانہ کان ذلک فی اول الاسلام ثم نسخ (عمدۃ القاری ص ۱۶۳ ج ۵)

⑫ وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ومنھا دعوی نسخہا نقلہ بعضہم ان فرضیۃ الجماعۃ کانت فی اول الاسلام لاجل سد باب التخلف عن الصلوٰۃ علی المنافقین ثم نسخ حکاہ عیاض ویمکن ان یتقوی بثبوت نسخ الوعید المذکور فی حقھم وھو التحریق بالنار کما سیأتی واضحا فی کتاب الجھاد وکذا ثبوت نسخ ما یتضمنہ التحریق من جواز العقوبۃ بالمال ویدل علی النسخ الاحادیث الواردۃ فی تفضیل صلوٰۃ الجماعۃ علی صلوٰۃ الفذ کما سیأتی بیانہ فی الباب الذی بعد ھذا (فتح الباری ص ۱۰۱ ج ۲)

⑬ وقال ایضا وفیہ جواز العقوبۃ بالمال کذا استدل بہ کثیر من القائلین بذلک من المالکیۃ وغیرھم وفیہ نظر لما اسلفناہ ولاحتمال ان التحریق من

باب ما لا یتم الواجب الا به اذ الظاهر ان الباعث علی ذلک انهم کانوا یختفون فی
بیوتهم فلا یتوصل الی عقوبتهم الا بتحریقها علیهم (فتح الباری ص ۱۰۹ ج ۲)

⑭ وقال العلامة الکرمانی رحمه الله تعالی قیل وفیه دلیل علی ان العقوبة کانت
فی اول الامر بالمال لان تحریق البیوت عقوبة مالیة (شرح الکرمانی ص ۲۰ ج ۵)

⑮ وقال الامام النووی رحمه الله تعالی قال بعضهم فی هذا الحدیث دلیل علی
ان العقوبة کانت فی اول الامر بالمال لان تحریق البیوت عقوبة مالیة وقال غیره
اجمع العلماء علی منع العقوبة بالتحریق فی غیر المتخلف عن الصلوة والغال من الغنیمة
واختلف السلف فیهما والجمهور علی منع تحریق متاعهما (شرح صحیح مسلم للنووی ص ۲۳۲ ج ۱)

⑯ وروی ابوداؤد والترمذی رحمهما الله تعالی عن عمر رضی الله تعالی عنه ان
رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا وجدتم الرجل قد غل فی سبیل الله
فاحرقوا متاعه واضربوه (مشکوة ص ۳۱۴)

⑰ وروی ابوداؤد رحمه الله تعالی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده
رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابا بکر وعمر رضی الله
تعالی عنهما حرقوا متاع الغال وضربوه (سنن ابی داؤد ص ۲۶۹ ج ۱)

⑱ وقال الامام البخاری رحمه الله تعالی ولم یذکر عبد الله بن عمرو رضی الله
تعالی عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم انه حرق متاعه وهذا اصح (بخاری ص ۴۳۲ ج ۱)

⑲ قال العلامة العینی رحمه الله تعالی واختلفوا فی عقوبة الغال فقال الجمهور
یعزر بحسب ما یراه الامام ولا یحرق متاعه وهذا قول ابی حنیفة والشافعی
ومالک وجماعة کثیرة من الصحابة والتابعین فمن بعدهم وقال الحسن
واحمد واسحق ومکحول والاوزاعی یحرق رحله ومتاعه کله قال الاوزاعی
الا سلاحه وثیابه التی علیه قال الحسن الا الحیوان والمصحف وقال واما
حدیث ابن عمر عن عمر رضی الله تعالی عنهما مرفوعا فی تحریق رحل الغال فهو
حدیث تفرد به صالح بن محمد وهو ضعیف عن سالم ولان النبی صلی الله
علیه وسلم لم یحرق رحل الذی وجد عنده الخرز والعباءة قیل انما لم یحرق
رحل الرجل المذکور لانه کان میتا فخرج ماله الی ورثته (قلت) قال البخاری

رحمه الله تعالی ولو صح حمل علی انه کان لو کانت العقوبات فی الاموال کأخذ شطر المال من مانع الزکوٰة وضالة الابل وسارق الثمر وکله منسوخ (عمدة القاری ص ۱۲۵ ج ۲)

(۲۰) وقال ایضا قال البخاری رحمه الله تعالی یحتجون بهذا الحدیث فی احراق رحل الغال وهو باطل لیس له اصل وروایه لا یعتمد علیهم وان الصحیح هو الذی لیس فیه ذکر التحریق المشار الیه بقوله وهذا اصح (عمدة القاری ص ۱۵۰ ج ۲)

(۲۱) وکذا قال الحافظ العسقلانی رحمه الله تعالی (فتح الباری ص ۱۳۰ ج ۱۲)

(۲۲) وقال العلامة علی القاری رحمه الله تعالی قال التوربشتی رحمه الله تعالی احراق المتاع کان فی اول الامر بالمدینة ثم نسخ قال الخطابی اما تأدیبه عقوبة فی نفسه علی سوء فعله فلا اعلم من اهل العلم فیه خلافا واما عقوبته فی ماله فقد اختلف العلماء فیه فقال الحسن البصری رحمه الله تعالی یحرق ماله الا ان یکون مصحفا او حیوانا او ربه قال جماعة من العلماء الا انه لا یحرق ما فی غل لان حق الغانمین یرد علیهم وقال الشافعی رحمه الله تعالی یعاقب الرجل فی بدنه دون ماله (مرقاة ص ۱۸۰ ج ۴)

(۲۳) وقال العلامة الکشمیری رحمه الله تعالی (قوله فاحرق متاعه الخ) ابن ملک حدیث الباب علی احراق المال تعزیرا وفی عامة کتبنا نفی التعزیر بالمال وانه منسوخ و وجدت فی الحاوی القدسی جواز التعزیر بالمال عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ

(العرف الشذی ص ۳۲۰)

(۲۴) قال النبی صلی الله علیه وسلم فی کل ابل سائمة فی کل اربعین ابنة لبون لا یفرق ابل عن حسابها من اعطاها مؤتجرا فله اجرها ومن ابی فانا آخذوها وشطر ابله عزمة من عزمات ربنا (سنن النسائی ص ۲۳۳ ج ۱)

(۲۵) قال الامام ابن الاثیر رحمه الله تعالی قال الحربی غلط "بهز" الراوی فی لفظ الروایة وانما هو "وشطر ماله" ای یجعل ماله شطرین ویتخیر علیه المصدق فیأخذ الصدقة من خیر النصفین عقوبة لمنعه الزکوٰة فاما ما لا تلزمه فلا وقال الخطابی فی قول الحربی لا اعرف هذا الوجه وقیل معناه ان الحق مستوفی منه غیر متروک علیه وان تلف شطر ماله کرجل کان له الف شاة مثلا فتلفت حتی

لم یبق له الا عشرون فانه یؤخذ منه عشر شیاه لصدقة الالف وهو شطر ماله
الباقی وهذا ایضا بعید لانه قال انا آخذوها وشطر ماله ولم یقل انا آخذ شطر ماله
وقیل انه کان فی صدر الاسلام یقع بعض العقوبات فی الاموال ثم نسخ کقوله فی
الثمر المعلق من خرج بشیء منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة، وکقوله فی ضالة
الابل المکتومة غرامتها ومثلها معها وکان عمر رضی الله تعالی عنه یحکم به،
فغرم حاطبا ضعف ثمن ناقة المزنی لما سرقها رقیقه ونحو ذلک فی الحدیث
نظائر وقد اخذ احمد بن حنبل رحمه الله تعالی بشیء من هذا وعمل به، وقال
الشافعی رحمه الله تعالی فی القدیم من منع زکوة ماله اخذت منه واخذ شطر
ماله عقوبة علی منعه واستدل بهذا الحدیث وقال فی الجدید لا یؤخذ منه
الا الزکوة لاغیر وجعل هذا الحدیث منسوخا وقال کان ذلک حیث کانت
العقوبات فی المال ثم نسخت، ومذهب عامة الفقهاء ان لا واجب علی متلف
الشیء اکثر من مثله او قیمته (النهایة ص ۳۴۳ ج ۲)

(۲) وکذا نقل عن النهایة العلامة السیوطی رحمه الله تعالی
(زهر الربی بهامش سنن النسائی ص ۳۳۳ ج ۱)

(۳) وقال العلامة السهارنفوری رحمه الله تعالی بعد نقل ما فی النهایة وقال
الحافظ فی التلخیص رواه احمد وابوداؤد والنسائی والحاکم والبیهقی من
طریق بهز بن حکیم عن ابیه عن جده وقد قال یحیی بن معین اسناد صحیح
اذا کان دون بهز ثقة وقال ابوحاتم هو شیخ یکتب حدیثه ولا یحتج به وقال
الشافعی رحمه الله تعالی لیس بحجة وهذا الحدیث لا یثبته اهل العلم
بالحدیث ولو ثبت لقلنا به وکان قال به فی القدیم وسئل عنه احمد رحمه
الله تعالی فقال ما ادری ما وجهه فسئل عن اسناده فقال صالح الاسناد
وقال ابن حبان کان یخطئ کثیرا ولولا هذا الحدیث لادخلته فی الثقات
وهو ممن استخیر الله فیه وقال ابن عدی لم ار له حدیثا منکرا وقال ابن
الطلاع فی احکامه بهز مجهول وقال ابن حزم غیر مشهور بالعدالة و
هو خطأ منهما فقد وثقه خلق من الائمة وقد استوفیت ذلک فی تلخیص

التهذيب، وقال البيهقي وغيره حديث بهز هذا منسوخ وتعقبه النووي بأن الذي
ادعوه من كون العقوبة كانت بالأموال في أول الإسلام ليس بثابت ولا معروف
ودعوى النسخ غير مقبولة مع الجهل بالتاريخ والجواب عن ذلك ما أجاب به
إبراهيم الحربي ونقله ابن الجوزي في جامع المسانيد عن الحربي انتهى،
(بذل المجهود ص ۱۱ج ۳)

(۲۸) وقال العلامة السندي رحمه الله تعالى والجمهور على أنه حين كان التعزير
بالأموال جائزا في أول الإسلام ثم نسخ فلا يجوز الآن أخذ الزائد على قدر الزكاة،
(حاشية السندي على سنن النسائي)

(۲۹) قال ابن حزم رحمه الله تعالى لأن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قد
حكم بها بحضرة الصحابة رضي الله تعالى عنهم لا يعرف منهم له مخالف ولا
يرى منهم عليه منكرا فأضعف قيمة الناقة المنحورة للمزني على رقيق حاطب
الذي سرقوها وانتحروها وقد رويناها من طرق منها ما نا أحمد بن محمد بن
الجسور نا قاسم بن أصبغ نا مطرف بن قيس نا يحيى بن بكير نا مالك بن أنس
عن هشام بن عروة بن الزبير عن أبيه عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب
أن رقيقا لحاطب سرقوا ناقة للمزني رجل من مزينة فانتحروها فرفع ذلك
إلى عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فأمر عمر رضي الله تعالى عنه لكثير بن
الصلت أن يقطع أيديهم قال عمر رضي الله تعالى عنه إني أراك تجيعهم والله
لأغرمنك غرما يشق عليك ثم قال للمزني كم ثمن ناقتك قال أربعمائة درهم
قال عمر رضي الله تعالى عنه فأعطه ثمان مائة درهم (وبعد سطرين) وقد روي
عن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه نحو هذا في إتلاف الأموال كما
رويناه من طريق عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن أبان بن عثمان أن
أباه عثمان رضي الله تعالى عنه أغرم في ناقة محرم أهلكها رجل فأغرمه الثلث
زيادة على ثمنها قال الزهري ما أصيب من أموال الناس ومواشيهم في الشهر
الحرام فإنه يزاد الثلث لهذا في الثمن فهذا أثر في غاية الصحة عن
عثمان رضي الله تعالى عنه ولا يعرف له في ذلك مخالف من الصحابة

تحرير الدليل ——————

رضی اللہ تعالی عنہم وقال بہ الزہری بعد نقلہ المحلی ص ۳۴۴ ج ۱۱

(۳) قال العلامة العثمانی رحمہ اللہ تعالی اخرج ابن حزم من طریق یحیی بن بکیر نا مالک بن انس عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن یحیی بن عبد الرحمن بن حاطب ان رقیقا لحاطب سرقوا ناقة لرجل من مزینة فانتحروہا فرفع ذلک الی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ فامر عمر رضی اللہ تعالی عنہ کثیر بن الصلت ان یقطع ایدیہم ثم قال عمر رضی اللہ تعالی عنہ اراک تجیعہم واللہ لاغرمنک غرما یشق علیک ثم قال للمزنی کم ثمن ناقتک قال اربع مائة درہم قال عمر رضی اللہ تعالی عنہ فاعطہ ثمان مائة درہم (المحلی) ولیس فیہ الجمع بین القطع والغرامة فانہ لم یغرم السارق بل اغرم المولی وعزرہ بالمال والتعزیر بالمال جائز عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی وعندہما وعند الائمة الثلاثة رحمہم اللہ تعالی لا یجوز (فتح القدیر) وترکہ الجمہور للقرآن والسنة اما القرآن فقولہ تعالی فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ واما السنة فانہ علیہ الصلوۃ والسلام قضی بالضمان بالمثل ولانہ خبر یخالف الاصول فقد اجمع العلماء علی ان من استہلک شیئا لا یغرم الا بمثلہ او قیمتہ ولانہ لا یعلم احد بن عواہ وفی ہذا الحدیث تصدیق المزنی فیما ذکر من ثمن ناقتہ وفیہ ایضا انہ غرمہ باعتراف عبیدہ وقد اجمعوا علی ان اقرار العبد علی سیدہ فی مالہ لا یلزمہ وایضا فان یحیی ابن عبد الرحمن لم یلق عمر رضی اللہ تعالی عنہ ولا سمع منہ وذکر ابن وہب فی موطاہ من روایة یحیی بن عبد الرحمن عن ابیہ وانہ سمع عمر رضی اللہ تعالی عنہ وروی عنہ ولیس عند جمہور رواۃ الموطا عن ابیہ، قال ابو عمر اظن ابن وہب وہم فیہ وذکر ایضا ان القصة کانت بعد موت حاطب وہو غلط لان حاطبا مات سنة ثلاثین فی خلافة عثمان رضی اللہ تعالی عنہ فہذہ اوجہ عدیدۃ علل بہا ہذا الحدیث کذا فی الجوہر النقی واما حدیث بہز عن ابیہ عن جدہ فی مانع الزکوۃ من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا آخذوہ وشطر مالہ رواہ احمد وابو داؤد والنسائی والحاکم قال ابراہیم الحربی فی

سياق المتن لفظة وهم فيها الراوي وإنما هو فإنا آخذوه وشطر ماله اي يجعل ماله شطرين
فيتخير عليه المصدق ويأخذ من خير الشطرين فأما ان لا يلزمه فلا نقله ابن الجوزي
في جامع المسانيد عن الحربي والله الموفق كذا في التلخيص الحبير ومن طريق عبد الرزاق
عن معمر عن الزهري عن ابان بن عثمان ان اباه عثمان رضي الله تعالى عنه
اغرم في ناقة رجل اهلكها رجل فأغرمه الثلث زيادة على ثمنها (المحلى) وقال
فهذا الاثر في غاية الصحة عن عثمان رضي الله تعالى عنه ولا يعرف له مخالف
من الصحابة رضي الله تعالى عنهم وقال به الزهري بعد ذلك اه قلت محمول
على انه كان قد اهلك الناقة مع متاع عليها يساوي ثلث قيمتها (اعلاء السنن)

الفقه الحنفي

(۱) قال العلامة العلائي رحمه الله تعالى (لا بأخذ مال في المذهب) بحر
وفيه عن البزازية وقيل يجوز ومعناه ان يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له
فان ايس من توبته صرفه الى ما يرى وفي المجتبى انه كان في ابتداء الاسلام
ثم نسخ (رد المحتار ص ۱۸۳ ج ۳)

(۲) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله لا بأخذ مال في المذهب)
قال في الفتح وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال
وعندهما وباقي الائمة لا يجوز اه ومثله في المعراج وظاهره ان ذلك رواية
ضعيفة عن ابي يوسف رحمه الله تعالى قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه
من تسليط الظلمة على اخذ مال الناس فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية
عن ابن وهبان (قوله وفيه الخ) اي في البحر حيث قال وافاد في البزازية ان
معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر
ثم يعيده الحاكم اليه لا ان يأخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه
الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي وفي
المجتبى لم يذكر كيفية الاخذ وأرى ان يأخذها فيمسكها فان ايس من
توبته يصرفها الى ما يرى وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء

الاسلام ثم نسخ اھ والحاصل ان المذھب عدم التعزیر بأخذ المال وسیذکر الشارح فی الکفالۃ عن الطرسوسی ان مصادرۃ السلطان لارباب الاموال لاتجوز الا لعمال بیت المال ای اذا کان یردہ لبیت المال (رد المحتار ص ۲۰۲ ج ۳)

(۲) وقال الشارح العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الکفالۃ (فائدۃ) ذکر الطرسوسی فی مؤلف لہ ان مصادرۃ السلطان لارباب الاموال لاتجوز الا لعمال بیت المال مستدلا بان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صادر ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وذلک حین استعملہ علی البحرین ثم عزلہ واخذ منہ اثنی عشر الفا ثم دعاہ للعمل فابی رواہ الحاکم وغیرہ واراد بعمال بیت المال خدمتہ الذین یجبون اموالہ ومن ذلک کتبتہ اذا توسعوا فی الاموال لان ذلک دلیل علی خیانتھم ویلحق بھم کتبۃ الاوقاف ونظارھا اذا توسعوا وتعاطوا انواع اللھو وبناء الاماکن فللحاکم اخذ الاموال منھم وعزلھم فان عرف خیانتھم فی وقف معین ردّ المال الیہ والا وضعہ فی بیت المال اھ نھر وبحر (رد المحتار ص ۳۱۴ ج ۴)

(۳) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ رواہ الحاکم وغیرہ) اخرج فی الدر المنثور فی سورۃ یوسف فی قولہ تعالیٰ اجعلنی علی خزائن الارض قال اخرج ابن ابی حاتم والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استعملنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی البحرین ثم نزعنی وغرمنی اثنی عشر الفا ثم دعانی بعد الی العمل فابیت فقال لم وقد سأل یوسف علیہ الصلوۃ والسلام العمل وکان خیرا منک فقلت ان یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی وانا ابن امیمۃ واخاف ان اقول بغیر علم وافتی بغیر علم وان یضرب ظھری ویشتم عرضی ویؤخذ مالی اھ بحر قلت ومحل مذھبہ ان ھدیۃ العمال جائزۃ بخلاف مذھب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلذا اغرمہ (قولہ ویلحق بھم) قال السید الحموی ھذا مما یعلم ویکتم ولا تجوز الفتوی بہ لانہ یکون ذریعۃ الی ما لا یجوز وذلک لان حکام زماننا لو افتوا بھذا او صادروا من ذکر لا یردون الاموال الی الاوقاف وان علمت اربابھا ولا لبیت المال بل یصرفونھا فیما لا ینبغی ذکرہ فلیکن ھذا علی ذکر منک اھ قلت والفاعل لھذا اعمر وابن عمرو (رد المحتار ص ۳۱۴ ج ۴)

تحریر المقال ———— ۱۰

⑤ قاله العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالی فی حاشیته علی الدر (ص۱۴ ج۳)

⑥ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید رحمه الله تعالی قال المصنف وسمعت من ثقة ان التعزیر بأخذ المال ان رأی القاضی او الوالی جاز ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال (خلاصة الفتاوی ص۳۴۲ ج۴)

⑦ قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالی وعن ابی یوسف رحمه الله تعالی یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الائمة الثلاثة رحمهم الله تعالی لا یجوز وما فی الخلاصة سمعت من ثقة ان التعزیر بأخذ المال ان رأی القاضی ذلک او الوالی جاز ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذلک من المشایخ کقول ابی یوسف رحمه الله تعالی (فتح القدیر ص۲۱۳ ج۴)

⑧ وقال الامام البابرتی رحمه الله تعالی وقد قیل روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالی ان التعزیر من السلطان بأخذ المال جائز۔

(عنایة بهامش الفتح ص۲۱۲ ج۴)

⑨ وقال العلامة الجلبی رحمه الله تعالی اقول قال الزاهدی فی شرح القدوری فی بحث التعزیر بالمال ولم یذکر کیفیة الاخذ وارٰی ان یأخذها ویمسکها فان ایس من توبتهم یصرفها الی ما یری، شط، التعزیر بأخذ المال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ اھ والمراد من قوله "شط" شرح الطحاوی (حاشیة جلبی علی العنایة بهامش الفتح ص۲۱۲ ج۴)

⑩ ونقل العلامة جلال الدین الخوارزمی رحمه الله تعالی ایضا جواز التعزیر بالمال عن ابی یوسف رحمه الله تعالی (الکفایة بهامش الفتح ص۱۱۳ ج۵)

⑪ وقال العلامة بدر الدین العینی رحمه الله تعالی عن ابی یوسف رحمه الله تعالی یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما والشافعی ومالک رحمهم الله تعالی لا یجوز بأخذ المال (البنایة ص۷۸ ج۴)

⑫ وقال العلامة ابن النجیم رحمه الله تعالی ولم یذکر محمد رحمه الله تعالی التعزیر بأخذ المال وقد قیل روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالی ان التعزیر

من السلطان بأخذ المال جائز كذا في الظهيرية. وفي الخلاصة سمعت عن ثقة ان التعزير بأخذ المال ان رأى القاضي ذلك او الوالي جاز ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال اه. وافاد في البزازية ان معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه لا ان يأخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي. وفي المجتبى لم يذكر كيفية الاخذ وارى ان يأخذها فيمسكها فان أيس من توبته يصرفها الى ما يرى. وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ اه. والحاصل ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال (البحر ص ۴۱ ج ۵)

(۱۳) وقال الامام الزيلعي رحمه الله تعالى وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى ان التعزير بأخذ الاموال جائز للامام. (تبيين الحقائق ص ۲۰۸ ج ۳)

(۱۴) وقال العلامة الشلبي رحمه الله تعالى (قوله وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى ان التعزير بأخذ الاموال جائز للامام) وعندهما والشافعي ومالك واحمد لا يجوز بأخذ المال اه كاكي وفتح. ثم نقل ما مر من كلام ابن الهمام رحمه الله تعالى.
(حاشية الشلبي بهامش التبيين ص ۲۰۸ ج ۳)

(۱۵) وقال الامام الكردري رحمه الله تعالى والتعزير بأخذ المال ان المصلحة فيه جائز. قال مولانا خاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين يعني الخوارزمي رحمه الله تعالى معناه ان نأخذ ماله ونودعه فاذا تاب نرده عليه كما عرف في خيول البغاة وسلاحهم وصوبه الامام ظهير الدين التمرتاشي الخوارزمي قالوا ومن جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال.
(البزازية بهامش الهندية ص ۴۲۳ ج ۶)

(۱۶) وفي الهندية وعند ابي يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الائمة الثلاثة رحمهم الله تعالى لا يجوز كذا في فتح القدير ثم نقل عن البحر معزيا الى البزازية معنى التعزير بأخذ المال كما مر عنها (هندية ص ۱۶۷ ج ۲)

(۱۷) وافتی العلامۃ المفتی عبد القادر الافندی رحمہ اللہ تعالیٰ بمافی البزازیۃ (واقعات المفتین ص ۵۹)

(۱۸) ونقل العلامۃ عبد الرحمٰن الشہیر بشیخ زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ عن البحر ما نصہ ان المذہب عدم التعزیر باخذ المال، ثم قال لکن فی الخلاصۃ سمعت عن ثقۃ ان التعزیر باخذ المال ان رأی القاضی ذلک او الوالی جاز ومن جملۃ ذلک رجل لا یحضر الجماعۃ یجوز تعزیرہ باخذ المال والمراد کیفیۃ الاخذ وارٰی ان یاخذہ فیمسکہ مدۃ للزجر ثم یعیدہ لا ان یاخذہ لنفسہ او لبیت المال فان ایس من توبتہ یصرفہ الی ما یریٰ (مجمع الانہر ص ۶۱۱ ج ۱)

(۱۹) وقال العلامۃ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز للسلطان ان یعزر بالمال وقال ابو حنیفۃ ومالک والشافعی واحمد رحمہم اللہ تعالیٰ لا یجوز (شرح النقایۃ ص ۳۹۷ ج ۲)

(۲۰) وقال العلامۃ المفتی محمد جعفر السندی رحمہ اللہ تعالیٰ ولم یذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ التعزیر باخذ المال وقد قیل روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان التعزیر من السلطان باخذ المال جائز فی المحیط وقد روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ الزجر والتعزیر من السلطان باخذ المال جائز ان رأی المصلحۃ ولکن اجاز القاضی لانہ کالوالی وفی معنی اولی الامر الامام والقاضی والمحتسب وقیل لا یجوز الا للسلطان، فی الخلاصۃ والغایۃ التعزیر باخذ المال ان رأی القاضی او الوالی جاز من جملۃ ذلک من لا یحضر الجماعۃ یجوز التعزیر باخذ المال اتفق الا ان روایۃ جواز التعزیر باخذ المال ینبغی ان لا یطلع علیہا اہل زماننا لانہم بعد الاطلاع قد یجاوزون حد الاخذ بالحق الی التعدی بالباطل فی الانوار فی مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز التعزیر بالصلب الی قولہ لا یجوز باخذ اللحیۃ ولا باخذ المال (المتانۃ ص ۵۳۰)

(۲۱) وقال صاحب معین الحکام یجوز التعزیر باخذ المال وھو مذہب ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ قال مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ومن قال ان العقوبۃ المالیۃ منسوخۃ فقد غلط علی مذاہب الائمۃ رحمہم اللہ تعالیٰ نقلا

واسن لانه ليس لمجتهد دعوى نسخها لفعل الخلفاء الراشدين واكابر الصحابة رضي الله تعالى عنهم لها بعد موته صلى الله عليه وسلم فبطل أن تكون منسوخة والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا اجماع يصحح دعواهم الا ان يقول احدهم مذهب اصحابنا لا يجوز فمذهب اصحابه عنده عيار على القبول والرد (معين الحكام ص ۲۳۱)

(۲) ونقل ابن الشحنة رحمه الله تعالى عن الخلاصة ما ذكرنا من نصها (لسان الحكام بهامش معين الحكام ص ۱۹۰)

الفقه المالكی:

(۱) قال امام المالكية الشهير بالحطاب رحمه الله تعالى ومن يحمى قاطع الطريق او سارقا ونحو ذلك فان من يحميه ويمنعه عاص لله تعالى وتجب عقوبته حتى يحضره ان كان عنده وينزجر عن ذلك الا ان يكون احضاره الى من يظلمه ويأخذ ماله او يتجاوز فيه ما امر به شرعا فهذا لا يحضره ولكن يتخلى منه ويرتفع عن حمايته والذب عنه (مواهب الجليل ص ۳۲۲ ج ۶)

(۲) وكذا نقل الامام العلامة الهمام شيخ الشيوخ محمد بن احمد الرهونی المالكی رحمه الله تعالى عن المسائل الملقوطة (حاشية الرهونی على شرح الزرقانی لمتن خليل ص ۱۶۲ ج ۸)

(۳) وقال العلامة الدسوقی المالكی رحمه الله تعالى ولا يجوز التعزير بأخذ المال اجماعا وما روى عن الامام ابی يوسف صاحب ابی حنيفة رحمهما الله تعالى من انه جوز للسلطان التعزير بأخذ المال فمعناه كما قال البزازی من ائمة الحنفية ان يمسك المال عنده مدة لينزجر ثم يعيده اليه لا انه يأخذه لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز اخذ مال مسلم بغير سبب شرعی ای كشراء او هبة (حاشية الدسوقی على الشرح الكبير ص ۳۵۵ ج ۴)

(۴) وقال العلامة احمد بن محمد الصاوی المالكی رحمه الله تعالى اما التعزير بأخذ المال فلا يجوز اجماعا وما روى عن الامام ابی يوسف صاحب ابی حنيفة رحمهما الله تعالى من جواز التعزير للسلطان بأخذ المال فمعناه كما قال البزازی

من ائمة الحنفية ان يمسك المال عنده مدة لينزجر ثم يعيده اليه الى آخر ما فى حاشية الدسوقى ثم قال وفى نظم العمليات ؎

لم تجز عقوبة بالمال ۔ اوفيه عن قول من الاقوال

(حاشية الصاوى على الشرح الصغير ص ۳۳۳ ج ۴)

الفقه الشافعى:

① قال العلامة النووى الشافعى رحمه الله تعالى ويحرم حلق لحيته و اخذ ماله (تكملة المجموع ص ۱۲۵ ج ۲۰)

② وقال العارف بالله الامام الشروانى الشافعى رحمه الله تعالى ولا يجوز على الجديد بأخذ المال (حواشى الشروانى ص ۱۷۹ ج ۹)

③ وقال ابو الضياء على بن على القاهرى الشافعى رحمه الله تعالى قال سم على منهج ولا يجوز على الجديد بأخذ المال برماوى

(حاشية ابى الضياء على نهاية المحتاج ص ۱۹ ج ۸)

الفقه الحنبلى:

① قال العلامة ابن قدامة الحنبلى رحمه الله تعالى والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ولا يجوز قطع شئ منه ولا جرحه ولا اخذ ماله لان الشرع لم يرد بشئ من ذلك عن احد يقتدى به ولان الواجب ادب و التأديب لا يكون بالاتلاف (المغنى لابن قدامة ص ۱۷۸ ج ۹)

② وقال الامام برهان الدين ابراهيم بن محمد الحنبلى رحمه الله تعالى تنبيه: التعزير يكون بضرب وحبس وتوبيخ وقيل فى حق الله تعالى وحده ولا يقطع عضوا ولا يجرحه ولا يأخذ ماله الخ (المبدع شرح المقنع ص ۱۰۳ ج ۹)

③ وقال شيخ الاسلام موسى الحجاوى المقدسى الحنبلى رحمه الله تعالى ولا يجوز قطع شئ منه ولا جرحه ولا اخذ شئ من ماله، قال الشيخ وقد يكون التعزير بالنيل من عرضه مثل ان يقال له يا ظالم يا معتدى وباقامته من المجلس وقال التعزير بالمال سائغ اتلافا واخذا وقول ابى محمد المقدسى لا يجوز اخذ ماله منه الى ما يفعله الحكام الظلمة (الاقناع ص ۲۷۰ ج ۴)

④ وقال فقیہ الحنابلۃ الشیخ منصور البہوتی رحمہ اللہ تعالیٰ (ولا یجوز قطع شیء منہ) ای ممن وجب علیہ التعزیر (ولا جرحہ ولا اخذ شیء من مالہ) لان الشرع لم یرد بشیء من ذلک عن احد یقتدی بہ ولان الواجب ادب والادب لا یکون بالاتلاف (قال الشیخ وقد یکون التعزیر بالنیل من عرضہ مثل ان یقال لہ یا ظالم یا معتدی) (وقد یکون التعزیر باقامتہ من المجلس وقال التعزیر بالمال سائغ اتلافا واخذا) (وقول) الموفق (ابی محمد المقدسی لا یجوز اخذ مالہ منہ الی مایفعلہ الحکام الظلمۃ) (کشاف القناع عن متن الاقناع ص۱۲۷ ج۶)

مذکورہ بالا روایات وعبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:۔

① تعزیر باخذ المال نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ وصحیحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

② اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے۔

③ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے منسوخ قرار دیا ہے۔

④ صحیح بخاری کی حدیث متعلق احراق بیوت کے جوابات:

① منسوخ ہے۔

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسخ کے علاوہ یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہاں تغییر منکر احراق بیوت پر موقوف تھی، بندہ کے نزدیک یہی جواب صحیح ہے، اس کی تفصیل آگے عنوان "تعزیر فی المال" کے تحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⑤ حدیث احراق متاع الغال کے جوابات:

① منسوخ ہے۔

② ضعیف وغیر ثابت ہے۔

③ نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ واصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے۔

⑥ مانع زکوٰۃ کا نصف مال لینے کی حدیث کے جوابات:

① منسوخ ہے۔

② راوی سے غلطی ہوئی ہے؛

③ مؤول ہے،

④ نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ و اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے،

⑤ ابن حزم قائل جواز ہیں، ان کا استدلال متعدد احادیث اور حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالی عنہما کے عمل سے ہے،

جمہور کے نزدیک یہ احادیث منسوخ ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت منقطع ہونے کے علاوہ کئی وجوہ سے معلول ہے،

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے جرمانہ نہیں دلایا تھا، بلکہ ضائع کردہ اونٹ کی قیمت سے زائد صرف ان کی سامان کے بدلے میں دلایا تھا جو اونٹ پر لاد رکھا تھا (اعلاء السنن)

حسب تصریح ابن حزم یہ اونٹ محرم کا تھا، اس زمانہ میں حجاج عموماً اپنا سامان اونٹ پر ہی رکھتے تھے، اس لئے یہ اس توجیہ کا قرینہ قویہ ہے، اس پر محمول کرنا اس لئے بھی لازم ہو کہ بدون اس کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے اس فیصلہ کی تصحیح ناممکن ہے، اس لئے کہ یہ تضمین کے اصول شرعیہ کے خلاف ہے، اسی لئے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالی میں سے کسی نے بھی اس کے ظاہر کے مطابق قول نہیں کیا۔

⑧ تفصیل مذاہب اربعہ

حنفیہ:

① ظاہر مذہب عدم جواز ہے، اور یہی مفتی بہ ہے (علائیہ، شامیہ، طحطاوی، بحر، مجمع وغیرہا)

② حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی سے روایت جواز منقول ہے، اس کے جوابات یہ ہیں:

① علامہ شامی و دیگر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالی نے اسے روایت ضعیفہ قرار دیا ہے، اکثر کتب میں یہ روایت صیغۂ تمریض "قیل" سے مروی ہے،

② اس روایت ضعیفہ کا مطلب یہ ہے کہ یمسکہا مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الیہ الحاکم (بزازیہ، بحر، شامیہ، مجمع وغیرہا)

بعض کتب میں "ان لم یتب صرفہ الی ما یری" تحریر ہے، یہ کئی وجوہ

سے باطل ہے :-

(۱) یہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں بلکہ صاحب مجتبیٰ کی ذاتی رائے ہے، کما یتضح من قولہ رأی ان یاخذ ہا الخ، حاشیہ چلپی میں اس موقع پر زاہدی سے بھی صاحب مجتبیٰ ہی مراد ہیں، علائیہ میں اس عبارت کی نسبت بحوالہ بحر بزازیہ کی طرف کی گئی ہے یہ تسامح ہے، کیونکہ بحر میں بھی اسے مجتبیٰ ہی سے نقل کیا ہے، بزازیہ کی عبارت ثم بعید، لہ پر ختم ہو جاتی ہے، الغرض یہ زاہدی کی اپنی ذاتی رائے ہے، زاہدی معتزلی ہے، اور نقل مذہب میں اس کا تفرد مردود ہے، کما صرح ابن وھبان وغیرہ ان الزاھدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع وتصانیفہ غیر معتبرۃ مالم یوجد مطابقتہا لغیرہا (الفوائد البہیۃ ص ۲۱۳) جب نقل مذہب میں زاہدی کا تفرد مردود ہے تو ذاتی رائے میں تفرد بطریق اولیٰ مردود ہوگا،

(۲) اگر زاہدی کو کسی دوسرے فقیہ کی حمایت حاصل ہو جائے تو بھی یہ اصول شریعہ کے خلاف ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ ،

(۳) مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح لا ان یاخذہ لنفسہ ولا لبیت المال کے خلاف ہے، جب سب سے بہتر مصرف بیت المال کی نفی اہل مذہب نے صراحۃً فرمادی ہے تو مصرف الی ما یریٰ کیسے درست ہو سکتا ہے!

اصول شریعہ کے مطابق صحیح صورت یہ ہے کہ یہ مال حاکم کے پاس بطور امانت رہے، اگر مجرم نے موت تک توبہ نہ کی تو اسے اس کے ترکہ میں شامل کر دیا جائے،

④ اوپر مسئلہ میں اس روایت ضعیفہ کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے اس پر بھی فتویٰ دینا ظلم کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، (طحطاوی، بحر، شامیہ، شرنبلالیہ، شرح الوہبانیہ، مشانۃ)۔

④ صرف خلاصۃ الفتاوی میں جواز بلا تفصیل منقول ہے، اس کے جوابات یہ ہیں :-

① اس میں ہے سمعت من ثقۃ، قائل مجہول ہے،

③ اس کی بناء وہی روایت ضعیفہ ہے جس کا مطلب او پر بیان ہو چکا ہے۔
(فتح القدیر، حاشیۃ الشلبی)

④ خانیہ میں جو از بلا تفصیل کی نسبت خانیہ کی طرف بھی کی ہے، اس کے جوابات یہ ہیں:
① یہاں دار الافتاء کے علماء نے خانیہ میں بہت تلاش کیا مگر انہیں اس میں یہ جزئیہ نہیں ملا۔
② دوسری کتب متداولہ میں سے کسی میں بھی خانیہ سے نقل نہیں کیا گیا۔
③ اگر خانیہ میں کہیں اس کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو فتح القدیر و حاشیۃ الشلبی کی تحریر مذکور کے مطابق یہ بھی اسی روایت ضعیفہ پر مبنی ہوگا۔

⑤ بزازیہ کی تحریر بھی اسی روایت ضعیفہ پر مبنی ہے (فتح القدیر، حاشیۃ الشلبی)
مزید برآں اس میں امام بزازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت ضعیفہ کے مطلب کی بھی وضاحت فرمادی ہے، بقولہ یمسکها مدۃ لینزجر ثم یعیدہا الحاکم الیہ۔

⑥ علائیہ و شامیہ میں عمال بیت المال کے لئے مصادرۃ السلطان کی بحث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت تعزیر عمال کے جوابات یہ ہیں:
① یہ تعزیر نہیں تضمین ہے۔
② اگر اسے مجازاً تعزیر کہا بھی جائے تو تعزیر بمال نہیں بلکہ تعزیر فی المال ہے جس کی تفصیل آیندہ عنوان "تعزیر فی المال" کے تحت آرہی ہے۔
③ یہ تضمین ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز ہے، مع ہذا فساد حکام کی وجہ سے اس پر فتویٰ دینا جائز نہیں (شامیہ، بحر، طحطاوی)

⑦ صاحب معین الحکام کا خیال باطل نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ و اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ خروج عن المذہب بھی ہے جو کہ حرام ہے، علاوہ ازیں جمہور محدثین و فقہاء و ائمہ مذہب رحمہم اللہ تعالیٰ پر ایسی شدید تنقید بالخصوص مقلد ہو کر اپنے ہی امام کے بارے میں ایسی زبان درازی ناقابل تاویل لعنت اور ناقابل معذرت گستاخی ہے۔
ان کے دلائل مع جواب آگے عنوان "تعزیر فی المال" کے تحت آرہے ہیں۔

مالکیہ:

① عام محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے متقدمین

سے بلا تردد عدم جواز نقل فرمایا ہے،

③ عسقلانی وعینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جواز کی نسبت مالکیہ کی ایک جماعت کی طرف کی ہے، (فتح وعمدۃ) عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بصیغۂ تمریض خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت کی ہے، (عمدۃ) مگر کتب مالکیہ میں سے مدونہ، بدایۃ المجتہد، المنتقی، مواہب الجلیل، شرح منح الجلیل میں قول جواز نہیں مل سکا، بلکہ تعزیر باخذ المال کو مواہب الجلیل اور حاشیۃ الامام الرہونی میں ظلم قرار دیا ہے، اور حاشیۃ الدسوقی وحاشیۃ الصاوی میں عدم جواز پر اجماع کی صراحت موجود ہے، لہٰذا شارحین حدیث کی اس نقل کے بارے میں امور ذیل پیش کئے جاسکتے ہیں:

① یہ نسبت ہی صحیح نہیں،

② نسبت تو صحیح ہے مگر اہل مذہب کے نزدیک یہ قول مرجوح ہے،

③ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کو اعتراف ہے کہ الفقہاء اعلم بہ ونحن صیادلۃ اس لئے نقل مذاہب واستنباط مسائل میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ہی کی تحقیق معتبر ہوگی، وان لکل فن رجالا،

④ ممکن ہے کہ یہ نسبت تعزیر فی المال سے متعلق ہو بظاہر اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شارحین حدیث نے اسکا ذکر حدیث ثم احرق علیہم بیوتہم کی شرح میں فرمایا ہے اور اس حدیث کا تعلق تعزیر باخذ المال سے نہیں بلکہ تعزیر فی الاموال سے ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے،

④ کتب مالکیہ میں سے "حاشیۃ العدوی علی الخرشی" کی عبارت ویکون التعزیر بالنفی فیمن یزور الوثائق وبالمال کاخذ اجرۃ العون من المطلوب الظالم سے مذہب مالکی میں شبہ نہ ہو کیونکہ یہ درحقیقت تضمین ہے، اسے مجازاً تعزیر کہا گیا ہے، ولفظۃ اجرۃ فی التمثیل یدل علی کونہ تضمینا لا تعزیرا فانہم لم یعدوا فی التعزیر شیئا نعم لو اخذ مع الاجرۃ شیئا لکان تعزیرا، وھذا التضمین لوجود التسبیب کما فی کتب الحنفیۃ من وجوب الضمان علی الساعی الی السلطان بمن یدفع عادۃ السلطان الاغرام البتۃ (رد المحتار، المجمع، الدر المنتقی)

ولم یستدل نقیہ علی جواز التعزیر بالمال بمسألۃ وجوب الضمان،

شافعیہ:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بعض احادیث کی بناء پر قائل جواز تھے، مگر جب ان احادیث کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا تو جواز سے رجوع فرمالیا، وهذا فی کتبهم مزبور وفی مذاهبهم مشهور۔

حنابلہ:

① عام محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مذہب حنابلہ عدم جواز نقل فرماتے ہیں، کتب حنابلہ میں سے بھی "المغنی لابن قدامۃ" اور "المبدع" میں عدم جواز مصرح ہے۔

② "الاقناع" میں اصل مذہب "عدم جواز" کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول جواز تعزیر ہے، جو کئی وجوہ سے ناقابل قبول ہے:

① عدم جواز بطور مذہب نقل کیا گیا ہے، اصل مذہب کے مخالف اقوال بتصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مرجوح بلکہ معدوم شمار ہوتے ہیں۔

② عدم جواز کو بدون نسبت اور قول جواز کو قائل کی طرف منسوب کرنا نیز عدم جواز کو پہلے ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ قول جواز قابل قبول نہیں، مقدمۂ اقناع میں ماتن کی یہ تصریح ربما عزوت حکما الی قائله خروجا من تبعته اس کی واضح دلیل ہے:
فذکره الماتن تضعیفا له لئلا یغتر به احد۔

③ بالفرض دونوں قول نقل کے اعتبار سے مساوی تسلیم کر لیے جائیں تو بھی قول عدم جواز شرح اقناع کشاف القناع و دیگر کتب حنابلہ میں مدلل ہے، اور شارح اقناع کے ہاں بلکہ اصول حنابلہ کے مطابق قول مدلل راجح ہوتا ہے۔

(مقدمہ کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۲ ج ۱)

④ اقناع میں حسب تصریح ماتن "الشیخ" سے ابن تیمیہ مراد ہیں جن کی تقلید پر اجتہاد غالب ہے، لہٰذا ان کے قول کو مذہب قرار دینا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں۔

⑤ یہ قول امام حنابلہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی صراحت کے خلاف ہے، مذہب حنبلی میں ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر فوقیت مسلم ہے۔

⑥ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول لا یجوز کی تاویل الی ما یفعله الحکام الظلمۃ خود ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیل لان

الشیٔ المعہود بشیٔ من ذلک عن احد یقتدی بہ کے خلاف ہے، فهو توجیه القول بما لا یرضی به قائله،

⑤ اگر اس توجیہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بھی عدم جواز ہی کو ترجیح ہوگی کیونکہ ظلم حکام میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے،

③ تعزیر بالمال کی بحث میں متعدد شارحین حدیث نے یہ جملہ بھی تحریر فرمایا ہے ولم یثبت عن احمد بشیٔ من ذلک والعمل به، مگر کسی نے بشیٔ کی تعیین نہیں فرمائی، چونکہ کتب حنابلہ میں عدم جواز مصرح ہے اور عام فقہاء حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ عدم جواز ہی کے قائل ہیں اس لئے یہاں بھی وہی امور پیش کئے جاسکتے ہیں جو مالکیہ کی طرف نسبت جواز میں پیش کئے گئے ہیں،

علاوہ ازیں اقرب الی القیاس یہی ہے کہ یہ جملہ تعزیر فی المال سے متعلق ہے، اور ان حضرات کو تعزیر بالمال و فی المال میں التباس ہوا ہے، حالانکہ دونوں میں بہت فرق ہے، کما سنحققه ان شاء الله تعالیٰ،

غرضیکہ تعزیر بالمال باتفاق ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ ناجائز ہے،

تعزیر فی المال:

اب ایسی روایات و عبارات درج کی جاتی ہیں جن سے جواز کا شبہ ہو سکتا ہے، بلکہ بعض نے اشتباہ کی وجہ سے ان سے استدلال بھی کیا ہے، حالانکہ ان عبارات کا تعزیر بالمال سے کوئی تعلق نہیں،

① حدیث صحیح بخاری متعلق احراق بیوت اور اس کی شرح میں شارحین حدیث کی وہ عبارات جو آغاز بحث میں گزر چکی ہیں،

شارحین حدیث نے اسے تعزیر بالمال میں داخل کرکے منسوخ قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسخ کے علاوہ یہ جواب بھی دیا ہے کہ تغییر منکر اس پر موقوف تھی، یعنی یہ تعزیر بالمال نہیں بلکہ تعزیر فی المال ہے، وسیاتی توضیحه،

② قال العلامة العلائی رحمه الله تعالیٰ فی شرح الوهبانیة ویکون بالنفی عن البلد وبالهجوم علی بیت المفسدین وبالاخراج من الدار وبهدمها وکسر دنان الخمر وان ملحوها ولم ینقل احراق بیته،

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ (قوله وبالهجوم الخ) فی المنتقی واذا سمع فی داره صوت المزامیر فادخل علیه لانه لما اسمع الصوت فقد

اسقط حرمة داره، وفي حدود البزازية وغصب النهاية وجنايات الدراية ذكر الصدر الشهيد رحمه الله تعالى عن اصحابنا انه يهدم البيت على من اعتاد الفسق وانواع الفساد في داره حتى لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين وهجم عمر رضي الله تعالى عنه على نائحة في منزلها وضربها بالدرة حتى سقط خمارها فقيل له فيه فقال لا حرمة لها بعد اشتغالها بالمحرم والتحقت بالاماء، وروي ان الفقيه ابا بكر البلخي خرج الى الرستاق وكانت النساء على شط النهر كاشفات الرؤس والذراع فقيل له كيف فعلت هذا؟ فقال لا حرمة لهن انما الشك في ايمانهن كأنهن حربيات وهكذا في جنايات مجمع الفتاوى، وذكر في كراهية البزازية عن الواقعات الحسامية ويقدم ايلاء العدل من مظهر الفسق بداره فان كف فبها والا حبسه الامام او ادبه اسواطا او ازعجه من داره اذ الكل يصلح تعزيرا وعن عمر رضي الله تعالى عنه انه احرق بيت الخمار وعن الصفار الزاهدي الامر بتخريب دار الفاسق (قوله وان ملحوها) اي تكسر وان قال اصحابها نلقي فيها ملحا لاجل تخليلها، وفي كراهية البزازية قال في العيون وفتاوى النسفي انه يكسر دنان الخمر ولا يضمن الكاسر ولا يكتفي بالقاء الملح وكذا امر اراقة خمور اهل الذمة وكسر دنانها وشق زقاقها ان كانوا اظهروها بين المسلمين لا يضمن لانهم لما اظهروها بيننا فقد اسقطوا حرمتها، وفي سير العيون يضمن الا اذا كان اماما يرى ذلك لانه مختلف فيه وفي المسلم يضمن الزق، مسلم في منزله دن من خمر يريد اتخاذها خلا يضمن الدن عند الثاني وان لم يرد الاتخاذ لا يضمن عند الثاني، وذكر الخصاف ان الكسر لو باذن الامام لا يضمن والا يضمن واصله فيمن كسر بربطا لمسلم والفتوى على قولهما في عدم الضمان اهـ (قوله ولم ينقل احراق بيته) تقدم نقله عن عمر رضي الله تعالى عنه في بيت الخمار فالمراد انه لم ينقل عن مشايخنا لكن ما مر عن الصفار يفيد. (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۳)

③ وكذا قال الامام الكردري رحمه الله تعالى (بزازية بهامش الهندية ص [illegible])

④ وقال العلامة العلائي رحمه الله تعالى وقالا لا يضمن ولا يصح بيعها (اي المعازف) وعليه الفتوى، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى

(قوله وما لا الخ) هذا الاختلاف فی الضمان دون اباحة اتلاف المعازف (ای یباح اتلاف المعازف من غیر خلاف) وفیما یصلح لعمل آخر والا لم یضمن شیئا اتفاقا وفیما اذا فعل بلا اذن الامام والا لم یضمن اتفاقا وفی غیر عود المغنی وخابیة الخمار والا لم یضمن اتفاقا لانه لو لم یکسرها عاد لفعله القبیح

(رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۵)

⑤ وکذا قال الامام العلائی رحمه الله تعالیٰ (الدر المنتقی بهامش المجمع ص ۲۳۶ ج ۲)

⑥ وقال العلامة عبد الرحمن المعروف بشیخ زاده رحمه الله تعالیٰ حتی ذکر الصدر الشهید ان البیت یهدم علی من اعتاد الفسق وانواع الفساد وانه لا بأس بالهجوم علی بیت المفسدین باراقة العصیر قبل ان یشتد علی من اعتاد الفسق (مجمع الانهر ص ۳۷۰ ج ۲)

⑦ وقال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ قال فی المنح من اعتاد الفسق بانواع الفساد یهدم علیه بیته کذا فی الفتاوی السراجیة عن اصحابنا (وبعد سطرین) ونقل الحموی عن البرجندی انه یکون باحراق بیت الخمار والقتل سیاسة فی حق الامام للمبتدعة اھ (ابو السعود (طحطاوی علی الدر ص ۴۱۲ ج ۲)

⑧ وکذا قال العلامة ابن النجیم رحمه الله تعالیٰ فی الاشباه والنظائر (ص ۱۹۴ ج ۱)

⑨ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشید رحمه الله تعالیٰ بعد ذکر جواز احراق بیت الخمار وتخریب دار الفاسق وکسر دنان الخمر وشق زقاقها واتلاف المعازف وفی فتاوی النسفی المحتسب اذا نهی القطان عن وضع القطن علی طریق العامة فلم یمتنع فاوقد المحتسب النار علی قطنه واحرقه یضمن الا اذا علم فسادا فی ذلک ورأی المصلحة فی احراقه (خلاصة الفتاوی ص ۳۳۲ ج ۴)

⑩ وکذا قال العلامة المخدوم محمد معظم السندی رحمه الله تعالیٰ (الثانة ص ۵۵۰ و ۵۵۳)

⑪ علامہ شامیہ میں عمال بیت المال کے لئے مصادرۃ السلطان کی بحث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعزیر عمال کی روایت (رد المحتار ص ۱۷۸ ج ۴) یہ پوری عبارت تعزیر بالمال کی بحث میں عنوان الفقہ الحنفی کے تحت ص ۱۷ میں گزر چکی ہے۔

③ وقال صاحب معین الحکام ومنها أمره علیه الصلاة والسلام بکسر دنان الخمر وشق ظروفها ومنها أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم خیبر بکسر القدور التی طبخ فیها لحم الحمر الأهلیة ثم استأذنوه فی غسلها فأذن لهم فدل علی جواز الأمرین لأن العقوبة بالکسر لم تکن واجبة ومنها تحریق عمر رضی الله تعالی عنه المکان الذی یباع فیه الخمر ومنها تحریق عمر رضی الله تعالی عنه قصر سعد بن أبی وقاص رضی الله تعالی عنه لما احتجب فیه عن الرعیة وصار یحکم فی داره، ومنها مصادرة عمر رضی الله تعالی عنه عماله بأخذ شطر أموالهم فقسمها بینهم وبین المسلمین ومنها أن عمر رضی الله تعالی عنه لما وجد مع السائل من الطعام فوق کفایته وهو یسأل أخذ ما معه وأطعمه إبل الصدقة وغیر ذلك مما یکثر تعداده وهذه قضایا صحیحة معروفة قال ابن القیم الجوزیة وأکثر هذه المسائل سائغة فی مذهب أحمد رحمه الله تعالی (معین الحکام ص ۲۰۲)

ان عبارات میں غور کرنے سے امور ذیل سامنے آتے ہیں:

① ان روایات وعبارات سے تعزیر بصورت اتلاف مال یا سلب مال خبیث ثابت ہوتی ہے، ان کا تعزیر بأخذ المال سے دور کا بھی تعلق نہیں،

② تعزیر کی یہ صورت درحقیقت تغییر منکر کے قبیل سے ہے،

③ تعزیر بالمال صرف ایسے مواقع میں جائز ہے جہاں معصیت کا تعلق مال سے ہو اور ایسا تعلق کہ اس سے حرمت مال ساقط ہو جائے یا معصیت کو مٹانا اس پر موقوف ہو،

④ عمال بیت کے لئے مصادرۂ سلطان کی بحث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت تعزیر عمال کے جوابات مذہب حنفی کی تفصیل کے تحت لکھے جا چکے ہیں کہ یہ تعزیر نہیں بلکہ تضمین ہے جو فی نفسہ جائز ہے، مع ہذا فساد احکام کی وجہ سے امام حموی، علامہ طحطاوی اور علامہ شامی رحمہم اللہ تعالی جیسے جلیل القدر فقہاء نے اس پر فتوی دینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اسے مجازاً تعزیر بأخذ المال بھی کہا جا سکتا ہے، اس میں اتلاف مال کی بجائے مال خبیث کو مستحق پر رد کیا گیا ہے،

⑤ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا سائل سے مال لینا بھی مال خبیث کو مستحق پر رد کرنا ہے،

(۹) جن صورتوں میں عقوبت فی المال جائز ہے ان میں یہ عقوبت صرف حاکم ہی دے سکتا ہے، کسی دوسرے کو اختیار نہیں۔

اشکال:

مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کا پورا مال جلانا حدیث سے ثابت ہے، حالانکہ یہ معصیت ایسی نہیں کہ جس سے اس کے پورے مال کی حرمت ساقط ہو جائے یا معصیت کا مٹانا اس پر موقوف ہو۔

اس کے مختلف جوابات ہیں:

(۱) یہ روایت محققین کے نزدیک ضعیف و ناقابل احتجاج ہے، اسی لئے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں لیا۔

قال الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یحتجون بهذا الحدیث فی احراق رحل الغال وهو باطل ورواته لا یعتمد علیهم (عسقلانی وعینی وکرمانی)

وقال العلامة السهارنفوری رحمه الله تعالیٰ ولکن الفقهاء رحمهم الله تعالیٰ لم یصححوا هذا الحدیث لانه شاذ یرویه مجهول لا یعرف ثم هو مخالف للآثار المشهورة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم الحق الوعید بکل من ظهر منه غلول ولم یشتغل باحراق رحل احد منهم ذلك حدیث مدعم وحدیث آخر (الی قوله) فهذا کله دلیل علی عظم الوزر فی الغلول وانه لیس فیه احراق الرحل لان تاخیر البیان عن وقت الحاجة لا یجوز وقال جابر رضی الله تعالیٰ عنه لیس فی الغلول قطع ولا نکال وهذا تصریح بنفی احراق الرحل (الی ان قال) والدلیل علی ضعف هذا الحدیث الوارد فیه ان الغلول فیما نری ماکان فی زمن من الازمنة اکثر منه فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم لکثرة المنافقین والاعراب الذین یغزون معهم وهم کانوا اصحاب غلول واهل المغازی لم یرووا شیئا مما فعله رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مغازیه الا رووه فلو کان احرق رحل احد لنقلوا ذلك مستفیضا وحیث لم یوجد ذلك عرفنا ان الحدیث لا اصل له (بذل المجهود ص ۲۲ ج ۵)

(۲) شرعاً تعزیر کی کوئی مقدار متعین نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ خائن کا پورا مال جلانا

پر نہیں بلکہ صرف اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جاتی تو یہ بھی کتاب الحدود کا اہم باب ہوتا، وإذ ليس فليس، قال العلامة السهارنفوري قدس سره: ثم فيه إثبات حد بحديث شاذ وإثبات ما يخالف الأصول مما يثبت مع الشبهات بمثل حديث الشاذ لا يجوز لأن ما يثبت به ما يندرئ بالشبهات (بذل المجهود ص ۲۳۳ ج ۵)

④ حنابلہ اس حدیث کے مطابق احراقِ رحل کے قائل ہیں، اُن کے ہاں اس کی توجیہ یہ ہے کہ خیانت کا سبب محبتِ مال ہے، مال جلانا اس کے ازالہ کی صورت ہے، قال العلامة ابن قدامة رحمه الله تعالى: وإنما القصد الإضرار به في شيء من دنياه (المغني ص ۲۰ ج ۹)

تنبیہ:

تعزیر بالمال کا جواز حدیث لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ کے منافی نہیں کیونکہ یہ حدیث اخذِ مال سے متعلق ہے وهذا الإحراق، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۶ھ

ارشاد القاری الی صحیح البخاری
تالیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی
یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف
موصوف نے کئی سال مسلسل "دار العلوم کراچی" میں صحیح بخاری کا درس دیا ہے
زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے
اصول تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک
منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر
مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا
جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار
کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک
دیکھی جا سکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور
بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح و رسائل میں
نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ صفحہ ۶۱) قیمت
ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل
پاکستان چوک، کراچی